تذکرہ علمائے پنجاب

(۱۲۰۱ھ ۔۔۔ ۱۴۰۰ھ)

علمائے اہل سنت(کے ساتھ ساتھ علمائے وہابی نجدی دیوبندی اہل حدیث چکڑالوی، (اہل تشیع وغیرہ کا بھی ذکر ہے

اختر راہی

مکتبہ رحمانیہ
اردو بازار ۞ لاہور
۱۴۰۱ھ
۱۹۸۱ء

300 ق کتاب الاکسیر الکبیر الحکیم مولانا محمد رودی کا تذکرہ

دیباچہ بناء — بیاض اور شیخ کا تعلق

اخبار الاولیاء ، کبیر اللہ فوٹو کی تصویر کا × ش لسان الاصفیاء

مناقب الولایت — زبدۃ الاصفیاء

زبدۃ الاصفیاء ر[illegible] فانوال نور — تذکرہ پانی پت حدیقہ الاولیاء سروری [illegible]

[illegible] السادات فی الارض — فرخ الکبری [illegible] مفتی شیر محمد نادر

سواطع الالہام دیل الوالکرم حدیقہ ملی ایحارن م ۲۳

تذکرہ اکابر اہلسنت۔

مولانا اکبر خان کی تذکیاں کا مرثیہ مولانا عظیم محمد حمید یا کوئی نے لکھی ص 86-85

تذکرہ

علمائے پنجاب

مطوع

(۱۲۰۱ھ — ۱۴۰۰ھ)

اختر راہی

مکتبۂ رحمانیہ

اردو بازار ◎ لاہور

۱۴۰۰ھ

۱۹۸۱ء

کتاب : علمائے پنجاب
تالیف : اختر راہی
طباعت : ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء (بار اوّل)
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
صفحات : ۸۶۰
قیمت :
ناشر : مقبول الرحمان، مکتبہ رحمانیہ۔ لاہور

مؤلفِ کتاب

قلمی نام : اختر راہی

نام : سفیر اختر

پیدائش : ۲۶ نومبر ۱۹۴۷ء (لوہسر شرفو۔ واہ کینٹ)

تعلیم : ایم۔اے (سیاسیات)

ایم۔اے (تاریخ)

مصروفیت : استاد شعبۂ تاریخ۔ گورنمنٹ کالج مری

تصنیفات :

۱۔ مسعود عالم ندوی (سوانح ومکاتیب) ۱۹۷۵ء

۲۔ تذکرہ مصنّفین درسِ نظامی طبع اوّل ۱۹۷۵ء

طبع دوم ۱۹۷۸ء

۳۔ اقبال۔ سیّد سلیمان ندوی کی نظر میں ۱۹۷۸ء

۴۔ تذکرہ علمائے پنجاب (۱۲۰۱ھ — ۱۴۰۰ھ) ۱۹۸۰ء

انتساب

اُن بوریا نشین علماء کے نام جنہوں نے نامساعد حالات میں دین کی شمع روشن رکھی۔

فہرست

(ش)

(ص)

(ض)

(ظ)

(ع)

(غ)

(ف)

(گ)

(ل)

(م)

عرضِ ناشر

چند ماہ بعد پندرہویں صدی ہجری کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس تاریخی موقع پر اَن گنت کتابیں شائع ہوں گی۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور نے اپنے محدود وسائل کے مطابق اس یادگار موقع پر چند کتابیں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اِس سلسلے کی پہلی کتاب "علمائے پنجاب" آپ کے ہاتھ میں ہے۔

پنجاب اِس لحاظ سے ایک محروم القسمت خطّہ ہے کہ یہاں کے اہلِ علم و نظر کا کوئی جامع تذکرہ ترتیب نہیں دیا گیا۔ جناب پروفیسر اختر راہی صاحب نے پنجاب کے علماء و مشائخ، شعراء و ادباء اور اطبّاء کا ایک جامع تذکرہ مرتّب کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ کام کافی پھیلا ہوا اور وقت طلب ہے۔ اُنہوں نے اپنے وسیع کام کا ایک حصّہ زیرِ نظر کتاب کی صورت میں اہلِ نظر کے سامنے پیش کیا ہے۔ اُمید ہے کہ اُن کی دوسری علمی و تحقیقی تالیفات کی طرح اسے بھی مقبولیّت حاصل ہوگی۔

مکتبہ رحمانیہ لاہور کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ پروفیسر صاحب موصوف کی کتاب "تذکرہ مصنّفین درسِ نظامی" بھی اس کی طرف سے شائع ہو چکی ہے اور مستقبل میں اُن کی مزید کاوشیں منصّہ شہود پر آئیں گی۔

مقبول الرحمٰن

دیباچہ

زیرِ نظر کتاب "تذکرہ علمائے پنجاب" کا دائرہ تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری پر محیط ہے اور صرف اُن علمائے کرام کے ذکر پر مشتمل ہے جو پاکستان کے صوبہ پنجاب میں پیدا ہوئے یا باہر سے آکر اس خطّے میں بس گئے اور یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

صوبہ پنجاب کی حدود میں ردّو بدل ہوتا رہا ہے۔ عام طور پر مشرق میں دریائے بیاس اور مغرب میں دریائے سندھ کے درمیانی علاقے کو "پنجاب" کہا جاتا رہا ہے۔ مغل عہدِ حکومت میں ابو الفضل نے اپنی تالیفات میں ایک صوبے کی حیثیت سے پنجاب کا ذکر کیا ہے اور اور پنجاب کو پانچ دوابوں میں منقسم کیا ہے۔

۱۔ بیت (=بست) جالندھر دواب	: بیاہ (بیاس) اور ستلج کے درمیان
۲۔ باری دوآب	: بیاس اور راوی کے درمیان
۳۔ رچنا دواب	: راوی اور چناب کے درمیان
۴۔ چنہٹ (= چج) دواب	: چناب اور بہت (= جہلم) کے درمیان
۵۔ سندھ ساگر دوآب	: جہلم اور سندھ کے درمیان

مفتی غلام سرور صاحب نے ان ہی پانچ دوابوں کی نسبت سے لکھا ہے کہ:

"پہلے اس (خطّے) کا نام پنج دوآب تھا۔ بعد میں دو کا لفظ زبان سے حذف ہو گیا اور صرف پنج آب رہ گیا۔"

بعض مؤرخین نے کانگڑہ کے پہاڑی علاقے کو بھی پنجاب میں شامل قرار دیا ہے منشی سجان رائے بٹالوی نے "خلاصۃ التواریخ" میں "صوبہ دار السلطنت لاہور" کا

حدود اربعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اس صوبے کا طول ستلج سے دریائے سندھ تک ایک سو اسی[۱۸۰] کوس اور عرض بھیرہ سے چوکھنڈی تک ستاسی[۸۷] کوس ہے۔ مشرق میں سرہند، مغرب میں ملتان، شمال میں کشمیر، جنوب میں دیپال پور۔"

بٹالوی نے "صوبہ دارالامان ملتان" کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کا حدود اربعہ یہ بتایا گیا ہے کہ:

"مشرق میں سرکار سرہند، مغرب میں کیچ مکران، شمال میں شور کوٹ جنوب میں اجمیر۔"

منوچی (جو شاہجہاں اور عالمگیر کے زمانے میں برصغیر پاکستان و ہند آیا تھا) پنجاب کو عملداری لاہور کے قائمقام قرار دے کر لکھتا ہے:

"بھکر کے نزدیک سات دریا ملتے ہیں۔ ان میں سے پانچ عملداری لاہور کے علاقوں سے نکلتے ہیں۔ ان کا منبع سری نگر اور کشمیر کے پہاڑوں میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عملداری لاہور کو پنجاب (= پانچ دریاؤں کی سرزمین) کہا جاتا ہے۔"

بعض اہلِ قلم نے پنجاب کے دریاؤں میں سندھ کو شامل کیا ہے مگر مفتی غلام سرور لاہوری اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔

سکھ دورِ اقتدار میں جہاں جہاں خالصہ حکومت قائم ہوتی گئی وہ علاقہ "پنجاب" میں شامل ہوتا گیا۔ چنانچہ اس دور میں پنجاب کا دائرہ پشاور، ڈیرہ جات، ہزارہ، کشمیر لداخ، جموں، کانگڑہ، کالو، منڈی، سکیت، بہاول پور اور کوہ سلیمان تک پھیل گیا۔

۱۸۴۹ء/ ۱۲۶۵ھ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے پنجاب کا الحاق کر کے اپنے مقبوضات[۵] کے ساتھ کیا تو قسمت دہلی، حصار اور انبالہ کو بھی پنجاب میں شامل کر کے پنجاب کی حدود میں مزید وسعت پیدا کر دی۔ قیامِ پاکستان کے وقت پنجاب مندرجہ ذیل

قسمتوں اور اضلاع پر مشتمل تھا:

۱۔ قسمت انبالہ : انبالہ، شملہ، حصار، رہتک، کرنال، گوڑگانوہ
۲۔ قسمت جالندھر : جالندھر، ہوشیارپور، کانگڑہ، فیروزپور، لدھیانہ
۳۔ قسمت لاہور : لاہور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، گورداسپور
۴۔ قسمت ملتان : ملتان، ساہیوال، لائل پور (فیصل آباد) جھنگ، مظفرگڑھ ڈیرہ غازیخاں
۵۔ قسمت راولپنڈی : راولپنڈی، جہلم، گجرات، سرگودھا، اٹک، میانوالی

قیام پاکستان کے وقت قسمت انبالہ اور قسمت جالندھر کے علاوہ شکرگڑھ چھوڑ کر پورا ضلع گورداسپور اور لاہور کی تحصیل چونیاں کا تقریباً نصف حصہ بھارت میں چلا گیا۔ باقی ماندہ علاقہ پاکستان میں شامل ہوا اور "صوبۂ پنجاب" کہلایا۔ سابق پنجاب کا جو حصہ بھارت میں چلا گیا وہ ہماچل پردیش، پنجابی صوبہ اور صوبہ ہریانہ تین صوبوں میں بٹ گیا۔

۱۹۵۵ء/۱۳۷۵ھ میں پاکستان کے چار صوبوں (پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان) اور ریاست بہاول پور کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ یکم جولائی ۱۹۷۰ء/۱۳۹۰ھ کو صوبے دوبارہ بحال کر دیئے گئے۔ آج کل صوبہ پنجاب، سابقہ صوبہ مغربی پنجاب اور سابق ریاست بہاول پور پر مشتمل ہے۔

مسلمانوں کی علمی روایت میں فنِ تذکرہ نگاری کو نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ ہر زمانے اور ہر خطے میں معاشرے کے مختلف طبقوں ــ علماء و مشائخ، امراء و شعراء، خطاطوں اور اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کے تذکرے مرتب کئے جاتے رہے ہیں۔ پنجاب کے اہلِ قلم نے بھی ایسے تذکرے ترتیب دیئے ہیں۔ علماء و مشائخ کے تذکرہ نگاروں میں پہلا بڑا نام عہدِ جہانگیر کے عالم شیخ غلام معین الدین

عبداللہ خویشگی قصوری کا ہے۔ عبداللہ خویشگی قصوری سے دو تذکرے یادگار ہیں۔

۱۔ اخبار الاولیاء من لسان الاصفیاء

یہ تذکرہ قصور کے ۱۶۲ افغان مشائخ کے حالات پر مشتمل ہے اور ۱۰۷۷ھ میں مکمل ہوا تھا تاحال زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔ اخبار الاولیاء کے حسبِ ذیل خطی نسخے معلوم ہو سکے ہیں۔

۱۔ نسخہ مملوکہ سید محمد طیب شاہ ہمدانی، قصور، مکتوبہ عبدالباقی قصوری ۱۴ ربیع الاول ۱۱۱۴ھ

۲۔ نسخہ مملوکہ نوابزادہ علی عادل خان بن نواب شہباز خان مرحوم، قصور۔ نسخہ (۱) کی نقل ہے۔

۳۔ نسخہ مملوکہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ مکتوبہ ۱۲۹۴ھ

۴۔ نسخہ مملوکہ مولوی محمد فضل خان خویشگی قصوری

قصور کے خویشگی افغانوں کی انجمن نے تذکرے کے چوتھے باب "در انساب افغاناں و سبب آمدن از بیت المقدس بہ کوہستان" کی تلخیص اپنی رودادوں میں شائع کی ہے۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے اس تذکرے پر کام شروع کیا تھا مگر وہ اپنا کام مکمل نہ کر سکے۔ ان کی یادداشتوں سے تذکرے کا ملخص ترجمہ "اولیائے قصور" کے نام سے مرتب کیا گیا جو طبع ہو چکا ہے۔ "اولیائے قصور" کے مرتب نے قصور کی تاریخ و ثقافت سے متعلق ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کی بعض دوسری یادداشتیں اور ایک انگریزی مضمون بھی شاملِ کتاب کرلیا ہے۔

سید نفیس رقم صاحب نے بھی "اخبار الاولیاء" کے مطالب کی فہرست اور تلخیص تیار کی ہے جو ماہنامہ "انوارِ مدینہ" (لاہور) کی دو اشاعتوں بابت اپریل ۱۹۷۲ء اور جولائی ۱۹۷۲ء میں طبع ہوئی ہے۔

۲۔ معارج الولایت فی مدارج الہدایت

صوفیائے کرام کا عمومی تذکرہ ہے۔ مؤلف موصوف نے مخدوم زادہ شیخ محمد بن شیخ اجمیری بدایونی کی فرمائش پر یہ تذکرہ ترتیب دیا جو ۱۰۹۴ھ میں مکمل ہوا۔ اس تذکرے میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے صوفیاء و مشائخ کا ذکر آیا ہے۔ چشتی صوفیاء کو نسبتاً زیادہ جگہ دی گئی ہے اور غالباً اس لئے کہ خود مؤلف چشتی سلسلۂ طریقت سے وابستہ تھا۔ "معارج الولایت" اپنے موضوع پر ایک کامیاب کوشش ہے تاہم "اخبار الاولیاء" کی طرح یہ بھی اشاعت کا منتظر ہے۔

معارج الولایت کے حسب ذیل خطی نسخے ملتے ہیں:

۱۔ نسخہ ذخیرہ سراج الدین آذر پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ مکتوبہ ۱۱۱۱ھ

۲۔ نسخہ ذخیرہ شیرانی۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور

۳۔ نسخہ مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ علی گڑھ مکتوبہ ۱۲۸۸ھ

۴۔ نسخہ مملوکہ لیفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید، لاہور مکتوبہ ۱۲۵۹ھ (صرف دو جزو)

عبداللہ خویشگی قصوری کے تذکرے پنجاب کی علمی و ثقافتی تاریخ کے بنیادی ماخذ ہیں مگر ان تذکروں میں صوفیاء کے سنینِ ولادت و وفات وغیرہ درج نہیں کئے گئے۔ ماہ و سال کے ذکر سے عبداللہ خویشگی اس قدر گریزاں ہیں کہ انہوں نے اپنے خود نوشت حالات میں بھی کوئی حوالہ دینا ضروری خیال نہیں کیا۔ اُن کے ہاں جن اکّا دکّا اشخاص کے سنینِ وفات آ گئے ہیں، وہ ہمیں دوسرے متداول تذکروں میں بھی مل جاتے ہیں۔

---

[۱] ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے لکھا ہے کہ انہوں نے "معارج الولایت" کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۱۱۱ھ قلعہ میہاں سنگھ میں مولانا غلام رسول قلعوی کے پوتے کے پاس دیکھا تھا۔ ذخیرۂ آذر کا نسخہ بھی ۱۱۱۱ھ کا مکتوبہ ہے غالباً یہ وہی نسخہ ہے جو ڈاکٹر صاحب نے قلعہ میہاں سنگھ میں دیکھا تھا۔

عبداللہ خویشگی قصوری کے معاصر داراشکوہ (م ۱۰۶۹ھ) نے صوفیاء کے دو تذکرے سفینۃ الاولیاء اور سکینۃ الاولیاء ترتیب دیئے تھے۔ سفینۃ الاولیاء تو صوفیاء کا عمومی تذکرہ ہے، جس میں مختلف سلاسلِ تصوّف کے اہم نامور اصحاب کے مختصر حالات قلمبند کئے گئے ہیں مگر پنجاب کے حوالے سے داراشکوہ کا تذکرہ "سکینۃ الاولیاء" اہم ہے۔ داراشکوہ نے یہ کتاب اپنے مرشد ملّا شاہ محمد بدخشانی کے پیر حضرت میاں میر (ملّا جیو) کے حالات ملفوظات، کرامات، ان کے خاندان اور خلفاء کے احوال میں لکھی ہے۔

عہدِ جہانگیری کے بعد بھی پنجاب کے اہلِ قلم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہوگا۔ مگر خطۂ پنجاب جن سیاسی حالات سے گزرتا رہا ہے۔ ان میں آبادیوں کے ساتھ کتب خانے بھی دستبرد کی نذر ہوتے رہے اور پنجاب کے علمی و ثقافتی ورثے کا ایک بڑا حصّہ ضائع ہوگیا۔

تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں مفتی غلام سرور لاہوری (م ۱۳۰۷ھ) نے پنجاب کے اہلِ علم و طریقت کے احوال و آثار کی طرف توجہ دی اور یکے بعد دیگرے تین تذکرے ترتیب دیئے۔ خزینۃ الاصفیاء (تالیف مابین ۱۲۸۰ھ – ۱۲۸۵ھ) ایک عمومی تذکرہ ہے مختلف سلاسلِ طریقت سے وابستہ صوفیاء کے حالات نسبتًا تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ مفتی صاحب نے خویشگی کے تذکرہ "معارج الولایت" سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور معارج الولایت میں سنین کی کمی کو دوسرے ذرائع سے پورا کیا ہے۔ البتہ مفتی صاحب نے کہیں اس بات کا اظہار نہیں کیا کہ انہوں نے اُن افراد کے سنین وفات کہاں سے حاصل کئے ہیں جن کے حالات "معارج الولایت" میں مذکور ہیں مگر سنینِ وفات نہیں دیئے گئے۔

مفتی صاحب نے پنجاب کے علماء و مشائخ کے احوال میں "حدیقۃ الاولیاء" (اُردو) ترتیب دیا۔ اس تذکرے میں سلطان محمود غزنوی کی آمدِ ہند سے لے کر سالِ تالیف ۱۲۹۲ھ

تک کے ۲۷۵ اہلِ علم اور اصحابِ طریقت کا ذکر ہے تاہم چند اُن صوفیار کا ذکر بھی آ گیا ہے جن کا تعلق خطۂ پنجاب سے نہیں مگر تصوّف کے سلسلوں کا تعارف اُن کے ذکرِ خیر کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

مفتی صاحب کا تیسرا تذکرہ "مدینۃ الاولیار" عمومی نوعیت کا ہے۔ مفتی صاحب نے اپنے تذکروں میں اپنے معاصرین کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مفتی صاحب نے تمام دستیاب ماخذوں کو کھنگال کر صوفیار کے حالات ترتیب دیئے ہیں۔

مفتی غلام سرور لاہوری کے بعد فقیر محمد جہلمی (م ۱۳۳۴ھ) نے علمائے احناف کا ایک جامع تذکرہ "حدائق الحنفیہ" کے نام سے مرتب کیا جو مطبع منشی نولکشور لکھنؤ سے ۱۳۰۰ھ میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ اس میں دیگر ممالکِ اسلامیہ کے ساتھ ہندوپاکستان بشمول پنجاب کے علماء کے حالات آ گئے ہیں۔ اسی زمانے میں مولوی کلیم اللہ مچھیانوی (م ۱۳۲۴ھ) نے "تذکرہ علمائے احناف" ترتیب دیا۔ جس کا واحد نسخہ بخطِ مؤلف احمد حسین احمد قریشی قلعداری کے کتب خانے کی زینت ہے۔

"حدائق الحنفیہ" اور "تذکرہ علمائے احناف" کے بعد مولوی رحمان علی (م ۱۳۲۵ھ) نے "تذکرہ علمائے ہند" (تالیف مابین ۱۳۰۵ھ — ۱۳۰۸ھ) مرتّب کیا۔ حدائق الحنفیہ، مولوی رحمان علی کے مصادر میں شامل تھا۔ تاہم برصغیر کے اس عمومی تذکرے میں پنجاب کی نمائندگی برائے نام ہے۔

۱۶-۱۳۱۵ھ میں محمد ادریس نگرامی کا "تطبیب الاخوان بذکر علماء الزمان المعروف بہ تذکرہ علمائے حال" طبع ہوا جس میں مؤلف نے اپنے معاصر علماء کے تراجم لکھے ہیں۔ یہ تذکرہ سرسری معلومات دیتا ہے اور اس میں زیادہ تر تحریکِ ندوۃ العلماء سے وابستہ علماء ہی کا ذکر ہے۔ پنجاب کے اہلِ علم کا ذکر برائے بیت ہے۔

ماضی قریب میں حکیم سیّد عبد الحیٔ رائے بریلوی (م ۱۳۴۱ھ) نے برصغیر پاک وہند

کے اہلِ علم ودانش کا جامع تذکرہ ”نزہت الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر“ کے نام سے آٹھ جلدوں میں مرتّب کیا۔ اس تذکرے میں پہلے تذکروں کی نسبت پنجاب کے لئے چند صفحات زیادہ مخصوص کئے گئے ہیں تاہم پنجاب کی نمائندگی محدود ہے۔

علمائے شیعہ کے عمومی تذکروں۔ نجوم السمار اور تذکرہ بے بہا میں بھی پنجاب کو نظرانداز ہی کیا گیا ہے۔ برصغیر کی حد تک علامہ بزرگ طہرانی نے ”الذریعہ“ میں ان ہی تذکروں پر اعتماد کیا ہے۔ چنانچہ پنجاب کے شیعہ علمار کو کسی بھی تذکرے میں زیادہ جگہ نہیں مل سکی۔ حال ہی میں مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے برّصغیر کے علمائے شیعہ کا جامع تذکرہ ”مطلع الانوار“ ترتیب دیا ہے جس میں پنجاب کی نسبتاً زیادہ نمائندگی ہے۔

مذکورہ بالا تذکروں کے علاوہ پنجاب کے صوفیار کے احوال اور کرامات یا ملفوظات کے حوالے سے جو کتابیں ترتیب دی گئی ہیں۔ ان میں ”فنِ تذکرہ نگاری“ کے اعتبار سے سوانحی معلومات مہیا نہیں کی گئیں۔ تاہم صوفیار اور خانقاہوں سے وابستہ علمار کا ذکر آیا ہے پنجاب کے چشتی اور نقشبندی صوفیار و علمار کے حالات و آثار پر قابلِ ذکر مواد ملتا ہے۔ خواجہ نور محمد مہاروی اور اُن کے خلفار کی خانقاہوں سے وابستہ حضرات کے حالات نسبتاً زیادہ آسانی سے بہم ہو جاتے ہیں۔ جناب اعجاز الحق قدوسی نے پنجاب کے چیدہ چیدہ نامور صوفیار کے حالات ”صوفیائے پنجاب“ کے نام سے لکھے ہیں۔

تصوّف کے عمومی مسائل پر لکھی گئی کتابوں میں بھی اکّادکّا مرتّبین نے اپنے آباؤ اجداد، اساتذہ اور ہم مشرب احباب کے حالات لکھے ہیں تاہم ان کتابوں کو ”تذکروں“ میں محسوب نہیں کیا جاسکتا۔

تاریخِ پنجاب پر لکھی گئی کتابوں میں بھی علمار و مشائخ کے احوال قلمبند ہوئے ہیں۔ نواب سرفراز خان پسر نواب مظفّر خان شہید کے ذاتی منشی شیر محمد نادر نے خاندانِ مظفر شہید

کے حالات میں ایک کتاب زبدۃ الاخبار (تالیف: ۱۲۴۸ھ) مرتب کی۔ اس کے تکملے میں "دربیان معاصران نواب سعادت انتساب از ارباب مشیخت و اصحابِ فضیلت" کے تحت علماء و مشائخ کا ذکر کیا گیا ہے۔

پنجاب کے علمی مراکز میں سے "لاہور" پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ۱۲۸۱ھ میں نور احمد چشتی (م ۱۲۸۴ھ) نے "تحقیقاتِ چشتی" تصنیف کی۔ یہ کتاب لاہور کے بارے میں ایک انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں ہے۔ اس میں مختلف عمارتوں، مزاروں، مسجدوں اور نواحِ لاہور کا پوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ لاہور میں مدفون تمام معروف و غیر معروف بزرگوں کے حالات جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چشتی صاحب نے مطبوعہ روایات کے ساتھ مسموع شواہد کو نظر انداز نہیں کیا۔ اگرچہ کتاب کا یہ پہلو محلِ نظر ہے تاہم اس ذریعے سے بہت سی باتیں پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہیں۔

"تحقیقاتِ چشتی" کے بعد رائے بہادر کنہیا لال (م ۱۳۰۶ھ) نے ۱۳۰۱ھ میں "تاریخِ لاہور" لکھی۔ انہوں نے تاریخ کے علاوہ اپنے دور کے مشہور رؤساء، حکماء، اطباء و شعرا کے ساتھ علماء و مشائخ کا ذکر بھی کیا ہے۔ رائے بہادر کنہیا لال کے بعد "تاریخِ لاہور" پر قلم اُٹھانے والے سب ہی اہلِ قلم نے کسی نہ کسی شکل میں علماء و مشائخ کا ذکر کیا ہے۔

گزشتہ پندرہ بیس برسوں میں ملتان، جھنگ، اوچ، بھیرہ، شیخوپورہ، سیالکوٹ اور گجرات جیسے شہروں کی مقامی تاریخیں قلمبند کی گئی ہیں۔ ان میں سے اکثر میں بطورِ خاص اہلِ علم و فضل کے لئے ابواب مخصوص کئے گئے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کے عمومی تذکروں اور مختلف شہروں کی مقامی تاریخوں کے ساتھ ساتھ خصوصی نوعیت کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔ خصوصی تذکروں کو واضح طور پر تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ خاندانی تذکرے

۲۔ مسلکی تذکرے

۳۔ شہر یا علاقے سے مخصوص تذکرے

اوّل الذکر قسم میں وہ تذکرے شامل ہیں جو کسی ایک خاندان کے علماء و مشائخ کے احوال و آثار پر محیط ہوں۔ اس انداز کے حسبِ ذیل تذکرے معلوم ہو سکے ہیں۔

ساہووالہ کے مولانا محمد شہنواز الدین احمد نے اپنے آبا و اجداد کا ایک شجرہ مرتّب کیا تھا۔ اُن کے برادرِ بزرگ مولانا محمد شہسوار الدین احمد نے اپنے خانوادے کے حالات اپنے دَور تک قلمبند کئے۔ بعد میں اسی خاندان کے ایک فرد مولوی غلام حسین نے ان دونوں بھائیوں کی کاوشوں کو یکجا کیا اور صنعتِ مہملہ میں ایک مقدّمے کا اضافہ کر کے "ثمرۂ شجرہ طلین" کے تاریخی نام سے مرتّب کر دیا جو پروفیسر محمد اقبال مجدّدی کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ سہ ماہی "صحیفہ" (لاہور) کی اشاعت "ادبیاتِ فارسی نمبر" (بابت اکتوبر ۱۹۷۱ء) میں طبع ہوا۔

بگہ۔ بھیرہ کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں کے علمی خانوادے نے پنجاب میں علومِ دینیہ کی تدریس میں ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ اس خانوادے کے حالات ماہنامہ "شمس الاسلام" (بھیرہ) کی خصوصی اشاعت بابت ۱۹۳۴ء میں "تذکرہ مشائخِ بگویہ" کے نام سے طبع ہوئے۔ معروف تذکرہ نگار مولانا غلام دستگیر نامی، قطبِ عالم شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی لاہوری کے اخلاف میں سے تھے۔ انہوں نے خانوادۂ جلیلہ کی خدمت اور احوال و آثار پر کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے "تاریخِ جلیلہ" زیادہ اہم ہے۔ اس میں شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی، ان کے خاندان اور خلفاء کے مستند حالات نہایت محنت اور تلاش و جستجو سے مرتّب کئے گئے ہیں۔ قصور کے ہمدانی سادات کے حالات بھی اسی خاندان کے ایک فرد ڈاکٹر سیّد عبدالرحمٰن ہمدانی نے "ہم اور ہمارے اسلاف" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ خانوادۂ نوشاہیہ کے گل سر سبد مولانا شرافت نوشاہی نے حضرت

نوشہ گنج بخش اور اُن کے احلاف وخلفار کے بارے میں تذکرہ نوشہ گنج بخش، اذکارِ نوشاہیہ اور شریف التوارسخ جیسی کتابیں تالیف کی ہیں۔ شریف التوارسخ میں مؤلف نے اپنے خاندان کے حوالے سے معاصر علماء و مشائخ، شعراء واطباء اور دوسرے لوگوں کے حالات بھی تفصیل سے لکھ ڈالے ہیں۔ ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی اس کتاب کی پہلی جلد حال ہی میں منظرِ عام پر آئی ہے۔

دوسری قسم کے تذکروں میں وہ تذکرے شامل ہیں جو کسی خاص مسلک یا فرقہ سے وابستہ اہلِ علم کے لئے مخصوص ہیں۔ مولانا غلام مہر علی نے علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی عربی تالیف "الثورۃ الھندیہ" کی شرح "الیواقیت المہریہ" لکھتے ہوئے حواشی میں علماء کے تراجم لکھے ہیں۔ مولانا غلام مہر علی، مولانا احمد رضا خان بریلوی کے عقیدت مندوں میں سے ہیں اور اُنہوں نے ان ہی "مشاہیر مشائخ الدہر" اور "افاضل العصر" کو اپنے ہاں جگہ دی ہے جو ان کا اندازِ فکر رکھتے ہیں۔ مسلکِ اہلِ حدیث اور دارالعلوم دیوبند سے تعلّق والے اہلِ علم کے بارے میں ان کا اندازِ بیان بھی مناسب نہیں۔

مولانا غلام مہر علی کے طرز پر جناب عبدالحکیم شرف قادری نے برصغیر کی سطح پر "اکابر اہلسنّت" کا تذکرہ ترتیب دیا ہے جس کی ایک جلد منظرِ عام پر آئی ہے۔ اِس تذکرے میں پنجاب کے اہلِ علم و دانش کو معقول نمائندگی دی گئی ہے تاہم جناب شرف نے "اہلِ سنت" کا دائرہ اس قدر تنگ کر دیا ہے کہ اس میں دارالعلوم دیوبند کے منتسبین یا اہل حدیث شامل نہیں ہو سکے۔ "الیواقیت المہریہ" اور "تذکرہ اکابر اہلسنت" تذکروں سے زیادہ مسلکی کتب بن کر رہ گئے ہیں جن میں ایک حد تک تلاش و تفحّص تو موجود ہے مگر بعض سچائیوں کو اس لئے حذف کر دیا گیا ہے کہ وہ حزبی یا مسلکی اعتبار سے "نقصان دہ" تھیں۔

پنجاب کے تذکرہ نگاروں میں ابو یحییٰ امام خان نوشہروی کا نام بہت نمایاں ہے۔ موصوف نے برصغیر کے اہل حدیث علماء کا تذکرہ مرتب کیا تھا۔ اس کی پہلی جلد "تراجم

علمائے حدیثِ ہند" کے نام سے طبع ہوئی۔ اس کے پہلے ایڈیشن میں دوسری جلد کے مندرجات کی فہرست دی گئی تھی، جس میں پنجاب کے اہل حدیث علماء کے حالات شامل کئے گئے تھے نوشہروی صاحب مرحوم کی کتاب کا دوسرا حصّہ تا حال طبع نہیں ہوا تاہم یہ معلوم ہوا ہے کہ مؤلف نے یہ کام مکمل کر دیا تھا۔

تیسری قسم میں وہ تذکرے شامل ہیں جو کسی ایک شہر یا ضلع کے علماء و مشائخ کے احوال و آثار پر مبنی ہیں۔ ان شہروں میں سر فہرست "لاہور" ہے۔ محمد الدین فوق نے لاہور کے تقریباً سوا سو علماء و مشائخ کا تذکرہ "تذکرۃ العلماء والمشائخ" کے نام سے قلمبند کیا جو ۱۳۳۸ھ میں پہلی بار طبع ہوا۔ فوق صاحب نے مسلمانوں کے ساتھ ہندو صوفیاء کو شامل کرتے ہوئے "یادِ رفتگاں یا تذکرہ صوفیائے لاہور" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ فوق صاحب کے تذکروں میں صحافیانہ انداز نمایاں ہے تاہم بعض معلومات ایسی ہیں جو دوسرے تذکروں میں دستیاب نہیں ہیں۔

لاہور کے اہل علم کے بارے میں غلام دستگیر نامی کی ایک تالیف "بزرگانِ لاہور" ہے اسی طرح محمد وارث کامل اور محمد لطیف ملک نے "اولیائے لاہور" کی سوانح اور خدمات پر تذکرے ترتیب دیئے ہیں۔ چند سال پہلے پیرزادہ محمد اقبال فاروقی نے "تذکرہ علماء اہلسنّت و جماعت لاہور" ترتیب دیا۔ پیرزادہ صاحب نے آغاز میں "علمائے کرام اور اشاعت علومِ اسلامیہ" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا اور اپنے تذکرے میں بارہویں، تیرہویں اور چودہویں صدی کے صرف اُن ہی علماء کو شامل کیا ہے جو اہل سنت کے ایک خاص گروہ سے متعلق رہے تھے۔ آخر میں مؤلف نے اپنے حلقۂ تعارف میں شامل علماء اور شعراء کا ذکر کیا ہے۔ مستقل بالذات کتابوں کے علاوہ مولانا علم الدین سالک کا تحقیقی مقالہ "علمائے کرام، دینی مدرسے" بھی قابلِ ذکر ہے جو ماہنامہ "نقوش" (لاہور) کے لاہور نمبر میں شائع ہوا تھا۔ مولانا سالک نے عہدِ بابر سے لے کر ۱۹۶۲ء تک کے تمام

نمایاں علماء اور اُن کی دینی و علمی سرگرمیوں کا جامعیت سے احاطہ کیا ہے۔

لاہور کے بعد زیادہ تذکرے بہاولپور کے لکھے گئے ہیں۔ حفیظ الرحمان حفیظ نے "ذکرِ کرام" کے نام ایک کتاب تالیف کی جس میں سابق ریاست بہاولپور (اب ڈویژن بہاولپور) میں مدفون اولیاء و علماء کے مختصر حالات اور مزاروں کا ذکر ہے۔ بہاولپور کے اہلِ علم کا ایک ضخیم اور جامع تذکرہ مولانا محمد صادق بہاولپوری نے لکھا تھا جس کا کچھ حصہ رسائل میں طبع ہوا ہے۔ تا حال یہ تذکرہ کتابی صورت میں سامنے نہیں آسکا۔ حال ہی میں شہاب دہلوی نے "اولیائے بہاولپور" کے نام سے کتاب لکھی ہے جو اُردو اکیڈمی بہاولپور نے شائع کر دی ہے۔

ملتان پنجاب کا قدیم شہر اور اہلِ علم کا مرکز رہا ہے۔ اولیائے کرام کے احوال و آثار پر متفرق کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ گجرات اگرچہ مردم خیز ضلع ہے مگر اس ضلع کے علمائے کرام کا کوئی جامع تذکرہ تا حال سامنے نہیں آیا البتہ پروفیسر احمد حسین احمد قریشی نے "اولیائے گجرات" کے نام سے کام کیا ہے جو منتظرِ اشاعت ہے۔

تذکرۃ الصدر جائزے سے یہ واضح ہے کہ پنجاب کے علماء کرام کا کوئی جامع تذکرہ موجود نہیں ہے جس میں بلا اختلافِ مسلک غیر جانبداری سے علماء کی سوانح اور اُن کی خدمات پیش کی گئی ہوں۔ زیرِ نظر تذکرے میں امکانی حد تک یہ کوشش کی گئی ہے کہ پنجاب کے تیرہویں اور چودہویں صدی کے مرحوم علماء کا ذکر آجائے تاہم مجھے یقین ہے کہ بعض حضرات رہ گئے ہوں گے۔ انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں ان حضرات کا تعارف شامل ہوگا۔

تذکرے کی تسوید کے دوران میں بلا مبالغہ سینکڑوں افراد نے تعاون کیا۔ انہوں نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر "سوالنامے" پُر کیے۔ اپنے خاندانی کاغذات دکھائے۔ دستاویزات کی نقلیں فراہم کیں اور اپنے کتب خانوں سے بیش قیمت کتابیں مستعار دیں۔ علم دوست احباب نے حوصلہ افزائی کی۔ قیمتی مشورے دیئے۔ ماخذوں کی نشاندہی

کی اور اکثر کتابیں مہیّا کیں۔ ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مجھے ان حضرات کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو شاید یہ "تذکرہ" تخیّل سے معرضِ وجود میں نہ آتا۔

زیرِ نظر تذکرہ کی ترتیب و تدوین میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہر فرد کے بارے میں ضروری سوانحی معلومات یکجا کر دی جائیں مگر بعض افراد کے بارے میں پوری تلاش اور کوشش کے باوجود راقم الحروف اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ جن حضرات کے بارے میں بالکل ہی ادھوری معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ انہیں "تکملہ" میں جگہ دے دی ہے۔ حتی الامکان اس بات کا اہتمام بھی کیا ہے کہ عیسوی اور ہجری سنین کا تطابق کر دیا جائے۔ کتاب میں یہ التزام کیا ہے کہ اگر عیسوی تاریخ معلوم ہوئی ہے اور تقویم سے اسے ہجری سے تطابق دیا گیا ہے تو پہلے عیسوی اور بعد میں ہجری سن درج ہے۔ اس کے برعکس اگر ہجری تاریخ دستیاب ہوئی اور اسے عیسوی کے مطابق بنایا گیا تو پہلے ہجری اور بعد میں عیسوی سن ہے۔ ممکن ہے کہ حساب میں کہیں غلطی ہو گئی ہو۔ اصل تاریخ وہی ہے جو پہلے درج کی گئی ہے۔

جھکا گلی۔ مری
۶ر شعبان ۱۳۹۹ھ

اختر راہی

ابراہیم چکڑالوی

(وھابی اھل حدیث)

ابراہیم بن عبداللہ چکڑالوی ۱۲۸۷ھ / ۷۱-۱۸۷۰ء میں چکڑالہ ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد مولوی عبداللہ چکڑالوی[1]، فرقہ اہل قرآن کے بانی تھے مگر مولانا ابراہیم نے اُن کے نظریات کا ساتھ نہ دیا۔ مولانا ابراہیم نے علوم مروجہ کی تحصیل ضلع ہزارہ کے مدارس و مساجد میں کی۔ حدیث کی سند حضرت سید نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) سے حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ آ گئے۔ چند ماہ یہاں مقیم رہ کر غازی پور (ملتان) منتقل ہو گئے۔ آخر میں جلالپور پیر والہ میں سکونت پذیر تھے کہ ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ / ۱۷ اگست ۱۹۱۹ء کو وفات پائی۔

---

[1] اصل نام غلام نبی تھا۔ دہلی میں تعلیم حاصل کی اور سلفی مسلک اپنا لیا۔ مسجد چینیاں والی لاہور میں مولوی رحیم بخش کی وفات پر امام مقرر ہوئے۔ اپنے مسلک میں خاصے متشدد اور متصلب تھے۔ بعد میں ایسا انقلاب معکوس آیا کہ سرے سے حدیث رسول کے منکر ہو گئے اور "اہل حدیث" کے بالمقابل "اہل قرآن" کہلانے لگے۔ چینیاں والی مسجد کی امامت سے الگ ہو گئے۔ کچھ عرصہ لاہور میں رہ کر ملتان چلے گئے۔ چکڑالہ میں وفات پائی۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی سے قرآن مجید کا پنجابی ترجمہ یادگار ہے۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی (وھابی اھل حدیث)

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی بن سیّد احمد حسن ۳، رجب ۱۳۲۱ھ/۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رح سے ملتا ہے۔ اس خانوادے کے پہلے بزرگ جو برصغیر پاک وہند میں وارد ہوئے۔ وہ حضرت ابوالاعلیٰ (م ۹۳۵ھ) تھے۔ حضرت ابوالاعلیٰ نے کرنال کے قریب "براس" نامی مقام پر سکونت اختیار کی۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں یہ خاندان دہلی میں منتقل ہوا۔ ننھیال کی جانب سے سیّد مودودی ترکی النسل تھے۔ ان کے نانا مرزا قربان علی بیگ سالک بلند پایہ شاعر اور صاحبِ علم تھے۔ شعر وشاعری میں اُنہیں مرزا اسداللہ خان غالب سے تلمذ حاصل تھا۔

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے والدِ ماجد مولوی سیّد احمد حسن ایک وکیل تھے۔ انہوں نے مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور الٰہ آباد میں تعلیم حاصل کی۔ سر سیّد احمد خان نے جب مدرسۃ العلوم کی بنیاد رکھی تو اپنے خاندان کے لڑکوں کو چن چن کر علی گڑھ لے گئے۔ چونکہ مولوی سیّد احمد حسن کی والدہ سر سیّد احمد خان کی قرابت دار تھیں اس لئے سیّد احمد حسن کو بھی مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں داخل کیا گیا۔ بعد میں انہیں علی گڑھ سے بلا لیا گیا کیونکہ علی گڑھ میں مغربی تہذیب کے اثرات محسوس ہونے لگے تھے۔ مولوی سیّد احمد حسن نے الٰہ آباد سے وکالت کا امتحان پاس کیا تھا۔ ایک مقدمے کے سلسلے میں اورنگ آباد گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ مولوی سیّد احمد حسن آخری زمانۂ حیات میں زبردست مذہبی آدمی تھے اور یہ چاہتے تھے کہ اُن کے بچّے بھی اسی رنگ میں رنگے جائیں۔

سیّد مودودی کی ابتدائی تعلیم وتربیّت مذہبی اور علمی ماحول میں ہوئی۔ اُن کے

والدِ ماجد نے اُن کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور حتی الامکان کوشش کی کہ سیّد مودودی کے خیالات تو کیا اُن کی "دہلوی زبان" تک بگڑنے نہ پائے۔ نو سال کی عمر میں انہیں مدرسہ فرقانیہ اورنگ آباد میں داخل کیا گیا۔ اسی مدرسے سے انہوں نے "مولوی" کا امتحان درجہ دوم میں پاس کیا۔ اس کے بعد "دارالعلوم" حیدر آباد کی جماعت "مولوی عالم" میں شریک ہوئے۔ چھ ماہ تعلیم پائی تھی کہ اُن کے والد ماجد بیمار ہو گئے اور اپنے بڑے صاحبزادے سیّد ابو محمد کے پاس بھوپال میں مقیم تھے۔ چنانچہ سیّد مودودی بھی اپنے والد ماجد کے پاس بھوپال چلے گئے اور تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

سیّد مودودی ابتدا ہی سے لکھنے پڑھنے کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بھی قلم کاری سے کیا۔ ۱۹۱۸ء/۳۷-۱۳۳۶ھ میں پندرہ سال کی عمر میں اپنے بڑے بھائی سیّد ابوالخیر کے ہمراہ اخبار "مدینہ" (بجنور) کے عملہ ادارت میں شامل ہوئے۔ لیکن دو ماہ سے زیادہ وہاں نہ رہے۔ سیّد مودودی اپنے برادرِ بزرگ کے ہمراہ دہلی چلے گئے۔ اُسی زمانے میں جبل پور کے ایک سیاسی کارکن تاج الدین نے رسالہ "تاج" جاری کیا۔ سیّد مودودی نے اپنے بھائی کے ہمراہ "تاج" کی ادارت سنبھال لی مگر چند ماہ بعد "تاج" بند ہو گیا اور مودودی برادران واپس دہلی چلے گئے۔

دہلی کے دورانِ قیام میں سیّد مودودی نے اپنا پورا وقت مطالعہ میں صرف کیا اور مولوی محمد فاضل سے انگریزی زبان کی تحصیل کی۔ انگریزی میں اتنی استعداد بہم پہنچالی کہ علمی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگے۔ ۱۹۲۰ء/۳۹-۱۳۳۸ھ میں دوبارہ "تاج" کا اجرا ہوا۔ اس دفعہ سیّد مودودی نے اکیلے ادارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں مگر بحیثیتِ مدیر اُن کا نام طبع نہ ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ اخبار ہفت روزہ اور بعد میں "روزنامہ" ہو گیا۔ اخبار مولانا کے ایک مضمون پر زیرِ عتاب آ گیا۔ سیّد مودودی تو اس لئے بچ گئے کہ اخبار پر ان کا نام بطور مدیر نہ تھا مگر تاج الدین صاحب گرفتار ہو گئے۔ سیّد مودودی نے لکھا ہے کہ انہیں اس طرح بچ جانے

سے کوئی خوشی نہ ہوئی بلکہ اس سے انہوں نے ایک سبق سیکھا کہ آدمی کو اپنے لکھے کی ذمہ داری خود لینی چاہیئے۔

سیّد مودودی جبل پور سے آکر دہلی میں پڑھنے لکھنے میں وقت گزار رہے تھے کہ ۱۹۲۱ء/۱۳۳۹ھ میں اُن کی ملاقات مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید سے ہوئی۔ ان حضرات نے جمعیت علمائے ہند کے اخبار "مسلم" کی عنانِ ادارت سیّد مودودی کے ہاتھ میں دے دی۔ دو سال تک یہ اخبار چھپتا رہا اور سیّد مودودی ہی اس کے مدیر رہے۔ اخبار "مسلم" کے بند ہو جانے پر سیّد مودودی اپنے بھائی سیّد ابو محمد کے پاس بھوپال چلے گئے۔ جمعیت علمائے ہند نے اخبار "الجمعیت" (دہلی) کی ادارت کیلئے بلایا تو سیّد مودودی ۱۹۲۵ء/۴۴-۱۳۴۳ھ میں دہلی آ گئے اور ۱۹۲۸ء تک "الجمعیت" اُن کی ادارت میں طبع ہوتا رہا۔

"الجمعیت" (دہلی) سے علیحدگی کے بعد سیّد مودودی دسمبر ۱۹۲۸ء/۱۳۴۷ھ میں حیدرآباد چلے گئے۔ اُن کی شہرت خاصی پھیل چکی تھی اور اُن کی تحریروں نے علمی دنیا میں ایک مقام پیدا کر لیا تھا۔ حیدرآباد میں انہوں نے لکھنے پڑھنے کو ذریعہ روزگار بنایا اور چند کتابوں کی تالیف یا ترجمہ میں وقت گزارا۔ محرم ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء میں سیّد مودودی نے ابو محمد مصلح بانی "عالمگیر تحریکِ قرآن" سے رسالہ "ترجمان القرآن" حاصل کیا جو آج تک دینی اور علمی حلقوں میں پڑھا جاتا ہے۔ "ترجمان القرآن" کے حوالے سے سیّد مودودی کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ انہوں نے مسلمانوں کو درپیش سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل پر لکھنا شروع کیا اور "تجدید و احیائے دین" کی دعوت پیش کی۔ سیّد مودودی نے مغربی تہذیب اور لادینی نظریات پر جس بے باکی اور جرأت سے تنقید کی اس سے اہلِ علم کا ایک بڑا طبقہ متاثر ہوا۔ "ترجمان القرآن" اور "الجہاد فی الاسلام" کے توسط سے شاعرِ مشرق علامہ اقبال سیّد مودودی سے متعارف ہوئے اور اُن کی صلاحیتوں اور سوچ کے قدر دان ہو گئے۔ چوہدری نیاز علی خان مرحوم نے

جمالپور (پٹھان کوٹ) میں ایک علمی ادارے کی داغ بیل ڈالتے ہوئے علامہ اقبال سے مشورہ لیا اور ان ہی کے مشورے پر سید مودودی کا نام ادارے کے سربراہ کے طور پر تجویز ہوا۔ علامہ اقبال نے انہیں حیدرآباد سے پنجاب منتقل ہونے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ چوہدری نیاز علی سے طویل خط وکتابت کے بعد مارچ ۱۹۳۸ء/۱۳۵۷ھ میں سید مودودی پٹھان کوٹ آ گئے۔

"ترجمان القرآن" کے ذریعے سید مودودی کے خیالات تیزی سے مقبول ہو رہے تھے اور اُن کی تصنیفات اہلِ علم کے ہاتھوں میں نظر آنے لگی تھیں۔ سید مودودی "دارالاسلام" میں سربراہ ادارہ کی حیثیت سے آئے تھے۔ مگر بعض معاملات میں "دارالاسلام" کے دوسرے ٹرسٹیوں سے اُن کا اختلاف ہو گیا اور سید مودودی جنوری ۱۹۳۹ء/۱۳۵۷ھ میں پٹھان کوٹ سے لاہور آ گئے۔ لاہور میں اسلامیہ پارک میں رہائش پذیر ہوئے اور اسلامیہ کالج میں اسلامیات کے اعزازی پروفیسر ہو گئے۔

سید مودودی تجدیدِ اسلام کے لئے ۱۹۳۳ء/۱۳۵۲ھ سے جو کام کر رہے تھے۔ اس کام میں ان کے دست و بازو بننے کے لئے ایک گروہ تیار ہو چکا تھا۔ چنانچہ ۲۵ر اگست ۱۹۴۱ء/۱؍شعبان ۱۳۶۰ھ کو لاہور میں "ترجمان القرآن" کے متاثرین کا ایک اجتماع ہوا۔ جس میں اجتماعی کوششوں کے لئے ایک جماعت کی تشکیل پر زور دیا گیا۔ چنانچہ ۷۵ افراد نے اللہ کا نام لے کر "جماعتِ اسلامی" کی بنیاد رکھی اور سید مودودی کو امیر چُنا گیا۔ جماعت اسلامی کا مرکز ابتداء میں "ترجمان القرآن" کا دفتر تھا۔ ۱۵ر جون ۱۹۴۲ء/۱۳۶۱ھ کو مجلسِ شوریٰ کے کے مشورے سے سید مودودی اور جماعت اسلامی کا مرکزی دفتر "دارالاسلام" پٹھان کوٹ منتقل ہوا اور ۲۸ر اگست ۱۹۴۷ء تک سید مودودی وہیں مقیم رہے۔ تقسیم ہند کی وجہ سے حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے تو سید مودودی اپنے رفقاء سمیت پاکستان آ گئے۔ کچھ عرصہ کیمپوں میں رہنے کے بعد ۵۔ اے ذیلدار پارک (اچھرہ) کو مرکز جماعت اور سید

مودودی کی رہائش کے لئے حاصل کیا گیا۔

پاکستان میں سید مودودی نے ایک دینی مفکر اور سیاست دان کی حیثیت سے زندگی گزاری۔ اُن کی راہنمائی میں "جماعت اسلامی پاکستان" نے ملک کے پڑھے لکھے طبقے کو اسلامی نظام کے لئے متحرک کیا اور آج "جماعت اسلامی" کی فکر کا وزن پاکستان ہی نہیں عالم اسلام میں محسوس کیا جاتا ہے۔ سید مودودی نے اپنی جماعت، اپنے قلم اور زبان سے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کام کیا۔ اِس راہ میں انہیں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں حتیٰ کہ تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) میں رسالہ "قادیانی مسئلہ" لکھنے پر مارشل لاء کورٹ نے انہیں سزائے موت دے دی تھی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل ہو گئی۔

سید مودودی پہلی بار اکتوبر ۱۹۴۸ء/۱۳۶۷ھ میں اس وقت گرفتار ہوئے جب اُن کی راہنمائی میں جماعت اسلامی نے "مطالبہ نظام اسلامی" کی مہم شروع کی تھی۔ دوسری بار مارچ ۱۹۵۳ء/۱۳۷۲ھ میں مارشل لاء کے تحت گرفتار کئے گئے۔ تیسری بار جماعت اسلامی کو خلافِ قانون دیتے ہوئے سید مودودی اور اُن کے رفقاء کو پابندِ زنداں کیا گیا۔ جماعتِ اسلامی پر جو الزامات عائد کئے گئے تھے۔ حکومتِ پاکستان ملک کی اعلیٰ ترین عدالت میں یہ الزامات ثابت نہ کرسکی۔ نہ صرف سید مودودی اپنے رفقاء سمیت رہا ہو گئے بلکہ جماعتِ اسلامی بھی بحال ہو گئی۔ چوتھی اور آخری بار ۱۹۶۷ء/۱۳۸۶ھ میں گرفتار ہوئے۔

سید مودودی نے ایک بااصول سیاست دان کی حیثیت سے نام پیدا کیا۔ اکتیس سال "جماعت اسلامی" کی راہنمائی کرنے کے بعد یکم نومبر ۱۹۷۲ء کو مسلسل علالت اور کمزوری صحت کے پیشِ نظر "امارتِ جماعت" سے مستعفی ہو گئے۔ تاہم جماعتِ اسلامی کے حلقوں میں اُن کی رائے کا احترام کیا جاتا تھا۔

سید مودودی ایک صاحبِ نظر عالم اور بلند پایہ مفکر تھے۔ عالمِ اسلام میں ان کی قدر و منزلت مثالی ہے۔ اُن کی فکر اور تحریک پر اہلِ قلم مسلسل لکھ رہے ہیں، اور مستقبل میں

مزید لکھیں گے۔ انہیں کئی اسلامی کانفرنسوں میں شرکت کا موقع ملا اور انہوں نے اپنی بات احسن طریقے سے کہی تاہم پاکستان کے دینی حلقوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔

سیّد مودودی طویل عرصے سے پتھری کی بیماری میں مبتلا تھے۔ اندرونِ ملک نامور اطباء اور ڈاکٹروں کے علاج کے باوجود افاقہ نہ ہوا۔ کئی بار آپریشن کئے گئے مگر اس بیماری سے نجات نہ ملی۔ اس کے ساتھ ہی گھٹنوں میں درد رہنے لگا۔ سیّد مودودی ان بیماریوں کے باوجود تحریکی کاموں میں منہمک رہے۔ آخر جب صحت بہت کمزور ہو گئی اور احباب کا اصرار بڑھنے لگا کہ بیرونِ ملک جا کر علاج کرایا جائے تو ۱۹۶۸ء میں لندن گئے۔ کامیاب آپریشن ہوئے مگر اس کے باوجود صحت نہ سنبھلی۔ آخری بار ۲۶ مئی ۱۹۷۹ء کو بغرض علاج امریکہ گئے جہاں اُن کے فرزند ڈاکٹر احمد فاروق مقیم تھے۔ ۴ ستمبر کو بفیلو (امریکہ) میں اُن کے گردے کا دوسرا آپریشن ہوا۔ ۸ ستمبر کو دل کا دورہ پڑا۔ حالت سنبھلنے پر ۱۲ ستمبر کو پھر حالت تشویشناک ہو گئی۔ جگر اور گردے نے کام کرنا بند کر دیا اور دوسرے روز ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء / ۳۰ شوال ۱۳۹۹ھ کو شام پونے چھ بجے (پاکستانی وقت کے مطابق) روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ میت پاکستان لائی گئی۔ کراچی اور لاہور میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ لاہور میں قذافی سٹیڈیم میں نماز جنازہ ہوئی۔ اخبار نویسوں کی اطلاع ہے کہ لاہور میں کم ہی کسی جنازے میں اس قدر خلقِ کثیر شریک ہوئی تھی۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۷۹ء / ۴ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ کو ۵۔ اے ذیلدار پارک میں دفنائے گئے۔

سیّد مودودی نے اسلامی نظامِ حیات کی تفہیم و تشریح کے لئے ہزاروں صفحات قلمبند کئے۔ وہ ایک صاحبِ طرز ادیب تھے۔ اُن کی تحریروں کی مقبولیت میں جہاں علمی گہرائی، قرآنی سوچ اور بصیرت شامل رہے وہیں اُن کا خوبصورت اندازِ تحریر بھی ایک سبب رہے۔ سیّد مودودی کی تصانیف یہ ہیں۔ ان میں سے کئی ایک دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔

مباحثِ دینی

۱۔ تفہیم القرآن (چھ جلدیں)
۲۔ دینیات
۳۔ سنّت کی آئینی حیثیّت
۴۔ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں
۵۔ خطبات
۶۔ مسئلہ جبر وقدر
۷۔ اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر
۸۔ نشری تقریریں
۹۔ مسئلہ قربانی
۱۰۔ تفہیمات (تین حصّے)
۱۱۔ رسائل ومسائل (چار حصّے)
۱۲۔ قادیانی مسئلہ

تاریخ

۱۳۔ سمرنا پر یونانیوں کے مظالم (ترجمہ)
۱۴۔ اسلام کا سرچشمۂ قوّت
۱۵۔ دکن کی سیاسی تاریخ
۱۶۔ تجدید واحیائے دین
۱۷۔ خلافت وملوکیّت

۱۸۔ سلاجقہ

۱۹۔ غلافِ کعبہ کی تاریخ

سیاسیات و عمرانیات

۲۰۔ الجہاد فی الاسلام

۲۱۔ تنقیحات

۲۲۔ اسلامی تہذیب اور اُس کے اصول ومبادی

۲۳۔ تحریکِ آزادیٔ ہند اور مسلمان (دو حصّے) مرتبہ: پروفیسر خورشید احمد

۲۴۔ اسلامی نظامِ زندگی

۲۵۔ اسلامی ریاست — مرتبہ: پروفیسر خورشید احمد

اقتصادیات

۲۶۔ معاشیاتِ اسلام — مرتبہ: پروفیسر خورشید احمد

۲۷۔ سود

۲۸۔ اسلام اور جدید معاشی نظریات

۲۹۔ مسئلہ ملکیتِ زمین

تعلیم

۳۰۔ تعلیمات

قانون وسماج

۳۱۔ پردہ

۳۲۔ حقوق الزوجین
۳۳۔ مرتد کی سزا۔ اسلامی قانون میں
۳۴۔ پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی عملی تدابیر

جماعتِ اسلامی

۳۵۔ جماعتِ اسلامی۔ اس کا مقصد، تاریخ اور لائحہ عمل
۳۶۔ تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل

متفرقات

۳۷۔ ادبیاتِ مودودی ۔۔ مرتبہ: پروفیسر خورشید احمد
۳۸۔ مکاتیب ابوالاعلیٰ (دو حصے)۔مرتبہ: عاصم نعمانی

متذکرۃ الصدر کتابوں کے علاوہ مولانا سیّد مودودی نے مندرجہ ذیل کتابوں کے ترجمے کئے جو زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہو سکے۔

۱۔ المراۃ الجدیدہ (قاسم امین مصری)
۲۔ المسئلہ المشرقیہ (مصطفےٰ کامل)
۳۔ الاسفار الاربعہ (صدرالدین شیرازی)۔ دوسرے اور تیسرے حصّہ کا ترجمہ کیا گیا تھا۔

سیّد مودودی کی سینکڑوں تقاریر، بیانات اور مکاتیب ان پر مستزاد ہیں۔ جو تا حال مدوّن نہیں ہو سکے۔

(شیعہ رافضی اھل تشیع)

سیّد ابوالقاسم

مجتہد العصر سیّد ابوالقاسم بن سیّد حسین بن سیّد تقی کے بزرگ سیّد حسین القمّی ایران کے شہر قُم سے ترکِ سکونت کر کے کشمیر آئے تھے۔ یہاں آکر پشمینہ کا کاروبار کرنے لگے۔ اُن کی چوتھی پشت میں مجتہد العصر کے والد سیّد حسین تھے جو اپنے خاندانی کاروبار کے سلسلہ میں لکھنؤ اور برّ صغیر کے دوسرے شہروں کا سفر کرتے رہتے تھے۔

مولانا سیّد ابوالقاسم ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء میں فرخ آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدین کی خواہش تھی کہ اُن کا فرزند کامیاب تاجر ثابت ہو مگر اُن کی طبیعت علمِ دین کی طرف راغب تھی چنانچہ تعلیم کی طرف متوجّہ ہوئے اور نوجوانی میں وہ نام پیدا کیا کہ لکھنؤ کے مجتہد اعلیٰ اور نامور عالم سلطان العلماء آغا سیّد محمد بن دلدار علی نصیر آبادی نے "فاضل ابوالقاسم" کے لقب سے پکارا۔

تحصیلِ علم کے بعد لاہور آگئے۔ سر حاجی نوازش علی خان کے۔ سی۔ آئی۔ ای اور نواب ناصر علی خان بہادر حج بیت اللہ اور زیارتِ کربلا کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ انھوں نے مناسک و ارکانِ حج کی راہنمائی کے لیے سیّد ابوالقاسم کو ہمراہ لے لیا۔ یہ سفر سیّد ابوالقاسم کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ عراق کے علماء مفتی شیخ مرتضیٰ انصاری اور علامہ اردکانی وغیرہ سے مباحث علمیہ کا موقع ملا اور تمام عراق میں اُن کی شہرت "فاضلِ ہندی" کے نام سے پھیل گئی۔

عراق و عرب کے سفر میں براستہ ایران واپسی ہوئی اور ایران کے مراکزِ علمی میں جانے اور مجتہدانِ وقت سے تبادلۂ خیالات کا موقع ہاتھ آیا۔ مولانا سیّد ابوالقاسم اپنے ساتھیوں سمیت واپس لاہور آئے تو اُن کے قدر شناسوں نے اُنہیں کشمیر واپس جانے کے بجائے لاہور میں قیام کرنے پر مجبور کیا۔ سر حاجی نوازش علی خان نے اُن کی مصروفیت کے لیے "مدرسہ امامیہ" کی بنیاد رکھی جس کے تمام اخراجات نواب موصوف اپنی گرہ سے ادا کرتے تھے۔

۱۲۹۵ھ میں مسجد امامیہ تعمیر ہو گئی۔ علمی و دینی خدمات میں مصروف ۱۴ محرم ۱۳۲۴ھ/۱۰ فروری

۱۹۰۰ء کو وفات پائی۔ نمازِ جنازہ اُن کے فرزند سیّد علی الحائری نے پڑھائی اور کربلا گامے شاہ لاہور میں دفنائے گئے۔

مولانا سیّد ابو القاسم کو قرآن مجید سے گہری دلچسپی تھی اور اپنے دور کے بلند پایہ شیعہ عالم تھے محمد دین فوق نے اُن کے مواعظ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"جن لوگوں نے مولانا کے مواعظِ حسنہ سُنے ہیں، اُن کا بیان ہے کہ مولانا احکامِ شرعِ متین اور حقائق و دقائقِ قرآن مجید کمال تہذیب اور بے تعصبی سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ اُن کی مجلسوں میں حنفی، اہلِ حدیث، نئے تعلیم یافتہ بلکہ آریہ اور عیسائی بھی شامل ہوا کرتے تھے"۔[۱]

مولانا سیّد ابو القاسم سے عربی، فارسی اور اُردو میں ۴۲ کتب یادگار ہیں۔ جن میں سے حسبِ ذیل بہت اہم ہیں۔[۲]

۱۔ کتاب البشریٰ شرح مودۃ القربیٰ (ہمدانی)

۲۔ حقائق لدنی شرح خصائص النسائی

۳۔ سیادۃ السادات فی الانساب

۴۔ لوامع التنزیل وسواطع التاویل فی تفسیر القرآن الکریم (فارسی) تیس ۳۰ جلدوں میں تفسیر مکمل کرنے کا ارادہ تھا۔ ابھی بارہ ۱۲ جلدیں تا آیت "یٰبنی اذہبو فتحسسوا من یوسف واخیہ" لکھی تھیں کہ پیغامِ اجل آگیا۔ بعد میں اُن کے فرزند علامہ سیّد علی الحائری نے مزید پندرہ ۱۵ جلدیں لکھیں۔

---

[۱] مشاہیر کشمیر ص ۱۱۰

[۲] نزہت الخواطر جلد ۸، ص ۱۰۵

سیّد ابوبکر غزنوی

(وھابی اھل حدیث)

سیّد ابوبکر غزنوی بن سیّد داؤد غزنوی ۲۲ر مئی ۱۹۲۷ء/ ۲۰ر ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ کو امرتسر کے معروف خاندانِ غزنویہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امرتسر اور لاہور میں حاصل کی۔ ۱۹۵۰ء/ ۱۳۶۹ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے عربی زبان وادبیات میں ایم۔ اے کیا اور یونیورسٹی میں اوّل آنے کی بنیاد پر سونے کے تمغہ کے مستحق قرار پائے۔ بعد میں ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کی۔ علوم دینیہ کی تحصیل اپنے والدِ بزرگوار مولانا سیّد داؤد غزنوی، حافظ محمد گوندلوی اور مولانا شریف اللہ سے کی۔

پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے کرکے اُسی سال اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں عربی زبان وادب کے اُستاد مقرر ہوئے۔ بعد میں شعبۂ عربی اور شعبۂ علومِ اسلامی کے سربراہ رہے۔ اُستاد کی حیثیت سے محنتی، شفیق اور نہایت خوش خلق تھے۔ پروفیسر حمید احمد خان مرحوم (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی) اُن کی علمی استعداد اور صلاحیتوں کے مدّاح تھے۔ اُنہوں نے اورینٹل کالج کے شعبۂ عربی میں جز وقتی اُستاد کی حیثیت سے سیّد ابوبکر غزنوی کی خدمات حاصل کیں۔ بعد میں اسلامیہ کالج سے انجینئرنگ یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات میں چلے گئے اور اس شعبہ نے یونیورسٹی کی فضا میں توحید وسنّت کا غلغلہ پیدا کیا۔ ستمبر ۱۹۷۵ء/ ۱۳۹۴ھ میں اُنہیں اسلامی یونیورسٹی بہاولپور کا وائس چانسلر نامزد کیا گیا۔ اُنہوں نے دینی طرز کے ایک مدرسے کو جدید یونیورسٹی میں بدلنے کے لئے شب وروز کام کیا۔

اپریل ۱۹۷۶ء/ ربیع الآخر ۱۳۹۶ھ میں مسلمانوں کے علوم وفنون کے تعارف کے لئے لندن میں ایک اسلامی میلہ (World of Islam Festival) منعقد کیا گیا۔ اسلامی میلے میں حکومتِ پاکستان کے ایک وفد نے شرکت کی۔ سیّد ابوبکر غزنوی اس وفد کے ایک اہم رُکن تھے۔ ۴ر اپریل ۱۹۷۶ء کو لندن پہنچے۔ اُسی روز ۴ر اور ۵ر اپریل کی درمیانی شب

سڑک پار کرتے ہوئے کار کے حادثے میں اُن کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ اُن کا مقالہ اسلامی میلے میں اُن کے دوست ڈاکٹر شیر محمد زمان (حال وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد) نے پڑھا۔ مولانا سید ابوبکر غزنوی ویسٹ منسٹر ہسپتال لندن میں زیرِ علاج تھے کہ ۲۵ اپریل/۲۵ ربیع الاخر (؟) ۱۳۹۶ھ کو دیارِ فرنگ میں جان، جان آفرین کے سپرد کی۔ چار دن کے بعد اُن کی میت لاہور پہنچی اور اُسی روز اپنے والدِ ماجد مولانا داؤد غزنوی مرحوم کے پہلو میں دفنائے گئے۔ اُن کی رحلت پر شعرائے کرام نے بیسیوں تعزیتی نظمیں لکھیں۔ ملک کے معروف شاعر جناب احسان دانش نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

کہاں مقام یہ ہر ایک آدمی کے لئے
کہ موت بن گئی پیغام زندگی کے لئے

قلم اُٹھا تھا یونہی ذکرِ سرسری کے لئے
دریچے کھل گئے اسرارِ داخلی کے لئے

میں اس کے میکدۂ علم و فن سے در گزرا
کہیں خودی نہ مچل جائے بیخودی کے لئے

اندھیرے جس سے لرزتے ہوں رات کانپتی ہو
ترس رہی ہے نظر ایسی روشنی کے لئے

وہ اک چاند تاریخِ نو کے ماتھے پر
وہ فرد ایک قبیلہ تھا زندگی کے لئے

گناہ و جرم سے محفوظ تھا ضمیر اُس کا
تھا اس کا قلب فقط علم و آگہی کے لئے

قدم قدم پہ ہیں علمِ ظاہری کے چراغ
ترس کے رہ گئے تعلیمِ باطنی کے لئے

جو اس نے درس دیا اس سے جاگ اُٹھیں روحیں
وہ خضرِ راہ تھا دستورِ مذہبی کے لئے

کہاں سے ڈھونڈھ کے لائیں کہاں تلاش کریں
جس آدمی میں ہو ایثار آدمی کے لئے

یہاں تو پہلے ہی قحط الرجال تھا یارو
اصول پوچھتے اب کس زندگی کے لئے

یہ حادثہ بھی مقدر میں تھا کہ میں دانش
لکھوں گا شعر ابوبکر غزنوی کے لئے [۱]

---

[۱] ہفت روزہ "الاسلام" (لاہور) بابت ۸ اکتوبر ۱۹۷۶ء، ص ۹۴

مرحوم بہت پڑھنے والے شخص تھے اور دین وادب، کے تمام ہی موضوعات اُن کے حیطۂ نظر میں تھے ۔ اسلامی مصادر پر اُن کی براہِ راست نظر تھی اور غیر مسلم مستشرقین کا سرمایۂ افکار اُن کے سامنے تھا۔ اس پر مستزاد ذہانت و فطانت تھی مگر اپنی راحت پسندی کے سبب کوئی خاص تحقیقی کام نہ کر سکے ۔ اُن کا قلمی سرمایہ کچھ کتابچے اور مولانا سید داؤد غزنوی کی سوانح حیات "سید داؤد غزنوی (سیدی وابی)" ہے ۔ کتابچوں کی تفصیل یہ ہے :

۱۔ حقیقتِ ذکرِ الٰہی
۲۔ اسلام اور آدابِ معاشرت
۳۔ اسلام میں گردشِ دولت
۴۔ عصرِ حاضر میں اُستاد اور شاگرد
۵۔ اسلامی ریاست کے چند ناگزیر تقاضے
۶۔ خطباتِ جہاد
۷۔ واقعہ کربلا
۸۔ اس دُنیا میں اللہ کا قانونِ جزا و سزا
۹۔ قرآن مجید کے صوری اور معنوی محاسن
۱۰۔ محمدی انقلاب کے خدوخال
۱۱۔ حزبِ اعظم (وظائف)
۱۲۔ کتابتِ حدیث ۔ عہدِ نبوی میں

مولانا غزنوی نے ۱۹۶۵ء/۸۵-۱۳۸۴ھ میں رسالہ "توحید" (امرتسر) کا احیاء لاہور سے کیا جو ڈیڑھ دو سال چھپتا رہا۔

مرحوم تحریر کی نسبت تقریر کے فن میں زیادہ شہرت رکھتے تھے۔ اُن کی تقریروں میں دل و دماغ ، دونوں کی تسکین کا سامان موجود ہوتا تھا۔ علم و فضل کے

ساتھ عام آدمی کی دلچسپی کا سامان بھی ہوتا تھا۔ اگر اُن کی تقریریں ایک مجموعے کی صورت میں یکجا ہو جائیں تو خطیب اُن سے مناسب استفادہ کر سکیں گے۔ مرحوم کے خصائل پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی اہلیہ لکھتی ہیں:

"آپ نہایت خوش طبع، خوش اخلاق، خوش پوشاک، بے حد حسّاس اور نازک مزاج تھے۔ آپ کسی کام میں بے ترتیبی کسی صورت گوارا نہ کرتے۔ سوائے کتابوں کے جو آپ کے آس پاس بکھری رہتی تھیں۔ اس پر بہت خوش رہتے اور دل جمعی کے ساتھ مصروف مطالعہ رہتے۔ یہ کوشش فرماتے کہ اُن کی ذات سے کسی کو ایذا نہ پہنچے۔ بغیر اطلاع کسی کے ہاں جانے سے اجتناب کرتے۔ ملاقات کے لئے اوقات کا بہت خیال رکھتے تاکہ معمولات میں فرق نہ آنے پائے۔ اسی طرح دوسروں کی راحت و تکلیف کا بھی بے حد احساس رکھتے۔

آپ بے حد مہمان نواز، خوددار اور فیّاض تھے۔ اپنی اور احباب کی راحت کے لئے کسی خرچ کی پرواہ نہ کرتے۔ آپ کی گفتگو میں چاشنی تھی۔ بات ٹھوس اور معقول کرتے تھے۔ کبھی ناشائستہ لفظ منہ سے نہ نکلا تھا۔ دیانت اور خلوص طبیعت کا خاصا تھا۔ صاف گوئی اُن کا شیوہ تھا۔ عزم و ہمّت کا سراپا تھے۔ حق بات کہنے سے دبتے نہ تھے۔ برملا کہتے تھے۔ اللہ تعالٰے کے سوا کسی کا خوف جی میں نہیں رکھتے تھے۔ اِن کا دِل غنا کی دولت سے

مالامال تھا۔ جاہ کی طلب نہ تھی اور دُنیا سے بے نیاز تھے۔[1]

---

[1] ہفت روزہ "الاسلام" (لاہور) بابت ۸ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۱۲۴ و ۱۲۵

احسان اللہ خان تاجور نجیب آبادی (وھابی دیوبندی)

شمس العلماء مولانا احسان اللہ خان تاجور نجیب آباد ضلع بجنور کے دُرانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۲ رمئی ۱۸۹۴ء/ ۲۵ رشوال ۱۳۱۱ھ کو نینی تال میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِ بزرگوار احمد شاہ ابدالی (م ۱۱۸۶ھ) کے ہمراہ برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی کے بہت سے ساتھی برصغیر میں آباد ہو گئے تھے۔ مولانا احسان اللہ خان کے جدِ بزرگوار نے نجیب آباد ضلع بجنور میں سکونت اختیار کی۔[1]

مولانا احسان اللہ خان نے دار العلوم دیوبند سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ بعد میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات۔ مولوی فاضل اور منشی فاضل میں بیٹھے اور کامیاب ہوئے۔ مولانا موصوف نے دورانِ تعلیم میں مضمون نگاری اور شعر گوئی شروع کر دی تھی۔ دار العلوم دیوبند کے مجلّہ "القاسم" میں اُن کے اکثر مضامین اشاعت پذیر ہوتے تھے۔ ۱۹۱۱ء/۱۳۲۹ھ میں رسالہ "نالۂ بلبل" (لدھیانہ) کی ادارت سنبھالی۔ ایک سال بعد رسالہ "آفتابِ اُردو" (لدھیانہ) میں منتقل ہو گئے۔ اور غالباً ۱۹۱۴ء/ ۳۳-۱۳۳۲ھ میں رسالہ "تاج الکلام" (نجیب آباد) کا قلمدانِ ادارت سنبھالا۔ اسی سال لاہور منتقل ہو گئے اور یہی شہر اُن کا وطنِ ثانی بن گیا۔

مولانا احسان اللہ خان کی صحافتی اور علمی زندگی کا اصل آغاز ۱۹۱۵ء/ ۳۴-۱۳۳۳ھ میں رسالہ "مخزن" کی ادارت سے ہوا۔ مخزن کی ادارت اُس زمانے میں بہت بڑا

---

[1] بوستانِ قلم ص ۲۴۴

علمی اعزاز تھا۔ پانچ سال بعد مخزن سے الگ ہو گئے۔ جنوری ۱۹۲۲ء/ ۱۳۴۰ھ میں ماہنامہ "ہمایوں" کا پہلا شمارہ منظرِ عام پر آیا۔ مولانا اس کے جائنٹ ایڈیٹر (مدیر معاون) تھے۔ انہوں نے پانچ سال "ہمایوں" کی ترتیب و تدوین کی ذمہ داریاں ادا کیں۔ اس کے بعد یادگارِ علم و فن رسالہ "ادبی دُنیا" جاری کیا۔ خود ان کے الفاظ میں:

"رسالہ ادبی دُنیا اس سطوت و جلال کے ساتھ افقِ صحافت پر طلوع ہوا کہ آسمانِ ادب کے پرستاروں کے چراغ گل ہو گئے۔ — — — — — عمائدِ ملک نے اسے صحافت کے لئے نشانِ راہ تسلیم کیا۔"[1]

مارچ ۱۹۳۲ء/ ۱۳۵۱ھ میں مولانا احسان اللہ خان نے "ادبی دُنیا" منصور احمد بی۔ اے کے ہاتھ بیچ دیا اور وہ "ادبی دُنیا" سے الگ ہو گئے۔ مئی ۱۹۳۵ء/۱۳۵۴ھ میں ایک ادبی پرچہ "شاہکار" جاری کیا جو چھ سال اُن کی ادارت میں طبع ہوتا رہا۔

متذکرۃ الصدر صحافتی و ادبی خدمات کے ساتھ ۱۹۲۱ء/ ۱۳۳۹-۴۰ھ میں دیال سنگھ کالج لاہور میں السنہ شرقیہ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ دیال سنگھ لائبریری کے سیکرٹری اور پنجاب یونیورسٹی کے فیلو کی حیثیت سے بھی فرائض منصبی انجام دیئے۔ ۱۹۴۰ء/ ۱۳۵۹ھ میں حکومتِ ہند نے اُن کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اُنہیں "شمس العلماء" کا خطاب عنایت کیا۔

مولانا احسان اللہ خان زندگی کے آخری چند سالوں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ امراضِ قلب میں چار پانچ سال مبتلا رہ کر ۳۰ جنوری ۱۹۵۱ء/ ۲۱ ربیع الاخریٰ ۱۳۷۰ھ کو لاہور میں فوت ہوئے۔ عزیز حاصل پوری نے مندرجہ ذیل تاریخیں

---

[1] ماہنامہ "کلچر" (لاہور) تاجور نمبر ص ۲۸۳

کہیں:[1]

آہ عالمِ یکتا علامہ پاکستان تاجور نجیب آبادی

۱۹۵۱ء

غروب ہو گیا افسوس آفتابِ ادب

۱۹۵۱ء

تاجور آہ رفت از دنیا

۱۳۷۰ھ

مولانا احسان اللہ خان نے اپنی تمام توجہ اُردو شعر و ادب پر مرکوز کر دی تھی۔ تاجور تخلّص کرتے تھے۔ رسا رامپوری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔[2] اُن کی ادبی خدمات میں "اُردو مرکز" کا قیام شامل ہے۔ اِس اشاعتی ادارے کے زیرِ اہتمام اُنہوں نے اُردو نظم و نثر کا ۳۶ جلدوں میں انتخاب مرتّب کیا۔ ایک رسالہ ہفت روزہ "پریم" بھی جاری کیا تھا۔ ایک خط میں "اُردو مرکز" کی کارکردگی پر روشنی ڈالتے ہیں:

"اُردو مرکز زیرِ اہتمام کئی سال کی محنت سے اُردو ادب قدیم و جدید نظم و نثر کا شعبہ وار اور تاریخی ترتیب کے ساتھ انتخاب کر کے ہر شعبۂ منتخبہ کو تاریخی و تنقیدی مقدمات اور ہر عہد کے اُردو مصنّفین کے حالات و تصاویر اور ان کی ادبی حیثیت و تبصرات کے ساتھ ۳۶ مجلّدات میں شائع کر چکا ہوں۔ یہ مجلّدات مدراس اور الٰہ آباد کی یونیورسٹیوں میں ایف۔ اے اور بی۔ اے کے نصاب میں شامل ہیں۔ ان میں سے

---

[1] ماہنامہ "مخزن"، (لاہور) بابت مارچ ۱۹۵۱

[2] مکتوب بنام محمد اظہار الحسن۔ بحوالہ ماہنامہ "پکچر"، (لاہور) تاجور نمبر ص ۱

ایک کتاب "روحِ نظم" لندن یونیورسٹی کے بی۔ اے آنرز کا اُردو کورس ہے[1]"

مولانا موصوف کا کلام اور مضامین مختلف رسائل و جرائد میں منتشر ہیں۔ اُن کی منظومات اور مضامین کا انتخاب ماہنامہ "پیکچر" (لاہور) کے تاجور نمبر میں شائع ہوا ہے[2]۔

موصوف عربی ادب پر ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ جو اُن کی شعری مصروفیات کے پیشِ نظر مرتب نہ ہو سکی۔ ۱۹۴۰ء کے ایک مضمون میں اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مدتِ مدید سے اس فکر میں ہوں کہ قسمت موجودہ افکار لاحاصل سے رہائی بخشے تو ادب العرب کے نام سے چند مجلدات میں ادبِ عربی (نظم و نثر) پر ایک ضخیم تصنیف سرانجام دے کر اُسے زندگی کی راہ بے منزل کے لئے منزلِ راہ زندگی بنالوں۔ دیوبند میں میرے دل پسند مضامین شروع ہی سے عربی ادب اور فلسفہ بنے رہے۔ لاہور رہا تو شمس العلماء عبداللہ ٹونکی جیسے عربی کے بے مثل ادیب اور بین الاقوامی شہرت کے فلسفی کا فیضِ رشد و ہدایت مجھے نصیب رہا۔ اُردو ادب میں میری دلچسپی تفریح کی حد تک رہتی تھی مگر حالاتِ ناساز گار نے اس تفریح کو میری زندگی بنا دیا[3]"

---

[1] بوستانِ قلم ص ۴۲-۴۳

[2] ماہنامہ "پیکچر" (لاہور) تاجور نمبر ص ۴۹-۳۵۲

[3] تذکرۂ تہذیب و ادب ص ۹

مولانا احسان اللہ خان تاجور بلند پایہ شاعر تھے۔ اُن کا کلام تاحال یکجا نہیں ہو سکا۔ اُن کی ایک نظم "خدا ایک وحدت الوجودی کی نظر میں" بطور نمونہ درج کی جاتی ہے ؎

دُنیائے ہست و بود میں روح رواں ہے تو
شیرازہ بندِ کشورِ کون و مکاں ہے تو
ہر دل میں جس کا درد ہے وہ جانِ جاں ہے تو
ہر دو جہاں میں زینتِ ہر دو جہاں ہے تو
پتھر ہے، دل نہیں ہے اگر دل میں تو نہیں
وہ پھول کیا ہے جس میں ترا رنگ و بُو نہیں

ہے وحدت الوجودی و ویدانتی نژاد
خاکِ رہِ تلاش مگر پھر بھی بے مراد
اتنا ہے تیری یاد میں مخمورِ کیفِ یاد
کرتا ہے اس فریبِ تخیّل سے دل کو شاد
ہستی کے پھول پھول میں تیرا ہے رنگ و بُو
تحت الثریٰ سے تابہ ثریا ہے تُو ہی تُو

پہلوئے اہلِ غم میں دلِ خانماں خراب
فرقت میں یادِ دوست کی تصویرِ بے نقاب
سینے میں شورِ عشق، مقدر میں پیچ و تاب
آنکھوں میں اشک، لب پہ فغاں، دل میں اضطراب
آتش بیاں ہے ذکر سے تیرے زبانِ عشق!
ہنگامہ زار ہے ترے دم سے جہانِ عشق

رخسارِ جاں نواز میں شادابیٔ گلاب
روئے نظر فروز میں رعنائیٔ شتاب!
گیسو میں پیچ نرگسِ جادو میں کیف خواب
صورت میں حُسن، حسنِ فروزاں میں آب وتاب
محشر خرامیٔ بتِ سروِ چمن ہے تو!
روئے حسین پہ زلفِ شکن در شکن ہے تو

وقفِ تلاش بُت میں ہے ہندوئے پاکباز
مسلم کے واسطے ہے تو ہی قبلۂ نماز
ہے پارسی کا آگ کے پردے میں کارساز
تو کیا ہے اے خدا؟ نہ کھُلا آج تک یہ راز
گردش میں آسمان ہے چکر میں آفتاب
تیری تلاش میں ہیں ترے خانماں خراب

وابستہ تجھ سے عالمِ سفلی کا انتظام!
ہے تو ہی صدرِ محفلِ چرخِ کبود فام
از شرق تا بہ غرب ترا ذکر لا کلام
پُر تیری داستاں سے ہیں اوراقِ صبح وشام
معمور بزمِ کون ومکاں تیرے نور سے
ہستی کا کُل ظہور ہے تیرے ظہور سے

جب مرگِ بے کسی میں نہ ہو کوئی آس پاس!
جب دِل کے غم کدہ پہ ہو طاری سکوتِ یاس

جب سانس اکھڑ چکا ہو، جب آئے دوانز راس
جب چھوڑ دی ہو جینے کی بیمارِ غم نے آس

اُٹھتا ہے اُس کے دِل میں تیرا دردِ جستجو
اس حال میں بھی اس کی زبان پر ہے تو ہی تو[1]

---

[1] ماہنامہ "ہمایوں" ج ا، ش ا، ص ۵۷-۷۶

قاضی احسان احمد شجاع آبادی (وھابی دیوبندی)

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی بن قاضی محمد امین ۹ ربیع الاولیٰ ۱۳۲۴ھ/ ۳ مئی ۱۹۰۶ء کو شجاع آباد میں پیدا ہوئے۔ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم شجاع آباد میں حاصل کی۔ اُن کے اساتذہ میں حافظ اللہ وسایا (ساکن موضع جتی۔ تحصیل شجاع آباد) کا نام ملتا ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شاگردی اختیار کی اور مجلس احرارِ اسلام میں شامل ہوئے۔ اُنہوں نے مجلس احرار اسلام کی تمام تحریکوں میں سرگرمی سے حصّہ لیا۔ تحریکِ کشمیر ہو یا مسجد شہید گنج کی بازیابی کی تحریک۔ وہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ آخر الذکر تحریک میں چھ ماہ قید رہے۔ ۱۹۳۵ء کے آخری ایام (۱۳۵۴ھ) میں قادیان میں دفعہ ۱۴۴ کے ذریعے نمازِ جمعہ پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ اس شرعی حکم کو اپنے قانون کے زور سے برطانوی حکومت نے ختم کرنا چاہا تو مجلس احرارِ اسلام میدانِ عمل میں آگئی۔ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نماز جمعہ کا اہتمام کیا گیا قاضی صاحب اسی سلسلے میں ۲۰ دسمبر ۱۹۳۵ء/ ۲۴ رمضان ۱۳۵۴ھ کو گرفتار ہوئے اور چھ ماہ قید و بند میں گذارے۔ یہ اُن کی دوسری گرفتاری تھی اس سے پہلے مغل پورہ انجنیئرنگ کالج کے پرنسپل کے خلاف احتجاجی تحریک میں شامل ہوئے اور جہلم میں چھ ماہ نظر بند رہے تھے۔

۱۹۳۸ء/ ۱۳۵۷ھ میں قاضی صاحب کو مجلس احرارِ اسلام کی ورکنگ کمیٹی کا رکن چُنا گیا۔ دوسری جنگِ عظیم شروع ہوئی تو مجلس احرارِ اسلام نے "وار کونسل" تشکیل دی اور عوام کو فوج میں بھرتی دینے سے روکا۔ اس کونسل کے پہلے قائد قاضی صاحب تھے۔ امر تسر میں انہیں گرفتار کیا گیا۔ مقدمہ چلا اور تین سال کے لیے پسِ دیوارِ زنداں بھیج

دیئے گئے۔

تشکیلِ پاکستان کے بعد آل انڈیا مجلسِ احرارِ اسلام کو توڑ کر مجلس احرارِ اسلام پاکستان قائم کی گئی۔ مجلس کی باگ ڈور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے ہاتھ میں تھی۔ ماسٹر تاج الدین انصاری مجلس کے ناظمِ اعلیٰ چُنے گئے تھے۔ دو سال بعد مجلس احرار اسلام کی سیاسی حیثیت ختم کر کے اسے تبلیغی جماعت بنا دیا گیا چنانچہ مجلس نے اپنی سرگرمیاں عقیدۂ ختمِ نبوّت کے تحفّظ کیلئے وقف کر دیں۔

تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) میں قاضی احسان احمد صاحب نے جو کردار ادا کیا۔ اس کا اظہار منیر انکوائری رپورٹ کے حسبِ ذیل اقتباس سے ہوتا ہے:

"پہلا شخص جس نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم کی توجہ قادیانی تحریک کی سنگینی کی طرف مبذول کرائی وہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی تھا۔ قادیانیت کی مخالفت اس شخص کی زندگی کا واحد مقصد معلوم ہوتا ہے اور وہ جہاں کہیں جاتا ہے۔ اپنے ساتھ ایک بڑا چوبی صندوق لے جاتا ہے جس میں احمدیوں کا اور احمدیوں کے خلاف لٹریچر بھرا ہوتا ہے۔ زیادہ اہم سیاسی واقعات کا ذکر تو درکنار، پاکستان یا کسی اور شخص کو کوئی آفت پیش آجائے۔ کوئی افسوس ناک واقعہ رونما ہو جائے۔ قائد ملت قتل کر دیئے جائیں یا ہوائی جہاز گر پڑیں۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نزدیک وہ ہمیشہ احمدیوں ہی سازش کا نتیجہ ہوتا ہے[1]"

قاضی صاحب کو ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء/۱۳/ار جمادی الاخریٰ ۲ ۷ ۱۳ھ کو شجاع آباد

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء بحوالہ سوانح حیات قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص ۲

سے گرفتار کیا گیا اور ڈسٹرکٹ جیل ملتان میں محبوس رہے۔ اسی زمانۂ اسیری میں اُنہیں اپنے والدِ ماجد قاضی محمد امین کی رحلت کا حادثۂ جانکاہ سہنا پڑا۔ حکومت وقت نے کوشش کے باوجود قاضی صاحب کو اپنے والد کی آخری رسوم میں شرکت کی اجازت نہ دی۔ علامہ عبدالرشید طالوت نے قاضی محمد امین مرحوم کا قطعۂ تاریخ کہتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا ہے ع

مومنِ پاک دل امین و شجاع   قاضیٔ وقت ، حاکمِ باطن
جس کا بیٹا خطیبِ پاکستان   جس کا احساں ، قوم کا ضامن
اس کا جب وقتِ آخری پہنچا   اُس کا "احساں" قید تھا اُس دن
ہاتفِ غیب نے کہی تاریخ   مصرع آخری میں دیکھو سُن
لختِ دل اس کا گو رہا نہ ہوا
قیدِ غم سے رہا ہوا مومن[1]

سنٹرل جیل ملتان میں اُنہیں زہر دیا گیا۔ انیس شاہ جیلانی صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں :

"مجھے اور حضرت لاہوری (مولانا احمد علیؒ) کو جیل میں زہر دیا گیا تھا اس کے اثرات گرمیوں میں عود کر آتے ہیں[2]"

قاضی احسان احمد صاحب آخری بار جون ۱۹۶۰ء/۱۳۷۹ھ میں گرفتار ہوئے مگر حکومت کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور جلد ہی رہا کر دیئے گئے۔ اُنہوں نے جذبۂ آزادی کی پاداش اور فتنۂ قادیانیت کے خلاف شوقِ جہاد میں بحیثیت مجموعی

---

[1] سوانح حیات قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص ۲۴

[2] قاضی صاحب ص ۹۵

نوسال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کی رحلت کے بعد "مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان" کے امیر چنے گئے۔ انہوں نے مجلس کے سٹیج سے قادیانیت کے خلاف بھرپور کام کیا۔ قادیانیت کے لٹریچر پر اُن کی گہری نظر تھی۔ اہل قلم اس سلسلے میں اُن سے استفادہ کرتے تھے۔ مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے "پاکستان میں مرزائیت کا مقام اور مستقبل" کے زیرِ عنوان مقالات کا سلسلہ شروع کیا تو قاضی صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ اسی طرح جب منیر انکوائری کمیٹی نے کام شروع کیا تو مولانا داؤد غزنوی نے انہیں ایک خط میں لکھا:

"آپ نے اخبارات کے مطالعہ سے معلوم کیا ہوگا کہ تحقیقاتی کمیشن ہماری تحریک کے سلسلہ میں تحقیقات کر رہی ہے کہ اس میں جو فسادات ہوئے ہیں۔ اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔

اگر اس میں ہماری طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی تو اس کے نتائج دُور رس ہوں گے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مرزائیوں کی طرف سے مسلسل اشتعال انگیزی اور منافرت پھیلانے کی کوشش رہی ہے۔ اُسے کمیشن کے سامنے لایا جائے اور اگر ہم اس وقت چوک گئے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم اس غفلت اور تساہل کی تلخی محسوس کرتے رہیں گے۔

اس لئے سب دوستوں کی رائے ہے کہ آپ لاہور تشریف لائیں اور پورے سازوسامان کے ساتھ تشریف لائیں"[1]

---

[1] سوانح حیات قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص ۵۰۶-۵۰۷

قاضی احسان احمد صاحب شجاع آباد کی شاہی مسجد کے متولی اور پیش امام تھے۔ مسجد کی ہر سال توسیع کرتے رہتے تھے۔ بے مثال خطیب تھے۔ اہلِ نظر کی رائے ہے کہ وہ اپنی سحر انگیز خطابت کی وجہ سے مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاری مرحوم کے ثانی کہلا سکتے تھے۔

قاضی صاحب نفیس الطبع اور باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ حد درجہ مہمان نواز تھے اور احباب کی خدمت میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ اپریل ۱۹۶۶ء/ ۸۶-۱۳۸۵ھ میں سرطان کے موذی مرض میں مبتلا ہوئے۔ ہر چند علاج معالجہ کیا گیا مگر صحت نہ ہوئی۔ ۲۳ر نومبر ۱۹۶۶ء/ ۹ر شوال ۱۳۸۶ھ کو فوت ہوئے۔ مولانا عبداللہ درخواستی صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور شجاع آباد کے قبرستان نور شاہ میں دفنائے گئے۔ اُن کی رحلت پر شعرائے کرام نے تعزیتی نظمیں کہیں۔ حافظ لدھیانوی صاحب کی تعزیتی نظم ذیل میں درج کی جاتی ہے:

اے شجاع آباد تجھ میں دفن ہے — سرزمینِ پاک کا فرزندِ دیں
ملک و ملت کا تھا لاثانی خطیب — جس کا ثانی ملک میں کوئی نہیں
جس کے ہر اک لفظ میں اک سحر تھا — جس کی ہر اک بات دلکش دل نشیں
تھا رسولِ پاک کا ادنیٰ غلام — جس کا سینہ تھا محبت کا امیں
بہرِ آزادی وہ زنداں کا اسیر — صبحِ آزادی وہ درخشندہ جبیں
جس کا ہے احسان ساری قوم پر — چھپ گیا ہے ہم سے تابندہ نگیں
یاد آئیں گی وہ بزم آرائیاں — ہوک سی دل سے اُٹھے گی بالیقیں
چشم نم ہے آج اس کی یاد میں — آج ہر اک قلب ہے اندوہگیں
جا ملا ہے آج اپنے شاہ سے — ہو گئی مسرور وہ روحِ حزیں
آج اُس منزل پہ جا پہنچا ہے وہ — جس جگہ سے کوئی بھی لوٹا نہیں

مطلعِ انوار ہو، اس کی لحد
ہو خدایا اُس کی تربت عنبریں[1]

قاضی صاحب مرحوم کی اولاد میں چار صاحبزادیاں بقیدِ حیات ہیں۔

---

[1] سوانح حیات قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص ۵۹۰

خواجہ احمد میروی

حضرت خواجہ احمد میروی بن محمد برخوردار کے دادا سکھوں کے عہدِ حکومت میں ڈیرہ غازیخاں میں آئے۔ اِس علاقہ کی ایک بلوچ خاتون سے شادی کی۔ جس کے بطن سے محمد برخوردار پیدا ہوئے۔ محمد برخوردار کی شادی بھی اپنے ننھیالی خاندان میں ہوئی۔ اللہ تعالےٰ نے دو بچے۔ خواجہ احمد، خواجہ محمد یعقوب۔ اور ایک بچّی عائشہ عطا کی۔ خواجہ احمد بلوچستان کے علاقے میں ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴-۳۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔

محمد برخوردار، خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ (م ۷، صفر ۱۲۶۷ھ) کے مُرید تھے اور اکثر تونسہ شریف حاضری دیتے رہتے تھے۔ آخری بار تونسہ سے واپس وطن جا رہے تھے کہ تونسہ سے دو کوس مغربی جانب منگروٹھ کے مقام پر جان، جانِ آفرین کے حوالے کی۔ وہیں مسجد بلوچ خان کے قریب دفنائے گئے۔

خواجہ احمد میروی کے والد ماجد کے اُٹھ جانے پر اُن کے ماموں علی خان نے اُن کی پرورش کی، قرآن مجید پڑھ کر تونسہ چلے گئے۔ نو سال قیام کیا اور علوم متداولہ کی اکثر کتابیں مدرسہ خانقاہ میں پڑھیں۔ بعد میں ملتان تشریف لے گئے۔ افسوس کہ ملتان کے زمانۂ قیام اور اُن کے اساتذہ کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ دورانِ طالب علمی میں "کلور" نزد عیسےٰ خیل میں مولوی مملوک علی سے بھی استفادہ کیا تھا۔

علومِ مروّجہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو اپنے والد ماجد اور ماموں علی خان کی طرح خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ڈیرہ غازیخاں سے ترکِ سکونت کر کے پنڈی گھیپ سے بارہ میل جنوب مغرب "میرا" کے مقام پر اقامت گزین ہوئے۔ اُن کی آمد سے ضلع اٹک، کا یہ دور افتادہ مقام اہلِ علم و طریقت کا مرجع بن گیا۔ انہوں نے یہاں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس میں وہ خود درس دیتے تھے۔ انہوں نے تبلیغِ دین اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے علماء

کو مقرر کیا جو دور و نزدیک ان کی ہدایات کے مطابق کام کرتے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلیفہ حضرت فاضل شاہ دم سنہ ۱۲۹۰ھ) ساکن گڑھی افغاناں ضلع راولپنڈی سے اُن کے اچھے روابط تھے۔ ایک دفعہ مولانا محمد علی مکھڈی دم سنہ ۱۲۵۳ھ) کے عُرس پر حضرت فاضل شاہ نے انہیں بیعت کی اجازت دی۔ اس کے بعد عقیدت مندوں کو بیعت کرنے لگے لیکن تونسہ شریف میں بپاسِ ادب کسی کو مرید نہ بناتے حتیٰ کہ خواجہ اللہ بخش تونسوی دم سنہ ۱۳۱۹ھ) نے حکماً فرمایا کہ وہ لوگوں کو اپنے فیض سے محروم نہ کریں۔

ایک روایت کے مطابق جامع مسجد حنفیہ راولپنڈی کا سنگِ بنیاد، خواجہ احمد میروی نے رکھا تھا[۱]۔ موصوف کی شخصیت مرجع عوام و خواص تھی۔ اُن سے بے شمار افراد نے اکتسابِ فیض کیا۔ خلفاء کی تعداد بھی کافی ہے چند اہم خلفاء کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا احمد خان المعروف حضرت ثانیؒ سجادہ نشین

۲۔ مولانا بصیر احمد (لسال ضلع اٹک)

۳۔ مولانا جلال الدین معروف بہ جھگی والے

۴۔ مولانا اکبر علی (میانوالی)

۵۔ مولانا محمد فائق چشتی (گوجرانوالہ)

۶۔ مولانا حاجی فضل کریم (چکوال)

۷۔ سیّد محمد ایوب شاہ (شاہ پور)

---

[۱] تحریر "ادیب ملک" روزنامہ جنگ (راولپنڈی) بابت ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۷۶ء اس کے برعکس یہ روایت بھی ملتی ہے کہ "مرکزی جامع مسجد حنفیہ راولپنڈی شہر کے سنگِ بنیاد رکھنے کی سعادت سیّد فقیر شاہ صاحب کے حصّہ میں آئی جو محلّہ چوہدری گل سراج خان کی مسجد سیّداں کے ایک بزرگ ضمیر الحسن صاحب سے تعلق و علاقہ رکھتے تھے" (افکار راولپنڈی ڈائریکٹری ص ۶۱)

۵، محرم ۱۳۳۰ھ / ۲۷، دسمبر ۱۹۱۱ء کو خواجہ موصوف کا وصال ہوا۔ میرا شریف میں مزار ہے۔
خواجہ میروی رح کی باکمال شخصیت کا نمایاں ترین پہلو "استغنا اور توکل علی اللہ" ہے جس زمانے میں تونسہ میں پڑھتے تھے۔ نواب بہاولپور کے وزیر احمد خان نے طلبہ کے وظائف مقرر کیے مگر انہوں نے وظیفہ لینے سے انکار کر دیا۔ سیرت کے اسی پہلو کا اظہار اُن کے وصیت نامہ کی اس شرط سے ہوتا ہے کہ "یہاں (مزار شریف) کے رہنے والے فقیروں کو چاہیئے کہ ایک جگہ بیٹھ کر خدا کو یاد کریں اور کسی دُنیادار کے دروازے پر نہ جائیں"[1]

---

[1] ایضاً

ابو محمد احمد چکوالی (وھابی دیوبندی)

مولانا ابو محمد احمد چکوالی بن غلام حسین، چکوال ضلع جہلم کے باشندے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگرد اور مولانا عبیداللہ سندھی کے مخلص دوست تھے، مولانا سندھی کی قائم کردہ "جمعیت الانصار" کے سرگرم کارکن تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی "تحریک ریشمی رومال" میں شامل رہے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ (م ۱۳۷۷ھ) کے الفاظ میں "نہایت استقلال اور بے جگری کے ساتھ مشن کے کاروبار میں شریک رہے اور ہزاروں کو ممبر اور ہم خیال بنایا"[۱] اسی سلسلے میں گرفتار ہوئے اور روپڑ ضلع انبالہ میں نظر بند رہے۔ ابتدا میں کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا اور انہوں نے انکار کیا مگر جب حکومت کے ہاتھ میں دستاویزی ثبوت آ گئے تو انہوں نے سیاست سے کنارہ کشی کرنے کا وعدہ کیا اور رہا ہو گئے تحریک ریشمی رومال کے ایک دوسرے اہم کارکن مولانا احمد اللہ پانی پتی کے اقرارِ جرم کا سبب وہی بنے تھے۔[۲]

رہائی کے بعد کشمیری بازار لاہور کی موتی مسجد میں قیام پذیر ہوئے۔ سیاست سے کلی طور پر دامن بچائے رہے۔ کتابوں کی تصحیح سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے تھے۔ لاہور میں ایک موٹر سے ٹکرا کر زخمی ہو گئے اور یہی زخم جان لیوا ثابت ہوئے۔

اُن کے صاحبزادے ڈاکٹر عبدالقوی لقمان لاہور میں مقیم تھے، صاحبزادی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے عقد میں تھیں۔

---

[۱] نقشِ حیات جلد دوم ص ۲۰۲ [۲] ایضاً ص ۲۰۲

ابوالبرکات سیّد احمد قادری

ابوالبرکات سید احمد قادری بن سیّد دیدار علی الوری ۱۹۰۶ئہ/ ۱۳۲۴ھ میں ریاست الور میں پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کی نگرانی میں اُن کے قائم کردہ "دارالعلوم قوت الاسلام" میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا عبدالکریم، مولانا ظہوراللہ، مولانا ارشاد علی الوری اور صوفی عبدالقیوم کے نام ملتے ہیں۔ درسِ نظامی کی تکمیل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کے مدرسہ اہلِ سنّت و جماعت مرادآباد میں کی۔ دورۂ حدیث کے بعد سیّد دیدار علی الوری نے اپنے فرزند کو سندِ فضیلت عنایت کی۔ انہیں مولانا احمد رضا خان بریلوی کے زیرِ نگرانی علمی کام کرنے کا موقع ملا۔

سیّد دیدار علی الوری جامع مسجد آگرہ میں فرائضِ خطابت انجام دیتے تھے۔ وہ ۱۹۲۲ئہ میں لاہور تشریف لے آئے تو اُن کی مسندِ خطابت کو رونق بخشی۔ ۱۹۲۳ئہ میں سیّد دیدار علی نے انہیں جامع مسجد داتا گنج بخش کی خطابت کے لیے لاہور طلب کیا اور وہ آگرہ کی تمام مصروفیات ترک کر کے لاہور آ گئے۔

خطابت کے ساتھ مسجد وزیر خان میں علوم دینی کی تدریس شروع کی بعد میں وہ انجمن حزب الاحناف لاہور کے قائم کردہ دارالعلوم میں مسندِ تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ ۱۹۳۰ئہ میں اپنے استاد مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی کی معیّت میں فریضہ حج ادا کیا۔

مولانا ابوالبرکات، حضرت علی حسین کچھوچھوی کے ارادت مند تھے اسی نسبت سے اشرفی کہلاتے تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق مولانا احمد رضا خان بریلوی سے سلسلۂ قادریہ میں مجازِ بیعت تھے۔

مولانا ابوالبرکات سیاسی طور پر چنداں فعال نہیں تھے مگر دینی اہمیت کے مسائل اور تحریکات میں بھرپور دلچسپی لیتے تھے۔ تحریکِ شدھی کے زمانہ میں انہوں نے اشاعتِ

اسلام اور آریہ سماج کی تردید میں کام کیا۔ سارد ا ایکٹ کے خلاف پُرزور آواز بلند کی اور تحریکِ آزادی میں "دو قومی نظریہ" کی تائید کی۔ قیامِ پاکستان کے بعد علمائے اہلِ سنّت و جماعت میں اتحاد و اتفاق کے لیے کوشاں رہے۔ دار العلوم حزب الاحناف کی مسندِ حدیث و تفسیر پر متمکن تھے کہ طویل علالت کے بعد ۲۴ ستمبر ۱۹۷۸ء/ ۲۱ اپریل ۱۳۹۸ھ کو وفات پائی۔ لواحقین میں ایک بیوہ، دو صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے سوگوار چھوڑے۔ تینوں صاحبزادے سیّد محمود احمد رضوی، سیّد حبیب احمد رضوی اور سیّد مسعود احمد رضوی اپنی خاندانی روایات کے امین ہیں۔

مولانا ابو البرکات کی قلمی یادگاروں میں چند تبلیغی رسائل ہیں جو انجمن حزب الاحناف کی طرف سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ ان کے علاوہ حسبِ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ فتح المبین

۲۔ مناظرہ ترنتارن

۳۔ وہابیوں کی کہانی

احمد الدین بگوی

احمد الدین بن حافظ نور حیات بن حافظ محمد شفا بن حافظ نور محمد ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے۔

اپنے بڑے بھائی غلام محی الدین بگوی کے ساتھ آٹھ سال کی عمر میں (جب کہ دسواں پارہ حفظ کر رہے تھے) حصولِ علم کے لیے دہلی کا سفر کیا۔ قرآن مجید حفظ کیا اور شرح وقایہ و مطوّل تک کتبِ درسی برادرِ بزرگ سے پڑھیں۔ چودہ سال دہلی میں قیام رہا۔ اُن کے تمام اساتذہ کے نام نہیں ملتے البتہ شاہ محمد اسحاق دہلوی (م ۱۲۶۲ھ) نواسہ شاہ عبد العزیز دہلوی سے علمِ حدیث میں سندِ اجازت حاصل کی تھی۔

فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ لاہور اور بگہ میں قیام رہتا تھا مولانا غلام محی الدین اور ان کا دستور تھا کہ چھ ماہ ایک بھائی لاہور میں رہتا تو دوسرا گاؤں میں، اس طرح دونوں جگہ درس و تدریس اور افتاء و اصلاح کا کام جاری رہتا تھا۔

مولانا احمد الدین ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ بامروّت اور مشفق اُستاد تھے اگر طلبہ میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو اپنے ہاتھ سے دوا تیار کرتے اور طالبِ علم کو پلاتے تھے۔

ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی صاحب نے رسالہ "سنان الموحدین لدفع مطاعن الملحدین" (انجمن خادم الاسلام جموں باہتمام سلطان محمود اسسٹنٹ سیکرٹری نے لاہور سے طبع کرایا) میں مرقومہ جملے "شیخ پنجاب مولانا احمد الدین مرحوم بگوی امام مسجد شاہی لاہور" سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاہی مسجد کے ۱۸۵۶ء میں واگزار ہونے پر مولوی احمد الدین اس مسجدِ شاہی کے امام مقرر ہو گئے تھے۔[۱]

---

[۱] بادشاہی مسجد لاہور ص ۳۲

مولانا احمد الدین نے جامع مسجد بھیرہ کو از سرِ نو تعمیر کیا۔ جو آج تک ,, خاندانِ بُگہ ‘‘ کے وعظ و ارشاد کا مرکز ہے۔

پنجاب میں مولانا احمد الدین اور اُن کے برادرِ بزرگ سے اس قدر فیض پھیلا کہ شاید ہی کوئی صاحبِ علم بلاواسطہ یا بالواسطہ ان دونوں کی شاگردی سے مستثنیٰ ہو۔ ہزار ہا افراد نے صرف بہائی سے لے کر فارغ التحصیل ہوتے تک اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اُن کے معروف ترین تلامذہ میں مولانا غلام رسول (م ۱۲۹۱ھ) ساکن قلعہ میہاں سنگھ، حافظ ولی اللہ لاہوری، مولوی کرم الٰہی بھیروی، مولوی غلام علی قصوری اور مولانا غلام قادر بھیروی شامل ہیں۔

۱۳ر شوال ۱۲۸۶ھ / ۱۶ر جنوری ۱۸۷۰ء کو بھیرہ میں فوت ہوئے اور جامع مسجد بھیرہ کے متصل دفن کیے گئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ برادرِ بزرگ مولانا غلام محی الدین بگوی سے تیرہ سال چھوٹے تھے اور تیرہ سال بعد ہی وفات پائی ,, غفور ‘‘ سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

مولانا احمد الدین نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں مگر انہیں اپنی کتابوں پر نظر ثانی کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ مسوّدہ مکمّل ہوتے ہی طلبہ اور علماء استفادہ کے لیے اُچک لیتے تھے۔ اُن کی مندرجہ ذیل کتابوں کا علم ہو سکا۔

۱۔ احمدیہ حاشیہ شرح ملّا (جامی)

۲۔ حاشیہ خیالی

۳۔ حاشیہ مطوّل

۴۔ ضیاء الصرف شرح صرف میر

۵۔ دلیل المشرکین (عربی) ۱۲۵۹ھ میں مکمّل ہوئی۔ نسخہ خطی بخطِ مؤلف عبدالحمید سواتی صاحب (ناظم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) کے پاس ہے۔ سواتی صاحب نے اصل متن مع اُردو ترجمہ۔ ایضاح المومنین کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ شرک کی مختلف اقسام

بیان کی ہیں اور ان کی تردید قرآن وسنّت اور آثارِ سلف سے کی ہے۔

۶۔ مسئلہ غنا کے متعلق ایک کتاب کا ذکر متذکرۃ الصدرہ دیل المشرکین" میں کیا ہے۔ مولانا موصوف موزوں طبع تھے۔ چند اشعار حسبِ ذیل ہیں ۔

ایا شایا لرب العرش عاصی اتدری ما جزار ذی المعاصی!

سعیر للعصاۃ لہا ثبور فویل یوم یوخذ بالنواصی

فان تصبر علی النیران فاعصی والا فکن عن العصیان قاصی

و فیما قد کسبت من الخطایا رہنت النفس فاجہد فی الخلاصی

ے دیل المشرکین ص ۲۵۹

قاضی احمد الدین کرسالی

مولانا قاضی احمد الدین موضع کرسالی ضلع چکوال کے باشندے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) کے شاگردوں میں سے تھے۔ فراغتِ تعلیم کے بعد دہلی میں بیس سال تدریس کی۔ ۱۸۵۷ء/۷۴-۱۲۷۳ھ کی جنگِ آزادی میں گرفتار ہوئے اور پا بجولاں دہلی سے انبالہ لائے گئے۔ سخت اذیتیوں سے گزرے، انبالہ جیل سے بعض دوسرے افراد کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ کچھ عرصہ روپوش رہے۔ جب حالات سازگار ہو گئے تو وطن مالوف "کرسال" آ گئے۔

مولانا قاضی احمد الدین نے کرسال میں درس شروع کیا اور آخر دم تک تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہے، اُن کے شاگردوں میں کئی جیّد عالموں کے نام ملتے ہیں۔ مولانا نور عالم ساکن کڑی نے اُن کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا تھا۔[1]

ایک روایت کے مطابق مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) نے بھی بعض رسائلِ صرف اُن سے پڑھے تھے۔[2]

مولانا احمد الدین کی تاریخِ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔ اُن کے صاحبزادے مولانا قاضی عبدالباقی نے اُن کی علمی و دینی روایت قائم رکھی۔ مولانا عبدالباقی علمِ منطق کے ماہر تھے۔

---

[1] امیر حزب اللہ ص ۶ (حاشیہ)

[2] اصلاح الاخوان ص ۱۳۶

احمد الدین چکوالی

مولانا احمد الدین بن غلام حسین، بن محمد احسن ۲۰ رمضان المبارک ۱۲۶۸ھ/۸ جولائی ۱۸۵۲ء کو موضع بولہ تحصیل پنڈدادن خان ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "چراغ دین" ہے اور واقعی اُن کی ذات سے دین کی روشنی پھیلی ہے۔

۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ کو اُن کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ اندرونِ ملک مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور علوم متداولہ میں درک حاصل کر لیا۔ ۱۲۹۸ھ میں بغرض حج ارضِ حجاز گئے تو مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) اور اُن کے فاضل رفقاء سے استفادہ کی غرض سے مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے۔ چند سال قیام کر کے سندِ حدیث حاصل کی۔

۱۳۰۲ھ میں واپس وطن آئے تو کراچی کے محلّہ کھڈہ میں مدرسہ "مظہر العلوم" میں تدریس شروع کی۔ یہ مدرسہ اسی سال مولانا عبداللہ (والدِ ماجد مولانا محمد صادق کراچوی مرحوم) کی کوششوں سے قائم ہوا تھا۔ مدرسہ کی ترقی و بقا میں مولانا احمد الدین کے حسنِ اہتمام اور تبحرِ علمی نے بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ مدرسہ آج بھی علوم دینیہ کی اشاعت میں مصروف ہے اور بلا ریب مولینا احمد الدین کی روح اس سے خوش ہو گی۔

کچھ عرصہ کراچی میں قیام کے بعد وطن مالوف آئے تو گاؤں سے مرکزی مقام "چکوال" منتقل ہو گئے۔ جالی والی مسجد چکوال اُن کی خطابت و تدریس سے مرجع طلبہ بن گئی۔ دور دراز کے طالب علم آتے اور مولانا سے علمی استفادہ کر کے جاتے۔ بلا مبالغہ اُن کے دامنِ فیض سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا ہو گا۔ موصوف طب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ یہی اُن کا ذریعۂ آمدنی تھا اور ایک حاذق طبیب کی حیثیت سے بھی پہچانے جاتے تھے۔

عربی، فارسی اور اُردو میں شعر کہتے تھے "تاریخ" کہنے میں کمال حاصل تھا۔ ۱۳۰۸ھ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا انتقال ہوا تو مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ۱؎

آہ زیں حینِ مصائب اقتراں — مجمع اندوہ و رنج بیکراں
گشت صبر از خاطرِ غم دیدہ گم — ہست قولِ مثنوی شاہد براں
بشنو از نے چوں حکایت میکند — کایں نے خامہ است دل را ترجماں
وز جدائیہا شکایت می کند — با زبانِ تیز و چشمِ خون فشاں
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند — سخت حیرانم بدست این و آں
در فراقم مرد و زن نالیدہ اند — گریہ ام شورے دہد در حاضراں
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق — گر کنم رنجِ نہانی را عیاں
تا بگویم ذکر دردِ اشتیاق — ز انتقالِ قبلۂ اہلِ دلاں
حضرت مخدومنا علم الہدیٰ — فیض بخش ناکساں و ناقصاں
فخر اہل الہند فی ملک العرب — بلکہ در اسلامبول ۲؎ از وے نشاں
در عراق و ہند و مصر و شام و روم — در فضائل گشتہ ممتاز زماں
کاشتہار الشمس فی نصف النہار — فی بسیط الارض باللطف العیاں
زیر این گنبد ہزار اہلِ کمال — مشتہر گشتند اما نے چناں
ماتمش یک نیست بل صد ماتم است — ظلمتے آمد عیاں اندر جہاں
فوت عالم موت عالمٌ گفتہ اند — سیما آنانکہ ناید مثلِ شاں
بود در دُنیا چراغِ دین و دل — تا کہ شیخ ملک حرمین گشت آں ۱۳۰۸ھ
روز جمعہ بست و دوم از ماہ صوم — رفت سوئے باغ شہ یعنی جناں

۱؎ ایک مجاہد معمار ص ۱۷-۲۰۷، ۲؎ استانبول

غرق بادہ در سیول فیضِ حق　　دام بالا فضال فی کہف الاماں
چوں کہ الطاف جناب آمد بیاد　　آں زماں بردل رسد زخم گراں
زار می نالم زحالِ زار خویش　　چوں ندانم چارۂ اندوہ جہاں
لاجرم چوں نیست درماں غیرِ صبر　　می نمایم بردعا ختم بیاں
رحمۃ اللہ علیٰ اسلافہ　　نعمۃ اللہ باد در اخلافِ شان

گو غریب الوطن تاریخِ وصال
رحمۃ اللہ لدیٰ خیر الجنان

۱۳۰۸ھ

زمانۂ تعلیم میں قرآن مجید حفظ نہ کر سکے تھے بعد میں شوق پیدا ہوا تو قلیل عرصے میں قرآن حفظ کر لیا۔ نمازِ تراویح میں خود ہی قرآن سنایا کرتے تھے۔

اُن کے والدِ ماجد خواجہ شمس العارفین سیالویؒ سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے بھی پہلے خواجہ سیالوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سنہ ۱۳۱۰ھ میں عرب و عراق کا سفر کیا۔ اس سفر میں حضرت نقیب سلیمانؒ بغدادی کے ہاتھ پر سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اُن سے خلافت حاصل کی۔

وہ ۸ رمئی سنہ ۱۹۲۹ء/۲۸ رذی القعدہ سنہ ۱۳۴۷ھ کو معمولی علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ چکوال میں اپنے آبائی قبرستان میں ہمیشہ کی نیند سو رہے ہیں[1]۔

مرحوم کے دو صاحبزادے تھے جو اُن کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے تھے۔

---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۶۲۴، ۶۲۶

قاضی احمد الدین نقشبندی

قاضی احمد الدین نقشبندی موضع عالم گڑھ متصل جلالپور جٹاں کے رہنے والے تھے۔ پابندِ شرع صوفی منش عالمِ دین تھے۔ اعتقاد کے اس قدر مضبوط تھے کہ فرقِ باطلہ کی کتابوں اور دوسری تحریروں کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ جتنی دیر ان لایعنی تحریروں پر وقت ضائع کرنا ہے۔ ذکرِ الٰہی کی حلاوت سے کیوں نہ لطف اٹھایا جائے۔

بانوے ۹۲ سال کی عمر میں ۲۰ ربیع الاخری ۱۳۵۹ھ / ۲۸ مئی ۱۹۴۰ء کو آبائی گاؤں گاؤں میں فوت ہوئے۔

لہ پندرہ روزہ "ضیاء الاسلام" امرتسر۔ جون ۱۹۴۰ء

احمد خان میروی

مولانا احمد خان بن محمد پناہ چکڑالہ ضلع میانوالی میں ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰-۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ اعوان برادری کے چشم و چراغ تھے۔ بارہ سال کی عمر میں اُن کے والد کا انتقال ہوا۔

ابتدائی مکتبی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد موضع کھیوال ضلع جہلم اور پنجاب کے بعض دیہات میں مقیم رہ کر علومِ مروجہ کی تحصیل کی۔ کتبِ حدیث و تفسیر مولانا احمد سکندرپوری سے پڑھیں۔

خواجہ احمد میرویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ انھوں نے گڑھی افغاناں (ضلع راولپنڈی) کے ایک پُر ہجوم اجتماع میں انہیں اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ ۱۳۱۴ھ سے مستقل طور پر خانقاہ میرا شریف میں مقیم ہو گئے۔ خواجہ احمد میروی نے اپنی وصیت میں لکھا تھا:

> "تمام پیر بھائیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ میاں جلال الدین المعروف استاد صاحب بھنگی والے اوّل سے آخر تک میرے سفر و حضر میں ہمرکاب رہے لیکن اس وقت چونکہ وہ بہت کمزور ہو چکے ہیں، لنگر کے انتظام اور دیگر کاروبار کے متحمل نہیں رہے ہیں لہٰذا میں نے اپنا قائم مقام مولوی احمد خان کو کیا۔ لنگر کا تمام انتظام اُن کے ذمے ہے۔ ادائے قرضہ و خرچ لنگر، جنازہ گور و کفن جو مال باقی رہے دو حصّے وارث لے لیں، تیسرے حصّے کا وارث مولوی احمد خان ہے۔"[1]

چنانچہ میرا شریف کے سجادہ پر رونق افروز ہوئے۔ خانقاہ کے مدرسہ کو ترقی دی اور امورِ دینیہ میں مصروف ۱۲ر صفر ۱۳۴۰ھ/ ۸ر جون ۱۹۲۱ء کو وفات پائی۔ مولانا غلام محمد

۱؎ تحریر ادیب ملک، "روزنامہ جنگ" (راولپنڈی)، بابت ۱۶ جولائی ۱۹۶۰ء

جھنڈیالوی نے ایک طویل مرثیہ لکھا جس کے آخری چند اشعار یہ ہیں:

قضائے قادرِ مطلق بہ حق کرد — وصالِ میروی با ذاتِ سبحان
دریغا رفت فیاضِ زمانہ — ہنوز از وے خلائق ماندہ عطشان
فقیر خان احمد کز کمالش — مکرم شد بہ عالم نسلِ انسان
ازیں محنت سرا رحلت گرفتہ — شدہ مجلس گزین با حور و غلمان
بہ سالِ رحلتش نکرم دعا کرد — نصیبش باد دائم "زیب غفران"

۱۳۵۰ھ

غلاما! جانِ خود بروے فدا کن — کہ بود او مقتدای اہلِ عرفان

مولانا احمد خان لاولد فوت ہوئے تھے۔ ان کے جانشین مولوی عبداللہ (بھتیجے) ہوئے۔

ابوالسعد احمد خان

مولانا ابوالسعد احمد خان بن مستی خان بن ملک غلام محمد راجپوت تلوکر قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء میں بکھڑا ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد ملک مستی خان زراعت پیشہ تھے مگر اپنے بیٹے کو عالمِ دین دیکھنے کے شائق تھے چنانچہ مولانا غلام محمد بکھڑوی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ موضع سیوان میں مولانا عطا محمد قریشی سے اور موضع بندیال (میانوالی) میں مولانا نامی سے استفادہ کیا۔ بندیال میں متوسطات تک کتابیں پڑھ کر مدرسہ شاہی مراد آباد چلے گئے۔ وہاں سے کانپور گئے۔ مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا عبیداللہ بکھڑوی سے تکمیلِ تعلیم کی۔ ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ میں وطن مالوف واپس آ گئے۔

جس زمانے میں بندیال میں پڑھتے تھے۔ پیر سید لعل شاہ خلیفہ مجاز خواجہ محمد عثمان رح کے ہاتھ پر سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی۔ پیر سید لعل شاہ کی رحلت پر خواجہ محمد عثمان سے تجدیدِ بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے پہلے تکمیلِ تعلیم کا مشورہ دیا۔ جب فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت خواجہ محمد عثمان دنیا سے اُٹھ چکے تھے چنانچہ تجدیدِ بیعت خواجہ سراج الدین (موسیٰ زئی شریف) سے کی۔ خواجہ سراج الدین اُن پر ہمیشہ کرم نوازی فرماتے تھے۔ ایک بار انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "من پیری و مریدی برائے تو می کنم"[1] یعنی یہ سلسلۂ مشیخیت تمہارے لیے جاری کیے ہوئے ہوں۔ بعد میں مولانا احمد خان اُن کے خلیفہ مجاز ہوئے۔

مولانا احمد خان کا آبائی گاؤں "بکھڑا" دریائے سندھ کے پانی کی زد میں تھا۔ جب کبھی دریا میں طغیانی ہوتی خاصا مالی نقصان ہوتا۔ اس لیے بکھڑا سے نقل مکانی کرکے موضع "کھولہ" میں سکونت اختیار کی مگر یہ گاؤں بھی سیلاب کی زد میں تھا۔ آخر ایک

۱؎ تحفہ سعدیہ ص ۸۸

نئی بستی بسانے کا خیال پیدا ہوا اور یہ تخیل "خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں" کی شکل میں متشکل ہوا۔

خانقاہ سراجیہ مجددیہ کی تعمیر ۱۳۳۸ھ میں شروع کی گئی اور دو سال میں ضروری عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ بیس سال یہیں بیٹھ کر علمی و دینی اور اصلاحی خدمات انجام دیں۔ آخر عمر میں متعدد جسمانی عوارض لاحق ہو گئے تھے جن میں "ضیق النفس" سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ ارادت مندوں میں سے کئی حکیموں نے علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر اپریل ۱۹۴۰ء میں حکیم عبدالوہاب نابینا سے علاج کے لیے دہلی گئے۔ حکیم نابینا کے علاج سے بھی مرض کا ازالہ نہ ہوسکا۔ اس کے بعد متعدد ڈاکٹروں اور اطبا کا علاج جاری رہا۔ بالآخر کانپور کے احباب کی استدعا پر ۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو بغرض علاج وہاں تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر عبدالصمد کانپوری کے علاج سے افاقہ ہوا۔ کافی صحت یاب ہو گئے اور کلکتہ جانے کا پروگرام بنایا مگر روانگی سے ایک دن پہلے ۱۲ صفر سنہ ۱۳۶۰ھ/۱۴ مارچ ۱۹۴۱ء کو سحری کے وقت بیدار ہوئے۔ بحالت مراقبہ تکیہ پر سر رکھا اور اسی حالت میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ میت خانقاہ کندیاں لائی گئی اور ۱۴ صفر ۱۳۶۰ھ کو تدفین عمل میں آئی۔ مولانا حکیم غلام رسول نے اردو، پنجابی، فارسی اور عربی میں قطعات تاریخ کہے۔ ایک فارسی قطعۂ تاریخ یہ ہے۔

حضرتِ ما بہ حکم خالقِ خود — چوں ز دُنیائے دارِ محنت رفت،
قبلہ بو سعد احمدِ اکمل — قرب حق یافتہ بہ مکنت رفت،

عبد تاریخ فوت، با غم دل
گفت ہادی بدر جنت رفت[1]

۱۳۶۰ھ

---

[1] تحفۂ سعدیہ ص ۱۳۹

مولانا احمد خان کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا۔ تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، تاریخ و سیر اور تصوف پر بیش بہا ذخیرہ کتب جمع کیا۔ کتب خانہ خانقاہ سراجیہ میں بعض نادر و نایاب کتابیں بھی موجود ہیں۔ ایک بار مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ، مولانا حسین علیؒ کی دعوت پر میانوالی تشریف لائے تو اُن کی "کتاب دوستی" اُنہیں خانقاہ سراجیہ لے آئی۔ مولانا کاشمیری نادر کتابوں کا یہ ذخیرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اُنہوں نے جو وقت کتب خانے میں گزارا، اسے مغتنماتِ زندگی میں شمار کیا۔

مولانا احمد خان نے کتابیں جمع ہی نہیں کی تھیں بلکہ ان کا بغور مطالعہ بھی کیا۔ اکثر کتابوں پر ان کی یادداشتیں اور حواشی موجود ہیں۔ اُن کی کتاب دوستی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ کتاب کا عمدہ ایڈیشن خریدتے، اعلیٰ درجہ کی مطلّا و منقش جلد بنواتے اور کتاب کی حفاظت کا پورا اہتمام کرتے تھے۔

مولانا احمد خان مرحوم سے کوئی تصنیف یادگار نہیں۔ البتہ اُن کی صحبت میں بیٹھنے والوں نے ملفوظات قلمبند کئے ہیں۔ جو ان کے مطالعہ و تحقیق کا نچوڑ ہیں "تحفۂ سعدیہ" میں اُن کے تدبر و تفکر کے بعض نمونے نقل کئے گئے ہیں۔

مولانا احمد خان کے ہاتھ پر ہزاروں افراد بیعت ہوئے۔ اُن کے خلفاء میں حسبِ ذیل نام بہت نمایاں ہیں۔

۱۔ مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی فاضل دیوبند (جانشین اعلیٰ)

۲۔ مولانا قاضی صدر الدینؒ (مجاز) بانی خانقاہ نقشبندیہ نزد ریلوے سٹیشن ہری پور۔

۳۔ مولانا مفتی عبد الغنی (مجاز) ساکن ریاست مالیر کوٹلہ۔

۴۔ مفتی محمد شفیع (مجاز) بانی مدرسہ سراج العلوم سرگودھا۔

۵۔ مولانا نذیر احمد عرشی (م ۱۳۶۶ھ) مؤلف "مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم"

۶۔ مفتی عمیم الاحسان (مجاز) ساکن ڈھاکہ۔

۷۔ مولانا سید مغیث الدین شاہ (مجاز) فاضل دیوبند ساکن چاند پور ضلع بجنور۔

۸۔ مولانا حکیم عبدالرسول (مجاز) ساکن بکھر بار ضلع شاہ پور۔

اُن کی نرینہ اولاد میں تین صاحبزادے تھے۔

۱۔ مولانا محمد معصوم۔

۲۔ مولانا محمد صادق۔ بزمانہ طالب علمی وفات پا گئے تھے۔

۳۔ مولانا محمد سعید۔

احمد دین گگھڑوی (وھابی اھل حدیث)

مولانا احمد دین بن حاجی اللہ دتہ اپنے ننھیال موضع "جھاں والا" تحصیل وزیر آباد میں ۱۹۰۰ء/۱۳۱۷ھ/۱۸ میں متولد ہوئے۔ اُنہوں نے آبائی پیشہ آہنگری میں مہارت حاصل کی مگر تعلیم کا شوق پورا کرتے رہے۔ ابتدائی فارسی کتب مولانا حکم دین گگھڑوی سے پڑھیں۔ صرف و نحو سید محمد حسین اور منطق، فقہ و حدیث کی تعلیم مولانا سلطان احمد ساکن نت کلاں (شاگرد حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی) سے حاصل کی۔ مولانا علاء الدین (ساکن گوجرانوالہ)، حافظ عبداللہ روپڑی اور مولانا شریف اللہ خان سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔

مولانا احمد دین اپنے ذوق کے اعتبار سے بلند پایہ مقرر اور مناظر تھے۔ اُنہوں نے اہلِ حدیث کے امتیازی مسائل پر دیوبندی اور بریلوی حضرات سے مناظرے بھی کئے ہیں لیکن اُن کا اصل ہدف قادیانی اور عیسائی مناظر تھے۔

مولانا احمد دین سادگی پسند اور درویش صفت آدمی تھے۔ ۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ/ ۱۴؍ جون ۱۹۷۳ء کو گکھڑ منڈی میں فوت ہوئے اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

اُن کی حسبِ ذیل قلمی یادگاریں ہیں۔

۱۔ سیرت سید العالمین
۲۔ برہان الحق بجواب میزان الحق (تالیف پادری فانڈر)
۳۔ نجات الاسلام
۴۔ تقدیس سید الابرار

۵ ۔ قدامت اہل سنّت والجماعت یعنی اہل حدیث ۔

۶ ۔ ضربات المسلمین علی راس الطاعن فی شان امہات المومنین (غیر مطبوعہ) پادری ٹھاکر داس کی تالیف "امہات المومنین" کے جواب میں لکھی گئی ہے ۔

سیّد احمد شاہ بخاری (وھابی دیوبندی)

سیّد احمد شاہ بخاری بن سیّد غلام علی شاہ بخاری ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں اجنالہ ضلع سرگودہا میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد زراعت پیشہ دیندار شخص تھے۔ دین سے محبّت کا جذبہ تھا کہ اپنے بیٹے کو حفظِ قرآن کے لیے میاں سلطان احمد قریشی ساکن جلاپور ننگیانہ کے حوالے کیا۔ انہوں نے حفظِ قرآن کے بعد ابتدائی درسیات مولانا نور حسین نوشاہی اور مولانا فضل کریم بندیالوی سے پڑھیں۔ مولانا عبدالعزیز گل کوٹی مرحوم اور مولانا عطا محمد ساکن کوٹ اللہ یار سے صرف و نحو کی تحصیل کی۔ ازاں بعد انہی ضلع گجرات تشریف لے گئے، جہاں مولانا غلام رسولؒ اور مولانا ولی اللہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ چار سال انہی میں قیام رہا۔

۱۳۵۱ھ میں مولانا غلام رسول رح کا انتقال ہوا تو دیوبند کے لیے رختِ سفر باندھا۔ ۱۷ شوال ۱۳۵۱ھ کو دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۲۲ رجب ۱۳۵۴ھ کو دستارِ علم اور سندِ فضیلت لے کر وطن لوٹے۔ اپنی لیاقت وذہانت کی بنیاد پر مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ) کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو جامعہ محمدی جھنگ میں صدر مدرّس مقرّر ہو گئے۔ چار سال یہاں فرائضِ تدریس ادا کیے۔ اس کے بعد مدرسہ "آفتاب العلوم" (چنیوٹ) اور "ریاض الاسلام" (دگھیانہ) میں کام کیا۔

۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء میں "مدرسہ عربیہ دارالھدیٰ" چوکیرہ کی بنیاد رکھی جو ان کے انتظام وانصرام اور صدارتِ تدریس میں دینی خدمات انجام دیتا رہا۔ چوکیرہ سے پندرہ روزہ رسالہ "الفاروق" جاری کیا جو نومبر ۱۹۵۶ء/ربیع الآخر ۱۳۷۶ھ سے جولائی ۱۹۵۹ء/محرم ۱۳۷۹ھ تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ "الفاروق" پنجاب کا النجم (مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی کا رسالہ) تھا۔

۱۳۸۶ھ میں چوکیرہ سے ترکِ سکونت کر کے سرگودھا آ گئے۔ سیٹلائٹ ٹاؤن میں جامع مسجد فاروقِ اعظم اور "دار العلوم فاروقِ اعظم" کی بنیاد رکھی۔ مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں ہمہ تن منہمک تھے کہ ۵ محرم ۱۳۸۹ھ/۲۴ مارچ ۱۹۶۹ء کو مختصر سی علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔[۱]

مولانا سیّد احمد شاہ نے مولانا غلام حسن نقشبندی سجادہ نشین کھروڑ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور مولانا غلام حسن نے انہیں اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ اُن کی وفات کے بعد شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور سلسلۂ قادریہ میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا سیّد احمد شاہ بخاری مرحوم سے کئی مضامین اور مندرجہ ذیل دو کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ تحقیقِ فدک۔ یہ کتاب مرحوم نے تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) کے زمانۂ اسارت میں تالیف کی تھی۔ اس کا جواب، ماسٹر منظور حسین اجنالوی نے "توثیقِ فدک بجواب تحقیقِ فدک" کے نام سے لکھا۔ مولانا بخاری مرحوم نے اپنی کتاب کی تیسری طباعت میں بطور جواب الجواب ایک ضمیمہ کا اضافہ کر دیا۔

۲۔ دفع الوسواس بشرح حدیث قرطاس

مولانا مرحوم کے تین صاحبزادے ہیں جو ان کے مشن کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد قاسم شاہ صاحب

۲۔ غلام علی شاہ صاحب

۳۔ شبیر احمد شاہ صاحب

---

[۱] پیش لفظ "تحقیق فدک" ص ۳

حافظ سید احمد علی شاہ بٹالوی

حافظ سید احمد علی شاہ بٹالوی کی ابتدائی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ موضع کالا افغاناں ضلع بٹالہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۲۹۹ھ/۸۲-۱۸۸۱ء میں لاہور آئے۔ اُن دنوں مشن سکول لاہور کے مدرس پادری پورن چند مسیحیت کی تبلیغ میں بہت پُرجوش اور جارح تھے۔ حافظ سید احمد علی شاہ نے انہیں مناظرہ میں لاجواب کر دیا۔ مسلمانانِ لاہور نے حافظ صاحب کی تبلیغی مساعی میں دلچسپی لینا شروع کی اور وہ زبان و قلم سے پادریوں کا تعاقب کرنے لگے۔ عموماً بیرون لوہاری دروازہ اُن کا وعظ ہوتا تھا جس میں اسلام کی حقانیت اور مسیحیت کے عقائد و نظریات پر کڑی تنقید ہوتی تھی۔ انہوں نے تبلیغی رسائل کا ایک سلسلہ "دعوت الحق" شروع کیا اور پنجاب کے مختلف شہروں میں تبلیغی دورے کیے۔

اُن کی تبلیغی کوششوں اور تبحرِ علمی کے پیشِ نظر انجمن حمایتِ اسلام لاہور نے ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں انہیں اسلامیہ کالج میں لے لیا۔ "کتاب الشفا" کے ترجمہ پر اُن کا نام ان الفاظ میں درج ہے:

"جناب مولانا مولوی حافظ احمد علی شاہ بٹالوی حنفی نقشبندی چشتی نظامی پروفیسر دینیات و عربی اسلامیہ کالج لاہور۔"

۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں مولانا محمد شفیق بگوی شاہی مسجد لاہور کی امامت سے الگ ہو گئے تو انجمن اسلامیہ لاہور نے حافظ صاحب کو خطیب مقرر کیا۔ وہ جمعہ کے روز خطبہ دیتے تھے۔[1] پیر عبد الغفار شاہ کے قائم کردہ مدرسہ غوثیہ (تکیہ سادھواں) کے

---

[1] بادشاہی مسجد ص ۳۷

شیخ الحدیث تھے۔

حنفی مسلک کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم رہے ہیں۔ ۱۹۲۳ء/۱۳۴۲ھ میں جمعیت الاحناف امرتسر بنائی گئی تو اُس کی مجلسِ انتظامیہ میں شریک ہوئے۔ ۱۹۲۶ء/۱۳۴۵ھ میں لاہور میں وفات پائی، سید دیدار علی شاہ الوری نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبرستان میانی میں سپردِ خاک کیے گئے۔ اُنکے ایک صاحبزادے حافظ بختیار علی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں فوت ہوئے۔

حافظ صاحب بلند پایہ حنفی عالم تھے۔ اُن کی تالیف "نصر المقلّدین" پر مولانا عبدالعلی آسی مدراسی نے منظوم تقریظ لکھی ہے اور ان کے علم و نظر کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ چند اشعار یہ ہیں۔

علامۂ علومِ کتاب و حدیث و فقہ | فہامۂ فہومِ اصول و فروعِ دین
نطقش چہ خوش مذاق و خوش الحان و خوش بیان | ذہنش چہ بذلہ سنج و سخن فہم نکتہ بین
بر آسمانِ حکمت و طب شمسِ بازغہ | بر اوجِ علم عقلی و نقلی مہ جبیں[1]

حافظ صاحب عربی و فارسی سے ترجمہ کا خاص ملکہ رکھتے تھے، اُن سے حسبِ ذیل تراجم و تصانیف یادگار ہیں۔

تراجم:

۱۔ نفحات الانس — فارسی (مولانا عبدالرحمان جامی)
۲۔ تحفۃ القلوب و ہدایۃ الارواح — " (شیخ عثمان جالندھری)
۳۔ مشکوٰۃ الانوار — عربی (امام غزالی)
۴۔ بہجۃ الاسرار — " (شیخ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف)
۵۔ رسالہ حق نما — فارسی (دارا شکوہ)

---

[1] نصر المقلّدین

۶۔ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ　　　　عربی (قاضی عیاض)

تصنیفات

۱۔ سرور الخاطر الفاتر فی ندایا شیخ عبد القادر

۲۔ نصر المقلدین۔ اہل حدیث عالم مولانا محی الدین لکھوی (م　　　　) کی تالیف ”النظفر المبین“ کا جواب ہے۔

۳۔ نور الشمع فی ظہر الجمعہ

۴۔ تکملہ ”ضابطہ در تحصیل رابطہ“ (تالیف حافظ مشتاق احمد انبیٹھوی)، مسئلہ تصور شیخ پر گفتگو کی گئی ہے۔

احمد علی لاہوری

(وهابی دیوبندی)

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری بن شیخ حبیب اللہ قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ کے ایک نومسلم خاندان میں ۲ر رمضان ۱۳۰۴ھ/۲ر مئی ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والدِ ماجد شیخ حبیب اللہ اپنا آبائی مذہب (ہندومت) ترک کر کے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اُن کے قبولِ اسلام سے خاندان نے مخالفت کی تو قصبہ جلال کی سکونت ترک کر کے موضع باہو چک میں رہائش اختیار کر لی۔

مولانا احمد علی نے قرآن مجید والدہ ماجدہ سے پڑھا۔ کوٹ سعد اللہ کے پرائمری سکول میں داخل ہوئے۔ بعد میں خاندان کے موضع باہو چک آنے پر "تلونڈی کھجوروالی" کے پرائمری سکول میں پڑھنے لگے۔ ابھی نو سال کے تھے کہ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔

مولانا عبیداللہ سندھی کی مولانا احمد علی کے خاندان سے عزیز داری تھی۔ حضرت مولانا غلام محمد دین پوری نے شیخ حبیب اللہ مرحوم کی وفات کے بعد بچّوں کی نگہداشت کے خیال سے مولانا احمد علی کی والدہ کا نکاح ثانی مولانا عبیداللہ سندھی سے کر دیا۔ یوں مولانا احمد علی مولانا سندھی کے ربیب ہونے کے ناطے اُن کے زیرِ تربیت رہے۔

مولانا سندھی نے اُنہیں امروٹ شریف کے دورانِ قیام میں ابتدائی درسی کتابیں پڑھائیں۔ وہاں سے مولانا سندھی گوٹھ پیر جھنڈا (نواب شاہ) منتقل ہوئے اور ۱۳۱۹ھ میں مدرسہ دارالارشاد کی بنیاد رکھی۔ "مدرسہ دارالارشاد" کی سب سے پہلی فارغ التحصیل جماعت میں پانچ طلبہ تھے۔ اُن میں سے ایک مولانا احمد علی تھے۔ ۱۳۲۶ھ میں اُن کی دستار بندی ہوئی۔

مولانا سندھی دارالعلوم دیوبند اور بعد میں دہلی میں مقیم رہے۔ اُن کی عدم موجودگی میں

"دارالارشاد" کا انتظام مولانا احمد علی کے ہاتھ میں رہا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا احمد علی نواب شاہ منتقل ہو گئے اور ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ یہاں ان کے ساتھیوں میں مولانا سندھی کے دو شاگرد مولانا عبداللہ لغاری اور مولانا محمد صالح تھے۔

مولانا سندھی دہلی میں "نظارت المعارف القرآنیہ" کے ذریعے قرآن کی تعلیم عام کر رہے تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے ایماء پر مولانا احمد علی کو نواب شاہ سے دہلی بلالیا۔ نواب شاہ کا دینی مدرسہ جو ابتدائی حالت میں تھا مناسب نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے دم توڑ گیا۔

نظارت المعارف القرآنیہ کی طرف سے مولانا احمد علی نے آگرہ کا تبلیغی دورہ کیا۔ پہلی عالمگیر جنگ کے زمانے میں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں شریک ہو گئے۔ اسی سلسلے میں دہلی سے گرفتار کیے گئے۔ راہوں ضلع جالندھر میں نظر بند کر دیئے گئے۔ وقتاً فوقتاً راہوں سے دہلی، شملہ، لاہور اور جالندھر کی حوالات میں منتقل ہوتے رہے۔ آخر ۱۹۱۷ء میں لاہور آ گئے اور مسجد لائن سبحان خان میں درسِ قرآن شروع کیا۔ مولانا مرحوم کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ لاہور کے ابتدائی زمانۂ قیام میں کئی کئی دن فاقہ رہتا تھا۔[۱]

اُن کے ذریعہ معاش کے سلسلے میں قاضی محمد عدیل صاحب کا یہ بیان قابلِ ذکر ہے کہ:

"حضرت (مولانا احمد علی) ہفتے میں ڈیڑھ دن اپنی معاش کا بندوبست کرتے تھے۔ کبھی صابن بناتے اور کبھی عربی کتابوں کی کتابت کی تصحیح فرماتے تھے۔ میں نے اُنہیں صابن بناتے دیکھا نہیں اس کا اہتمام شاید گھر کے اندر رہتا ہو۔ لیکن کتابت کی اصلاح میں مشغول دیکھا ہے۔ یہ کام آپ مسجد کے

---

[۱] مردِ مومن ص ۴۶

حجرہ میں کرتے تھے۔ اس ڈیڑھ دن میں جتنی آمدنی ہوتی تھی اُسے ہفتہ بھر کھاتے تھے۔ یہ آمدنی کتنی ہوتی تھی یہ میں قطعی طور پر نہیں بتا سکتا لیکن ظاہر ہے کہ وہ بہت قلیل ہوتی ہوگی۔ میں نے سُنا ہے کہ بعض دن پورے گھر نے صرف چنے چبا کر گزارہ کیا۔ لیکن بایں ہمہ یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کی شانِ خودداری اور فقر و استغناء کی آن میں کوئی فرق آسکے۔"[۱]

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے زمانۂ تلمذ (۱۹۳۲-۳۴ء) کے مشاہدات و تجربات کے پیشِ نظر لکھا کہ رمضان مبارک میں غریب مسلمانوں کے ہاں بھی کچھ نہ کچھ افطاری کے لیے اہتمام کیا جاتا ہے۔ لیکن مولانا احمد علی کے یہاں یہ اہتمام بھی نہیں ہوتا تھا۔[۲]

مولانا احمد علی سیاسی تحریکوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں "تحریکِ ہجرت افغانستان" کا آغاز ہوا تو لاہور میں وہ اس تحریک کے نگرانوں میں سے تھے۔ انہوں نے اہل و عیال سمیت افغانستان ہجرت کی۔ تحریک میں کوئی منصوبہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے مقاصد حاصل نہ ہوئے اور مہاجرین تباہ حال واپس آگئے۔ مولانا بھی واپس لاہور آگئے۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱-۲۲ء میں انجمن خدام الدین لاہور کی بنیاد رکھی جو قرآن وسنّت کی اشاعت کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔

مولانا احمد علی نے مولانا سندھی کے طرزِ تفسیر کو پنجاب میں عام کیا۔ قرآن مجید سے اُنہیں والہانہ تعلق تھا۔ "اُن کو قرآن مجید کے درس و اشاعت کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ اور ان کی روح کی غذا اور درد کی دوا بن گیا تھا۔ اُن کے نزدیک اس درس میں ناغہ کرنا گویا گناہ کبیرہ اور سخت کوتاہی تھی۔"[۳]

---

[۱] مردِ مومن ص ۴۷

[۲] پرانے چراغ ص ۱۵۶

[۳] " ص ۱۵۱

مولانا صبح کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے تھے جس میں عام لوگ شریک ہوتے تھے اور اُن کی فہم و فراست کے مطابق تعلیماتِ قرآنی پیش کرتے تھے۔ دوسرا درسِ قرآن بعد از نمازِ مغرب ہوتا تھا۔ جس میں فارغ التحصیل عالم اور جدید تعلیم یافتہ لوگ شامل ہوتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی تالیف " حجۃ اللہ البالغہ " بھی بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے۔

مولانا احمد علی کے زیرِ نگرانی "انجمن خدام الدین" دینی و تبلیغی کاموں میں مصروف تھی [۱] اس کے علاوہ دوسری دینی اور اصلاحی انجمنوں کے کام میں تعاون کرتے رہتے تھے۔ مثال کے طور پر انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے رُکن تھے۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۳ء کو بحیثیت عالمِ دین انجمن کی جنرل کونسل میں لیے گئے۔ اس کے بعد انجمن کے کاموں میں گہری دلچسپی لیتے رہے حتیٰ کہ ۱۷ نومبر ۱۹۵۰ء کو انجمن کے نائب صدر چُنے گئے۔ اور آخر دم تک اس منصب پر فائز رہے۔ اُن کی وفات پر انجمن کے سیکرٹری نے لکھا :

> "مولانا مرحوم و مغفور ضعیف العمری اور ناتوانی کے باوجود انجمن کے اجلاسوں میں شرکت فرما کر اپنے قیمتی مشوروں سے انجمن کو مستفید فرماتے تھے۔ بالخصوص اُن مشاورتوں میں جو ردِ عیسائیت کے سلسلے میں منعقد ہوئیں مرحوم نہایت ہی انہماک کے ساتھ دیگر علمائے کرام کے ساتھ صلاح مشوروں میں حصہ لیتے۔ آپ انجمن کے سالانہ جلسوں میں بھی تشریف لاتے اور اپنے مواعظِ حسنہ سے سامعین کو فیض یاب کرتے تھے۔" [۲]

قیامِ پاکستان کے بعد یہاں اُٹھنے والی ہر دینی تحریک میں پیش پیش رہے۔ ۸-۹ اکتوبر

---

[۱] انجمن کی خدمات کے لیے ایک الگ تصنیف کی ضرورت ہے۔

[۲] مردِ مومن ص ۹۹

۱۹۵۶ء کو پاکستان بھر کے ۱۷۰ علماء کی مجلسِ مشاورت ہوئی اور انہیں بالاتفاق مرکزی جمعیت علمائے اسلام مغربی پاکستان کا صدر چُنا گیا۔

مولانا احمد علی سلسلۂ قادریہ میں منسلک تھے۔ لڑکپن میں مولانا غلام محمد دین پوری سے بیعت ہوئے تھے۔ اس کے بعد مولانا تاج محمود امروٹی (م ۱۳۴۸ھ) سے استفادہ کیا۔ مولانا دین پوری کے ممتاز ترین خلیفہ تھے۔ مولانا احمد علی سے ہزاروں بندگانِ خدا نے تعلقِ ارادت قائم کیا۔ اُن کے خلفاء کی تعداد بیس[۲۰] سے زائد ہے[۱]۔ چند نام یہ ہیں:

۱۔ حافظ محمد حبیب اللہ مرحوم (خلف اکبر)

۲۔ مولانا عبدالعزیز جالندھری مرحوم

۳۔ مولانا سیّد احمد بخاری مرحوم

۴۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی

۵۔ مولانا بشیر احمد پسروری مرحوم

۶۔ مولانا قاضی زاہد الحسینی

۷۔ مولانا عبیداللہ انور (جانشین)

۲۲ فروری ۱۹۶۲ء / ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ کو لاہور میں فوت ہوئے اور قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے۔ بوقتِ وفات تین صاحبزادے حیات تھے۔

۱۔ مولانا حبیب اللہ مرحوم

۲۔ مولانا عبیداللہ انور

۳۔ مولانا حمید اللہ

مولانا مرحوم کی وفات پر علماء و فضلاء نے بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا۔ شعراء نے

---

[۱] دیکھئے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور ان کے خلفاء (قاری فیوض الرحمان)

بکثرت تعزیتی نظمیں اور قطعاتِ تاریخ کہے۔ مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب کا ایک مادہ تاریخ یہ ہے۔

وصف کی صورت ہے تاریخِ وصال
رہبرِ راہِ خدا احمد علیؒ

۱۳۸۱ھ

"انجمن خدام الدین" کی طرف سے مولانا احمد علی مرحوم کی حسبِ ذیل قلمی یادگاریں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

۱۔ چونتیس رسائل۔ تبلیغی مقاصد کے لیے مختلف اوقات میں یہ رسائل لکھے جاتے رہے جو لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کئے گئے ہیں۔
۲۔ خلاصۃ المشکوٰۃ
۳۔ ترجمہ و حاشیہ قرآن مجید (قرآنِ عزیز)
۴۔ خطباتِ جمعہ (۸ جلدیں)
۵۔ مجلس ذکر کے مواعظ (۸ جلدیں)
۶۔ حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب

۱۹۵۵ء میں اُن کی نگرانی میں ہفت روزہ "خدام الدین" جاری ہوا تھا جو تا حال اصلاحی و تبلیغی کام کر رہا ہے۔

مرزا احمد علی امرتسری

(شیعہ رافضی اھل تشیع

مولانا مرزا احمد علی امرتسری ۱۳۰۰ھ/۸۳-۱۸۸۲ء کے لگ بھگ امرتسر میں پیدا ہوئے انہوں نے ایف۔اے کا امتحان پاس کیا اور فوج کی ملازمت اختیار کر لی۔ ترقی کر کے اکاونٹنٹ جنرل کے عہدے پر پہنچے۔ علوم دینیہ کی تحصیل مولانا ابوالقاسم حائری سے کی تھی۔

مرزا صاحب کو بدوِ شعور سے دینی علوم سے دلچسپی تھی۔ فرائضِ منصبی سے جو وقت بچتا، مطالعہ و تحقیق میں صرف کرتے تھے۔ امرتسر میں انہوں نے آریہ سماجیوں، سکھوں اور عیسائیوں سے بیسیوں مناظرے کئے۔ علمائے اہلِ سنّت سے بھی اُن کی مناظرانہ نوک جھونک جاری رہتی تھی۔ ۲۸ مارچ ۱۹۲۳ء/۱۰ شعبان ۱۳۴۱ھ کو بنگلہ شاہ جمال (ضلع گوجرانوالہ) میں مشہور اہل سنّت مناظر مولانا عبدالشکور فاروقی (م ۱۳۸۱ھ) سے اُن کا مناظرہ ہوا تھا۔[1]

مرزا صاحب بلند پایہ خطیب اور مبلّغ تھے۔ اُنہوں نے کشمیر سے دکن تک تبلیغی دَورے کئے۔ لکھنؤ، نجف اور قُم کے شیعہ علمار نے اُن کی قدر افزائی کرتے ہوئے اجازت نامے مرحمت کئے۔ موصوف مطالعہ و تحقیق کے رسیا تھے اور علوم اسلامیہ کے علاوہ عیسائیت، ہندومت اور بہائیت پر عمدہ ذخیرۂ کتب اکٹھا کیا تھا۔

۲ جون ۱۹۷۰ء/۲۶ ربیع الآخر ۱۳۹۰ھ کو نوّے برس سے زائد عمر پا کر لاہور میں فوت ہوئے اور حسینیہ ہال موچی دروازہ میں دفنائے گئے۔ مرحوم کی اولاد میں جناب

---

[1] ماہنامہ "النجم" (لکھنؤ) بابت شعبان ۱۳۴۱ھ ص ۳

ڈاکٹر محمد عسکری اور عابد علی مرزا صاحب کے نام ملتے ہیں۔

مولانا احمد علی صاحب چالیس پچاس کتابوں کے مصنّف تھے[1] چند اہم کتابیں یہ ہیں:

۱۔ ترجمہ و حواشی قرآن مجید (اردو)

۲۔ دستور العمل اسلام

۳۔ پروازِ قیاس

۴۔ شیعہ پاکٹ بک

۵۔ معارفِ اقبال

۶۔ تعارفِ بہائیت

۷۔ الانصاف فی الاستخلاف

مرحوم کی کوششوں سے اخبار "شیعہ" (لاہور) جاری ہوا تھا۔ اس میں بھی ان کے مضامین طبع ہوتے تھے۔

---

[1] مطلع انوار ص ۹۳

مفتی احمد یار خان نعیمی

عمر 65 سال

مفتی احمد یار خان، بن محمد یار خان یوسف زئی پٹھان تھے ۔ اُن کے دادا منور خان اوجھیانی (بدایون)، کی میونسپلٹی کے رکن تھے اور معاشرے میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مفتی صاحب کے والدِ ماجد دینی مزاج رکھتے تھے اور "ملا جی" کے عُرف سے پہچانے جاتے تھے ۔ انہوں نے اوجھیانی کی جامع مسجد میں برسوں خطابت کے فرائض انجام دیئے خاندان میں معاشرتی اور دینی وقار دونوں موجود تھے ۔

مفتی صاحب شوال ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے "منظور حسین" تاریخی نام ہے اُنھوں نے والدِ بزرگوار کے زیرِ نگرانی قرآن مجید حفظ کیا ۔ اور ابتدائی فارسی کتابیں پڑھیں۔ گیارہ برس کی عمر میں حصولِ تعلیم کے شدِ رحال کیا ۔ مدرسہ شمس العلوم بدایون میں علامہ قدیر بخش بدایونی سے استفادہ کیا۔ مدرسہ کے ایک منتہی طالب علم مفتی عزیز احمد بدایونی سے بھی صرف و نحو کے چند اسباق پڑھے تھے ۔ بدایون سے مینڈھو گئے جہاں کا دار العلوم نظم و نسق اور اچھے تعلیمی ماحول کی وجہ سے مشہور تھا ۔ یہاں تقریباً چار سال رہے ۔ چونکہ یہ مدرسہ دیوبندی مکتبِ فکر کا تھا اس لیے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخل ہوئے ۔ اسی عرصے میں علامہ مشتاق احمد کانپوری ، کانپور سے جامعہ نعیمیہ میں بطور مدرس تشریف لائے تھے ۔ علامہ کانپوری معقولات کے امام تصور کیے جاتے تھے ۔ ایک سال جامعہ نعیمیہ میں رہ کر وہ اگلے سال میرٹھ چلے گئے ۔ مفتی صاحب بھی استادِ محترم کے ساتھ میرٹھ چلے گئے ۔ تاہم جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں مولانا سید نعیم الدین سے سندِ حدیث حاصل کی ۔

بیس سال کی عمر میں ۱۳۴۴ھ میں درسِ نظامی کی تکمیل کر کے جامعہ نعیمیہ میں مدرس ہو

۱؎ حیاتِ سالک ص ۹۹

گئے۔ جامعہ میں تدریس کے ساتھ افتار کی ذمہ داریاں بھی ادا کرتے رہے۔ اسی زمانے میں "مفتی" کا سابقہ اُن کے نام کا جزو بنا۔ جامعہ نعیمیہ میں خدماتِ دینی ادا کر رہے تھے کہ دھوراجی کاٹھیاواڑ کے مدرسہ مسکینیہ کے منتظمین کے اصرار پر مولانا سید نعیم الدین نے انہیں دھوراجی بھیج دیا۔ نو۹ برس وہاں قیام رہا۔ وہاں سے مراد آباد آئے اور ایک سال کے بعد مدرسہ خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف میں بطور مفتی و مدرّس تشریف لے گئے۔

کچھوچھہ سے بھکی (ضلع گجرات) آئے اور انجمن خدام الصوفیہ گجرات کے دارالعلوم میں کام شروع کیا۔ بارہ تیرہ سال اس انجمن کے ساتھ دینی خدمات انجام دیں۔ بعد میں دوسری تنظیم "انجمن خدّام الرسول" کی نگرانی میں تدریس و تبلیغ کی۔ دس سال بعد اپنے مکان پر تدریس و افتار کا کام کرنے لگے تھے۔ ۳ رمضان ۱۳۹۱ھ / ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو فوت ہوئے۔ ابوالبرکات سید احمد مرحوم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور گجرات میں دفنائے گئے۔

مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی نے حسبِ ذیل قطعہ تاریخ کہا ؎[۱]

آفتابِ شرع، احمد یار خان — ذاکرِ اسمِ خدا شام و پگاہ
حاجی حرمین ہم مفتی دین! — فاضلِ تفسیرِ قرآں ہم چو ماہ!
در حدیث و فقہ کس مثلش نبود — صوفیانِ اہلِ حق را بود شاہ
آں حکیمِ اُمتِ فخرِ رُسل — یافت سوئے جنت الفردوس راہ

از شرافت سالِ ترحیلش شنو!
مخزنِ انوار، شد مستور آہ
۱۹۷۱ء

مفتی صاحب دو قومی نظریہ کے قائل تھے اس لیے آل انڈیا مسلم لیگ کے ہمنوا تھے

---

[۱] حیات سالک ص ۱۴۰

خوش اخلاق، پابندِ وقت اور خندہ رو انسان تھے۔ پانچ بار فریضہ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ انہوں نے زندگی بھر مسندِ درس بچھائے رکھی۔ بلامبالغہ ہزاروں طالبانِ علم نے استفادہ کیا تھا۔ چند اہم شاگردوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مفتی محمد حسین نعیمی مہتمم جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور

۲۔ پیر سید ولایت شاہ

۳۔ مولانا غلام علی اوکاڑوی

۴۔ سید محمود شاہ گجراتی

۵۔ قاضی عبدالنبی کوکب

مفتی صاحب کی اولاد میں دو صاحبزادے مفتی مختار احمد اور مفتی اقتدار احمد ہیں۔

مفتی صاحب کے شاگرد اور سوانح نگار قاضی عبدالنبی کوکب مرحوم نے اُن کی حسبِ ذیل تالیفات کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ علم المیراث یہ مفتی صاحب کی پہلی تالیف ہے۔ ۱۳۵۲ھ میں لکھی گئی تھی۔ اُردو کے علاوہ گجراتی میں طبع ہوئی ہے۔

۲۔ تفسیرِ نعیمی یہ اشرف التفاسیر، تاریخی نام ہے جس سے ۱۳۶۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ مفتی صاحب گیارہویں پارے کے آخری ربع تک لکھ چکے تھے کہ پیغامِ اجل آگیا۔

۳۔ جاء الحق وزہق الباطل (دو حصے)

۴۔ شانِ حبیب الرحمان

۵۔ اسلامی زندگی

۶۔ سلطنتِ مصطفٰے

۷۔ دیوانِ سالک

۸۔ علم القرآن

۹۔ اسرار الاحکام

۱۰۔ رسالۂ نور

۱۱۔ رحمتِ خدا بوسیلۂ اولیاء

۱۲۔ مراۃ اردو شرح مشکوٰۃ

۱۳۔ نعیم الباری فی انشراح البخاری (عربی غیر مطبوعہ)

١٤۔ نور العرفان فی حاشیۃ القرآن مع فہرس القرآن

١٥۔ مواعظِ نعیمیہ ١٦۔ نئی تقریریں

١٧۔ سفرنامہ ایران، عراق، حجاز و شام وغیرہ

١٨۔ سفرنامۂ حجاز ١٩۔ حضرت امیر معاویہ رض پر ایک نظر

٢٠۔ الکلام المقبول فی طہارت نسب الرسول ٢١۔ فتاویٰ نعیمیہ

متذکرۃ الصدر کتب کے علاوہ درسی کتابوں پر حواشی بھی یادگار ہیں۔

اسد الرحمان قدسی (وھابی دیوبندی)

سیّد ناصر الدین محمد اسد الرحمان قدسی بن مولانا حبیب الرحمان بن شاہ نجف علی ۱۲ رجب ۱۳۱۱ھ / ۱۹ جنوری ۱۸۹۳ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔[1] ان کا سلسلۂ نسب شاہ ابو المکارم سبزواری کے واسطے سے حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔
شاہ ابو المکارم، شیخ عبد القدوس گنگوہی (م ۹۴۵ھ) کے خاندان میں متاہل ہوئے تھے۔ اُن کی اولاد "سادات سبزواری" کہلاتی ہے۔

سیّد ناصر الدین محمد اسد الرحمان قدسی کے دادا شاہ نجف علی، شاہ رفیع الدین محدث (م ۱۲۳۳ھ) کے خلیفہ تھے۔ اُن کی اہلیہ محترمہ، مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) کی حقیقی بہن تھیں۔ قدسی صاحب کے والد ماجد مولانا حبیب الرحمان نے اپنے ماموں مولانا گنگوہی سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ جوانی میں وسط ہند کی مشہور ریاست "بھوپال" چلے گئے اور مولوی جمال الدین مدار المہام کے خاندان میں متاہل ہوگئے۔ وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔[2]

مولانا حبیب الرحمان صوفی منش بزرگ تھے اور حضرت وارث شاہ (ساکن دیوہ شریف) کے خلیفۂ مجاز تھے۔

قدسی صاحب نے اپنی والدہ مکرمہ سے قرآن مجید پڑھا۔ سات سال کی عمر میں مروجہ تعلیم شروع کی۔ حصول تعلیم کی غرض سے تقریباً سات سال لاہور میں مقیم رہے۔

---

[1] فیضان قدسی ص ۳۴

[2] نغمات، ص ۱۱

فارغ التحصیل ہوئے ہی تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ/۲ دسمبر ۱۹۱۲ء کو انتقال ہوگیا۔ والدِ ماجد کی مسندِ ارشاد پر متمکّن ہوئے۔ قدسی صاحب کا زیادہ وقت ریاضت و عبادت اور وعظ و ارشاد میں گزرنے لگا۔ بھوپال کی مشہور ٹیکری "منوا بھانڈ" پر چلّہ کشی کی، اس کے بعد "ریٹ گھاٹ" اور مسجد منشی حسین خان میں فروکش رہے۔ زہد و تقویٰ کی وجہ سے مرجع خلائق تھے۔ نواب بھوپال کے خاندان کے کئی افراد نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ حلقۂ تصوّف کے وسیع ہو جانے پر بھوپال کی بلند ترین پہاڑی پر واقع شملہ کوٹھی کے نیچے آستانہ بنایا، ارادت مندوں کے قیام کے لئے عمارات تعمیر کرائیں اور ایک خوبصورت مسجد بنوائی۔ قیامِ پاکستان کے دو سال بعد یہ سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔

قدسی صاحب آغاز میں بولان ہوٹل کراچی میں ٹھہرے۔ وہاں سے حیدرآباد کالونی (کراچی) میں منتقل ہوئے۔ ڈیڑھ سال بعد کراچی سے لاہور آ گئے۔ چار سال لاہور میں رہ کر بہاول پور گئے۔ کچھ عرصہ کوٹری میں مقیم رہے۔ آخر کار چکوال شہر سے آٹھ میل کے فاصلے پر بھون نامی قصبہ میں ڈیرے ڈالے۔ وہیں دینی و علمی کام کرتے ہوئے ۲۴ نومبر ۱۹۷۷ء/ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ کو جان، جانِ آفریں کے حوالے کی۔

قدسی صاحب کو مختلف سلاسلِ طریقت میں اجازتِ بیعت حاصل تھی۔ ابتداء میں انہوں نے اپنے والدِ ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ بعد میں شاہ محمد سلیمان پھلواروی (م ۱۳۵۴ھ) سے سلاسلِ اربعہ میں خلافت حاصل کی۔ اسی طرح انہیں مصر و ممالکِ مغربیہ کے شیخ المشائخ سید مصطفیٰ مرحوم سے مغربی سلاسلِ طریقت (دیکتاشیہ، مولویہ، رفاعیہ و شاذلیہ وغیرہ) میں اجازتِ بیعت حاصل تھی۔ ۱۹۴۰ء/ ۱۳۵۹ھ کے سفرِ حج میں سیدہ حمزہ رفاعی شیخ المدینہ سے بھی انہوں نے استفادہ کیا تھا۔

برصغیر کے اہلِ علم سے قدسی صاحب کے مخلصانہ روابط تھے۔ مولانا اشرف علی

تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) اُنہیں "ولی الاشرف" کہا کرتے تھے۔ اسی طرح شاہ محمد سلیمان پھلواروی نے اُنہیں "حبیب الاولیاء" کا لقب دیا تھا[۱]۔ علامہ اقبال بھوپال گئے تو اُن کے آستانہ "ثمر ستانِ جبید" حاضر ہوئے تھے اور حسبِ ذیل قطعہ کہا تھا ؎

چشمۂ فیض تشنہ لب کے لئے
مرکزِ رُشد بہرِ اہلِ صفا
کوئی سمجھے تو ہے مقامِ قدُس
آستانہ جنابِ قدُسی کا

ایک روایت کے مطابق علامہ اقبال نے "شکوہ" لکھنے کے بعد "جوابِ شکوہ" قدُسی صاحب کی تحریک اور اُن کی خواہش کے احترام میں لکھا تھا[۲]۔

قدسی مرحوم بلند پایہ صوفی، صاحبِ مطالعہ عالم اور قادر الکلام شاعر تھے۔ اُن سے کم و بیش تیس[۳۰] کتابیں یادگار ہیں۔ اُن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ علم بیان (تصوف) ۲۔ صراطِ مستقیم
۳۔ علم و عرفان ۴۔ اطمینانِ قلب
۵۔ الحبیب ۶۔ نامۂ قدسی
۷۔ کشکولِ قلندری ۸۔ نقوشِ ماضی
۹۔ منہاج المبین ۱۰۔ جہاں نُما
۱۱۔ لطائف سبحانی ۱۲۔ نعمتِ عظمیٰ

---

[۱] فیضانِ قدُسی ص ۳۴

[۲] اقبال اور بھوپال ص ۱۶

۱۳۔ شرعتہ المتین (صحیح ترین احادیث شریفہ کا عام فہم سلیس ترجمہ)

۱۴۔ نغمات (مجموعہ کلام) ۱۵۔ رباعیاتِ قدسی (مجموعہ کلام)

قدُسی مرحوم کے کلام میں تغزّل اور زبان و بیان کی پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں زیادہ تر مضامینِ تصوّف، ہی بیان کئے ہیں "نغمات" کے چند شعر یہ ہیں:

اِس عالمِ ہستی میں قدُسی مجبور بھی ہے مختار بھی ہے
یوں جانیے جیسے اک قیدی آزاد ہو حدِ زنداں میں

برقِ جمال کی چمک دردِ جگر میں آگئی!
کون یہ مسکرا دیا قصّۂ جانگداز پر

جلووں کی فراوانی آنکھوں میں سمائی ہے!
آخر میں چھپاؤں گا اندازِ جنوں کب تک۔

اصغر علی روحی

مولانا اصغر علی روحی بن مولانا قاضی شمس الدین بن میاں پیر بخش بن رکن الدین ۱۲۸۴ھ/ ۶۸-۱۸۶۷ء میں موضع کٹھالہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ مولانا قاضی شمس الدین اپنے علاقے کے نمایاں علماء میں سے تھے۔ مولانا روحی کا بچپن تھا کہ اُن کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا۔

مولانا روحی ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور آ گئے۔ پنجاب یونیورسٹی اور اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کیے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ)، مولانا عبداللہ ٹونکی (م ۱۳۳۸ھ) اور قاضی ظفر الدین جیسے فضلائے وقت شامل ہیں۔ اورینٹل کالج سے ایم۔ او۔ ایل کی سند بھی حاصل کی تھی۔

۱۰-۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے شعبۂ عربی و علوم اسلامیہ میں بطور لیکچرار کام شروع کیا اور زندگی کا بہترین حصہ کالج میں گزارا۔ ۱۹۴۱ء میں سبکدوش ہوئے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور (جو کالج کا انتظام چلا رہی تھی) نے مولانا روحی کی علمی و تدریسی خدمات کے پیشِ نظر چار سو روپیہ ماہانہ مشاہرہ تاحیات مقرر کر دیا۔ مولانا روحی علمی و دینی سرگرمیوں میں مصروف ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء میں فوت ہوئے۔ اُن کی آخری آرام گاہ کھٹالہ میں مسجد سے ملحق اور سڑک کے کنارے واقع ہے۔ مرحوم کے فرزند ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق جیّد عالم اور صاحبِ نظر اُستاد ہیں۔

مولانا روحی نے مندرجہ ذیل کتب لکھی ہیں:

۱۔ رسالہ سیطرۃ الاسلام علی النصاریٰ اللئام	(مطبوعہ - ۱۳۲۰ھ)
۲۔ امیر الکلام من کلام الامام	(" - ۱۳۲۲ھ)
۳۔ شرح قصیدہ بُردہ	(" - ۱۳۲۶ھ)
۴۔ ترجمہ نصیحت التلمیذ (امام غزالی)	(" - ۱۳۲۷ھ)

۵۔ الآیۃ الکبریٰ فی شرح الاسماء الحسنیٰ (مطبوعہ ۔ ۱۳۲۹ھ)

۶۔ الجفاء الوفاء ۔ حافظ ابن قیم جوزیہ حنبلی دمشقی کی تالیف "الجواب الکافی لمن سئل عن الدواء الشافی معروف بہ الداء والدوا کا اُردو ترجمہ (مطبوعہ ۔ ۱۳۳۱ھ)

۷۔ مافی الاسلام (دو جلد) (؍؍ ۔ ۱۳۵۰ھ)

۸۔ دبیر عجم در فنِ بلاغت ۔ فارسی (؍؍ ۔ ۱۳۵۵ھ)

۹۔ العروض والقوافی (؍؍ ۔ ۱۳۵۵ھ)

۱۰۔ ارمغانِ احباب ۔ فارسی قصیدہ (؍؍ ۔ ۱۳۶۵ھ)

۱۱۔ تفسیر روحی ۔ سورۂ یٰسین کی تفسیر (؍؍ ۔ ۱۳۹۶ھ)

۱۲۔ حکمتِ بالغہ ۔ امام غزالی کے ایک مکتوب بنام سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی کا اُردو ترجمہ (مطبوعہ ۔ س ۔ ن)

۱۳۔ تجلیات ۔ شرح اشارات بو علی سینا

مندرجہ ذیل کتب منتظرِ اشاعت ہیں:

۱۴۔ تفسیر پارہ تبارک الذی وعم

۱۵۔ خطبات (عربی)

۱۶۔ دیوانِ فارسی

۱۷۔ دیوانِ عربی

مولانا روحی نے ۱۹۰۳ء میں ایک وقیع دینی ماہنامہ "الھدیٰ" جاری کیا تھا جو تقریباً دو سال اُن کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ اس میں اُن کے کئی مضامین طبع ہوئے جو یکجا نہیں ہوئے مولانا روحی عربی اور فارسی کے اچھے شاعر بھی تھے۔

افتخار احمد بگوی

مولانا افتخار احمد بگوی بن مولانا نصیر الدین بگوی خانوادۂ بگہ کے چشم و چراغ تھے۔ ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ / ۵ ستمبر ۱۹۱۹ء کو محلہ پراچگان بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے ددھیال کی علمی و دینی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ ننھیال میں اُن کے نانا مولانا غلام رسول چاوی بلند پایہ فقیہ تھے۔

مولانا افتخار احمد ابھی دو سال کے تھے کہ ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ ذرا بڑے ہوئے تو مولانا نصیر الدین انہیں سمندری ضلع فیصل آباد لے گئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی دینی تعلیم کے لیے مدرسہ عزیزیہ بھیرہ میں داخل ہوئے۔ دارالعلوم خانقاہ سراجیہ کندیاں اور جامعہ عباسیہ بہاول پور میں بھی چندے قیام رہا۔ جامعہ عباسیہ میں مولانا غلام محمد گھوٹوی سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ ۱۹۳۸ء کے لگ بھگ جامعہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا اور دو سال بعد سندِ فضیلت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر وطن آئے اور مدرسہ عزیزیہ بھیرہ میں تدریس شروع کی۔ ۱۹۴۲ء میں "مرکزی حزب الانصار بھیرہ" کے کارکنوں نے واربرٹن ضلع شیخوپورہ میں "حزب الانصار" کی شاخ قائم کی اور ایک دینی مدرسے کی داغ بیل ڈالی۔ مدرسہ کے اہتمام و انصرام اور تدریس کے لیے واربرٹن تشریف لے گئے۔ ۱۹۴۵ء میں مولانا ظہور احمد بگوی کی وفات پر باتفاق رائے اُن کے جانشین اور مرکزی حزب الانصار کے امیر مقرر ہوئے۔

مولانا افتخار احمد نے تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ دین اور مسلمانوں کی خدمت اُن کی زندگی کا مقصد تھا۔ بھیرہ کے عوام کی عمومی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہے۔ ۱۹۵۲ء کی تحریک تحفظ ختم نبوّت میں انہوں نے فعّال کردار ادا کیا اور چھ ماہ پسِ دیوارِ زنداں رہے۔

انہوں نے مسجد شیر شاہی بھیرہ کی مرمت کرائی اور اس میں قابلِ قدر اضافے کیے۔ مدرسہ عزیزیہ کے ساتھ جدید تعلیم کا انتظام کیا۔ ۱۹۶۰ء میں اسلامیہ ہائی سکول کی بنیاد رکھی، جو بفضلہٖ خدا علم کی روشنی پھیلا رہا ہے۔

مولانا افتخار احمد، مولانا ابوالسعد احمد خان مرحوم سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے مسلکِ اعتدال و اصلاح پر کار بند رہے تاہم فرقِ باطلہ کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ تین بار فریضۂ حج ادا کیا۔

تقریباً تیس سال ماہنامہ "شمس الاسلام" اُن کی نگرانی میں شائع ہوتا رہا۔ سینکڑوں علمی و اصلاحی مضامین اُن کے رشحاتِ قلم میں سے ہیں جو ترتیب و تدوین کے منتظر ہیں۔ اٹھاون سال کی عمر میں ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ / ۱۳ دسمبر ۱۹۷۵ء کو بعارضۂ قلب لاہور میں فوت ہوئے۔ دوسرے روز بعد از نماز عید اضحیٰ خانقاہ بگویہ میں دفنائے گئے۔ اُن کی اولاد میں پانچ صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے ہیں۔ صاحبزادہ ابرار احمد بگوی اُن کے جانشین ہیں۔

خواجہ اللہ بخش تونسوی

خواجہ اللہ بخش بن خواجہ گل محمد بن خواجہ محمد سلیمان تونسوی ماہ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۶ء میں تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے "زہے بیدار بخت،، سے سالِ ولادت برآمد ہوتا ہے۔

خواجہ اللہ بخش نے مولوی محمد امین سے علومِ متداولہ کی تحصیل کی تصوف کی بعض کتب اپنے جد امجد خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے پڑھیں تکمیلِ علوم کے ساتھ ساتھ اپنے جد امجد کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی رحلت پر اُن کے جانشین ہوئے۔

خواجہ اللہ بخش نے سلسلۂ چشتیہ کے اجراء و ترویج میں بہت کام کیا۔ ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ اس سفر میں اُنہوں نے حرمین شریفین کے علماء و مشائخ سے رابطہ قائم کیا۔

خواجہ صاحب کو تعمیرات کا بہت شوق تھا اُنہوں نے تونسہ میں زائرین اور طلبہ و فقراء کے آرام و آسائش کے لئے متعدد عمارتیں تعمیر کرائیں۔ تونسہ کی عالیشان مسجد مہمان سرائے، مسافر خانے اور حوض وغیرہ اُن کی نگرانی میں تعمیر ہوئے تھے۔

خواجہ صاحب نے فتنۂ قادیانیت کا محاسبہ کیا اور پنجاب میں اس فتنے کو برگ و بار پھیلانے سے روکنے کے لئے کوشاں رہے۔ مذہبی و اصلاحی خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ/ ۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء کو جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ مصرعہ تاریخی ہے:

چراغِ جہاں بُجھ گیا ہے!

۱۳۱۹ھ

خواجہ اللہ بخش کے تین فرزند تھے:

۱۔ خواجہ حافظ محمد موسیٰ (جانشین) ۲۔ حافظ احمد

۳۔ حافظ محمود

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ سے ہزاروں افراد نے اکتسابِ فیض کیا۔ اُن کے خلفائے مجازین سے حسبِ ذیل نام بہت اہم ہیں:

۱۔ خواجہ احمد میروی ۲۔ مولانا غلام محی الدین بکھڑی

۳۔ خواجہ محمد الدین سیالوی ۴۔ خواجہ امیر احمد بسالوی

۵۔ خواجہ حافظ محمد موسیٰ (فرزند و جانشین)

۶۔ خواجہ حافظ محمود (" ")

اللہ بخش بہاول نگری (وہابی دیوبندی)

مولانا اللہ بخش ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں بمقام لکھو بودلہ ضلع بہاول نگر میں پیدا ہوئے۔[1] اُن کے آباؤ اجداد قصبہ منچریاں (ضلع ساہیوال) سے ترکِ سکونت کر کے ضلع بہاول نگر گئے تھے۔

مولانا اللہ بخش نے ابتدائی تعلیم مولانا کرم الدین سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لئے دہلی گئے۔ تکمیل کے بعد جوہری بازار (دریبہ کلاں) کی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے۔

۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) کے خلیفہ مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری (م ۱۳۳۷ھ) سے بیعت ہوئے۔ حضرت رائے پوری کے بلند مرتبہ خلفاء میں سے تھے۔

مولانا اللہ بخش کے مزاج میں اتباعِ سنّت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ علاقہ بہاول نگر میں اصلاحِ رسوم اور اشاعتِ تعلیم میں عمر گزاری۔ ۱۳۳۵ھ/۱۷-۱۹۱۶ء میں چاہ جٹوّالہ (بہاول نگر کے شمال مغربی جانب پون میل کے فاصلہ پر ایک بستی) میں "مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ انوار الہدایت" کی بنیاد رکھی جو رجب ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء تک چل رہا تھا۔[2]

---

[1] صاحبِ "ذکر کرام"، (تالیف: ۱۳۵۶ھ) نے لکھا ہے کہ وہ ساٹھ برس کے قریب عمر میں وفات پائی۔" (ص ۲۲)

[2] ایضاً ص ۲۲

مولانا اللہ بخش ۱۰ ر رجب ۱۳۵۲ھ/ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۳۳ء کو فوت ہوئے اور دین پور میں دفنائے گئے۔ اُن کے خلفاء یہ ہیں:[1]

۱۔ مولانا عبدالرحمان (فرزند و جانشین)
۲۔ غلام محی الدین شاہ ہمدانی
۳۔ حافظ نظام الدین
۴۔ چوہدری عالم خان
۵۔ مولانا خدا بخش فدائی
۶۔ مولانا عبدالحکیم
۷۔ حافظ محمد رمضان

---

[1] احوال العارفین ص ۱۷۱

ابوالفتح اللہ بخش

مولانا اللہ بخش بن مولانا فضل احمد بن سید رسول ۳ محرم ۱۳۴۸ھ / ۱۲ جون ۱۹۲۹ء کو موضع شادیہ ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کی نگرانی میں قرآن مجید حفظ کیا اور مقامی سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ درسِ نظامی کی ابتدائی درسیات بوخیل (میانوالی) میں مولانا حافظ محمد احمد مرحوم سے پڑھیں۔ بعد میں دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں حافظ عطا محمد چشتی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ درسِ نظامی کی آخری چند کتب اور دورۂ حدیث مولانا سردار احمد فیصل آبادی سے پڑھا اور ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء میں سندِ فراغ حاصل کی۔

تکمیلِ علوم کے بعد ایک سال مدرسہ احسن المدارس راولپنڈی اور ایک سال جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں مدرّس رہے۔ ۱۹۵۹ء / ۱۳۷۸ھ میں واں بھچراں گئے اور جامع مظفریہ میں بطور خطیب و مدرّس کام شروع کیا۔ وہیں ۲۲ ستمبر ۱۹۷۴ء / ۵ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ کو دل کا دَورہ پڑنے سے فوت ہوئے۔

خواجہ نظام الدین تونسوی سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے اور اپنے گروہی مسلک پر سختی سے کاربند تھے۔ مسئلہ علمِ غیب اور بعض دوسرے فروعی مسائل میں دیوبندی علماء سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔ ایسے ہی ایک مناظرے میں مولانا سردار احمد فیصل آبادی نے اُنہیں "ابوالفتح" قرار دیا تھا۔

حافظ سید الٰہی بخش نوشاہی

حافظ سید الٰہی بخش بن حافظ سید نور اللہ شاہ نوشاہی ۱۱۸۲ھ/۶۹-۱۷۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدِ ماجد رسول نگر کے منصبِ افتاء پر فائز تھے۔ حافظ سید الٰہی بخش نے علومِ متداولہ کی تحصیل والدِ ماجد اور دوسرے اساتذہ سے کی۔ فنِ طب میں مہارت رکھتے تھے۔

سید حافظ نور اللہ نوشاہی سے سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ میں بیعت تھے۔ اُن کی وفات پر اُن کے جانشین ہوئے۔ سید فتح الدین (م ۱۲۲۷ھ) بن سید محمد عظیم نوشاہی سے بھی فیضِ صحبت حاصل کیا تھا۔

۷ رمضان ۱۲۵۳ھ/۵ دسمبر ۱۸۳۷ء کو فوت ہوئے "مظہرِ حق" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔ مزار ساہن پال ضلع گجرات میں ہے۔

حافظ سید الٰہی بخش سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ روضۃ الزکیہ فی حقائق العلمیہ، صاحبزادہ سید شرافت نوشاہی صاحب نے اُن کی بیاض اِس نام سے مرتب کی ہے جو مختلف علوم و فنون پر اُن کا حاصلِ مطالعہ ہے۔

۲۔ مفتاح العلاج

حافظ سید الٰہی بخش کی اولاد میں تین صاحبزادے تھے:

۱۔ حافظ سید تقی احمد نوشاہِ ثانی (م ۱۲۸۶ھ)

۲۔ سید غلام احمد المعروف بوٹے شاہ (م ۱۳۱۸ھ)

۳۔ سید فیض احمد المعروف بگھن شاہ (م ۱۳۳۴ھ)

امام الدین رائے پوری

مولانا امام الدین بن مولانا کرم الٰہی چک عادل ضلع سیالکوٹ کے مقام پر ۱۸۶۷ء/ ۸۴-۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والدِ ماجد سے حاصل کی اور تکمیلِ علوم مولانا محمد شریف کوٹلوی سے کی۔ فارغ التحصیل ہوئے تو "رائے پور اعواناں" (ضلع سیالکوٹ) میں مقیم ہو کر دینی و تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں پیر جماعت علی شاہ علی پوری کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہوں نے خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔ مولانا امام الدین نے پیر صاحب کے ہمراہ برصغیر کے مختلف علاقوں میں تبلیغی دورے کیے۔ فتنۂ ارتداد کے زمانے میں راجپوتانہ اور یو۔پی کے اکثر اہم مقامات، پر وعظ و تبلیغ کے لیے جاتے رہے۔

مولانا امام الدین بلند پایہ خطیب اور کامیاب مناظر تھے۔ سیالکوٹ کے زمانۂ قیام میں جامع مسجد متصل گھنٹہ گھر میں خطبۂ جمعہ و عیدین دیتے تھے اور ماہنامہ "انوار الصوفیہ" (سیالکوٹ) مرتّب کرتے تھے۔ اُنھوں نے فرقِ باطلہ، قادیانیوں اور آریہ سماجیوں سے بکثرت مناظرے کیے۔

تین بار فریضۂ حج ادا کیا۔ پابندِ شرع، اتباعِ سنت میں مستعد اور تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ۸ رشعبان ۱۳۷۳ھ/ ۱۲ راپریل ۱۹۵۴ء کو فوت ہوئے۔ سید حافظ محمد حسین علی پوری نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور رائے پور اعواناں کی مسجد کے صحن میں دفنائے گئے۔

امام الدین کوٹلوی

مولانا ابو الیاس امام الدین قادری بن مولانا عبد الرحمان کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کے ایک صاحبِ علم خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ اُنہوں نے اپنے برادرانِ بزرگ سے علمی استفادہ کیا تاہم اُن کے زمانہ تعلیم کے بارے میں تفصیلات نہیں ملتیں۔

اُن کے دونوں بڑے بھائی مولانا عبد اللہ کوٹلوی اور مولانا محمد شریف کوٹلوی کو مولانا احمد رضا خان بریلوی سے خلافت حاصل تھی۔ اُنہیں بھی شوال ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خان نے اجازتِ حدیث اور سلسلہ قادریہ میں سند عطا کی۔

مولانا امام الدین، پنجابی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور علمی مضامین کو خوبی سے نظم میں ادا کر دیتے تھے۔ انہوں نے نزاعی اور فروعی مسائل پر زورِ قلم صرف کیا ہے۔

۱۹ ربیع الآخر ۱۳۸۱ھ / ۳۰ ستمبر ۱۹۶۱ء کو فوت ہوئے اور وطن مالوف میں دفنائے گئے۔ مرحوم کے قلمی آثار میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ نصرۃ الحق (منظوم پنجابی۔ تالیف ۱۳۲۸ھ)

۲۔ احتیاط الظہر

۳۔ ہدایۃ الشیعہ (اردو۔ دو حصے)

۴۔ الذکر المحمود فی بیان المولد المسعود[1]

---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۸۳-۸۶

قاضی امام بخش شیروی

قاضی امام بخش بن پیر بخش بن قاضی احمد یار بن نور محمد خان بن محمد اسماعیل خان افغانوں کے علیلے زئی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے جدِ اعلیٰ محمد اسماعیل خان (م ۱۱۰۳ھ) فرغانہ سے ہجرت کر کے جام پور آئے۔ بعد میں موضع "شیروؔ"[۱] ضلع ڈیرہ غازی خان میں مقیم ہو گئے۔

قاضی امام بخش کے خاندان میں بہ کثرت علماء پیدا ہوئے۔ محمد اسماعیل خان جیّد عالم تھے۔ اُن کے فرزند مولانا نور محمد خان بھی علمی روایات کے امین تھے۔ قاضی احمد علاقے کے عہدہ قضا پر فائز تھے۔ اُنکے اکلوتے فرزند پیر بخش تھے جو کھیتی باڑی کرتے تھے اور یکم رمضان ۱۳۱۵ھ/۲۴ جنوری ۱۸۹۸ء کو فوت ہوئے تھے۔

قاضی امام بخش اندازاً ۵۸-۱۸۵۷ء/۱۲۷۴ھ میں پیدا ہوئے[۲] اُنہوں نے ڈیرہ اسماعیل خان میں مولوی فقیر محمد کے سامنے زانوئے تلمّذ کیا اور فارغ التحصیل ہوئے علومِ دینیہ کے ساتھ فنِ طب میں مہارت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس کا شغل اپنایا۔ فارغ اوقات میں مطب کرتے تھے۔ اُن کے مطب میں لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ غرباء اور مساکین کا علاج مفت کرتے تھے۔ بعد میں اپنی فہم و بصیرت اور علم و نظر کے پیشِ نظر علاقے کے گرد اور،

۱۔ "شیروؔ" کا پرانا قصبہ دریائے سندھ کی طغیانی کی وجہ سے ۱۹۵۳ء میں تباہ ہو گیا تھا۔ اب اسی نام کی بستی دریائے سندھ سے دو میل جانب مغرب آباد ہے۔

۲۔ مقدمہ باغ و بہار ص ۲۱

قاضی اور سیشن جج کی عدالت پلاسیپیر بنا سے گئے۔

قاضی امام بخش نے ابتدائی زندگی فارغ البالی میں گزاری مگر بعد میں تنگ دستی اور مفلوک الحالی کا زمانہ رہا اور اسی آخری زمانے میں تصنیف وتالیف کی طرف راغب ہوئے موصوف خلوت پسند، درویش منش اور نام و نمود سے گریزاں تھے۔ جب وہ قاضی بنائے گئے اور لوگوں نے اس نسبت سے پکارنا شروع کیا تو انہیں شرم محسوس ہوتی تھی۔[1]

قاضی صاحب قادری سلسلے میں ایک بزرگ شیخ خدا بخش بن شیخ محمد اشرف مانک پوری (مظفر گڑھی) سے بیعت تھے۔ اُن کے بارے میں ایک نظم میں کہتے ہیں:

زاہد و عابد، مجاہد روز و شب	در قوانین شریعت پُر ادب
مردِ حق، کامل، مکمّل، متقی	بود اندر بندگیٔ ایزد قوی
عادتش قرآن خوانی بے شمار	عاجز و مسکین را خدمت گزار
روز و شب در یادِ حق خاطر قوی	شوقِ وافر، ذوقِ خواندن مثنوی
گمراہاں را راہِ حق بنمود آں	رونقِ اسلام را افزود آں[2]

قاضی صاحب ۸ رمضان ۱۳۴۵ھ / ۱۳ مارچ ۱۹۲۷ء کو فوت ہوئے۔ اُن سے فارسی، اُردو اور پنجابی میں کتابیں یادگار ہیں۔ عمدہ شعری ذوق رکھتے تھے اور "امام" تخلص کرتے تھے۔ اُن کی حسبِ ذیل کتابیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار (فارسی، مطبوعہ)

صوفیائے کرام کا تذکرہ ہے اور دس چمنوں میں منقسم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام

۱؎ حدیقۃ الاسرار ص ۱۳

۲؎ " ص ۲-۳

سے لے کر قاضی صاحب کے صاحبزادوں تک تیرہ سو سے زائد افراد کا تذکرہ ہے۔

۲۔ قصہ مرزا صاحباں (پنجابی منظوم۔ غیر مطبوعہ[1])

۳۔ قصہ باغ و بہار (پنجابی منظوم۔ مطبوعہ)

میر امن دہلوی کی تالیف "باغ و بہار" (اردو) کا منظوم پنجابی ترجمہ ہے۔ پہلی بار مطبع الٰہی آگرہ سے ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں طبع ہوا۔ دوسری بار جناب اقبال صلاح الدین نے تحقیق و تحشیہ کے ساتھ مرتب کیا اور ۱۹۷۳ء/۱۳۹۳ھ میں لاہور سے طبع ہوا۔

اُن کی حسب ذیل کتابوں کا کوئی نسخہ محفوظ نہیں رہ سکا۔

۴۔ شاہنامہ (فارسی منظوم)

۵۔ قصہ سوہنی مہینوال (پنجابی منظوم)

۶۔ امام اللغات (فارسی۔ پنجابی)

قاضی امام بخش مرحوم نے تین شادیاں کیں۔ پہلی اہلیہ سے قاضی غلام قادر اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ دوسری اہلیہ سے دو بیٹے عبدالخالق، عبدالواحد اور ایک بیٹی ہوئی۔ تیسری اہلیہ سے کوئی اولاد نہیں تھی۔

عبدالخالق، عبدالواحد اور اُن کی حقیقی بہن اپنے والد کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔

قاضی غلام قادر سے سلسلۂ اولاد چلا۔[2]

---

[1] کتب خانہ قاضی محمد اکرام ساکن شیروا میں محفوظ ہے۔

[2] مقدمہ باغ و بہار ص ۲۵-۲۹ (ملخص)

ابو یحییٰ امام خان نوشہروی (وھابی اھل حدیث)

ابو یحییٰ امام خان نوشہرویؒ[1] سوہدرہ کی ککے زئی برادری کے چشم و چراغ تھے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ اُن کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا۔ اُن کا ننھیال تقریباً تمام مسلکِ اہل حدیث پر عامل تھا اس لیے اُنہوں نے حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے مدرسہ میں مولانا عمر الدین سے تعلیم حاصل کی۔ بعد میں مدرسہ غزنویہ امرتسر میں قیام کیا اور امرتسر کے معروف اساتذہ سے استفادہ کیا۔ اُسی زمانے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) کے حلقۂ احباب میں شامل ہو گئے۔

عملی زندگی کا آغاز کپڑے کے کاروبار سے کیا۔ اپنے عزیزوں کے ساتھ برصغیر کے مختلف شہروں میں گھوم پھر کر کام کرتے تھے۔ سن ۱۹۲۱ء میں بعض مجبوریوں کے پیشِ نظر کاروبار ترک کر دیا اور گوجرانوالہ میں سکونت اختیار کر لی اور سردار ٹھاکر سنگھ کے اخبار "سیوک" میں کام کرنے لگے۔ رسائل و جرائد سے دلچسپی اور اخبار سیوک کے عملی تجربے کے بعد نومبر ۱۹۲۴ء کو رسالہ سہ ماہی "ککے زئی" سوہدرہ سے جاری کیا۔ ۲۳ اگست ۱۹۲۵ء کو سیالکوٹ میں ککے زئی برادری کا ایک نمایندہ اجلاس ہوا جس میں "آل انڈیا ککے زئی کانفرنس" کی بنیاد رکھی گئی۔ مولانا امام خان نوشہروی نے کانفرنس کے قیام میں بھرپور حصہ لیا۔ سہ ماہی ککے زئی "ماہنامہ" کر دیا جو اکتوبر ۱۹۲۵ء سے جون ۱۹۲۶ء تک چھپتا رہا۔

ماہنامہ "ککے زئی" کے بند ہو جانے پر مولانا ابو یحییٰ علی گڑھ چلے گئے وہاں سے دوبارہ جولائی ۱۹۲۶ء سے "افغان ککے زئی" کے نام سے سہ ماہی مجلہ جاری کیا جو بعد میں ماہنامہ ہو گیا۔ آخر میں مالی مشکلات کے پیشِ نظر اگست ۱۹۲۹ء میں بند کر دیا گیا۔

---

[1] اصل نام عبدالغنی تھا (تاریخ ککے زئی۔ حاشیہ ص ۲۴۷)

اس کے بعد علمی و ادبی کاموں میں مصروف رہے۔ قیام پاکستان کے بعد مختلف علمی اداروں کے لیے تصنیفی کام کیا۔ ۱۶ر جنوری ۱۹۶۶ئہ/ ۲۴ ر رمضان ۱۳۸۵ھ کو اپنے آبائی گاؤں سوہدرہ میں وفات پائی۔

مولانا امام خان شعروسخن کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ خود بھی شعر کہتے تھے اور رضا علی وحشت کلکتوی سے بذریعہ مراسلت اصلاح لیتے تھے۔ امام تخلص تھا۔[1]

مولانا ابو یحییٰ سے حسب ذیل تراجم و تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ تراجم علمائے حدیث ہند

۲۔ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات۔ (یہ مقالہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی پچاس سالہ تقریب پر ۲۹ر مارچ ۱۹۳۷ئہ کو پڑھا گیا تھا۔ بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا)

۳۔ اہل حدیث کے دس مسئلے

۴۔ نقوش ابوالوفا (سوانح حیات مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ) آخری ایام زندگی میں یہ کتاب زیر تالیف تھی کہ پیام اجل آگیا۔ صرف پہلا حصہ حافظ احسان الٰہی ظہیر صاحب (مدیر "ترجمان الحدیث" لاہور) کی ترتیب و تہذیب کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

۵۔ فقہ عمرؓ (ترجمہ)

۶۔ نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر۔ سید عبدالحئی رائے بریلوی کی بلند پایہ تالیف کے پہلے تین حصوں کو اردو کا جامہ پہنایا۔

۷۔ حیات محمد (ترجمہ) تالیف محمد حسین ہیکل

۸۔ حضرت عمر کے سیاسی فیصلے

۹۔ مکالمات نبوی

---

[1] ماہنامہ "کتاب"، لاہور (بابت اگست ۱۹۶۶ئہ)

۱۰۔ زندگی کے نمونے

۱۱۔ قرآنی دستورِ حیات

۱۲۔ حرفِ آخر

۱۳۔ فتنہ خلق قرآن (ترجمہ) تالیف امام عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی

۱۴۔ دستور المجاہدین

۱۵۔ سیاسی وثیقہ جات (ترجمہ)

امان اللہ گجراتی

مولانا امان اللہ خان بن مولانا صدرالدین چک عمر ضلع گجرات کے معروف علمی خانوادے کے فردِ فرید تھے۔ مولانا عبداللہ اُن کے ذی علم بھائی تھے۔ مولانا امان اللہ نے اپنے والدِ ماجد اور عمِ محترم مولانا مخدوم عالم سے تعلیم پائی تھی۔ کچھ عرصہ موضع کرسال ضلع جہلم میں بھی مقیم رہے تھے۔ ۲۹ر صفر ۱۳۱۲ھ / ۳۱ر اگست ۱۸۹۴ء کو فوت ہوئے۔

مولانا امان اللہ عربی اور فارسی زبانوں پر ماہرانہ دستگاہ رکھتے تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ اُنہوں نے بزبانِ عربی دیہات میں نمازِ جمعہ کے جواز پر ایک رسالہ لکھا تھا، جس کا خطی نسخہ پروفیسر احمد حسین احمد قلعداری کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

مولانا امان اللہ کے صاحبِ علم صاحبزادے مولانا سلام اللہ شائق تھے۔ جن سے فارسی کا دیوان یادگار ہے۔ ۱۳ر ستمبر ۱۹۴۵ء / ۵ر شوال ۱۳۶۴ھ کو فوت ہوئے۔ شائق مرحوم کا دیوان ہنوز زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔[1]

---

[1] تذکرہ شعرائے پنجاب ص ۱۹۵

سیّد امداد حسین کاظمی **(شیعہ رافضی اھل تشیع)**

مولانا سیّد امداد حسین کاظمی بن سیّد عباس علی بن سیّد رمضان علی نومبر ۱۹۰۱ء/ ۱۳۱۹ھ میں گجرات میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِ بزرگوار سیّد رمضان علی بلند پایہ ذاکر اور عالم تھے۔ برصغیر کے اہلِ تشیع کے مراکز لکھنؤ اور امروہہ میں بہت مقبول ذاکر تھے اور "سلطان الذاکرین" کے لقب سے معروف تھے۔ والئی پونچھ راجہ جگت دیو سنگھ نے انہیں "ابوالفضل ثانی" کا خطاب دیا تھا۔

مولانا سیّد امداد حسین کی تعلیم وزیر آباد، گوجرانوالہ اور لاہور میں ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی سے السنہ شرقیہ میں منشی فاضل، ادیب فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ بعد میں بی۔اے کی سند بھی حاصل کی۔ اس کے ساتھ ہی طبعی ذوق و شوق سے گورمکھی زبان سیکھ کر "گیانی" کی سند حاصل کی۔

مولانا موصوف محکمہ ڈاک سے وابستہ تھے اور ایک اچھے عہدے سے سبکدوش ہوئے تھے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ علمی و دینی اور تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ۲۲ر ستمبر ۱۹۷۵ء/ ۱۴ر رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ کو فوت ہوئے اور حسبِ وصیّت گجرات میں دفنائے گئے۔

مولانا کاظمی کو لکھنے پڑھنے کا اچھا ذوق تھا۔ کچھ عرصہ ماہنامہ "صوفی" (منڈی بہاؤالدین) کی ادارت سے منسلک رہے۔ کثرت سے دینی موضوعات پر مضامین لکھے جو اہلِ تشیع کے مذہبی پرچوں میں طبع ہوئے۔ اُن کی حسبِ ذیل مستقل تصانیف ہیں۔

۱۔ تفسیر المتقین ۔اُردو ترجمہ و تفسیر قرآن مجید

۲۔ فتنۂ تفسیر بالرائے

۳۔ تحقیقِ مہدی

۴۔ الفاطمہ

۵۔ برکاتِ محرم بجوابِ بدعاتِ محرّم

۶۔ تطبیق الشہادت

۷۔ اعمالِ واجبیہ

۸۔ معلّم الاسلام

۹۔ اخلاق المعصومین[1]

---

[1] مطلع الانوار ص ۱۰۸ ــ ۱۰۹

محمد انوار الحسن شیر کوٹی (وھابی دیوبندی)

مولانا محمد انوار الحسن بن احمد حسن بن محمد داؤد ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں شیر کوٹ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور سات سال دار العلوم میں رہ کر ۱۳۴۷ھ کو سندِ فضیلت حاصل کی۔

۱۹۲۹ء/۱۳۴۷-۴۸ھ میں اورینٹل کالج لاہور سے "مولوی فاضل" کا امتحان پاس کیا۔ اگلے سال سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے "او۔ ٹی" کی پیشہ ورانہ سند حاصل کی۔ ملازمت کا آغاز عربی زبان و ادبیات کے اُستاد کی حیثیت سے ستمبر ۱۹۳۰ء میں مشن ہائی سکول جالندھر سے کیا۔

۲ اپریل ۱۹۳۱ء کو مشن ہائی سکول سے اسلامیہ ہائی سکول جالندھر منتقل ہو گئے۔ مارچ ۱۹۳۵ء میں رندھیر کالج کپور تھلہ کے پروفیسر محمود علی کے سبکدوش ہونے پر وہاں تقرر ہوا۔ ستمبر ۱۹۴۷ء تک فرائضِ تدریس ادا کیے۔

مولانا انوار الحسن نہایت محنتی اور مطالعہ کے شوقین تھے۔ دورانِ ملازمت میں انہوں نے بی۔ اے کیا۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اور دو سال میں ایم اے (اُردو) کی سند حاصل کی۔

فیصل آباد میں سکونت اختیار کی تو ۲۲ ستمبر ۱۹۵۳ء کو اسلامیہ کالج میں عربی و فارسی کے اُستاد ہو گئے۔ ۴ مئی ۱۹۶۶ء کو ملازمت ترک کر کے ہمہ تن تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔ ۵ اکتوبر ۱۹۷۶ء/۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ کو فیصل آباد میں واصل بحق ہوئے۔

مولانا محمد انوار الحسن جامعہ عثمانیہ ڈی بلاک فیصل آباد میں خطیب بھی تھے۔ ان سے حسب ذیل سوانحی و دینی کتب یادگار ہیں۔

۱۔ انوار الشہادت (ترجمہ "نور العین فی مشہد الحسین" تالیف امام ابو اسحاق اسفرائنی)

۲۔ سیرتِ پیغمبرِ اعظمؐ
۳۔ تجلیاتِ عثمانی (علامہ شبیر احمد عثمانی کی سوانح حیات)
۴۔ خطباتِ عثمانی (علامہ عثمانی کے خطبات)
۵۔ انوارِ عثمانی (علامہ شبیر احمد عثمانی کے خطوط)
۶۔ حیاتِ امداد (حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی سوانح حیات)
۷۔ انوارِ قاسمی (مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سوانح حیات)
۸۔ روحِ رمضان
۹۔ سیرتِ یعقوب و مملوک (دار العلوم دیوبند کے مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور اُن کے والدِ ماجد مولانا مملوک علی کے حالات زندگی)

متذکرۂ الصدر تصانیف کے علاوہ اُردو اور اسلامیات کی نصابی کتب اور بیسیوں مضامین ہیں جو رسائل و جرائد میں منتشر ہیں۔

مولانا محمد انوار الحسن شعر کہتے تھے۔ اُن کا مجموعۂ کلام شائع نہیں ہوا۔ ایک نظم میں علامہ اقبالؒ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

کس بلندی پر تخیّل کی ترے پرواز ہے ۔۔۔ زندگی کے ساز کی اقبال تو آواز ہے
تیری آہوں نے کیا روشن چراغِ زندگی ۔۔۔ تیرے نالوں نے دیا ہم کو سراغِ زندگی
تو نے پہنچایا بلندی پر دماغِ زندگی ۔۔۔ تیرے نغموں نے کیا شاداب باغِ زندگی

تو نے گرمایا فغاں سے مردِ مومن کا لہو
تیرے نغموں نے کیا پیدا جہانِ رنگ و بو[1]

---

[1] حیاتِ امداد ص ۴۷

بشیر احمد پسروری (وھابی دیوبندی)

مولانا بشیر احمد پسروری بن مولانا فتح محمد کے آبا واجداد صوبۂ سرحد کے رہنے والے تھے۔ انگریزی عہد میں ترکِ سکونت کر کے موضع "دہوا" ضلع ڈیرہ غازی خان میں اقامت پذیر یہیں مولانا فتح محمد کے گھر میں ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں وہ بچہ پیدا ہوا، جسے دنیا مولانا بشیر احمد پسروری کے نام سے جانتی ہے۔

مولانا فتح محمد خود بلند پایہ عالمِ دین تھے اور خواجہ سراج الدین سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ موسیٰ زئی شریف سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مولانا بشیر احمد نے ناظرہ قرآن مجید کے بعد ابتدائی فارسی و عربی درسیات والد بزرگوار سے پڑھیں، ان کے ساتھ ساتھ مولوی محمد مٹھا صاحب (فاضل دیوبند) سے بھی استفادہ کیا۔

تیرہ سال کی عمر میں انہوں نے مدرسہ محمودیہ تونسہ شریف میں داخلہ لیا۔ تین سال یہاں رہے اور متوسطات کی تحصیل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا گوہر علی قیصرانی، مولانا محمد اشرف، مولانا فقیر محمد، مولانا محمد عظیم یاغستانی اور مولانا عبدالسلام سکندر پوری ہزاروی شامل تھے۔ مدرسہ محمودیہ سے مدرسہ نعمانیہ ملتان منتقل ہوئے۔ مدرسہ نعمانیہ کے صدر مدرس مولانا محمد دین بدھوی سے توضیح تلویح، میر زاہد اور بیضاوی کا درس لیا۔ شیخ الحدیث مولانا غلام محمد (شاگرد مولانا سیف الرحمان کابلیؒ) سے ۱۳۴۴ھ/۲۶-۱۹۲۵ء میں دورۂ حدیث پڑھا۔

دورۂ حدیث کے بعد مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دورۂ قرآن میں شامل ہوئے۔ شوال ۱۳۴۴ھ میں تفسیر کا امتحان دیا اور پچاس طلبہ میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔

یہ وہ دَور تھا کہ آریہ سماجی مبلّغوں کی خلافِ اسلام سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ اور علمائے کرام تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے میدان میں آ چکے تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری

کے حکم پر پسرور میں سکونت اختیار کی اور "انجمن تبلیغ الاسلام" قائم کر کے دینی و تبلیغی سرگرمیوں کو منظم کیا۔ انجمن کی طرف سے انہیں -/۲۵ روپے ماہانہ مشاہرہ ملتا تھا۔ ۱۹۲۸ء تک یہ مشاہرہ لیتے رہے اس کے بعد بلا معاوضہ خدمات انجام دیں "مدرسہ حنفیہ قادریہ تعلیم القرآن" کے ذریعے تعلیم قرآن عام کی۔

مولانا بشیر احمد سیاسی طور پر مجلس احرار اسلام سے وابستہ تھے۔ ۱۹۳۰ء کی تحریکِ کشمیر میں عملی حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور ایک سال قید بامشقت اور پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا ہوئی۔ جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں چار ماہ مزید قید کاٹنا تھی۔ سیالکوٹ، انبالہ اور ملتان کے قید خانوں میں ایک سال چار ماہ گزارے۔

تنظیم اہل سنت و جماعت کے بانی سردار احمد خان پتافی نے پنجاب میں مسلک اہلسنت کے تحفظ کے لیے بہت کام کیا ہے۔ انہوں نے ۱۹۴۶ء میں گیارہ مستند علماء کو مولانا عبدالشکور لکھنوی (م ۱۳۸۱ھ) سے تربیت حاصل کرنے کے لیے دار المبلغین لکھنؤ بھیجا۔ اس پہلے قافلے میں مولانا بشیر احمد پسروری شامل تھے۔ اس طرح انہیں مولانا عبدالشکور لکھنوی سے استفادہ کا موقع ملا۔ تنظیم اہل سنت و جماعت کے پلیٹ فارم سے مسلکِ اہل سنت کی تبلیغ و تلقین کرتے رہے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں گرفتار ہوئے اور دس ماہ پسِ دیوارِ زنداں رہے۔ جمعیت علمائے اسلام بنی تو اس سے وابستہ ہوئے۔ لاہور ڈویژن کے امیر رہے اور آخر دم تک اس وابستگی میں کمی نہ آئی۔

مولانا بشیر احمد، سلسلہ قادریہ میں مولانا احمد علی سے بیعت تھے اور اُن کے خلیفۂ مجاز بھی۔ انہوں نے اپنے علاقے میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت کی ہے۔ ۱۹۷۲ء میں علمی و دینی خدمات انجام دیتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔

مرحوم سے حسب ذیل تبلیغی و اصلاحی رسائل اور کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ سوانح حیات حضرت امام حسین رض

۲۔ رسالہ تحقیق متعہ۔ قیام لکھنؤ کے زمانے میں یہ رسالہ لکھا تھا۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی نے اپنی تقریظ میں لکھا ہے۔

"اس مبحث میں معلومات کا ایک ذخیرہ انہوں نے جمع کر دیا ہے کتب شیعہ کے جس قدر حوالے اس کتاب میں ہیں۔ سب صحیح ہیں[۵۷]"

۳۔ انوارِ صحابہ
۴۔ انوارِ صحابیات
۵۔ دامادِ علی و دامادِ نبی
۶۔ فضائل السلام علیکم
۷۔ مسائلِ قربانی
۸۔ فضائل اصحابِ ثلاثہ
۹۔ فضائل خدمتِ خلق
۱۰۔ بدعاتِ محرّم
۱۱۔ السر المکتوم
۱۲۔ قوّتِ حیدری
۱۳۔ ارشاداتِ خاتم الانبیاء
۱۴۔ سوانح امام حسنؓ
۱۵۔ تحقیق مسئلہ رجعت
۱۶۔ فرمان امام باقرؒ
۱۷۔ خلفائے ثلاثہ اور اہل بیت کی آپس میں رشتہ داریاں۔
۱۸۔ آفتابِ ولایت

---

۵۷ رسالہ مذکور

بہادر علی شاہ (شیعہ رافضی اہل تشیع)

قاری سید بہادر علی شاہ جلال پور جٹاں کے سید خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے وطن مالوف میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور دہلی چلے گئے اور وہاں جناب جعفر علی جارچوی سے ضروری کتابیں پڑھ کر خطابت شروع کی۔ موصوف خوش الحان قاری، مناظر اور مبلغ تھے۔ انہوں نے پنجاب میں شیعہ مذہب کی خوب تبلیغ کی۔ ۲۶ر محرم ۱۳۳۵ھ/ ۲۲ر نومبر ۱۹۱۶ء کو گجرات میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔

قاری سید بہادر علی شاہ کتاب دوست عالم تھے۔ اُن کا قیمتی اور نادر کتابوں کا ذخیرہ تباہ ہو گیا ہے۔ اُن کی حسب ذیل کتب یادگار ہیں۔

۱۔ تفسیر سورۂ یوسف

۲۔ دلیل الوصل فی جواب قوامع الفصل

۳۔ واقعات مناظرہ نگینہ

۴۔ دلائل الصادقین (تاریخ محمدی)

سید بہادر علی شاہ مرحوم کے دو صاحبزادے سید غلام علی اور سید سیف علی تھے۔[۱]

---

[۱] مطلع انوار ص ۱۳۱-۱۳۲

تاج الدین قادری

مولانا تاج الدین قادری بن شیخ محمد علی، میانوال راجپیاں ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد ماجد تاجرِ چرم تھے۔ مولانا تاج الدین نے مدرسہ نعمانیہ لاہور سے دستارِ فضیلت حاصل کی تھی۔

مولانا تاج الدین نے لاہور کی مختلف مساجد میں فرائضِ خطابت سرانجام دیئے۔ زمانۂ طالب علمی میں مسجد پٹولیاں اُن کے وعظ و تبلیغ کا مرکز تھی۔ مسجد پٹولیاں میں مولانا شہاب الدین سے علمی استفادہ بھی کرتے تھے۔

مسجد پولیس لائن (کی دروازہ)، مسجد چوہٹہ بھگتو رام (نزد چوک وزیر خان) اور مسجد مولانا جان محمد میں امامت کے فرائض انجام دیئے اور درس و تدریس کا شغل جاری رکھا۔ آخر میں مغلپورہ کی ایک ویران مسجد آباد کی۔ یہ مسجد تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ عہدِ اکبری میں ہندو امراء کے کہنے سننے پر مسلمان قصابوں کے لیے شہر سے باہر ایک محلّہ آباد کیا گیا۔ قصاب محلّہ کے متمول قصابوں نے یہ مسجد ۱۰۶۰ھ میں تعمیر کی تھی۔ سکھاشاہی میں یہ محلّہ زیرِ عتاب آیا۔ مسلمان قصاب محلّہ چھوڑ کر اندرونِ شہر آ گئے۔ محلّہ کی تعمیرات سکھ گردی کی نذر ہو گئیں اور یوں مسجد ویران ہو کر رہ گئی۔ مولانا تاج الدین نے یہ مسجد نہ صرف آباد کی بلکہ ۱۳۲۹ھ میں اس کی تعمیرِ نو کی۔

مولانا تاج الدین بیربانکی شریف سے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ ایک روایت کے مطابق اُن سے مجازِ بیعت بھی تھے۔ موصوف کے دوستوں میں مولانا نبی بخش حلوائی، مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا سید دیدار علی الوری اور مولانا غلام احمد کے نام نمایاں ہیں۔ تقویٰ شعار اور سادگی پسند مولانا تاج الدین ۲۵ رشعبان ۱۳۴۷ھ / ۶ رفروری ۱۹۲۹ء کو فوت ہوئے۔

نمازِ جنازہ سیّد دیدار علی الوری نے پڑھائی اور اپنی آباد کردہ مسجد کے پہلو میں دفنائے گئے۔ مرحوم نے مجرّد زندگی گزاری تھی۔ جہاں اُن کی اولاد نہیں وہیں کوئی تحریری یادگار بھی نہیں ہے۔

جان محمد لاہوری

مولانا جان محمد بن محمد غوث بن ولی اللہ ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اُن کے ابتدائی حالاتِ زندگی پردۂ خفاء میں ہیں۔ سیالکوٹ سے نقلِ مکانی کر کے لاہور آ گئے تھے۔ مسجد نور محمد ایمان والا (کشمیری بازار) میں خطابت و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اُن کے مواعظ نہایت پُر تاثیر ہوتے تھے۔ ہزاروں افراد نے بے عملی کی زندگی ترک کی اور صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوئے اُن کے معاصر مورخِ لاہور رائے بہادر کنہیالال نے لکھا ہے:

"واعظ شیریں بیان مولانا جان محمد لاہوری اپنے وعظ کی سحر بیانی سے قلوب واذہان کو مسحور کر لیا کرتے تھے۔ آپ سکھ عہد میں کشمیری بازار کی مسجد کے خطیب مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں یہ ایک وسیع مسجد تھی جس میں ہزاروں لوگ جمعہ کا خطبہ سننے آتے تھے۔ ایک دفعہ جمعہ کا وعظ سننے کے لیے متولیِ مسجد نور محمد ایمان والا بھی آیا۔ وعظ سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی دستار اور قیمتی کوٹ اتار کر مولوی صاحب کو پیش کر دیا اور نماز سے فارغ ہو کر آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی عظیم الشان حویلی میں لے گیا اور اپنے اہل و عیال کو دوسرے مکان میں منتقل کر کے ساری حویلی معہ سامان آپ کے حوالے کر دی۔ مولوی جان محمد صاحب تاحینِ حیات اسی حویلی میں قیام پذیر رہے بعد میں آپ کی اولاد کے نام منتقل ہو گئی۔[1]"

مولانا جان محمد سے ہزاروں افراد نے اکتسابِ فیض کیا۔ یہ کہنا درست ہو گا کہ پنجاب کا

---

[1] تاریخ لاہور

کوئی ضلع ایسا نہیں جو اُن کے فیوض و برکات سے محروم رہا ہو۔ اُن کے معروف ترین تلامذہ میں مولانا محمد عالم کھوڑوی، مولانا کرامت اللہ، مولانا غلام محمد ملتانی اور مولانا فخر الدین کے نام قابلِ ذکر ہیں[1]۔ مولانا جان محمد ۱۰ محرم ۱۲۶۸ھ / ۵ نومبر ۱۸۵۱ء کو فوت ہوئے۔ "چراغِ دین" سے سالِ رحلت برآمد ہوتا ہے۔

مولانا جان محمد نے تبلیغ و تدریس کے ساتھ ساتھ "قلم و قرطاس" سے بھی رشتہ استوار رکھا۔ اُنہوں نے متعدد کتابیں لکھیں۔ حسبِ ذیل کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے:

۱۔ زبدۃ التفاسیر
۲۔ شرح قصیدہ بُردہ
۳۔ شرح بدء الامالی
۴۔ رسالہ فی المعراج
۵۔ رسالہ فی اثبات الخلافت المعاویہ رض
۶۔ رسالہ فی العقائد
۷۔ رسالہ فی حرمت التتن[2] (حرمتِ تمباکو)
۸۔ قواعد الاحکام فی شعائر الاسلام (عربی) ـــــ اس کتاب کا ذکر بعض تذکرہ نگاروں نے "رسالہ عدم فرضیت جمعہ" کے نام سے کیا ہے، جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مولانا جان محمد لاہوری، دورِ غلامی میں نمازِ جمعہ کی عدمِ فرضیت کے قائل تھے۔ حالانکہ مؤلف موصوف نے مستند فقہی ماخذ سے استشہاد کرتے ہوئے بتایا کہ مسلمانوں کو نمازِ جمعہ قائم کرنی چاہیئے کیونکہ اسی طرح اسلامی شعائر قائم رہ سکتے ہیں۔

---

[1] حدائق الحنفیہ ص ۴۷۵ [2] مؤلف "تذکرہ علماءِ اہلِ سنّت و جماعت لاہور" نے اس کا نام "بیان فی قباحت الدخان" لکھا ہے اور اس کے ایک قلمی نسخے سے استفادہ کیا ہے۔

اس کتاب کا ایک خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے[۱]۔

۹۔ نور الابصار فی مناقب اصحاب الکبار المعروف بہ رد الروافض (فارسی)

یہ کتاب خلفائے راشدین کے حالات میں محنت سے لکھی گئی ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۲۲۱ھ کتب خانہ ذاکر حسین دہلی میں محفوظ ہے[۲]۔ دوسرا نسخہ (بلا سن کتابت) دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ کی زینت ہے[۳]۔

رائے بہادر کنہیا لال نے مولانا جان محمد کے دو صاحبزادوں کا ذکر کیا ہے[۴]:

۱۔ مولانا فیض محمد:۔ علوم دینیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مولانا جان محمد کی زندگی میں وفات پائی۔

۲۔ مولانا محمد فضل:۔ والدِ ماجد کے علمی جانشین تھے۔ علم طب میں دستگاہ رکھتے تھے۔

۱؎ فہرست مفصل جلد اوّل ص ۲۳۶ – ۲۳۸

۲؎ ماہنامہ "وحید" (تہران) بابت نومبر ۱۹۷۳ء، ص ۸۱۶

۳؎ تعارف مخطوطات دار العلوم دیوبند جلد ۲، ص ۱۰۴

۴؎ تاریخ لاہور ص ۴۷

سیّد جماعت علی شاہ ثانی لاثانی

مولانا سیّد جماعت علی شاہ ثانی لاثانی بن سیّد علی شاہ ۱۸۶۰ء/ ۷۷-۱۲۷۶ھ میں علی پور سیّداں[1] میں پیدا ہوئے۔ نسباً حسینی سادات تھے۔ آٹھ نو برس کی عمر میں مولانا عبدالرشید علی پوری کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔ قرآن مجید پڑھ کر حدیث و تفسیر اور تصوف کی چیدہ چیدہ کتابیں پڑھیں۔

موصوف صوفی منش اور کم گو تھے۔ صوفیائے کرام کے احوال و ملفوظات کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ خواجہ فقیر محمد چوروی المعروف بہ بابا جی صاحب سے بیعت ہوئے اور اُنھوں نے خرقۂ خلافت سے نوازا۔

علی پور میں دو معاصر ہم نام بزرگ تھے اور دونوں کو ایک ہی آستانے سے خلافت ملی تھی۔ دونوں کے درمیان امتیاز کی خاطر خواجہ فقیر محمدؒ نے انہیں "ثانی صاحب" کا لقب دیا بعد ازاں ثانی کا لقب "ثانی لاثانی" بن گیا۔ مولانا ثانی لاثانی ۱۶ ؍شعبان ۱۳۵۸ھ/ یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء کو فوت ہوئے۔ علی پور سیّداں میں مدفون ہیں۔ مولوی عبدالرسول ساکن بکھر بار نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے:

دریغا کہ ذاتِ حمیدہ صفات	منوّر کن عالم شش جہات
جماعت علی شاہ ثانی ولی	رسیدہ بقربِ خدا در حیات
رسیدش بفرمان حق کل نفس	اجل چونکہ بچشید ذوقِ ممات

---

[1] سیالکوٹ سے چوبیس میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ حضرت ثانی لاثانی کے اجداد میں سے محمد سعید یہاں آباد ہوئے اور بستی کا نام "سعید پور" رکھا گیا۔ اُن کی پانچویں پشت میں ایک بزرگ سید علی اکبر شاہ نے اسے "علی پور" کا نام دیا۔ ماہنامہ "سلسبیل" لاہور، تذکرۃ الاولیاء جدید ص ۱۷

زفقدش تمامی جہاں تیرہ شد   زغم ماتمش گشت در کائنات
بدرگاہِ او بہرِ طلبِ خدا   ہجوم خلائق الوفؒ و مآت
شنید این خبر عبد تاریخ جست   بگفتش بحسرت دلِ بے ثبات

ؔلہ پندرہ روزہ "شمس الاسلام" (بھیرہ) بابت یکم فروری ۱۹۴۰ء ص ۶

پیر جماعت علی شاہ علی پوری

پیر سید جماعت علی شاہ بن سید کریم شاہ بن سید منوّر علی بن سید محمد حنیف انیسویں صدی عیسوی کے چوتھے عشرے میں علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ نسباً سادات شیراز سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے جدِ اعلیٰ سید محمد نوروز شاہ عہدِ مغلیہ میں ہندوستان آئے اور موضع علی پور سیداں میں مقیم ہوئے۔

قاری شہاب الدین کاشمیری سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مولانا عبدالرشید علی پوری سے اُردو اور فارسی کی مکتبی تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبدالوہاب امرتسری سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد لاہور میں مولانا غلام قادر بھیروی، مفتی عبداللہ ٹونکی (م ۱۳۳۸ھ) اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ لاہور سے سہارنپور گئے اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا محمد مظہر سے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا ارشاد حسین رامپوری اور بعض دوسرے فضلائے عصر سے فیضان حاصل کیا جن کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

گنج مراد آباد کا سفر کیا اور مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (م ۱۳۱۳ھ) سے عرفان و سلوک کی منازل طے کیں۔ بعد میں سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا فقیر محمد چوراہیؒ سے بیعت ہوئے۔ انہوں نے اجازتِ بیعت سے نوازا۔

پیر سید جماعت علی شاہ نے حدیث کی اسناد مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکیؒ، مولانا عبدالعلی محدث پانی پتی اور محمد عمر ضیاء الدین سے بھی حاصل کیں۔

پیر صاحب نے منظم طور پر تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے ۱۹۰۱ء/۱۹-۱۳۱۸ھ میں "انجمن خدام الصوفیہ" قائم کی۔ اس انجمن کے مقاصد حسبِ ذیل تھے:

۱۔ اتحاد جمیع سلاسلِ تصوف

۲۔ اشاعتِ اسلام و تصوّف
۳۔ تردید الزامات خلافِ اسلام و تصوّف۔
۴۔ تردید مذاہبِ باطلہ

انجمن کے ابتدائی تین سالانہ جلسے بادشاہی مسجد لاہور میں منعقد ہوئے۔ ۱۹۰۴ء سے سالانہ جلسہ علی پور سیّداں میں باقاعدگی سے ہو رہا ہے۔ اسی سال انجمن کے زیرِ اہتمام رسالہ "خدام الصوفیہ" (لاہور) جاری کیا گیا۔ یہ رسالہ تاحال عرفان و طریقت اور دینِ اسلام کی خدمت کر رہا ہے۔ پیر صاحب کی نگرانی میں برصغیر کے مختلف شہروں میں انجمن کی شاخیں قائم کی گئیں۔ جنہوں نے مقامی طور پر دینی مدارس کے قیام، اشاعتِ دین و تصوّف اور سیاسی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

پیر صاحب نے فرقِ باطلہ کی تردید میں قابلِ قدر کام کیا۔ قادیانیت کے تعاقب میں فعال کردار ادا کیا۔ مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اُن کے جلسوں کے اہم مقرّر ہوتے تھے جو اس فتنے کے لٹریچر پر گہری نظر رکھتے تھے۔ فتنۂ ارتداد کے زمانے میں انہوں نے راجپوتانہ کے کئی دورے کیے۔ مبلّغ بھیجے اور مسلمانوں کو شدھی کے فتنے سے بچانے میں ہمہ تن منہمک رہے۔

پیر صاحب کو اللہ تعالےٰ نے دینی دولت کے ساتھ مالی ثروت سے بھی نوازا تھا۔ انہوں نے انجمن حزب الاحناف (لاہور)، انجمن حمایتِ اسلام (لاہور) اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی بارہا مالی امداد کی۔ ندوۃ العلماء کے ایک سالانہ جلسہ کی صدارت بھی کی۔

پیر صاحب نے پنجاب میں تحریکِ خلافت کے لیے اہم کام کیا۔ ۱۲/۱۳ مارچ ۱۹۲۱ء/۱۱/۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۸ھ کو اُن کی صدارت میں خلافت کانفرنس لائل پور منعقد ہوئی۔ خطبہ صدارت میں اپنی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"میں سب سے پہلے اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے حیدرآباد دکن

راولپنڈی، نوشہرہ، پشاور، بنگلور، گوجرہ اور کئی مقامات میں خلافت کے اجلاس کی صدارت کا شرف حاصل کیا ہے[1]..................

.....خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے پنجاب کی فوج میں ایک متنفس کو بھی بھرتی نہیں کرایا۔ ڈوائر صاحب لیفٹیننٹ گورنر کو ایک محضر نامہ پیش کیا گیا۔ اس پر اکثر پیرانِ عظام کے دستخط موجود ہیں لیکن میرے دستخط ہرگز ہرگز موجود نہیں میں لاٹ صاحب کے پاس تک نہیں گیا۔ خدا اب مجھے محفوظ رکھے۔"[2]

تحریکِ خلافت کے بعد جس دوسری تحریک میں اُنہوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔ وہ مسجد شہید گنج کی بازیابی کی تحریک تھی۔ یکم ستمبر ۱۹۳۵ء کو مولانا محمد اسحاق مانسہرویؒ نے راولپنڈی میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ جس میں صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے علاوہ یو۔پی کے بعض زعماء نے بھی شرکت کی۔ اس کانفرنس میں پیر صاحب کو اتفاقِ رائے سے "امیرِ ملت" چُنا گیا۔ مسجد کی بازیابی کے لیے "مجلس اتحادِ ملت" بنی جس کی شاخیں جگہ جگہ قائم کی گئیں۔ پیر صاحب نے اس تحریک میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تاہم نتائج خاطر خواہ برآمد نہ ہوئے۔

پیر صاحب تحریکِ خلافت اور مسجد شہید گنج کی تحریک کے راستے پاکستان کی جدوجہد میں شامل ہوئے۔ اُنہوں نے آل انڈیا سنّی کانفرنسوں کی صدارت کی اور دو قومی نظریہ کی حمایت کی۔ قراردادِ پاکستان کے بعد کھُل کر پاکستان کے لیے کام کیا۔

پیر صاحب نے برصغیر کے طول و عرض میں تبلیغی دورے کیے۔ کئی بار فریضۂ حج ادا کیا۔ شاہ افغانستان نادر شاہ مرحوم کی دعوت پر افغانستان کا بھی سفر کیا۔

---

[1] خطبہ صدارت، ص ۳

[2] ایضاً ص ۸

پیر صاحب علمی و دینی خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۷۰ھ / ۳۰ اگست ۱۹۵۱ء کو علی پور سیداں میں فوت ہوئے۔ دوسرے دن دفنائے گئے " درویش ذی علم " اور " شیخ حق آشنا " سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

پیر صاحب مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں:

۱۔ حافظ پیر سید محمد حسین شاہ (جانشین)

۲۔ حافظ پیر سید خادم حسین شاہ

۳۔ حافظ مولانا پیر سید نور حسین شاہ

پیر صاحب کے ہاتھ پر ہزاروں افراد نے بیعت کی اور اپنی زندگیاں خدا کے رنگ میں رنگیں، مؤلف " سیرت امیر ملت " نے اُن کے ۶۴ خلفاء کے نام درج کیے ہیں۔ صاحبزادوں کے علاوہ چند خلفاء کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ مولانا محمد حسین قصوری

۲۔ مولانا محبوب ا[illegible] الملقب بہ خیر شاہ امرتسری

۳۔ مولانا غلام احمد اخگر امرتسری

۴۔ پیر محمد حیات سیالکوٹی

۵۔ مولانا امام الدین لائے پوری

۶۔ مولانا حامد حسن قادری مؤلف " داستان تاریخ ادب اردو "

۷۔ مولانا عابد حسن فریدی

حاکم علی لاہوری

مولانا حاکم علی لاہوری ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہوکر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ دین کی تڑپ اور لگن نے انہیں علومِ اسلامی کے مطالعہ میں ایسا منہمک کیا کہ علماء کے زمرے میں شمار ہونے لگے۔

اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے اُستاد تھے۔ ۱۹۱۷ء میں وائس پرنسپل بھی تھے۔ تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں اسلامیہ کالج کے طلبہ اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے۔ انجمن حمایتِ اسلام کے سامنے یہ اہم مسئلہ تھا کہ اسلامیہ کالج کا الحاق یونیورسٹی سے توڑ دیا جائے یا تحریک کے مطالبات کے برعکس الحاق قائم رکھا جائے اور بدستور گرانٹ حاصل کی جاتی رہے۔ ۵ر نومبر ۱۹۲۰ء کو نواب ذوالفقار علی خان صدر انجمن حمایتِ اسلام کی کوٹھی پر جنرل کونسل کا ایک اجلاس طلب کیا گیا۔ جس میں بقول مولانا ظفر علی خان:

"بڑے بڑے جغادری، خان بہادر، آنریبل اور سر جمع ہوئے تھے"[1]

کونسل نے یونیورسٹی سے الحاق برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا۔

مولانا حاکم علی نے اس موقع پر ترکِ موالات کی مخالفت میں فتویٰ شائع کیا۔ یہ وہ دور تھا کہ علامہ اقبال انجمن کے سیکرٹری چُنے گئے تھے۔ اُنہوں نے جنرل کونسل کا اجلاس بلایا جس میں چند اہم فیصلے ہوئے۔

"اسی اجلاس میں پروفیسر ہنری مارٹن پرنسپل اسلامیہ کالج معزول کیے گئے اور پروفیسر حاکم علی موقوف کیے گئے کیونکہ اُنہوں نے بعض بیہودہ تحریریں اور فتویٰ شائع کر کے انجمن کے قواعد کی خلاف ورزی کی تھی"[2]

---

[1] اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام ص ۹۶

[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور، بابت ۸ر دسمبر ۱۹۲۰ء بحوالہ اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام ص ۹۶

چنانچہ کالج بند رکھنے کا فیصلہ ہوا تا وقتیکہ انجمن کی جنرل کونسل کسی حتمی نتیجہ پر نہ پہنچے۔ ترکِ موالات کی تحریک دم توڑ گئی اور مولانا حاکم علی واپس کالج میں آ گئے۔ ۱۹۲۵ء کے بعد کالج سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا حاکم علی کو حضرت خواجہ سید خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاں (دم ۱۰۵۲ھ) سے والہانہ عقیدت تھی۔ کالج کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر حضرت ایشاں کے مزار پر وقت گزارنے لگے۔ اور عملاً حضرت ایشاں کے سجادہ نشین بن گئے۔ ۱۹۴۴ء/۱۳۶۳ھ میں وفات پائی۔ اور حضرت ایشاں کے مزار کے قدموں میں دفن ہوئے۔

مولانا حاکم علی، مولانا احمد رضا خان بریلوی کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ ترکِ موالات کی مخالفت میں اُنھوں نے جو فتویٰ دیا تھا اس کی تائید میں انہوں نے مولانا بریلوی سے بھی ایک فتویٰ حاصل کیا تھا۔ اپنے عقاید و نظریات میں انتہا پسند تھے۔ ۱۳۲۵ھ میں انہوں نے انجمن نعمانیہ ہند لاہور کے ۲۹ ویں سالانہ جلسہ میں ایک مضمون "قوانینِ قدرت" پڑھا، خطبہ مسنونہ کے بعد رقمطراز ہیں۔

"السلام علیکم اے معشر حنفیاں یعنی اے نعمانیاں یعنی جناب میر مجلس و حاضرین سامعین بشرطیکہ آپ اہل سنت و جماعت ہیں[۱]"

۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں انہوں نے لاہور سے ایک رسالہ "قاطع المرتدین و الفجار" کے نام سے جاری کیا جس میں اُن کے نقطہ نظر سے اختلاف رکھنے والوں کے خلاف تند و تیز مضامین شائع ہوتے تھے۔ رسالہ کی پیشانی پر حسبِ ذیل اشعار چھاپتے تھے۔

چرا خود را اسیرِ غم ز فکرِ بیش و کم داری — کہ نگذارد ترا محتاج ایزد تا کرم داری
مشو بے دست و پا از مفلسی و بیکسی ہرگز — مگر نشنیدۂ بیدل خدا داری چہ غم داری
مگر نشنیدۂ حاکم خدا داری چہ غم داری!

۱۔ قوانینِ قدرت ص ۱

محمد مصطفیٰ داری تو صدیق صفا داری! عمر عثمان ہم داری علی المرتضیٰ داری!

تو غوثِ اعظم و شاہِ بلا گردان ما داری مجدّد الف ثانی و مجدّد حاضرہ داری

مگر نشنیدۂ حاکم خدا داری چہ غم داری![1]

مولانا حاکم علی کی قلمی یادگاروں میں رسالہ "قوانینِ قدرت" اور متفرق تحریریں ملتی ہیں۔

---

[1] تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت، لاہور ص ۲۸۶-۲۸۷

حبیب اللہ نعمانی

مولانا حبیب اللہ نعمانی بن نظام دین کمبوہ برادری کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۸۸ھ/۷۲-۱۸۷۱ء میں ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ مڈل کا امتحان پاس کیا اور اپنے شوق سے علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ جن کی تفصیل دستیاب نہیں ہے۔

عملی زندگی کا آغاز پولیس کانسٹیبل کی حیثیت سے کیا اور ترقی پاتے پاتے تھانیدار ہو گئے از خود محکمہ پولیس ترک کر دیا۔ اور امرتسر میں دکان کھول لی۔ قیام پاکستان کے بعد چک ۸۶/۵ آر ہارون آباد میں سکونت اختیار کی۔[۱]

پنجابی زبان کے قادر الکلام شاعر اور وسیع المطالعہ صاحبِ قلم تھے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:[۲]

۱۔ حبیب التفاسیر المعروف بہ تفسیر نعمانی

۲۔ گلزارِ موسیٰ

۳۔ گلزارِ عیسےٰ

۴۔ گلزارِ آدم

۵۔ گلزارِ یوسف

۶۔ مجموعہ خطبات

۷۔ مجموعہ خطبِ اسلامیہ

۸۔ تفسیر سورۂ والضحیٰ

۱؎ ملخص از انسائیکلوپیڈیا (فیروز سنز لاہور)

۲؎ تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۱۳۴

۹۔ اکرام المصطفےٰ

۱۰۔ تفسیر سورۂ یٰسین

۱۱۔ جنگِ حبیب

۱۲۔ تفسیر ہفت سورہ

۱۳۔ حالات حضرت نوشہؒ

۱۴۔ توضیح مرام (نثر)

۱۵۔ قصۂ جابر

۱۶۔ رسالہ تقلید

۱۷۔ باغ بہشت المعروف بہ پنج گنج

۱۸۔ اخبار الغیب (ترجمہ و شرح قصیدہ شاہ نعمت اللہ ولی) غیر مطبوعہ

۱۹۔ تفسیر سورۃ فاتحہ۔ غیر مطبوعہ

۱۶ر رجب ۱۳۷۳ھ/۲۲ر مارچ ۱۹۵۴ء کو وفات پائی۔ حکیم محمد صادق اُن کے فرزند ہیں۔

حافظ حبیب اللہ لاہوری (وھابی دیوبندی

حافظ حبیب اللہ بن مولانا احمد علی ۳۵-۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ دروازہ لاہور میں حاصل کی، حافظ مہتاب الدین (یکی دروازہ) سے قرآن مجید حفظ کیا اور ساتھ ہی مڈل تک جدید تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فارغ التحصیل ہو کر مولانا محمد صادق (م ۱۳۷۲ھ) کی خواہش پر مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ میں کچھ عرصہ مدرّس رہے۔

اپنے والد ماجد شیخ التفسیر مولانا احمد علی سے بیعت تھے اور اُن کے خلیفہ مجاز بھی۔ ان کے علاوہ مولانا تاج محمود امروٹی اور مولانا غلام محمد دین پوری کی مجالس میں بھی بیٹھے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ کیا۔ ہر سال والدین سے قیامِ مدینہ منوّرہ کی اجازت طلب فرماتے تھے۔ اُن کے شوق کو دیکھتے ہوئے والدین نے مستقل قیام کی اجازت دے دی۔

سال کے نو ماہ مدینہ طیبہ اور تین ماہ مکہ معظّمہ میں گذارتے تھے۔ مسجد نبوی اور بیت اللہ میں وعظ و تذکیر کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ ان کا وعظ اس قدر مؤثر اور دلنشین ہوتا تھا کہ سامعین کی ایک بڑی تعداد اکتسابِ فیض کرتی تھی۔

انہوں نے عمر بھر شادی نہ کی، ڈاکٹر عبدالقوی لقمان صاحب کے الفاظ میں:

"اُنہوں نے اپنے زُہد و ورع کا جو نقشہ تیار کیا اسی پر اُنہیں غلو رہا۔ انتہا پسندی اُن کے مزاج کا جزو تھی، اور اس نقشہ میں تاہل کی کہیں گنجائش نہیں تھی"[۱]

---

[۱] ہفت روزہ "خدام الدین" (لاہور)

کم گو، تنہائی پسند اور زاہد و عابد بزرگ تھے۔ ۹ر جمادی الاخری ۱۳۹۲ھ/۲۰ر جولائی ۱۹۷۲ء کو بعارضۂ قلب مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ بوقت رحلت قرآنِ مجید کی مختلف آیات تلاوت کر رہے تھے۔ آخر میں فرمایا "میرا کام بن گیا" اور اسی عالم میں ابدی نیند سو گئے۔ دارالعلوم صولتیہ مکہ معظمہ کے تاریخی اور مبارک احاطہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) اور مولانا امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) کے پہلو میں دفنائے گئے۔

حسین علی واں بچھرانوی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا حسین علی بن محمد بن عبداللہ ۱۲۸۳ھ/۶۷-۱۸۶۶ء میں واں بچھراں ضلع میانوالی کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے قریب موضع شادیا میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ تلہریاں (تھل میں ایک گاؤں ہے) میں مقیم رہے۔ بعض کتابیں اپنے والدِ ماجد سے پڑھیں۔ ۱۳۰۲ھ میں مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور اُن سے سندِ حدیث حاصل کی۔ کچھ عرصہ مولانا محمد مظہر نانوتوی رح (م ۱۳۰۲ھ) سے تفسیرِ قرآن کا درس لیا۔ ۱۳۰۴ھ میں مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) سے منطق و فلسفہ کی تکمیل کر کے وطن لوٹے۔

مولانا حسین علی نے جس علاقے میں آنکھ کھولی تھی۔ ناخواندگی اور اسلامی تعلیمات سے عدمِ واقفیت کے سبب شرک و بدعت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ انہوں نے اس بدعت زدہ ماحول میں برس ہا برس محنتِ شاقہ سے توحید کی شمع روشن کی، اس راہ میں اُس مردِ درویش نے ثابت قدمی سے مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا۔ اُنہوں نے قرآن کی تعلیم کو عام کرنا شروع کیا۔ طلبہ دُور دُور سے اُن سے استفادہ کے لیے آتے۔ خود کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اور طلبہ کے جملہ اخراجات اپنی جیب سے ادا کرتے تھے۔ کبھی کسی سے چندہ نہ لیتے۔ اور اپنی تمام آمدنی طلبہ پر خرچ کر دیتے تھے۔

علم حدیث، تفسیر و فقہ، تصوف و سلوک اور منطق و فلسفہ پر گہری نظر تھی۔ توحید کی اشاعت ان کا مقصدِ اوّلین تھا۔ شرک و بدعت کے خلاف نہ صرف وعظ کیے بلکہ مناظرے، مباحثے اور علمی گفتگوئیں بھی کیں۔

خواجہ محمد عثمان دامانی (م ۱۳۱۴ھ) سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت دامانی کے اصحابِ خاص میں سے تھے، اُن کی وفات پر خواجہ سراج الدین (م ۱۳۶۰ھ) کی

طرف رجوع کیا اور اُن ہی سے خلافت حاصل کی۔

رجب ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۳ء میں فوت ہوئے۔ مولانا حسین علی کی علمی یادگاروں میں سے حسبِ ذیل معلوم ہو سکی ہیں۔

تفسیر واصولِ تفسیر

۱۔ بلغۃ الحیران فی ربط الآیاتِ القرآن (اُردو) قرآن مجید کی آیات وسور کے باہمی ربط، تفسیری نکات اور بعض مقامات کی تشریح وتفسیر پر مشتمل ہے۔ مولانا غلام اللہ خان اور مولانا محمد نذر شاہ نے یہ امالی قلمبند کی تھیں البتہ مولانا حسین علی نے ایک نظر ڈال لی تھی۔

۲۔ تبیان فی تفسیر القرآن (اُردو) قرآن مجید کی تمام سورتوں کا الگ الگ خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

حدیث

۳۔ تلخیص الطحاوی (عربی) شرح معانی الآثار کا خلاصہ ہے۔ مولانا محمد اسلم دیوبندی کے مختصر حواشی کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

۴۔ تحریراتِ حدیث (عربی)

۵۔ تقریر الجنجوہی علی صحیح البخاری (عربی)۔ صحیح بخاری کے بعض مقامات کی شرح اور تراجم کا بیان ہے۔ مولانا گنگوہیؒ کے درسی افادات میں سے ہے۔

۶۔ تقریر الجنجوہی علی صحیح المسلم (عربی) از افادات مولانا گنگوہی

۷۔ رسالہ جریدتین۔ اس میں حدیث جریدتین علی القبر کی تحقیق کی گئی ہے۔

فقہ

۸۔ برہان التسلیم یا فسخ الحج بالعمرہ

۹۔ رسالہ خمس اوسق

۱۰۔ رسالہ رفع سبابہ

۱۱۔ رسالہ ذبح فوق العقدہ

۱۲۔ خلاصہ فتح القدیر

عقاید

۱۳۔ رسالہ مسئلہ علم غیب

تصوّف وسلوک

۱۴۔ تحفہ ابراہیمیہ

مولانا حسین علی، خواجہ محمد سراج الدین (م ۱۳۱۴ھ) کے صاحبزادوں کے استاد تھے۔ خواجہ محمد سراج الدین کے جانشین صاحبزادہ محمد ابراہیم قرار دیئے گئے۔ مولانا حسین علی نے اُن کی روحانی تربیت کے لیے اُن ہی کے نام پر "تحفہ ابراہیمیہ" تالیف کیا۔

۱۵۔ حواشی "فوائدِ عثمانی"

خواجہ محمد عثمان دامانی کے ملفوظات، مکتوبات اور معمولات کا مجموعہ سیّد محمد اکبر علی شاہ دہلوی نے مرتّب کیا۔ اس کی تصحیح مولانا حسین علی نے کی اور اسے حواشی سے مزّین کیا۔

مولانا حسین علی کی اولاد میں تین صاحبزادے مولوی صدر الدین، مولوی عبدالرحمان اور مولوی عبدالرزاق ہیں۔ اُن کے تلامذہ کی فہرست خاصی طویل ہے۔ چند معروف ترین نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا عصام الدینؒ (ساکن بہبودی ضلع اٹک)

۲۔ مولانا غلام رسول معروف بہ انہی والا بابا۔

۳۔ مولانا عبدالعزیز مؤلف "نبراس الساری علی اطراف البخاری"

۴۔ مولانا نصیر الدین غور غشتوی رح

۵۔ مولانا غلام اللہ خان مہتمم دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی

۶۔ مولانا قاضی شمس الدین (گوجرانوالہ)

۷۔ مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری (گجرات)

۸۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدر مؤلف کتب کثیرہ

۹۔ مولانا محمد طاہر (ساکن پنج پیر تحصیل صوابی)

سید حشمت علی سیالکوٹی (شیعہ رافضی اھل تشیع)

مولانا سید حشمت علی بن سید جماعت علی شاہ ۱۸۵۸ء/۷۵-۱۲۷۴ھ میں موضع خیر پور ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدا مجد سید سعید نوروز شیراز کے رہنے والے تھے اور مغل بادشاہ ہمایوں (م ۹۶۳ھ) کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے تھے۔

مولانا سید حشمت علی نے ابتدائی تعلیم علی پور سیداں کے ایک حنفی المسلک عالم مولوی عبدالرشید سے حاصل کی۔ اس کے بعد لاہور منتقل ہوئے اور نواب نوازش علی خان قزلباش کے قائم کردہ مدرسہ شیعیاں میں داخل ہوئے۔ یہاں سید ابوالقاسم قمی سے استفادہ کیا۔ لاہور کے زمانہ قیام میں اورینٹل کالج (پنجاب یونیورسٹی) کے طالب علم رہے۔ اور مولوی فاضل کا نصاب وہیں پڑھا۔

لاہور سے لکھنؤ گئے۔ کچھ عرصہ بعد دارالعلوم دیوبند کی شہرت انہیں دیوبند لے گئی۔ دورۂ حدیث میں شریک ہوئے اور فاتحہ فراغ پڑھا۔ اندرونِ ملک تکمیلِ علم کے بعد عراق روانہ ہوئے۔ سامرہ میں مرزا محمد حسن شیرازی مجتہد اور سید محمد حسین شہرستانی جیسے افاضل کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ چھ سال عراق میں رہ کر واپس آ گئے۔ وطن میں ایک سال گزار کر دوبارہ مرزا محمد حسن شیرازی کے حضور پہنچ گئے۔ دوبارہ چھ سال عراق میں قیام کیا۔ اس عرصے میں عراق کے مجتہدین سے بھرپور استفادہ کیا۔ اجازتِ اجتہاد حاصل کر کے واپس آئے۔

مولانا سید حشمت علی ایک مناظر اور کامیاب واعظ تھے۔ انہوں نے مسلکِ تشیع کی نشر و اشاعت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے

اجلاسوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ شیعہ کالج لکھنؤ کے قیام میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس کالج کیلئے خود چندے دیئے اور اپنے حلقۂ اثر میں کام کیا۔

مولانا سید حشمت علی بعارضہ بواسیر ۵ر شوال ۱۳۵۴ھ / ۲ر جنوری ۱۹۳۵ء کو فوت ہوئے۔ اُن کی علمی یادگاروں میں حسب ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ رسالہ عرشیہ۔

۲۔ رسالہ معراجیہ۔ معراجِ جسمانی کے ثبوت میں لکھا گیا ہے۔

۳۔ رسالہ ضرورت الامام۔

محمد حفیظ الرحمٰن بہاولپوری

مولانا محمد حفیظ الرحمٰن بن محمد عزیز الرحمٰن عزیز ۱۸ ربیع الاخری ۱۳۱۴ھ/ ۲۷ ستمبر ۱۸۹۶ء کو بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ جدید تعلیم کے ساتھ گھر پر عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی (م ۱۳۴۵ھ) سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء میں فریضۂ حج ادا کیا اور سفرِ حجاز کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

اُن کی حسب ذیل کتابیں معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ الحبیب (سوانح حیات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۔ مختصر تاریخ تاجدارانِ ریاست بہاولپور

۳۔ تاریخ اوچ

۴۔ سفرنامہ حجاز

۵۔ تمدنِ بہاولپور

۶۔ ذکرِ خیر در حالات حضرت صاحب السیر (احوال خواجہ محکم الدین اویسی)

۷۔ شعاع نور (سوانح حیات خواجہ نور محمد مہارویؒ)

۸۔ احکامِ نکاح

۹۔ ذکر عید میلاد

۱۰۔ ذکر کرام۔ یہ کتاب سابق ریاست بہاولپور کے حدود میں مزاروں، خانقاہوں اور قبرستانوں کے بارے میں تاریخی معلومات پر مشتمل ہے۔ دو سو سے زائد مزاروں اور پچاس سے زائد بزرگوں کے حالات یکجا کئے گئے ہیں۔

۱۱۔ ترتیب و تصحیح دوہڑہ جات فریدی (غیر مطبوعہ)

نسخہ بخطِ مؤلف مولانا سید نور محمد قادری صاحب کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔[1]

اِن کے علاوہ اُن کے بیسیوں مقالات "العزیز" (بہاولپور) اور دوسرے رسائل میں منتشر ہیں۔

---

[1] ماہنامہ "کتاب" (لاہور) بابت اکتوبر ۱۹۷۰ء، ص ۳۰

حافظ حماد حاصل پوری

مولانا حافظ حمادؒ بن مولانا حسام الدین چیلا داہن (حاصل پور) کے بلند پایہ علمی و دینی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ قرآن کے حافظ اور اچھے عالم تھے۔ انہوں نے تدریس و تعلیم میں زندگی بسر کی۔ فنِ مناظرہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ اور اپنے مقابل کو لاجواب کر دینے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اس لئے "حماد بحاث" کے عرف سے مشہور تھے۔ ۹ ذی قعدہ ۱۲۴۰ھ / ۲۵ جون ۱۸۲۴ء کو انتقال کیا۔

مولانا حافظ حماد نے فارسی زبان و ادب کی درسی کتابوں (کریما تا سکندر نامہ) کی شرحیں لکھی تھیں۔ علمائے عصر نے ان شرحوں کو دیکھ کر اُن کے تبحرِ علم کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا محمد گھلوی[1] نے جب اُن کی شرحیں دیکھیں تو فرمایا "مجھے ان شروح کا علم نہ ہو سکا ورنہ میں وقت ضائع نہ کرتا۔"

مولانا حافظ حمادؒ کی تالیفات گردشِ زمانہ کے سبب ناپید ہو گئی ہیں۔ صرف "بوستان" کی شرح اُن کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔

---

[1] بٹھہ گھلوان تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان کے رہنے والے تھے۔ شیخ نور محمد ثانی نارووالہ چشتی (م ۱۲۰۴ھ) کے خلیفہ مجاز تھے۔ اُن سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ شرح تحفۃ النصائح (فارسی)
۲۔ شرح سکندر نامہ (فارسی)
۳۔ شرح پند نامہ (〃)
۴۔ شرح گلستان (〃)
۵۔ شرح یوسف زلیخا موسوم بہ شرح محمدیہ (فارسی)
۶۔ خیر الاذکار (ملفوظات خواجہ نور محمد ثانی نارووالہ چشتیؒ)

خادم علی خان (شیعہ رافضی اھل تشیع)

مولانا خادم علی خان بستی شادو خان ضلع مظفر گڑھ کے معروف شیعہ عالم تھے۔ وہ اندازاً ۱۸۹۰ء/۱۳۰۷ھ سے پہلے پیدا ہوئے۔ مولانا سید شرف حسین (ساکن بھکر) کے نامور شاگرد تھے۔ وطن مالوف میں تدریس و تعلیم میں مصروف رہے۔ اُن کے عمدہ کتب خانے کا کچھ حصہ بستی شادو خان میں شاد محمد خان بن واجد علی خان بلوچ کے پاس محفوظ ہے۔ موصوف فقہ و کلام پر کامل عبور رکھتے تھے۔ تاریخ و حدیث پر گہری نظر تھی۔ اپنے علاقے میں شیعہ نقطۂ نظر کی تبلیغ میں خوب رہا۔

مولانا خادم علی تقریباً اسّی سال کی عمر پاکر ۱۹۷۰ء/۱۳۹۰ھ سے قبل فوت ہوئے۔

خان محمد مرجانی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا خان محمد بن میاں دولا اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مرجان ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ اُن کے مورثِ اعلیٰ مرزا خان موضع دکھوٹ ضلع بنوں سے ترکِ سکونت کر کے مرجان آئے تھے۔

اس خاندان میں دینی تعلیم کی روایت زیادہ پرانی نہیں۔ مولانا خان محمد کے والد میاں دولا مرحوم قرآن مجید ناظرہ پڑھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے دینی لگاؤ کے پیشِ نظر اپنے فرزند کو قرآن مجید حفظ کرایا۔ مکھڈ اور چکی شیخ جی میں انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

ابھی زیرِ تعلیم تھے کہ والد کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے۔ اہلِ خاندان نے اُن کی شادی کا سلسلہ شروع کر دیا تاکہ وہ گھر میں رہیں مگر اُنہوں نے تعلیم اُدھوری چھوڑ دینا پسند نہ کیا۔ خاموشی سے حیدر آباد دکن چلے گئے۔ تقریباً نو سال تک اُن کے بارے میں کسی کو علم نہ تھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہیں؟ حیدر آباد میں مولانا محمد زمان (م ۱۲۹۲ھ) سے اکتسابِ فیض کیا۔ یہ بزرگ تاجدارِ دکن میر محبوب علی خان کے اُستاد تھے۔

حیدر آباد سے زیارتِ حرمین کے لیے روانہ ہوئے۔ حرمین شریفین کی سکونت کے دوران میں تین بار فریضہ حج ادا کیا۔ زیادہ تر طائف میں مقیم رہے جہاں نواب فیض اللہ خان مرحوم رئیس دتاولی ضلع علی گڑھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ نواب صاحب کا وہیں انتقال ہوا تو مولانا خان محمد واپس وطن آئے۔

وطن میں تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ریاست دتاولی سے دعوت موصول ہوئی سابق تعلقات کو دیکھتے ہوئے مولانا خان محمد، نواب فیض اللہ خان مرحوم کے صاحبزادوں کے اتالیق ہو کر دتاولی چلے گئے۔ دتاولی، علی گڑھ سے بارہ کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور صاحبزادے علی گڑھ میں رہتے تھے۔ اُن کے ساتھ مولانا خان محمد بھی علی گڑھ میں رہے۔

علی گڑھ میں اُن دنوں دو اہم دینی درس گاہیں تھیں۔ مدرسہ لُطفیہ جامع مسجد علوم عقلیہ کے لیے معروف تھا اور مولانا لطف اللہ (م ۱۳۳۴ھ) مدرسہ کے روح رواں تھے۔ مدرستہ الحدیث موتی مسجد میں مولانا اسماعیل محدّث کوئلی (شاگرد مولانا محمد قاسم نانوتوی رح) نے مسندِ حدیث بچھا رکھی تھی۔ مولینا خان محمد نے دونوں مرجع انام ہستیوں سے اکتساب کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ علاقہ دینی تعلیم کے اعتبار سے بنجر اور ویرانہ تھا۔ بعض مساجد میں فقہ کی چند کتابیں پڑھائی جاتی تھیں لیکن حدیث کی تعلیم و تدریس کا کوئی سامان نہیں تھا۔ اُنھوں نے اللہ کے بھروسے پر درسِ حدیث کا آغاز کیا۔ شرک و بدعت کے خلاف آواز اٹھائی اور تبلیغِ حق میں مصروف ہو گئے۔ بدعت زدہ علاقے میں اُن کی مخالفت بھی ہوئی مگر وہ اپنی دُھن کے پکے تھے۔

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ/۲۱ جنوری ۱۹۰۹ء کو مرجان میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ مولانا عبدالباقی کرسالی نے پڑھائی اور قبرستانِ مرجان میں دفن کیے گئے۔ مولانا کی اولاد میں دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے مولانا غلام مصطفیٰ امرحوم تھے۔

خواجہ خدا بخش ملتانی ثم خیر پوری

خواجہ خدا بخش بن قاضی جان محمد ۱۱۵۰ھ/ ۳۸-۱۷۳۷ء میں موضع تلنبہ میں پیدا ہوئے اُن کا پدری سلسلۂ نسب حضرت مصعب رضؓ بن عمیر سے ملتا ہے[۱]۔ والدہ کی طرف سے راجپوت منہاس برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ خاندانی روایات کے مطابق اس خاندان کے افراد محمد بن قاسم کے ہمراہ برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ سندھ میں مقیم رہ کر ملتان آ گئے۔ جب سلطان محمود غزنوی نے قرامطہ کی سرکوبی کے لیے حملہ کیا تو یہ خاندان ملتان میں آباد تھا۔ اور اس نے سلطان محمود غزنوی کا ساتھ دیا تھا۔

یہ خاندان ہر دور میں علم و فضل اور وجاہت کی بنا پر ممتاز رہا۔ شیر شاہ سوری نے اس خاندان کے افراد کو اہم مناصب دیئے۔ مغل عہد میں جہانگیر نے تلنبہ کا قلعہ اس خاندان کے ایک فرد قاضی علاء الدین کے سپرد کیا تھا اور اُسے دس ہزاری منصب دیا تھا۔ مولوی عنایت اللہ اس سلسلے کے آخری منصب دار تھے جو ۱۱۹۱ھ/ ۷۷-۱۷۷۶ء میں اس منصب سے دستکش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔

مولانا خدا بخش نے اپنے والد بزرگوار قاضی جان محمد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی گئے اور مدرسہ رحیمیہ دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) سے استفادہ کیا۔ حصولِ تعلیم کے بعد وطنِ مالوف آئے اور اپنے والدِ بزرگوار کی حیات تک وہیں رہے۔ اس کے بعد ترکِ سکونت کر کے ملتان آ گئے۔

---

[۱] جناب شہاب دہلوی نے مولانا عبدالمجید خیر پوری سجادہ نشین خانقاہ خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ کے حوالے سے یہ روایت لکھی ہے۔ "ذکرِ کرام" کے مؤلف نے انہیں ملن ہانس قوم کا فرد قرار دیا ہے (ص ۲۰۶)۔ غالباً "ملن ہانس" منہاس کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

چالیس سال دہلی دروازہ (ملتان) کے اندر ایک مسجد میں بیٹھ کر تدریسی خدمات انجام دیں۔ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور مدرس تھے۔

حافظ محمد جمال ملتانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ حافظ صاحب ایک روز اُن کے درس میں آئے اور اُنہیں اپنے ساتھ خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ پر لے گئے اور وہاں بیعت سے مشرف فرمایا[۱]۔ انہوں نے چشتیہ نظامیہ سلسلے کی توسیع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ صدہا افراد نے اُن سے فیض حاصل کیا[۲]۔ محمد برخوردار نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"کشف و کراماتِ ایشاں از حدِ بیان و احصاء بیرون است[۳]۔"

ملتان پر سکھوں کے حملوں سے علمی ماحول غارت ہو گیا تھا اور وہ دل برداشتہ ہو کر ملتان سے خیر پور (ضلع بہاول پور) منتقل ہو گئے تھے۔ آخری عمر میں استغراق کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ محرم ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں فوت ہوئے[۴]۔ خیر پور میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

اُن کے تلامذہ اور مریدوں کا حلقہ بہت وسیع ہے لیکن صلبی یادگار نہ رہی۔ صرف ایک فرزند تھا جو عہدِ طفلی میں فوت ہو گیا تھا۔ مرحوم کے چند خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ قاضی محمد عبید اللہ ملتانی

۲۔ مولوی محمد حسین پنوار

---

[۱] خاتمہ گلزارِ جمالیہ ص ۳۱

[۲] مناقب المحبوبین ص ۱۳۲

[۳] گلزارِ جمالیہ ص ۳۰

[۴] ایضاً ص ۳۲، اولیائے بہاولپور میں بحوالہ گلشنِ ابرار، اُن کی تاریخ وفات ماہ صفر ۱۲۵۰ھ لکھی گئی ہے۔

۳۔ قاضی محمد عیسےٰ خانپوری

۴۔ مولوی عظیم بخش احمد پوری

۵۔ مولوی نوراللہ خیر پوری

۶۔ مخدوم حامد شاہ گیلانی

۷۔ منشی غلام حسن ملتانی

۸۔ مولوی محمد موسیٰ ملتانی

خواجہ خدا بخش خیر پوری مرجع عوام تھے۔ فقہی معاملات میں عوام اُن سے رجوع کرتے تھے اور وہ ممکن تحقیق کے بعد جواب دیتے تھے۔ اُن کے علم و فضل کے پیشِ نظر خواجہ گل محمد احمد پوری نے لکھا ہے:

"یک نسیمے از گلزارِ معانی۔ بیان اوشاں کردن قطراتِ امطار یا امواجِ بحار شمردن است"[1]

اُن کے علمی آثار میں مندرجہ ذیل معلوم ہو سکے ہیں:

۱۔ رسالہ توفیقیہ (فارسی) وحدتِ الوجود پر معروف رسالہ ہے۔

۲۔ رسالہ ذوقیہ (فارسی) غیر مطبوعہ

۳۔ مجموعہ فتاویٰ (") " ۔ لواحقین کے پاس محفوظ ہے۔

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۵

خدا بخش حضروی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا خدا بخش بن مولانا فضل الہٰی حضروی ۸۱-۱۸۸۱ء/۹۹-۱۲۹۸ھ کے لگ بھگ حضرو ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم قاضی پور (نزد تربیلہ) کے ایک مدرس جلیب شاہ اور کورٹ نجیب اللہ کے مولوی عبدالحمید سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے اور اساتذۂ وقت سے استفادہ کیا۔

تحصیلِ علم کے بعد تین سال (۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۴ء) بلاس پور میں مقیم رہے۔ اس کے بعد مستقل طور پر وطنِ مالوف میں رہے۔ تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے زمانے میں انہوں نے بھرپور کام کیا۔ اُن کا فتویٰ علاقے بھر میں تسلیم کیا جاتا تھا اور لوگ اختلافی معاملات میں اُن کا فیصلہ بلا چون و چرا تسلیم کر لیتے تھے۔

علمی و دینی خدمات کا کبھی معاوضہ وصول نہ کیا۔ زمینداری سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے تھے۔ ۶ر جنوری ۱۹۷۷ء/۱۵ر محرم ۱۳۹۷ھ کو فوت ہوئے اور حضرو میں دفنائے گئے مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔

سیّد خورشید احمد ہمدانی (وہابی نجدی دیوبندی)

سیّد خورشید احمد ہمدانی بن سیّد فتح علی شاہ ۱۲۸۵ھ/ ۶۹-۱۸۶۸ء میں کھوتکر شاہ پور ضلع سرگودہا میں حسینی ہمدانی سادات کے ایک گھرانے میں پیدا ہوئے۔ خاندانی نسب کے لحاظ سے موصوف امیر سیّد علی ہمدانی (م ۷۸۶ھ) کے اُس خانوادۂ علم وہدایت کے چشم و چراغ تھے۔ جس نے آٹھویں صدی ہجری میں برصغیر کے شمال مغربی حصّوں میں علم و روحانیت کا پرچم بلند کیا۔

سیّد خورشید احمد نے مولانا میاں محمد اور پیر محمد صالح شاہ مرید سیّد غلام حیدر شاہ جلال پوری سے قرآن مجید پڑھا۔ فارسی زبان وادب کی تحصیل مولانا عطا محمد ساکن قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان سے کی۔ چشتیاں میں مولانا عبدالرحیم سے چند کتابیں پڑھیں اور جامعہ عباسیہ بہاول پور میں داخل ہوئے۔ بعد میں قصبہ عبدالحکیم آ گئے اور درسِ نظامی کی تکمیل کر کے دارالعلوم دیوبند گئے۔ جہاں حضرت شیخ الہند رح مولانا محمود حسن (م ۱۳۳۹ھ) کے زمانۂ صدارت میں دورۂ حدیث کیا۔

اپنے اُستاد شیخ الہند رح سے تعلقِ بیعت قائم کیا۔ وہ ۱۳۳۴ھ میں گرفتار ہو کر مالٹا میں اسیر ہوئے تو سیّد خورشید احمد نے اُن کی ہدایت پر مولانا تاج محمود امروٹی (م ۱۳۴۸ھ) سے رابطہ قائم کیا۔ مولانا امروٹی رح نے شیخ الہند رح سے بیعت کی نسبت کو کافی سمجھتے ہوئے اوراد و وظائف کی تلقین کی۔ بعد میں مولانا حسین احمد مدنی رح (م ۱۳۷۷ھ) سے تعلق قائم کیا اور اُن سے خلافت حاصل کی۔

سیّد خورشید احمد سماجی اور دینی سرگرمیوں میں خاصے فعّال تھے اور اصلاح وارشاد کے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ/ ۱۲ر جون ۱۹۷۳ء کو قصبہ عبدالحکیم میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ مولانا عبداللہ درخواستی نے پڑھائی ؂ "وہ خضرِ راہِ حق چل دیا" سے سالِ

ؔ ملخص از "فیضانِ خورشید"

وفات ۱۹۷۳ء برآمد ہوتا ہے۔

جناب محمود احمد عارف نے حسب ذیل مرثیہ کہا ع

پیر خورشید کر گئے رحلت | صاحبِ درد و مردِ حق آگاہ!
اُن پہ رہتا تھا رحمتوں کا نزول | تھے وہ مقبولِ بارگاہِ الٰہ
رہبرِ صدق، عارفِ کامل | جو تھے سرخیلِ بزمِ اہل اللہ
عمر یادِ خدا میں سب گذری | خدمتِ دین تھا شغل شام و پگاہ
سالِ رحلت ہو کس طرح مرقوم | شیخ کا ہجر صدمۂ جانکاہ

قلبِ گریاں سے یوں کہو عارف
گُل ہوا ہے چراغِ اہل اللہ[1]

۱۳۸۳

۱۰+۱۳۸۳ = ۱۳۹۳ھ

[1] ماہنامہ "انوار مدینہ" (جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ)

خیر محمد جالندھری (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا خیر محمد جالندھری بن الٰہی بخش بن خدا بخش اپنے ننھیال بمقام عمروال بلّہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں ۱۸۹۵ء/ ۱۳-۱۳۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ موصوف ارائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا ددھیال ان پڑھ اور زراعت پیشہ تھا۔ البتہ ننھیال میں قدرے تعلیم موجود تھی۔ اُن کے ماموں میاں شاہ محمد، حضرت رشید احمد گنگوہی کے مرید تھے۔ اُن کی نگرانی میں مولانا خیر محمد نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

مولانا خیر محمد کی عمر سات سال تھی کہ ان کا خاندان چک ۲۵۲۔ب ضلع فیصل آباد میں آگیا۔ اس چک کے امام حافظ پیر محمد (نابینا) سے قرآن مجید کا ایک پارہ ناظرہ پڑھا تھا کہ خاندان کو واپس عمروال بلّہ جانا پڑا۔ وہاں کے میاں امام الدین سے قرآن مجید کے اٹھارہ پارے پڑھے۔ شوال ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں داخل ہوئے۔ یہاں سے مولانا فضل احمد[1] کے پاس مدرسہ صابریہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر منتقل ہو گئے۔ مولانا فقیر اللہ وہاں دوسرے سال مدرس ہوئے۔ شوال ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء سے تقریباً ربیع الاوّل ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء تک صرف و نحو، منطق، فقہ اور ادب کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ تا ۱۵؍ رمضان ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء اور تین سال بعد چند ماہ مولانا سلطان احمد گنجوی سے اُن کے گاؤں گنجہ ضلع گجرات میں مختلف کتابوں کے تھوڑے تھوڑے حصے پڑھے۔ پھر مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی میں تین سال مقیم رہے۔ یہاں سے

---

[1] مولانا فضل احمد بہت نیک طینت، حلیم الطبع اور ربّانی عالم تھے۔ مدرسہ عبدالرب دہلی کے تعلیم یافتہ تھے اور شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے متوسّل تھے۔ ۵؍ رجب ۱۳۸۴ھ/ ۱۱؍ نومبر ۱۹۶۴ء کو پچانوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

مدرسہ اشاعت العلوم بانس بریلی چلے گئے۔ محرم ۱۳۳۲ھ/ دسمبر ۱۹۱۳ء سے تین سال شعبان ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء تک یہاں کے اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا محمد یٰسین سرہندی (شاگرد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) سے سندِ حدیث حاصل کی۔ ۱۳۳۵ھ کے آخر میں مدرسہ اشاعت العلوم بانس بریلی کا سالانہ جلسہ ہوا جس میں سندِ تکمیل مولانا محمد احمد قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ہاتھوں حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم میں شوال ۱۳۳۵ھ تا شعبان ۱۳۳۶ھ (ایک سال) تدریس کی۔ شوال ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء کو مدرسہ احیاء العلوم صادق گنج ضلع بہاولپور میں بطور صدر مدرس آ گئے اور نو سال یہاں خدماتِ تدریس انجام دیں۔ درمیان میں ایک سال (۱۳۴۱ھ) رائے پور گوجراں میں مقیم رہے۔

۱۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ/ ۲۵ رنومبر ۱۹۲۶ء کو مدرسہ فیضِ محمدی جالندھر کا نظم ونسق سنبھالا اور شعبان ۱۳۴۹ھ/ جنوری ۱۹۳۱ء تک اہتمام وانصرام کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۹ رشوال ۱۳۴۹ھ/ ۹ رمارچ ۱۹۳۱ء کو جالندھر ہی میں مولانا احمد بخش اور مولانا محمد علی جالندھری کے تعاون سے مدرسہ خیر المدارس کی بنیاد رکھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد مدرسہ کی تجدید ۱۵ ر ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ/ ۸ راکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان میں کی۔

مولانا خیر محمد جالندھری کی پوری زندگی تعلیم وتعلّم میں گزری۔ تقریباً پچپن سال کی تدریسی زندگی کے بعد ۲۲ راکتوبر ۱۹۷۰ء/ ۲۱ شعبان ۱۳۹۰ھ کو ملتان میں فوت ہوئے۔ اُن کی رحلت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند کی روداد میں اُن کی وفات پر لکھا گیا ہے:

"حضرت مولانا دارالعلوم کے سلسلہ میں قدیم فاضل، دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کے سابق رکن، حضرت مولانا تھانویؒ کے خلیفہ مجاز اور پاکستان کے ایک متبحر، معتمد علیہ اور ذمہ دار عالم تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات میں علم و فضل، زہد وقناعت اور دین ودیانت کی اعلیٰ صلاحیتیں جمع فرمائی تھیں عرصہ دراز

تک غیر منقسم ہندوستان کے صوبہ پنجاب کے شہر جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس قائم فرما کر اپنی درسی صلاحیتوں اور مرشدانہ ہدایتوں سے ہزار ہا مسلمانوں کو فیضیاب فرماتے رہے، پاکستان بننے کے بعد آپ نے ملتان میں خیر المدارس کا احیاء فرمایا جو پاکستان کی ایک مرکزی درسگاہ بن گئی اور آپ دیوبندی مکتبِ فکر کی ایک نمایاں مثال بن گئے"۔[1]

مولانا خیر محمد جالندھری سے حسبِ ذیل تالیفات بھی یادگار ہیں:

۱۔ خیر التنقید فی سیر التقلید

۲۔ خیر الاصول فی حدیث الرسول

۳۔ خیر الجواب فی ایصال الثواب

۴۔ نمازِ حنفی

۵۔ خیر الوسیلہ

---

[1] رودادِ عمل دار العلوم دیوبند (۱۳۹۰ھ) ص ۲-۳

سیّد داؤد غزنوی (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا سیّد داؤد غزنوی بن مولانا سیّد عبد الجبّار بن سیّد عبد اللہ ۱۸۹۵ء/۱۲-۱۲-۱۳۱۲ھ میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِ امجد سیّد عبد اللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ) اپنے دَور کے بلند پایہ عالم اور ولی اللہ تھے۔ شیخ حبیب اللہ قندھاری کے فیض یافتہ اور میاں سیّد نذیر حسینؒ کے حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کافی عرصہ اپنے مولد قلعہ بہادر خیل (نزد غزنی) میں رہے بعد میں امرتسر آ گئے اور توحید و سنت کی خدمت میں مصروف رہے۔

سیّد عبد اللہ غزنویؒ (م ۱۲۹۸ھ) کی اولاد میں بارہ صاحبزادے تھے۔ سب ہی علم دین کی دولت سے مالا مال تھے۔ مولانا محمد بن عبد اللہ غزنویؒ نے تفسیر "جامع البیان" پر عربی میں حاشیہ لکھا۔ مولانا محمد کے صاحبزادے (مولانا عبد اللہ کے پوتے) مولانا عبد الاوّل غزنویؒ نے "مشکوٰۃ المصابیح" اور "ریاض الصالحین" کا اُردو ترجمہ کیا اور ان پر مفید حواشی لکھے۔

سیّد عبد اللہ غزنوی کے فرزند اور مولانا سیّد داؤد غزنوی کے والد مولانا سیّد عبد الجبّار (م ۱۳۳۱ھ) بھی جیّد عالم اور ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔

مولانا سیّد داؤد غزنوی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور مولانا عبد الاوّل غزنوی سے حاصل کی۔ مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مولانا گل محمد سے اُردو اور حساب کی تعلیم پائی۔

بعد میں دہلی گئے۔ مولانا عبد اللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ) سے حدیث پڑھی اور مدرسہ مسجد فتح پوری کے مولانا سیف الرحمان کابلی (م   ) سے علوم عقلیہ کی تحصیل کی۔

تعلیم سے فارغ ہو کر مدرسہ غزنویہ میں حدیث و تفسیر کی تدریس شروع کی۔

تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ تبلیغ واشاعتِ اسلام اور تحریکِ آزادیٔ وطن میں دلچسپی لی۔ کمالِ خطابت اور سیاسی بیداری کی بنا پر برصغیر پاک و ہند کی سطح پر اپنا ایک مقام پیدا کر لیا۔ تحریکِ خلافت میں سیاسی سٹیج پر آئے اور تحریک میں سرگرمی سے کام کیا۔ اس کے ساتھ جمعیت علمائے ہند کی تاسیس و تشکیل میں مؤثر کردار ادا کیا۔ ابتدا میں مجلس عاملہ کے رکن تھے پھر مدتوں تک نائب صدر رہے۔ ۱۹۲۱ء میں تین سال کے لئے قید ہوئے۔ رہا ہوئے تو پہلے سے زیادہ سرگرمی سے تحریکِ آزادی میں حصّہ لیا۔ ۱۹۲۵ء میں دوسری بار گرفتار ہوئے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی تحریک میں بھرپور حصّہ لیا اور تیسری بار قید و بند کی آزمائش سے دوچار ہوئے۔

"مجلس احرار اسلام" کے بانی ارکان میں سے تھے اور وہی پہلے سیکرٹری تھے ڈھائی سال اس عہدے پر فائز رہے۔ مجلس احرارِ اسلام کی تحریکِ کشمیر میں حصّہ لیا اور گرفتار ہوئے۔ ۱۹۴۲ء/۱۳۶۱ھ میں انڈین نیشنل کانگرس کی تحریک "ہندوستان چھوڑ دو" میں شریک رہے اور گرفتار ہوئے۔ پنجاب کانگرس کے صدر رہے اور کانگرس ہی کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن چنے گئے۔ ۱۲ر اگست ۱۹۴۶ء کو کانگرس سے مستعفی ہوئے اور کچھ عرصہ بعد آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی میں حصّہ لیا اور گرفتاری دی۔

قیامِ پاکستان کے بعد سیاسی طور پر بہت زیادہ فعال نہ رہے تاہم دینی اہمیت کے حامل مسائل میں قوم کی راہنمائی فرماتے رہے۔ "جماعت اہل حدیث" کی از سرِ نو تنظیم کی اور اس مقصد کے لئے ملک کا طویل دورہ کیا۔ لاہور میں مدرسہ غزنویہ کا احیاء کیا۔ تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) کے سرکردہ راہنماؤں میں سے تھے اور تمام مذہبی جماعتوں کی متحدہ مجلسِ عمل کے ناظمِ اعلیٰ تھے۔ جناب محمد ایوب خان نے فوجی انقلاب کے بعد ایک دستور ساز کمیشن بنایا تھا جس نے ایک سوالنامہ جاری کیا۔

مولانا غزنوی نے ملک کے سربرآوردہ علماء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں ۵ / ۶ مئی ۱۹۶۰ء / ۱۳۷۹ھ کو جمع کیا اور کمیشن کے سوالنامہ کا متفقہ جواب بھجوایا۔ مئی ۱۹۶۲ء / ۱۳۷۹ھ میں مدینہ یونیورسٹی کی مشاورتی کونسل کے رکن نامزد ہوئے تھے۔

مولانا سید داؤد غزنوی کی زندگی کا بڑا حصہ سیاسی ہنگاموں اور "جماعت اہلحدیث" کی تنظیم میں گزرا تاہم جب بھی اُنہیں فراغت ملتی، مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تھے۔ یکم اپریل ۱۹۲۷ء / ۲۷ / رمضان ۱۳۴۵ھ کو امرتسر سے ہفت روزہ "توحید" جاری کیا تھا جو دو سال ایک ماہ جاری رہا۔ اس میں مولانا کے علمی اور تحقیقی مضامین شائع ہوتے تھے۔

مولانا سید داؤد غزنوی دل کے عارضے میں مبتلا تھے۔ دو سال کی علالت کے بعد ۱۶ / دسمبر ۱۹۶۳ء / ۲۸ / رجب ۱۳۸۳ھ کو لاہور میں فوت ہوئے۔ دوسرے روز مولانا محمد اسماعیل سلفی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے۔

مولانا سید داؤد غزنوی کی تالیفات میں سے مندرجہ ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ ترجمہ باب التوحید از حجۃ اللہ البالغہ (تالیف شاہ ولی اللہ رح)

۲۔ نخبۃ الاحادیث　　　۳۔ اُسوۂ حسین

مولانا غزنوی کی اولاد میں سید ابوبکر غزنوی رح علمی دنیا کی متعارف شخصیت تھے۔

دوست محمد قریشی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا دوست محمد قریشی بن مولانا علی محمد بن مولوی محمد عبداللہ قریشی، قصبہ رینج کلاں، تحصیل راجن پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ/۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے مولانا دوست محمد کے جد امجد مولوی محمد عبداللہ صوفی صافی بزرگ تھے اور سلسلۂ چشتیہ میں اصحابِ تونسہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا کے والد ماجد مولانا علی محمد اپنے علاقے کے معروف خطیب و واعظ تھے۔ اسی طرح مولانا دوست محمد کے نانا مولانا امان اللہ عالم باعمل تھے مذکورہ بالا خاندانی پس منظر میں مولانا دوست محمد نے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ والد ماجد کی نگرانی میں قرآن مجید حفظ کیا اور مقامی سکول میں داخل ہوئے چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے کہ دینی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ مولانا شیر محمد (ساکن محمد پور دیوان ضلع ڈیرہ غازیخاں) سے فارسی درسیات اور قانونچہ شاہ جمال پڑھا۔ صرف کی دیگر کتابیں مولانا محمد علی ڈیروی سے پڑھیں۔ علم نحو کے لئے مولانا غلام محمد (ساکن رینج کلاں) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ابتدائی دینی تعلیم کے بعد مختلف اساتذہ سے اکتسابِ فیض کے لئے سفر کئے۔ بستی بوہڑ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں مولانا محمد حیات، کوٹ مٹھن میں مولانا واحد بخش، گمانی ضلع بہاولپور میں مولانا حبیب اللہ گمانوی اور واں بھچراں میں مولانا حسین علی اور مولانا غلام یٰسین سے استفادہ کیا۔ آخر میں ڈابھیل گئے اور ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر مولانا دوست محمد وطن مالوف آئے اور مدرسہ "انوار العلوم" کی بنیاد رکھی۔ کچھ عرصہ بعد بنگلہ بارڈہ نامی بستی میں چلے گئے "مدرسہ مفتاح العلوم" بستی اللہ بخش علاقہ جتوئی میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد مدرسہ معارف القرآن خان گڑھ"

یں کام کیا۔ ۱۹۵۰ء/۱۳۶۹ھ میں پہلی بار فریضۂ حج ادا کیا۔

حج سے واپسی پر احمد پور شرقیہ منتقل ہو گئے۔ اس زمانے میں سردار احمد خان پتافی کے جذبۂ اخلاص سے "تنظیم اہل سنت" قائم ہو چکی تھی۔ مولانا دوست محمد اس تنظیم میں شامل ہو گئے ۱۹۶۴ء کے آخر میں/۱۳۸۴ھ احمد پور شرقیہ سے کوٹ ادو منتقل ہوئے۔ ان کے عقیدت مندوں نے عظیم الشان نقشبندی مسجد تعمیر کی اور یہاں انہوں نے اپنی دلچسپی کے سامان پیدا کر لئے۔ ۱۳۸۹ھ/۷۰۔۱۹۶۹ء میں "دار المبلّغین" کے نام سے ادارہ قائم کیا جس میں علماء کی تربیت کا انتظام تھا۔

مولانا دوست محمد قریشی سلسلہ نقشبندیہ میں مولانا عبدالمالک نقشبندی سے بیعت تھے۔ موصوف اہل سنّت وجماعت کے بلند پایہ مناظر، کامیاب واعظ اور شیخِ طریقت تھے۔

۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ/ ۲۷ر مئی ۱۹۷۴ء کو بھکر ریلوے سٹیشن پر دورۂ قلب پڑا۔ ریلوے ہسپتال بھکر میں منتقل کئے گئے۔ وہیں جان جانِ آفریں کے حوالے کی۔

مولانا دوست محمد قریشی سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ اہلسنّت پاکٹ بک
۲۔ منہاج التبلیغ
۳۔ جلاء الافہام
۴۔ جلاء الاذہان
۵۔ رد المطاعن
۶۔ عظمت الصحابہؓ
۷۔ براہین اہلسنّت
۸۔ تعارف خلفائے راشدین
۹۔ مصباح المقرّبین

۱۰۔ مخزن التقاریر

۱۱۔ کشف الحقیقت عن مسائل المعرفت والطریقت

۱۲۔ التشریح علی التلویح (اُردو)

۱۳۔ وضاحت النحو

ان مستقل بالذات کتابوں کے علاوہ تنظیم اہل سنّت کے آرگن ہفت روزہ "دعوت" (لاہور) میں اُن کے کئی مضامین طبع ہوتے ہیں۔ نیز "باب الاستفسارات" کے عنوان سے سوالات کے جواب لکھتے تھے۔

سیّد دیدار علی الوری

مولانا سیّد دیدار علی شاہ بن سیّد نجف علی شاہ ۱۲۷۳ھ/ ۵۷-۱۸۵۶ء میں شہر الور کے محلّہ نواب پورہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت موسیٰ کاظم رح سے ملتا ہے۔ اُن کے آباؤ اجداد مشہد سے برِّصغیر میں آئے تھے۔

مولانا سیّد دیدار علی نے ابتدائی کتابیں اُلور میں مولانا قمر الدین سے پڑھیں۔ فقہ و منطق مولانا ارشاد حسین رامپوری (م ۱۳۱۱ھ) اور درسِ نظامی کی بعض کتابیں مولانا کرامت اللہ دہلوی سے پڑھیں۔ مولانا احمد علی محدّث سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) اور مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (م ۱۳۱۳ھ) سے اجازتِ حدیث حاصل کی تھی۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد مدرسہ ارشاد العلوم رامپور میں ایک سال تدریس کی۔ چند برس بعد سال بھر کے لئے بمبئی چلے گئے۔ ۱۳۲۵ھ/ ۸-۱۹۰۷ء میں الور میں ایک دینی درس گاہ "مدرسہ قوّت الاسلام" کی بنیاد رکھی۔ پھر لاہور آ گئے اور مدرسہ نعمانیہ سے بطور مدرّس منسلک رہے۔

۱۳۳۵ھ/ ۱۷-۱۹۱۶ء میں شاہی مسجد آگرہ کے خطیب اور مفتی کی حیثیت سے آگرہ تشریف لے گئے۔ آریہ سماجیوں کی تحریک شدھی کا مقابلہ کیا اور تبلیغ و دعوتِ دین کا کام کیا۔ پانچ سال بعد دوبارہ لاہور آ گئے۔ مسجد وزیر خان کے خطیب مقرّر ہوئے۔

۱۳۴۳ھ/ ۲۵-۱۹۲۴ء میں مرکزی انجمن حزب الاحناف" قائم کی جس کے ماتحت دار العلوم "حزب الاحناف" دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔

مولانا سیّد دید ر علی حنفیت میں متشدّد تھے اور علامہ اقبال اُن کے تشدّد کی زد

میں اکرمد کافر، قرار پائے تھے[1] موصوف سادگی شعار اور بے باک عالم تھے۔ کامیاب واعظ اور مقرّر تھے۔

۲۲ رجب ۱۳۵۴ھ / ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو فوت ہوئے اور دار العلوم حزب الاحناف اندرون دہلی دروازہ لاہور کے احاطے میں دفنائے گئے۔ اُن کے فرزندِ ارجمند مولانا سید ابوالحسنات نے تاریخ وفات کہی ع

حافظا پس سرکوبیٔ اعدائے شریعت

"دیدار علی یافتہ دیدارِ علی را"

۱۳۵۵-۱ = ۱۳۵۴ھ

مولانا سید دیدار علی کی تالیفات یہ ہیں:

۱۔ تفسیر میزان الادیان (مقدّمہ و تفسیر سورۂ فاتحہ)

۲۔ ہدایۃ الغوی در رد روافض

۳۔ رسول الکلام فی بیان المولود والقیام

۴۔ تحقیق المسائل

۵۔ ہدایۃ الطریق

۶۔ سلوکِ قادریہ

۷۔ علاماتِ وہابیہ

۸۔ فضائلِ رمضان

۹۔ فضائلِ شعبان

۱۰۔ الاستغاثہ من اولیاء اللہ

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے ذکرِ اقبال ص ۱۲۷ - ۱۳۰

۱۱۔ دیوانِ دیدار (فارسی)

۱۲۔ دیوانِ دیدار (اُردو)

۱۳۔ المبسوط فی فریضۃ الجمعہ مع شروط

۱۴۔ بلوغ المرام (میلاد النبی کے موضوع پر ایک رسالہ)

مولانا سید دیدار علی کی اولاد میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادوں نے بڑی عمر پائی۔ صاحبزادوں کے نام علمی دُنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

۱۔ مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری

۲۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

خواجہ دین محمد چُوروی

خواجہ دین محمد بن خواجہ نور محمد المشہور بہ بابا جیو بن خواجہ فیض اللہ بن خان محمد کا سلسلہ نسب خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رض سے جا ملتا ہے۔ خواجہ دین محمد، حضرت خواجہ نور محمد کے تیسرے صاحبزادے اور خواجہ فقیر محمد (چورہ شریف) کے برادرِ اصغر تھے۔ ابتدا میں انہیں تعلیم کی طرف مطلق رغبت نہ تھی۔ خواجہ محمد امین (جو "اُستاد دکاناں" کے لقب سے مشہور تھے) سے قرآن مجید پڑھا اور بائیس سال کی عمر میں کتبِ درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ کتبِ تصوف اپنے چچا حضرت گل محمد (برادرِ اصغر خواجہ نور محمد) سے پڑھیں۔

صاحبِ مطالعہ شخص تھے اور عوام میں "حضرت ملّا صاحب" کے عُرف سے پہچانے جاتے تھے۔ قوّتِ یادداشت بہت اچھی تھی۔ جو کتاب ایک بار اُن کی نظر سے گذر جاتی اُس کے مضامین طویل عرصہ تک لوحِ حافظہ سے محو نہ ہوتے۔ زندگی بھر درس و تدریس کا شغل رہا۔

سنہ ۱۲۹ھ میں زیارتِ حرمین کے لیے حجاز کا سفر کیا۔ اپنے والد ماجد حضرت خواجہ نور محمد سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت تھے۔ اور اُن کے سجادہ نشین ہوئے۔ تعلیمی و اصلاحی خدمات میں مصروف ۶ رذی القعدہ ۱۳۲۵ھ/ ۱۱ر دسمبر ۱۹۰۷ء کو چورہ شریف (ضلع اٹک) میں وفات پائی اور وہیں دفنائے گئے۔ قطعہ تاریخ وفات یہ ہے :-

جنابِ خواجۂ دینِ محمد	چو زیں دارِ فنا نقلِ مکاں یافت
بسالِ رحلتش خواجہ سرِ دشم	بگفتا بس بہشتِ جاوداں یافت[1]

۱۳۲۵ھ

مؤلف "انوارِ تیراہی" نے اُن کے ۱۹ خلفاء کے نام لکھے ہیں[2]۔ جن میں مندرجہ ذیل نے

---

[1] انوارِ تیراہی معروف بہ گلزارِ نوری ص ۱۰۲

[2] ایضاً ص ۸۰-۸۱

علمی دنیا میں نام پیدا کیا۔

۱۔ مفتی غلام رسول امرتسری

۲۔ مولوی احمد دین ساکن نخونی چک

۳۔ مفتی غلام مصطفےٰ امرتسری

۴۔ مولوی محمد احسن سہالوی

خواجہ دین محمدؒ کے دو بیٹے ہوئے۔

۱۔ محمد دیدار شاہ

۲۔ محمد عادل شاہ مؤلف "انوار تیراہی معروف بہ گلزار نوری"

سیّد رجب علی (شیعہ رافضی اھل تشیع)

مولانا سیّد رجب علی بن سیّد علی بخش نقوی ۱۸۰۶ء/۱۲۲۱ھ میں تلونڈی میں پیدا ہوئے۔ سکھ دورِ اقتدار میں مولانا سیّد رجب علی اور اُن کے خاندان کی جائیداد ضبط کر لی گئی اور وہ جگراؤں منتقل ہو گئے۔ سیّد رجب علی بارہ سال کی عمر میں لاہور آ گئے اور ملّا مہدی خطائی لاہوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ۱۲۴۰ھ/۲۶-۱۸۲۵ء میں دہلی چلے گئے اور مفتی صدرالدین سے استفادہ کیا اور اُن ہی کے مدرسے میں ریاضی پڑھانے لگے۔ پانچ سال دہلی میں گزار کر بھوپال چلے گئے اور مختارِ ریاست کی طرف سے شرعی فتوے لکھنے پر مامور ہو گئے۔ تین سال بھوپال میں مقیم رہ کر ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۳ء میں جگراؤں آ گئے۔

سیّد رجب علی کی علم ریاضی میں شہرت سے متاثر ہو کر والئی کپور تھلہ سردار فتح سنگھ نے ریاست کے نہری نظام کی ترقی کے لئے اُن کی خدمات حاصل کر لیں۔ کپور تھلہ کی چند سے ملازمت کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی اور "منشی ممالک پنجاب" ہو گئے ۱۸۵۳ء/۷۰-۱۲۶۹ھ میں خلعت و سند کے ساتھ سبکدوش ہوئے۔

سیّد رجب علی سرکار دربار میں رسائی رکھتے تھے اور انگریزوں کے معاون و مددگار تھے۔ راجپوتانہ کی جنگ میں اُنہوں نے انگریزوں کی خوب مدد کی۔ اسی طرح ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریز جنرل نیچر کے ساتھ بطور میر منشی کام کرتے رہے۔ جنگِ آزادی کے ناکام ہونے پر انگریزوں نے اپنے حلیفوں کو انعام و اکرام سے نوازا تو سیّد رجب علی کو خلعت، جاگیر، پانچ ہزار روپے نقد، ارسطو جاہ اور خان بہادر کے خطابات دیئے گئے۔

۱۸۶۱ء/۷۸-۱۲۷۷ھ میں اُنہوں نے حج کیلئے سفرِ ارضِ پاک کیا۔ اس سفر میں وہ

اہلِ علم سے ملے۔ کتابیں خریدیں اور دو سال بعد واپس وطن آئے۔

موصوف مذہب شیعہ کی ترویج و تبلیغ کے لئے کوشاں رہے۔ انہوں نے "مجمع البحرین" پریس لگایا۔ اس سے بے شمار مذہبی کتابیں شائع کیں جن سے شیعہ نقطۂ نظر کے عام کرنے میں مدد ملی گئی۔ موصوف عربی و فارسی کے شاعر، خطیب اور مناظر تھے۔ ۶۵ برس کی عمر پاکر ۲۰ رجمادی الاخریٰ ۱۲۸۶ھ / ۲۷ ستمبر ۱۸۶۹ء کو جگراؤں میں فوت ہوئے۔ اُن کی اولاد میں دو صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا شریف الحسن
۲۔ مولانا شریف الحسین

مولانا سیّد رجب علی کی قلمی یادگاریں یہ ہیں:

۱۔ کشف الغطائی تفسیر سورہ ہل اتیٰ
۲۔ سرِ اکبر فی تفسیر سورۃ والفجر
۳۔ افادات علیہ (قصائد مدحیہ آئمہ)۔ فارسی[۱]

---

[۱] مطلع انوار ص ۲۳۴-۲۳۶

رحمت علی خان ساؔمی (وہابی نجدی دیوبندی)

مولانا رحمت علی خان ساؔمی بن حافظ امیر خان بن اخوند اعظم خان اندازاً ۱۸۸۶ء/ ۱۳۰۳-۰۴ھ میں ضلع گجرات کے قصبہ سیکریالی میں پیدا ہوئے۔ اُن کے دادا اخوند اعظم خان احمد شاہ ابدالی کے بیٹے شاہ زمان کے حملہ پنجاب (۱۷۹۵-۹۶ء) کے وقت لشکر کے ہمراہ افغانستان سے آئے تھے۔ شاہی لشکر تو مالِ غنیمت لے کر واپس ہوگیا مگر اخوند صاحب سیکریالی میں مقیم ہو گئے۔

مولانا ساؔمی کے والد حافظ امیر خان ایک اچھے قاری اور حافظِ قرآن تھے۔ عمر بھر قرآن مجید پڑھاتے رہے۔ مولانا ساؔمی ابھی آٹھ نو سال کے تھے کہ والد ماجد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ انھوں نے برادرِ بزرگ حافظ نور احمد خان کی نگرانی میں تعلیم پائی۔ ابتدائی تعلیم قصبے کے پرائمری سکول میں حاصل کر کے گیارہ سال کی عمر میں لاہور گئے۔ اور مولانا حافظ محمد مقیم (ساکن موضع کردل ضلع شیخوپورہ) کے حلقۂ درس میں شمولیت اختیار کی۔ اُن سے ابتدائی دینی تعلیم کے بعد حافظ صاحب موصوف کے عم زاد اور بہنوئی مولانا علی حیدر (ساکن نواں کوٹ لاہور) کے سامنے زانوئے تلمّذ تہ کیا۔ مولانا حیدر علی نے اپنے ہونہار شاگرد کی غیر معمولی ذہانت کے پیشِ نظر اُسے اپنے گھر کا فرد بنا لیا۔ اُنھوں نے مولانا ساؔمی کو ۱۹۰۱ء میں اورینٹل کالج لاہور میں داخل کرا دیا۔ ۱۹۰۷ء میں منشی فاضل کی سند حاصل کی۔ کالج کی چھ سالہ زندگی میں اُنہیں شمس العلماء مولانا عبد الحکیم کلانوری (م ۔۔۔ھ) اور شمس العلماء مولانا عبد اللہ ٹونکی (م ۱۳۳۹ھ) جیسے اساتذہ سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ ۱۹۱۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں اپنے طور پر ایف۔ اے اور مولوی فاضل کے امتحانات کی تیاری کی مگر امتحان میں شریک نہ ہو سکے۔ ذاتی مطالعہ سے انگریزی زبان پر بھی گرفت حاصل کر لی تھی۔

مولانا ساؔمی نے عملی زندگی کا آغاز سررشتۂ تعلیم پنجاب میں مدرسِ فارسی کی حیثیت

سے کیا تھا۔ تھوڑے تھوڑے عرصے کے لیے رہتک، ریواڑی اور پاکپتن میں مقیم رہے۔ بعد میں سرکاری ملازمت سے استعفاء دے کر ایم۔ کے ہائی سکول چھچھرولی ریاست کلسیہ (ضلع انبالہ) میں ملازم ہو گئے جہاں ۱۹۱۵ء تا ۱۹۲۴ء رہے۔

چھچھرولی کے زمانۂ قیام میں انہوں نے ایک دینی درس گاہ "مدرسہ احیاء العلوم" کے نام سے قائم کی۔ جس کے منتظم اور صدر مدرس خود ہی تھے۔ مسجد معماراں چھچھرولی اُن کے مواعظِ حسنہ کا مرکز تھی۔

۱۹۲۰ء کے آغاز میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں بغرضِ بیعت حاضر ہوئے انہوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت کے چند ماہ بعد نومبر ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہو گیا۔

۱۹۲۵ء میں یوگنڈا (مشرقی افریقہ) کی ایک مسلم انجمن کی دعوت پر کمپالا تشریف لے گئے اور تقریباً سات سال یوگنڈا میں مقیم رہے۔ یوگنڈا کی زبان "لوگانڈا" چھ ماہ کی قلیل مدت میں سیکھ لی تھی۔ کمپالا میں وعظ و نصیحت اور تعلیم و تبلیغ میں مصروف رہے۔ ۱۹۳۲ء میں واپس وطن آ گئے۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۶ء تک اشاعتی ادارے فیروز سنز لاہور کے شعبۂ تصنیف و تالیف سے وابستہ رہے۔

۴ نومبر ۱۹۶۱ء کو ایک حادثہ میں ان کی بائیں ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ٹانگ پر پلاسٹر لگا دیا گیا مگر ٹانگ جڑنے کے بجائے بے حس و حرکت ہو گئی۔ صاحبِ فراش ہی تھے کہ اسہال کی تکلیف لاحق ہو گئی۔ اسی بیماری میں ۲۶ اگست ۱۹۶۵ء/ ۲۸ ربیع الاولیٰ ۱۳۸۵ھ کو وفات پائی۔ مرحوم کے فرزند ارجمند مولانا محمد نصر اللہ خان خازن نے عربی میں پُر درد مرثیہ لکھا۔ جناب ضیاء محمد ضیاء صاحب نے ان الفاظ میں "نالۂ غم" بپا کیا۔

دریغا شیخِ ما رحمت علی خان　　　ز گیتی سوئے جنّت شد خراماں

دریغا رخت بست آن فاضل عصر — بہ عقبیٰ رو نہاد آں فخرِ دوراں
دریغ و دردِ آں گنجینۂ علم — بزیر خاک شد امروز پنہاں
دریغا رفت آں مردِ خدا بیں — ز بزمِ دہر سوئے باغِ رضواں
نہاں شُد چہرۂ خورشیدِ انور — ردا بر رُخ کشیدہ ماہِ تاباں
بہ غارت بُرد امشب رہزنِ مرگ — متاعِ دانش و اخلاص و ایماں
برفت آں یادگارِ دورِ اسلاف — دو چشم شُد دریں غم اشک افشاں
ز آہِ گرم پیہم سینہ ام سوخت — دلم خوں شد ز مرگِ آں مسلماں
جہاں محروم شد از حکمتِ دیں! — تہی شد مسندِ تفسیرِ قرآں

الٰہی جا دہش در سایہ خویش!
روانش باد در فردوس شاداں

مرحوم سادہ مزاج اور گوشہ نشین بزرگ تھے۔ وعظ و تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:

عربی

۱۔ غایۃ البراعت فی معرفت علم البلاغت
۲۔ المعروضات الکافیہ فی معرفت علم العروض والقافیہ
۳۔ شرح قصیدہ عمرو الجنی
۴۔ اجرومیۃ اللغندیہ۔ لوگانڈا زبان کی گرامر (نامکمل۔ غیر مطبوعہ)
۵۔ کتاب العربیہ (غیر مطبوعہ)
۶۔ کتاب الصلوٰۃ ״
۷۔ انشاء المقالہ ״

۸۔ تلخیص الاشارات لابن سینا (نامکمل۔ غیر مطبوعہ)

۹۔ اجرومیۃ العربیہ (غیر مطبوعہ)

فارسی

۱۔ شرح قصیدہ بانت سعاد (غیر مطبوعہ)

۲۔ مختصر رسالہ عروض۔ منظوم "

اُردو

۱۔ الوافیہ فی شرح الکافیہ۔ شرح کافیہ ابن حاجب (غیر مطبوعہ)

۲۔ منتہی الصحو فی علم النحو "

۳۔ سعیدیہ شرح رشیدیہ "

۴۔ نہایت المراد فی شرح قصیدہ بانت سعاد "

۵۔ اقدامیہ الہم فی شرح قصیدہ لامیۃ العجم "

۶۔ ازہار الوردہ فی شرح قصیدہ البردہ "

۷۔ خلاصہ شرح تہذیب "

۸۔ خلاصہ شرح مطالع الانوار "

۹۔ مثنوی جواہر الزواہر۔ عروض وقافیہ پر ایک مثنوی "

۱۰۔ خلاصہ حدائق البلاغت (نامکمل۔ غیر مطبوعہ)

۱۱۔ اُردو شرح مسندِ امام اعظم "

۱۲۔ الاسلام "

لوگانڈا

۱۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ الصلوٰۃ الکاملہ

۳۔ الخطبات الماثورہ من الآثار المشہورہ ۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے خطبات ماثورہ کا انتخاب مع لوگانڈا ترجمہ۔

۴۔ سرورِ عالم ۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے پمفلٹ کا ترجمہ

۵۔ البرہان فی ترجمۃ القرآن ۔ قرآن مجید کا اوّلین لوگانڈا ترجمہ ہے۔ ۲۶ ؍ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو مکمل ہوا ۔ صرف آخری پارہ شائع ہوا ہے۔

۶۔ تفسیر سورۂ فاتحہ، سورۂ ق، سورۂ طور، سورۂ نجم، سورۂ ذاریات و سورۂ کہف صرف پہلی دو سورتوں کی تفسیر طبع ہوئی ہے۔

مولانا ساؔمی کے فرزندِ ارجمند کی تحقیق و تفحّص کے مطابق فیروز سنز لمیٹڈ لاہور کی مشہور تفسیر "تسہیل القرآن" اور کشف المحجوب کا اردو ترجمہ "بیان المطلوب" بھی مولانا ساؔمی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے[1]۔ اگرچہ ان پر مولانا کا نام بحیثیت مصنف و مترجم نہیں ہے۔ فیروز سنز کے لیے اُنہوں نے ساتویں اور آٹھویں جماعت کے لیے عربی اور فارسی کی درسی کتابیں مرتّب کی تھیں۔

مولانا ساؔمی مرحوم اُردو، فارسی اور عربی میں شعر بھی کہتے تھے۔ تینوں زبانوں میں اُن کا کلام ملتا ہے۔ ساؔمی تخلص کرتے تھے۔ "مثنوی جواہر الزواہر" کے ابتدائی نعتیہ اشعار بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں۔

ان سب میں بخشا ہے شرف بس سیدِ کونین کو
خیر الوریٰ ختم الرسل آں سرورِ ثقلین کو
کرکے اُسے عالم میں بھیجا رحمت للعالمین
اور خاص بخشا اس کو علم اولین و آخرین

---

[1] مولانا رحمت علی خان ساؔمی ص ۹

وہ داعیِ حق تھا کہ حق کا بول بالا کر دیا!
وہ تھا معراجِ حق کہ عالم میں اجالا کر دیا
اس نورِ حق نے سارے عالم کو منوّر کر دیا
اک معجزہ تھا وہ کہ عالم کو محیّر کر دیا
پس صد صلوٰۃ وصد سلام اس ہادیِ ثقلین پر
اور آل اور اصحاب پر جو دیں کے ہیں رہبر

حافظ روح اللہ لاہوریؒ

حافظ روح اللہ لاہوری ۱۱۷۱ھ/۵۸-۱۷۵۷ء میں رونق افزائے عالم ہوئے۔ مختلف اساتذہ سے علومِ متداولہ کی تحصیل کی۔ مولانا محمد سلیم لاہوری اُن کے اساتذہ میں سے ہیں۔ حافظ روح اللہ نے معلّمی کا پیشہ اپنایا اور زندگی بھر اسی سے وابستہ رہے۔ سکھا شاہی میں مدارس و مکاتب کی رونق ماند پڑ گئی تھی مگر وہ شمعِ علم کو فروزاں کیے رہے۔ رنجیت سنگھ نے اُن کی شہرت سُنی تو دربار میں طلب کیا۔ اُن سے باتیں کیں اور عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ سکھ امرا اُن کا بہت ادب کرتے تھے۔ شہر میں اُن کا فتویٰ مقبول تھا۔

۱۲۴۴ھ/۲۹-۱۸۲۸ء میں بغرضِ حج ارضِ حجاز کو روانہ ہوئے۔ جہاز میں رمضان کا چاند نظر آیا تمام مسافروں نے اُن کے علم و تقویٰ کے پیشِ نظر اُنہیں امامت کے لیے چُنا موصوف حافظِ قرآن نہ تھے مگر امامت قبول کی اور روزانہ ایک پارہ یاد کرنا شروع کیا۔ دن بھر ایک پارہ یاد کرتے اور رات کو تراویح میں سُنا دیتے تھے اس طرح ماہِ رمضان میں قرآن مجید ازبر کر لیا۔ جو اُن کی قوتِ یادداشت اور قرآن مجید سے لگن کا ثبوت ہے۔

فریضۂ حج ادا کر کے مدینہ منورہ گئے۔ چندے قیام کے بعد واپس ہوئے۔ راستے میں یمن میں ۱۲۴۴ھ/۲۹-۱۸۲۸ء کو جان بحق ہوئے۔

زین الدین مکھڈی

مولانا زین الدین بن حافظ امیر گل بن میاں مبارک خان قطب شاہی اعوان قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا آبائی وطن انگہ ضلع سرگودھا ہے۔ اُنہوں نے موضع کفری میں مولانا غلام نبی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اس کے بعد موضع لیٹی میں مولانا محمد روشن سے استفادہ کیا۔ آخر میں مکھڈ (ضلع اٹک) جاکر مولانا محمد علی سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر مولانا محمد علی مکھڈی کے ساتھ تعلیم و تدریس میں ہاتھ بٹانے لگے۔ طلبہ کو ہمیشہ تعلیم پر توجہ مرکوز کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ اور انہیں دوسرے اشغال سے الگ تھلگ رہنے کی نصیحت کرتے تھے۔

مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے ہاتھ پر چشتی سلسلہ میں بیعت کی تھی۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔

خلیفہ محمد عابد جی (خلیفہ اوّل مولانا محمد علی مکھڈی) کی وفات پر خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے انہیں مکھڈ سے بلایا اور انہیں مولانا محمد علی مکھڈی کا خلیفۂ دوم نامزد کیا۔ تقریباً ۳۲ سال سجادہ نشین رہ کر ۱۳ محرم ۱۲۹۵ھ / ۱۷ جنوری ۱۸۷۸ء کو فوت ہوگئے۔ اور مقبرہ مولانا محمد علی مکھڈیؒ میں دفنائے گئے۔ مولوی عبداللہ گلیانی نے "غاب نور اللہ" سے سالِ وفات نکالا ہے۔ مزار پر حسب ذیل اشعار مرقوم ہیں:

خواجۂ ما صفور زین الدین	شدہ کاملِ زفیضِ ایں شیدیں
نائب پوشے زشاہ سلیمان شد	نائبِ یوسفی دوراں شد
در کمالاتِ عشق فائق شد	فیض بخش ہمہ خلائق شد

جان بپاکش ندائے ارجعی بشنید　　کرد پرواز سوئے عرش مجید
گفت ہاتف وصال زین الدین　　صاحب الکمال شیخ زین الدین

۱۲۹۵ھ

مولانا زین الدین صاحبِ مطالعہ اور کتاب دوست عالم تھے۔ کتابوں سے عشق تھا۔ کتب فروشوں سے نادر و نایاب کتابیں منہ مانگے داموں خرید لیتے تھے۔ تونسہ شریف کے عُرس میں پابندی سے شرکت کرتے تھے اور ایک ایک کتاب فروش کے پاس جاکر کتابیں دیکھتے اور واپسی پر ضرورت کی تمام کتابیں خرید لیتے تھے۔ تونسہ شریف آنے والے تمام کتب فروش اُن کی اِس عادت سے واقف ہو گئے تھے۔ اس لئے مولانا زین الدین کی واپسی تک تونسہ شریف میں رہتے تھے۔ کتابوں کی خریداری کے بعد عموماً یہ شعر پڑھتے تھے ع

جمادے چند دادم، جاں خریدم!
بنام ایزد عجب ارزاں خریدم

کتابوں کی حفاظت اور جلد بندی میں پوری توجہ سے کام لیتے تھے۔ کھڈ کے اہلِ علم اور طلبہ کو کتابیں عاریۃً دے دیتے تھے۔ کتب خانہ خانقاہ کا بڑا حصّہ اُن ہی کا جمع کردہ ہے۔

مولانا زین الدین کی مُہر کا نقش یہ تھا:

"سلیماں محمد علی نامور　　وزیشان شدہ زین الدین بہرہ ور"

مولانا زین الدین کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے تھے۔ دونوں صاحبزادے سراج الدین اور خواجہ محکم الدین اُن کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ صاحبزادی کا عقد اپنے شاگرد میاں محمد سے کیا۔ جن کے فرزند مولانا غلام محی الدین اُن کے جانشین ہوئے۔[1]

---

[1] ملخص از تذکرۃ الصدیقین

سراج احمد خانپوری

مولانا سراج احمد بن مولانا احمد یار بن مولانا محمد عالم قصبہ لکھن بیلہ متصل شہر خانپور ضلع رحیم یار خان میں ۱۴ر ذی الحجہ ۱۳۰۳ھ / ۱۳ر ستمبر ۱۸۸۶ء کو رونق افزائے عالم ہوئے[1]۔ اُن کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے خاصا معروف تھا۔ اُن کے والدِ محترم مولانا احمد یار اور دادا مولانا محمد عالم جیّد علماء میں سے تھے۔

انھوں نے اپنے گاؤں میں تعلیم کا آغاز کیا۔ پھر چاچڑاں کے مشہور مدرسہ جامعہ فریدیہ میں مطوّل تک درسیات مولانا تاج محمود اور مولانا غلام رسول سے پڑھیں۔ باقی کتابیں قصبہ مہند ضلع بہاولپور میں علامہ امام بخش سے پڑھیں۔ اُن ہی سے دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۱۷ھ میں فارغ التحصیل ہوئے[2]۔ نہایت ذہین اور مطالعہ کے شائق طالب علم تھے۔ اکثر کتابیں ذاتی مطالعہ سے پڑھ لی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ چودہ سال کی عمر میں درسِ نظامی کی تکمیل کر لی۔

دس سال کی عمر میں خواجہ غلام فرید سے بیعت ہوئے تھے اور اُن کے خلفائے مجاز میں سے تھے[3]۔

فارغ التحصیل ہوئے تو تدریس شروع کی۔ جامعہ فریدیہ میں ایک عرصہ پڑھاتے رہے۔ ڈیرہ گبولاں ضلع رحیم یار خان اور اپنے گاؤں لکھن بیلہ میں تشنگانِ علم کی پیاس بجھائی۔ خانقاہ فریدیہ کے سجادہ نشین حضرت فیض فرید کی تعلیم و تربیت کے لیے چاچڑاں میں قیام پذیر ہوئے اس کے علاوہ کچھ عرصہ بھرچونڈی شریف ضلع سکھر (سندھ) اور مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان

---

[1] الیواقیت المہریہ ص ۲۴۲
[2] ایضاً ص ۲۴۲
[3] اولیائے بہاولپور ص ۲۰۶

میں تدریسی فرائض انجام دیئے آخر میں مدت دراز تک مدرسہ عربیہ سراج العلوم خانپور اُن کے فیض کا گھوارہ بنا رہا۔

مولانا خانپوری نے نمود و نمائش سے دُور خدمتِ دین میں زندگی گذاری۔ تقریباً ستر سال درس نظامی پڑھایا۔ اس کے علاوہ فتویٰ دیتے تھے اور فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے ان کے کئی فتوے سابق ریاست بہاول پور کی عدالتوں میں فیصلوں کی بنیاد بنے۔

۵ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ/۱۲ دسمبر ۱۹۷۲ء کو فوت ہوئے۔ ان کی علمی یادگاروں میں "سراج الفتاویٰ" (غیر مطبوعہ) اور "الزبدۃ السراجیہ فی علم المیقات والمیراث والوصیہ" ہیں[1]۔

مولانا مرحوم سے ایک زمانہ نے استفادہ کیا ہے۔ چند معروف تلامذہ یہ ہیں۔

۱۔ خواجہ حافظ عبدالرحمان بھرچونڈی شریف (م ۱۳۸۰ھ)

۲۔ پیر سیّد منظور القادری

۳۔ خواجہ فیض فرید سجادہ نشین چاچڑاں شریف

۴۔ مولانا عبدالسبحان (خلف الرشید)

۵۔ مولانا حافظ سراج احمد مہتمم مدرسہ عربیہ سراج العلوم خانپور

۶۔ مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی

۷۔ مولانا حسن الدین ہاشمی

---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۱۴۷

ابوالفضل سردار احمد فیصل آبادی

مولانا ابوالفضل سردار احمد بن میران بخش ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء میں ضلع گورداسپور کے قصبہ دیال گڑھ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان دُنیوی وجاہت کے اعتبار سے جاٹ برادری میں ممتاز تھا مگر علومِ دینی کی کوئی روایت نہ رکھتا تھا۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم دیال گڑھ میں حاصل کی۔ ۴۳-۱۳۴۲ھ/۲۵-۱۹۲۴ء میں دیال گڑھ سے بٹالہ منتقل ہو گئے اور اسلامیہ ہائی سکول بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔[۱] اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے لاہور آ گئے۔ ان ہی دنوں میں مولانا حامد رضا خان بریلوی مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کے اجلاس (۱۳۵۲ھ) میں تشریف لائے۔ مولانا سردار احمد صاحب اُن کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انگریزی تعلیم کی بساط لپیٹ کر اُن کے ساتھ بریلی چلے گئے۔ بریلی میں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔ مولانا حامد رضا خان اور مولانا مصطفےٰ رضا خان سے استفادہ کیا۔ بعد میں آٹھ سال مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر میں مولانا امجد علی مؤلف "بہارِ شریعت" کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

سندِ فراغت حاصل کر کے بریلی آ گئے اور جامعہ رضویہ منظرِ اسلام میں "معلّم دوم" مقرّر ہوئے۔ مولانا حامد رضا خان کی نگرانی میں کام کا موقع ملا۔ باہر سے آنے والے استفتا اُن کے حوالے کیے جاتے تھے اور وہی جواب لکھتے تھے۔ مولانا حامد رضا خان نے اُنہیں جواب پر اپنی مہر لگانے کی اجازت دے دی تھی۔[۲]

---

[۱] نائبِ اعلیٰ حضرت ص ۹

[۲] ایضاً ص ۱۲

پانچ سال جامعہ رضویہ منظرِ اسلام میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے کہ جامعہ رضویہ مظہر اسلام میں شیخ الحدیث ہو گئے اور دس سال حدیث کی تدریس کی۔ نیز مسجد بی بی (بریلی) میں خطبۂ جمعہ دیتے رہے۔ بریلی کے زمانۂ قیام میں اُن کی شہرت ایک مناظر کی حیثیت سے بھی تھی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ایک عبارت (از حفظ الایمان) پر انہوں نے مولانا محمد منظور نعمانی مدیر "الفرقان" سے مباحثہ کیا تھا۔[1]

قیامِ پاکستان پر مولانا سردار احمد کا وطنِ مالوف فسادات کا شکار ہوا اور وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ آغاز میں گجرات اور سارو کی میں قیام کیا۔ ۱۳۶۸ھ کے اواخر/ ۱۹۴۹ء میں فیصل آباد آ گئے اور مسجد نور طارق آباد میں پہلا خطبہ جمعہ دیا۔ ۱۳۶۹ھ/ ۵۰-۱۹۴۹ء میں بے سر و سامانی کے عالم میں اللہ کا نام لے کر جامعہ رضویہ مظہر اسلام کی تجدید کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی مساعی جمیلہ کو کامیاب کیا اور آج اُن کی قائم کردہ یہ درس گاہ ملک کی اہم دینی درسگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔

مولانا سردار احمد سلسلۂ چشتیہ میں مولانا سراج الحق سے بیعت تھے اور قادری طریقہ میں مولانا حامد رضا خان سے استفادہ کیا تھا اور ایک رائے کے مطابق اُن سے مجازِ بیعت تھے۔

مولانا موصوف باوقار عالمِ دین تھے۔ اُن کا وعظ مؤثر اور دلکش ہوتا تھا۔ اُن سے سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا جو اپنے اپنے حلقے میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آخری عمر میں ذیابیطس اور بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ علاج معالجہ کے لیے کراچی گئے اور وہیں ۲۹ دسمبر ۱۹۶۲ء/ ۲ شعبان ۱۳۸۲ھ کو جان جانِ آفریں کے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد حامد فقیہ۔ مناظرہ بریلی کی مفصل روئیداد
محمد ناقت حسین۔ فتح بریلی کا دلکش نظارہ

حوالے کی۔ میت فیصل آباد لائی گئی اور اپنی بنا کردہ سُنّی رضوی جامع مسجد میں دفنائے گئے۔
مصرعۂ تاریخ ہے:

بادیِ بستاں، رہبرِ اسلام، نورالہدیٰ

۱۳۸۲ھ

مولانا مرحوم مدرّس تھے اور اُن کا زیادہ وقت تدریس میں ہی گزرتا تھا تاہم اُن سے حسبِ ذیل رسائل یادگار ہیں:

۱۔ اسلامی قانونِ وراثت
۲۔ تبصرہ مذہبی ۔ جناب عنایت اللہ خان المشرقی کے "تذکرہ" پر تبصرہ
۳۔ مرزا (غلام احمد قادیانی) مرد ہے یا عورت؟
۴۔ موت کا پیغام دیوبندی مولویوں کے نام

سلطان احمد قادری

مولانا سلطان احمد قادری بن میاں غلام ربانی موضع چھپڑ ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے موضع بھرتہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مولانا غلام محمود پپلانوی اور مولانا غلام رسولؒ (انہی والے) سے درسِ نظامی کی اکثر کتب پڑھیں۔ دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے۔ اساتذہ دارالعلوم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور سندِ فراغ حاصل کی۔

حضرت سلطان باہوؒ (م ۱۱۰۲ھ) کی اولاد میں ایک بزرگ سلطان نور احمد تھے۔ اُن سے تعلقِ بیعت رکھتے تھے۔ صوفی صافی تھے اور کم و بیش پچاس سال علومِ دینیہ کی تدریس کی۔ آخر میں موسٰی والا (نزد پپلاں۔ میانوالی) میں مقیم ہو گئے تھے۔ ۷ ربیع صفر ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء میں فوت ہوئے۔ موضع موسٰی والا میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

مولانا سلطان احمد قادری، مولانا حسین علی مؤلف "بلغۃ الحیران" کے ناقدین میں سے تھے۔ اُن سے ایک دفعہ مناظرانہ گفتگو بھی کی۔ مولانا سلطان احمد نے کوئی قلمی یادگار نہیں چھوڑی البتہ بیسیوں تلامذہ اُن کے فیضان کو عام کر رہے ہیں۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ محمد قمرالدین سیالوی سجادہ نشین خانقاہ چشتیہ سیال شریف۔

۲۔ مولانا محمد حسین شوق پپلانوی

۳۔ مولانا غلام یٰسین (واں بھچراں)

۴۔ مولانا محمد اشرف سیالوی شیخ الحدیث، مدرسہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف

سلطان محمود ملتانی (وہابی نجدی اہل حدیث)

مولانا سلطان[1] محمود بن فرید الدین ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی۔ بعض کتب درسیہ اپنے والد ماجد سے پڑھیں بعد میں مولانا قادر بخش (ساکن ڈیرہ اسماعیل خان) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

تیرہویں صدی ہجری کے آخری ربع میں ڈیرہ اسماعیل خان سے ملتان آگئے[2] اور "پیپل والی مسجد" کو وعظ و تبلیغ کا مرکز بنایا۔ حضرت شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ) کی کتابوں کے رسیا تھے اور توحید و سنت کے احیاء کا جذبہ رکھتے تھے۔ بدعات و محدثات کے خلاف آواز بلند کرنے پر لوگوں نے ایذائیں دیں مگر اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ وسطی پنجاب اور گرد و نواح کی آبادیاں اُن کی دعوت و تبلیغ سے گونج اُٹھیں۔ تقریباً نصف صدی قرآن و سنت کی تدریس اور تبلیغ کی۔

بلند اخلاق، متواضع، صابر و شاکر اور قناعت پسند عالم دین تھے۔ مسلک حدیث پر عامل تھے اور کسی امام کی تقلید نہیں کرتے تھے۔[3] تقریباً پچاس سال کی عمر میں بمرض طاعون ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں فوت ہوئے۔ مولانا مرحوم سے دو کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ رسالہ در ردِّ وحدت الوجود۔ "توفیقیہ" کا جواب ہے۔

۲۔ رسالہ ردِّ تقلید۔

مولانا کے دونوں صاحبزادوں۔ مولانا عبدالعزیز محدث ملتانی مؤلف القول العلی حاشیہ ملا حسن اور مولانا ابو محمد عبدالحق ملتانی نے علمی دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

---

[1] اصل نام "محمود" تھا مگر عوام میں "سلطان محمود" مشہور ہوئے [2] فاروق العزیز ص ۲۸

[3] نزہت الخواطر ج ۸ ص ۱۶۳

قاضی سلطان محمود

قاضی سلطان محمود بن غلام غوث بن غلام مصطفےٰ بن غلام محمد ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء میں اعوان شریف ضلع گجرات کے ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے مختلف مقامات حاجی والا (ضلع گجرات)، ملکہ (تحصیل کھاریاں، ضلع گجرات)، پنجن گڑھ (ضلع گجرات) اور پنجاب کے دیہات کدلتی، ہتوا مرم خان، چکی اور غور غشتی میں مقیم رہے۔ کچھ عرصہ پشاور میں بھی قیام کیا۔ ۲۵ سال کی عمر میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس کا شغل اپنایا اور اصلاح و ارشاد میں مصروف رہے۔ حضرت اخوند عبد الغفور صاحب سوات (م ۱۸۷۷ء) سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے اور انہوں نے خلافت سے مشرف فرمایا تھا۔

قاضی سلطان محمود صاحب نے درسی کتابوں پر محققانہ تعلیقات و حواشی تحریر کیے ہیں جو تا حال زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئے۔ خطِ نسخ اور خط نستعلیق میں بہت خوبصورت لکھتے تھے۔ کتابوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ اور ایک اچھا کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ آخری عمر میں رعشہ کا مرض لاحق ہو گیا تھا اور بیماریوں نے از حد لاغر کر دیا تھا۔ وفات سے تین سال پہلے گھر سے گاؤں کے دائرہ (چوپال) میں منتقل ہو گئے تھے۔ وہیں یکم شعبان ۱۳۳۷ھ/۲ مئی ۱۹۱۹ء کو وفات پائی۔ ملا نیاز الدین تیراہی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مزار اعوان شریف میں ہے۔ تاریخِ وفات "قبلۂ ما قاضی سلطان محمود"

۱۳۳۷ھ

اور "کل نفس ذائقۃ الموت" سے نکالی گئی ہے۔

۱۹۱۹ء

قاضی صاحب مرحوم سے ایک دنیا نے علمی و دینی استفادہ کیا تھا۔ چند نامور خلفاء یہ ہیں۔

۱۔ قاضی عبدالرحمان مرحوم ساکن پنڈی سرہال
۲۔ صاحبزادہ محبوب الرحمان
۳۔ مستری احمد بخش ساکن رتہ امرال راولپنڈی
۴۔ مولانا سراج الدین لاہوری
۵۔ ملا نیاز الدین تیراہی

سلطان محمود (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا سلطان محمود کھٹالہ شیخاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر میں پہلوانی اور دیہاتی کھیلوں میں عملاً مہارت حاصل کی۔ اُن کے ماموں جیّد عالم دین تھے۔ انھوں نے نوجوان سلطان محمود کو تعلیم کی جانب راغب کیا اور تعلیمی اخراجات اپنے ذمے لیے۔ قرآن مجید پہلے ہی حفظ تھا۔ اب درسِ نظامی کی تحصیل شروع کی۔ مختلف اساتذہ اور درسگاہوں میں تعلیم پانے کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ کی خدمت میں زیادہ وقت گزارا۔ حضرت شاہ صاحب کے درس میں اُن کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ ان کا درس من وعن ضبط کرلیں۔ سنن ابی داؤد کے افادات قلمبند کیے تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کرکے دہلی تشریف لے گئے اور مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی مسند پر فائز ہوئے۔ اس زمانے میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے بھی استفادہ کیا۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) سے سلاسلِ اربعہ میں بیعت اور مجازِ صحبت تھے۔

۱۳۶۲ھ میں دہلی سے وطن مالوف آگئے اور کھٹالہ شیخاں میں "مدرسہ خادمِ علومِ نبوتؐ" کی بنیاد رکھی۔ تادمِ آخر تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہے۔ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ/۱۸ اپریل ۱۹۶۵ء کو جان، جانِ آفرین کے حوالے کی۔ مولانا ولی اللہؒ (ساکن انہی) نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور کھٹالہ شیخاں میں مدفون ہوئے۔

مولانا مرحوم سے حسبِ ذیل دینی رسائل یادگار ہیں۔ زبان سادہ ہے اور دلائل سے آراستہ ہیں۔

۱۔ سارداہلِ اور اسلام۔ ستمبر ۱۹۲۹ء میں یہ بل پاس ہوا جس کے مطابق ۱۴ سال سے کم عمر

لڑکی اور ۱۸ سال سے کم عمر لڑکے کی شادی قابلِ مواخذہ جرم قرار دی گئی۔ اس بل کے خلاف یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔ رسالہ پر مدرسین مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری کے ساتھ مفتی محمد مظہر اللہ امام مسجد فتح پوری (م ۱۳۸۶ھ) کی حسبِ ذیل رائے درج ہے۔

"اس رسالہ کو میں نے دیکھا جناب مولانا مولوی سلطان محمود صاحب نے قانون سارداِبل کے مضار پر جس خوبی سے روشنی ڈالی ہے وہ قابلِ تحسین ہے اللہ تعالیٰ ممدوح کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کو اس بلائے ناگہانی سے نجات دے کر مولانا ممدوح کی کوشش کو ٹھکانے لگائے"[1]

۲۔ تسہیل البیان فی توضیح القرآن، صرف مقدمہ اور سورہ فاتحہ کی تفسیر شائع ہوئی ہے۔

۳۔ ضرورتِ رسالت (دو حصے)

۴۔ تبلیغی دستور العمل (تین حصے)

۵۔ چودہ مسائل

۶۔ تیرہ مسائل

۷۔ سیاستِ اسلامیہ اور فلسفۂ جہاد

---

[1] سارداِبل اور اسلام ص ۲۴

خواجہ ثناء اللہ خراباتی

خواجہ ثناء اللہ خراباتی معروف بہ پیر خرابات ۱۲۲۴ھ/۱۰-۱۸۰۹ء میں بمقام طنگاہ ضلع بلندپر (نزد سری نگر) میں پیدا ہوئے۔ وہ حضرت عبدالرحمان بُلبل شاہ (م ۷۲۷ھ) کی اولاد میں سے تھے۔ اُن کے والد ماجد کا نام معلوم نہیں۔ اُن کے نانا حضرت سیّد عبدالغفور شاہ باکمال بزرگ تھے۔ اُنہوں نے خواجہ ثناء اللہ کو رفوگری کا فن سکھایا۔ چنانچہ ۱۲۵۸ھ/۴۳-۱۸۴۲ء تک اسی فن سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے رہے۔ تجارت اور سیر و سیاحت کی غرض سے ایران، افغانستان اور برصغیر پاک و ہند کے کئی شہروں میں گھومنے پھرنے کا اتفاق ہوا۔

خواجہ ثناء اللہ خراباتی کی تحریروں سے اُن کے اساتذہ کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدارس و مکاتب کے کچھ زیادہ مرہونِ احسان نہیں رہے۔

اپنے نانا سیّد عبدالغفور شاہ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اُن سے خلافت حاصل کی۔ خواجہ خراباتی کو حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی سے بہت زیادہ عقیدت تھی۔ انہوں نے اکثر قصائد اور متعدّد کتابوں میں اُن سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ شاہ محمد صادق سے بھی ارادت مندانہ تعلق رکھتے تھے اور تیس سال اُن سے اکتسابِ فیض کیا۔ اس کے بعد دورانِ سیر و سیاحت میں متعدّد اہل اللہ کی مجالس میں بیٹھے۔

اُن کی زندگی میں ضلع بلندپر میں بہت بڑا سیلاب آیا اور وہ نقلِ مکانی کر کے نیا بازار متصل شیر دروازہ (جموں) آ گئے۔ ایک دن اتفاقاً سر بازار راجہ گلاب سنگھ سے ملاقات ہوئی۔ مہاراجہ کو معلوم ہوا کہ خواجہ خراباتی متعدّد علوم و فنون میں دستگاہ کامل رکھتے

ہیں تو "توشہ خانے" کا انچارج بنا دیا۔[۹]

۱۲۷۱ھ / ۵۵-۱۸۵۴ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے تین وزیروں نے اُن پر غبن کا الزام لگایا اور مہاراجہ نے تحقیق کی زحمت اٹھائے بغیر اُنہیں قلعہ ہری پربت میں محبوس کر دیا جب ایک دوست کے ذریعہ رہا ہوئے تو جموں کو خیر باد کہہ دیا۔ جالندھر، امرتسر اور سیالکوٹ میں مختصر قیام کرتے ہوئے جلال پور جٹاں آ گئے۔

جموں میں زندگی کے تیس سال گزارے تھے اور عوام میں "صمد جیو" کے نام سے مشہور تھے۔ اُنہوں نے اپنے فرائضِ منصبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ عوام کی اصلاح اور سلسلۂ قادریہ کی نشر و اشاعت کا کام کیا تھا۔

جلال پور میں اُن کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا خلقِ خدا کا ہجوم رہتا تھا۔ متوکل بزرگ تھے اور اپنے پاس کچھ رکھنے کے قائل نہ تھے۔ جو ہوتا اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ایک بار اُن کے مرید خاص خواجہ نظر محمد نے سونے کا ایک زیور خریدا۔ اُنہیں پتہ چلا تو ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا:

> "میرے پاس جو کچھ تھا میں نے جھاڑو سے سب نکال باہر کیا۔ تم اسے دوبارہ گھر لاتے ہو۔ جتنا جلد ہو سکے اسے فقیروں میں تقسیم کر دو۔"[۱۰]

۱۷ ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ / ۲۱ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو فوت ہوئے اور کلاچور متصل جلالپور جٹاں میں دفنائے گئے۔

---

[۹] خواجہ خراباتی کے بارے میں اکثر روایات سماعی اور قیاسی ہیں اس لئے ان میں شک و شبہ کی گنجائش موجود ہے مہاراجہ گلاب سنگھ اُن کے علم و فضل سے متاثر ہوا اور انچارج "توشہ خانے" کا بنایا؟ اُنہیں کسی دار العلوم کا سربراہ ہونا چاہیئے تھا۔ اگر یہ روایت درست ہے تو خواجہ خراباتی نے اپنے علم و فضل کو ردائے فقر میں چھپایا ہو گا اور امانت و دیانت کی بنیاد پر اس منصب پر پہنچے ہوں گے۔

[۱۰] فہرست نسخہ ہائے خطی خواجہ سعداللہ خراباتی ص ۳۴-۳۵

تصنیفات:

خواجہ سناء اللہ خراباتی علومِ متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ فارسی، عربی، کشمیری، اُردو، پنجابی اور تُرکی زبانیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں فکرِ بلند اور ذہنِ رسا عطا کیا تھا۔ اُنہوں نے کم و بیش ایک سو کتابیں نظم و نثر میں تالیف کیں جن میں سے باون زمانہ کی دستبرد سے بچ سکی ہیں۔ ان میں سے پچاس فارسی زبان میں اور باقی دو کشمیری زبان میں۔ اِن کتابوں کی تفصیلی فہرست ایک ایرانی فاضل جناب محمد حسین تسبیحی نے تیار کی اور خواجہ خراباتی کو علمی دُنیا میں متعارف کرایا۔ اُن ہی کے حوالے سے فہرستِ کتب نقل کی جاتی ہے:[1]

۱۔ بحرالانوار (منظوم)
۲۔ تحفۃ الزمان (منظوم)
۳۔ تحفۃ القادری (منظوم)
۴۔ تذکرۃ الکاملین (")
۵۔ تذکرۃ الواصلین (")
۶۔ تصدیق الایقان یا گنج محمدی دوم (منظوم)
۷۔ تفریح المجالس (منظوم و منثور)
۸۔ تفریح المجالس (منظوم)
۹۔ تفسیر سناء جلد دوم (منظوم)
۱۰۔ جنات النعیم (منظوم)
۱۱۔ جنت الاسرار جلد اوّل (منظوم)
۱۲۔ جنت الاسرار جلد دوم (")

---

[1] خلاصۃ الاسرار و تحفۃ القادری (دیباچہ) ص ۴-۵ و فہرست نسخہ ہائے خطی ص ۱۸-۲۲

۱۳۔ جنت العارفین (منظوم)

۱۴۔ جنت العارفین (منثور)

۱۵۔ چہاردہ بند محی الدین (منظوم)

۱۶۔ حق الاسلام (منظوم و منثور)

۱۷۔ حقیقۃ الافعال (منظوم)

۱۸۔ حقیقۃ الاولیاء (منظوم)

۱۹۔ خرد نامہ خراباتی (منظوم)

۲۰۔ خلاصۃ الاسرار (")

۲۱۔ خلاصۃ التوحید موحدین (منثور و منظوم)

۲۲۔ دردنامہ (منظوم)

۲۳۔ دفتر پنجم از کلیات

۲۴۔ دلیل الصادقین (منظوم و منثور)

۲۵۔ دیوان خراباتی (بہ زبان کشمیری، منظوم)

۲۶۔ دیوانِ خراباتی یا دیوانِ فضلی (منظوم)

۲۷۔ دیوانِ خراباتی یا دیوانِ فضلی (منظوم)

۲۸۔ سبحاتِ آفتابی در ردِ وہابی (منظوم)

۲۹۔ سراج الطالبین (منظوم)

۳۰۔ سلسلۂ فضلی یا نسب نامہ بزرگ (منثور)

۳۱۔ سلسلۂ فضلی یا نسب نامہ کوچک (منثور)

۳۲۔ سماع العرفان (منظوم)

۳۳۔ شجرہ نامہ یا نسب نامہ طریقت (منظوم)

۳۴۔ شمع العارفین و سجن الکافرین (منظوم)

۳۵۔ شمع الہدیٰ (منظوم و منثور)

۳۶۔ شمع الہدیٰ یا سراج الہدیٰ یا رحیما (منظوم)

۳۷۔ صراط المستقیم (منظوم)

۳۸۔ عبرت نامہ (منظوم)

۳۹۔ عجیب التعبیر (منظوم)

۴۰۔ قصر بو العجب عشق بزبان کشمیری (منظوم)

۴۱۔ کنز المجربات یا جنت الاعلیٰ ششم (منظوم)

۴۲۔ گلبدن (منظوم)

۴۳۔ گنج لا فنا (منظوم)

۴۴۔ لغات در فرقہائے ضال (منظوم و منثور)

۴۵۔ للٰہی نامہ یا اللہ نامہ (منظوم)

۴۶۔ مجمع البرکات (منظوم)

۴۷۔ مجمع الفضائل (منظوم)

۴۸۔ مغفرت نامہ (منظوم)

۴۹۔ مغفرت نامہ (منظوم و منثور)

۵۰۔ مہاراج نامہ (منظوم)

۵۱۔ مہاراج نامہ (")

۵۲۔ نصرت نامہ (")

ان میں سے دو کتابیں "خلاصۃ الاسرار" اور "تحفۃ القادری" جناب محمد حسین تسبیحی کی تصحیح اور اول الذکر پروفیسر احمد حسین احمد قلعہ داری کے ترجمہ کے ساتھ طبع ہوئی ہیں۔

خواجہ خراباتی کسی کو آسانی سے بیعت نہیں کرتے تھے بلکہ ایسی شرائط عائد کرتے تھے کہ "کامل" ہی اُن کا مُرید ہو سکتا تھا۔ اُن کے پانچ خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ نظر محمد
۲۔ سیّد فضل شاہ جلالپوری (ساکن جلالپور جٹاں)
۳۔ محمد احسن
۴۔ محمد صادق امرتسری
۵۔ سیّد عبدالغفار شاہ سیالکوٹی

سیّد احمد — فیضی میاں غورغشتوی

مولانا سیّد احمد المعروف بہ فیضی میاں بن مولانا فضل احمد بن شیخ احمد جابری سہالوی کے جدِ اعلیٰ موضع سہال ضلع راولپنڈی کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے غورغشتی گئے اور آج تک اُن کی اولاد وہیں آباد ہے۔

مولانا سیّد احمد ۱۲ ربیع الاول ۱۲۵۳ھ/۱۶ جون ۱۸۳۷ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں کئی پشتوں سے تعلیم و تعلّم کا سلسلہ چلا آرہا تھا۔ اُنہوں نے ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ کافیہ مولانا بہاء الدین غورغشتوی سے پڑھا، شرح جامی اور عبدالغفور کے اسباق مولانا نظام الدین جلالوی سے پڑھے۔ پشاور کے مشہور عالم مولانا حافظ جی سے علمی استفادہ کیا۔ اُن ہی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ مولانا سیّد احمد زمانۂ طالب علمی ہی سے اس قدر ذہین و فطین تھے کہ اُنہیں مُلّا ابوالفیض فیضی مؤلف "سواطع الالہام" کی مناسبت سے "فیضی میاں" کہا جانے لگا اور یہ لقب اس قدر مشہور ہوا کہ اصل نام دب گیا۔

مولانا فیضی میاں، اخوند صاحب سوات مُلّا عبدالغفور (م ۱۲۹۳ھ) سے بیعت تھے۔ اُنہوں نے درویشانہ زندگی گزاری۔ کبھی بھی امراء اور خوانین کے تحائف قبول نہ کئے۔ غورغشتی میں سلسلۂ درس و تدریس جاری کیا۔ اُن کے درس میں افغانستان اور صوبہ سرحد کے طلبہ شریک رہتے تھے اور اکتسابِ فیض کرتے تھے۔ ۱۵ صفر ۱۳۰۱ھ/ ۱۶ دسمبر ۱۸۸۳ء کو فوت ہوئے۔ مولانا فیضی میاں نے تجرّد کی زندگی بسر کی تھی۔ اُن کے سلسلہ درس کو اُن کے برادران مولانا نور احمد غورغشتوی اور مولانا میر احمد غورغشتوی نے جاری رکھا۔

مولانا فیضی میاں کی رحلت پر موضع سلیم خان (ضلع اٹک) کے ایک عالم نے طویل مرثیہ لکھا۔ جس کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

عالمِ بے عدیل، بے ہمتا — مخزنِ فضل، معدنِ تقویٰ
حاوی علمِ عقلی و نقلی — در فروع و اصول چوں دریا
کوکبِ آسمانِ علم و ادب — دریائے در حکمت و معنیٰ
بحرِ زخّار، نکتہ دانِ علم — طوطی خوش بیان و شکرخا
سیّد دینِ احمد اندر دھر — مجلسِ علم را چو شمعِ ضیاء
شد بہ فیضی شہیر در عالم — قاف تا قاف نام او ہر جا
ہر کہ دیدش بعلم از حیرت — گفت سبحان ربی الاعلیٰ
رختِ خود را ز دارِ فانی بست — کرد عزمِ سفر بدارِ بقا
از فراقش دلِ محباں سوخت — خارِ غمہا شکست در دلہا
دامنِ چرخ سرخ شد ز غمش — شد ز دردش ملک بوا ویلا
لالہ با داغِ دل ز فرقتِ اُو — جامہ برتن درید در صحرا
انتقالش بسن یغفر ہو — رب اغفرہ ز لطفِ عطا

۱۳۰۱ھ

سیّد شرف شاہ بخاری

ابو عبداللہ سیّد شرف شاہ بخاری بن سیّد صفدر علی شاہ بخاری ۱۸۲۰ء/۳۶-۱۲۳۵ھ کے لگ بھگ جنبری سیداں ضلع میرپور (آزاد کشمیر) میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت مخدوم سیّد جلال الدین حیدر سرخپوش اوچی (م ۶۹۰ھ) سے ملتا ہے۔ اُن کے دادا سیّد اسماعیل شاہ بخاری حقّانی بلند پایہ عالم اور صوفی تھے۔ علوم مروّجہ کی تحصیل دادا اور والد ماجد سے کی۔ کچھ عرصہ بغرضِ تعلیم ملتان میں مقیم رہے۔

اپنے والد محترم سے سہروردی سلسلۂ طریقت میں بیعت تھے۔ قادری سلسلہ میں "پیرانِ بکھاڑ" سے خلافت حاصل کی تھی۔ وعظ و تبلیغ کا طبعًا ذوق تھا چنانچہ جہاں جاتے اصلاح و ارشاد اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری کر دیتے تھے۔ آبائی وطن سے ترکِ سکونت کر کے خطۂ پوٹھوار کے مشہور گاؤں "دُلمی" تشریف لے آئے تھے۔ یہاں اُن کی ذات مرجع خلائق رہی۔

زندگی کے آخری چند سالوں میں موضع دُلمی سے اُٹھ کر موضع بھائی خان آ گئے تھے۔ اُنیسویں صدی کے آخری عشرہ میں وہیں فوت ہوئے۔[۱]

---

[۱] ماہنامہ "سلسبیل" (لاہور) تذکرۃ الاولیاء جدید ص ۲۰۵ - ۲۰۸

شریف اللہ خان سواتی (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا شریف اللہ خان بن مولانا مفتی فقیہ اللہ خان ۱۳۰۷ھ/ ۹۰-۱۸۸۹ء میں سوات کے قصبہ عالی گرامہ (نیک پی خیل) میں پیدا ہوئے[1] وہ نسبی طور پر پٹھانوں کے یوسف زئی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن میں والدین کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے۔ اُن کی پرورش اُن کے ماموں مولانا خنیف اللہ خان نے کی۔ مولانا خنیف اللہ خان سابق ریاست دیر میں قاضی کے منصب پر فائز تھے، وہیں مولانا شریف اللہ نے اپنے ماموں سے بعض کتبِ درسیہ پڑھیں۔

مولانا شریف اللہ ۱۹۰۶ء/ ۱۳۲۴ھ میں مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہوئے اور نو سال زیرِ تعلیم رہ کر سندِ فراغت حاصل کی۔ ان کے نامور اساتذہ میں مولانا فضلِ حق رامپوری کا نام ملتا ہے۔ رامپور سے سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد دار العلوم دیوبند گئے اور مولانا محمود حسن سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے کے لئے تبرکاً بخاری شریف دوبارہ پڑھی۔

مولانا شریف اللہ خان نے حصولِ تعلیم کے بعد مدرسہ ارشاد العلوم رامپور میں پڑھانا شروع کیا۔ کچھ عرصہ بعد لاہر پور (لکھنؤ) کے مدرسہ رکنیہ سے منسلک ہو گئے اس مدرسہ کے بانی رکن الدین نامی شخص تھے۔ اور اُن کے نام کی مناسبت سے

---

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" بابت ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ ص ۱۲۔ ایک دوسری روایت کے مطابق مولانا شریف اللہ خان ۱۸۹۹ء کے شروع میں موضع سرلڑی ضلع سوات میں پیدا ہوئے تھے (ہفت روزہ "آئین" بابت یکم نومبر ۱۹۷۹ء)

مدرسہ کا نام رکھا گیا تھا۔ پانچ سال تک وہاں کام کیا اس کے بعد دہلی چلے گئے اور مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری سے منسلک ہوئے۔ ابتداء میں بحیثیت نائب صدر مدرّس کام شروع کیا بعد میں صدر مدرّس ہو گئے اور مدرسہ کا اہتمام و انصرام بھی اُن ہی کے ذمے تھا۔ قیام پاکستان تک دہلی میں رہے۔ موصوف "مدرسہ عالیہ" کے ساتھ ساتھ مدرسہ رحمانیہ میں بھی درس دیتے تھے۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں ان سے سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا۔ ان کے شاگردوں میں مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد جونا گڑھی اور مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی جیسے افراد شامل ہیں۔ مولانا مودودی نے ان سے تفسیر میں بیضاوی، حدیث میں ترمذی، فقہ میں ہدایہ اور معانی و بلاغت میں مطوّل پڑھی تھی۔

تقسیم ہند کے بعد مولانا شریف اللہ خان لاہور میں مقیم ہوئے۔ مولانا سیّد داؤد غزنوی نے "مدرسہ غزنویہ" کا احیاء لاہور میں کیا تو اس کے اوّلیں مدرّس مولانا موصوف تھے۔ مدرسۃ البنات میں بھی عربی پڑھاتے رہے۔ ۱۹۵۴ء/۴-۱۳۷۳ھ میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی بنیاد رکھی گئی تو جماعت اہل حدیث کے اصرار پر وہاں تشریف لے گئے۔ ۱۹۶۳ء کے آخر تک (۱۳۸۳ھ) وہیں رہے۔ فیصل آباد کے زمانۂ قیام میں اُن پر فالج کا حملہ ہوا اور کم و بیش دو سال کے لئے سلسلۂ درس و تدریس منقطع ہو گیا۔ صحت یاب ہونے پر دوبارہ لاہور میں تعلیم و تدریس شروع کی۔

لاہور میں جامعہ اشرفیہ، مدرسہ نصرۃ الحق اور جامعہ مدنیہ سے منسلک رہے۔ بروز جمعہ ۱۳ راگست ۱۹۷۹ء/ ۷ رشوال ۱۳۹۹ھ کو فوت ہوئے۔ دوسرے روز نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے۔

مولانا مرحوم کی پہلی اہلیہ کا انتقال دہلی کے زمانۂ قیام میں ہوا تھا۔ اُن سے ایک صاحبزادی زندہ ہیں۔ مولانا کی دوسری اہلیہ، علاّمہ محمد پردل خان کی صاحبزادی تھیں جن سے مولانا کے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حیات ہیں۔

مولانا مرحوم کی تالیفات میں بی۔ اے اور ایف۔ اے کے فارسی نصاب پر مختلف امدادی کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ عربی زبان میں اُن کا کلام بھی موجود ہے۔

شمس الدین وزیر آبادی

مولانا شمس الدین بن ملا محمد بن محمد مسلم بن عبد الغنی بن قاضی رحیم الدین قریشی اسعدی ۱۲۰۵ھ/ ۹۱-۱۷۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِ امجد قاضی رحیم الدین قریشی سلطان پُور نزد ننگرال (افغانستان) کے رہنے والے تھے۔ بلند پایہ عالم اور صاحبِ اثر و رسوخ تھے۔ علاقہ ننگرال میں اُن کا فتویٰ عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بہادر شاہ اوّل کے زمانے (۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۶ء — ۱۱۲۴ھ/ ۱۷۱۲ء) میں جلال آباد (افغانستان) کے قاضی مقرر کیے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جلال آباد سے غزنی اور وہاں سے پشاور منتقل ہو گئے آخر میں وزیر آباد کے عہدۂ قضا پر فائز ہوئے۔ وزیر آباد کے نزدیک ایک گاؤں مردیکے میں رہائش رکھتے تھے۔ وہیں زندگی کے آخری ایام بسر کیے۔

قاضی رحیم الدین کی رحلت کے بعد عہدۂ قضا اُن کے اخلاف میں چلا آتا رہا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ خاندان مردیکے سے پنجاب کے دوسرے دیہات میں پھیلتا چلا گیا۔ مولانا شمس الدین کے والدِ ماجد ملا محمد (م ۱۲۸۹ھ) صاحبِ علم اور دیندار شخص تھے۔ اچھے خطّاط بھی تھے۔ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھتے اور وقف کرتے رہتے تھے۔

مولانا شمس الدین نے علمی ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ اُن کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اُنہوں نے لاہور کے بلند پایہ معاصر علماء سے اکتسابِ فیض کیا۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا جان محمد لاہوری، خلیفہ غلام محمد لاہوری اور مولانا غلام محی الدین بگوی کے نام ملتے ہیں۔ علم ریاضی کی تحصیل اخوند علی احمد پشاوری سے کی[1]

[1] علمائے ساہوالہ (سیالکوٹ) کا ایک غیر مطبوعہ تذکرہ ص ۹-۱۰

مروّجہ علوم کی تحصیل کے بعد مولانا شمس الدین نے ملازمت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کی محفل سجائی۔ تشنگانِ علوم نے اُن کے خوانِ علم سے خوشہ چینی کی۔ موصوف کتاب دوست تھے اور اس شوق میں اُنہوں نے ایک عُمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ علم و وجاہت کے اعتبار سے بااثر افراد میں سے تھے۔ حکام وقت اُن کی عزت و احترام کرتے تھے۔

۸۸ سال کی عمر میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ / ۲۷ دسمبر ۱۸۷۶ء کو فوت ہوئے۔ مولانا غلام حسین ساکن ساہووالہ (ضلع سیالکوٹ) نے حسب ذیل مصرعۂ تاریخ کہا ؎

شمسِ دین زینت ارم پاک افروز

مولانا شمس الدین کے دو فرزند تھے:

۱۔ محمد شہسوار الدین احمد (م ۱۳۲۱ھ)

۲۔ محمد شہنواز الدین۔ انسپکٹر مدارس تھے۔ اُنہوں نے اپنے برادرِ بزرگ محمد شہسوار الدین احمد کے مرتبہ خاندانی شجرے میں اضافے کئے۔ جو بعد میں مولانا غلام حسین (ساکن ساہووالہ) نے "ثمرۂ شجرۂ طیبہ" کے تاریخی نام سے مدوّن کیا۔

۱۳۲۲ھ

شمس الدین علوی

مولانا شمس الدین علوی بہاولپور کے رہنے والے تھے۔ اُن کے جدامجد نواب محمد بہاول خان ثانی کا عہد (۱۱۸۶ھ-۱۲۲۴ھ) میں بہاول پور آئے تھے۔ اس خاندان کے افراد سابق ریاست بہاول پور کے منصب قضا پر فائز رہے تھے۔ مولانا شمس الدین اس خانوادۂ علماء کے گوہر شب چراغ تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور مختلف مناصب سے ترقی کرکے ریاست کے چیف جج بنے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی رح سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔ زہد و تقویٰ اور امانت و دیانت اُن کی زندگی کے نمایاں پہلو تھے۔ فرائضِ منصبی کی بجاآوری سے جو وقت بچتا تھا، مطالعہ کتب اور تصنیف و تالیف میں صرف کرتے تھے۔ فنِ طب سے دلچسپی تھی اور غریبوں کا مفت علاج کرتے تھے۔

۱۳۰۲ھ/ ۸۵-۱۸۸۴ء میں بہاولپور میں فوت ہوئے۔[۱] اُن کی حسبِ ذیل تالیفات ملتی ہیں:

۱۔ ترجمہ کتاب الاکسیر۔ مخزنِ سلیمانیہ

فنِ طب پر علامہ عبدالعزیز پرہاروی رح کی تالیف کا ترجمہ ہے۔

۲۔ مجرباتِ شمسیہ (غیر مطبوعہ)

۳۔ حاشیہ شرح وقایہ (")

۴۔ عقائدِ شمسیہ (")

---

[۱] اولیائے بہاول پور ص ۲۷۷-۲۷۸

۵۔ سراج العصمت،　　(غیر مطبوعہ)

۶۔ حالات اہل قبور　　(　〃　)

ریاست بہاول پور کی مشہور تاریخ "تاریخ مراد" (تالیف سید مراد شاہ) کی ترتیب و تہذیب میں اُنہوں نے مؤلف کا بھرپور تعاون کیا تھا۔

خواجہ شمس الدین سیالوی

خواجہ شمس الدین سیالوی بن میاں محمد یار ۱۲۱۴ھ/۱۸۰۰-۱۷۹۹ء میں سیال ضلع سرگودہا میں پیدا ہوئے۔ میاں محمد یار کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں حضرت شیر کرم علی قادری سے ملتا ہے جو اپنے وقت کے معروف بزرگ تھے۔ حضرت شیر کرم علی قادری کا مقبرہ نواح سیال میں موجود ہے۔ خواجہ شمس الدین پنجاب کے معروف کھوکھر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

خواجہ شمس الدین کے والدِ ماجد نے اُن کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ سات سال کی عمر میں حفظِ قرآن سے فارغ ہوئے اور حصولِ تعلیم کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اپنے ماموں میاں احمد الدین کے ہمراہ موضع مکھی ڈھوک تحصیل فتح جنگ گئے۔ وہاں کے مدرسہ میں چند ماہ رہ کر نام حق اور کریما پڑھا۔ یہاں سے مکھڈ تشریف لے گئے۔ مسلسل تیرہ سال مکھڈ میں زیرِ تعلیم رہے۔ مولانا محمد علی مکھڈی سے بطور خاص علمی و دینی استفادہ کیا۔ دو سال اجلاس ضلع اٹک میں فقہ حنفی کی تعلیم کے لئے مقیم رہے۔

دورانِ تعلیم میں خواجہ شمس الدین کو کابل جانے کا اتفاق ہوا۔ کابل کے ایک متبحر عالم حافظ دراز (م ۱۲۶۳ھ) کی خدمت میں رہ کر فقہ و حدیث کا درس لیا۔ اُن سے ہدایہ پڑھا اور سند حاصل کی۔

مولانا محمد علی مکھڈی تلاشِ مرشد میں خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہ شمس الدین اُن کے ہمراہ تھے۔ خواجہ شمس الدین کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے دونوں حضرات کو بیعت کر لیا اور کچھ عرصہ

تونسہ میں رہ کر استاد و شاگرد واپس مکھڈ آ گئے۔

مولانا محمد علی مکھڈی کی اولاد نہ تھی۔ خواجہ شمس الدین کو اپنی اولاد کی طرح رکھتے تھے۔ اور اُن کی علمی ترقی کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد علی نے اپنی زندگی میں اُنہیں اپنا جانشین بنا دیا تھا۔

۳۴ سال کی عمر میں خواجہ شمس الدین وطن واپس آئے تو اُن کا نکاح، اُن کے چچا میاں احمد یار کی دُختر سے ہوا اور مستقل طور پر "سیال" میں رہنے لگے۔ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد میں اُن کا وقت گزرتا تھا۔ دو سال بعد یعنی ۳۶ سال کی عمر میں خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ سیال میں اُنہوں نے اعلیٰ پائے پر خانقاہی نظام قائم کیا اور علاقے میں سلسلۂ چشتیہ کی خوب اشاعت کی۔

خواجہ شمس الدین ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ / یکم جنوری ۱۸۸۲ء کو وطن مالوف میں فوت ہوئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ع

دریغا، صد دریغا، صد دریغا
کہ شمس الدین امام العارفین رفت
ہزار افسوس کیں مہرِ جہان تاب
بہ اوجِ عرش از فرشِ زمین رفت
چو سرور جُست تاریخش ز ہاتف
بگفتا "شمسِ اوجِ علم و دین رفت"[۱]

۱۳۰۰ھ

خواجہ شمس الدین کے تین فرزند تھے۔

---

[۱] تاریخ مشائخِ چشت ص ۷۰۵

۱۔ خواجہ محمد الدین سیالوی (جانشین)

۲۔ خواجہ فضل الدین

۳۔ خواجہ شجاع الدین

خواجہ شمس الدین کے ۳۵ خلفاء کے نام پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھے ہیں[۱]۔ چند معروف ترین خلفاء یہ ہیں:

۱۔ خواجہ محمد الدین (فرزند و جانشین)

۲۔ پیر غلام حیدر علی شاہ جلالپوری

۳۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی

۴۔ مولانا معظم الدین مرولوی

۵۔ مولانا محمد امین چکوڑوی

خواجہ شمس الدین سیالوی سے کوئی کتاب یادگار نہیں ہے۔ البتہ اُن کے ملفوظات سید محمد سعید نے "مراۃ العاشقین" کے نام سے مرتب کئے تھے جن میں اُن کے افکار و نظریات کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت ص ۷۰۶-۷۰۷

صابرالدین چکوالی (وہابی نجدی دیوبندی)

مولانا صابرالدین بن مولانا برہان الدین چکوال کے علمائے حنفیہ میں سے تھے۔
۱۲۸۸ھ/۲/۷-۱۸۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور اپنے والدِ مکرم سے ابتدائی نوشت و خواند سیکھی۔ بعد میں مولانا غلام محمد چکوالی اور بعض دوسرے علمائے وقت سے علومِ مروّجہ کی تحصیل کی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) سے حدیث، پڑھنے کے لئے گنگوہ حاضر ہوئے اور اُن سے استفادہ کیا۔

مولانا صابرالدین حصولِ تعلیم سے فارغ ہوکر علمی و دینی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ بااخلاق، صالح اور مخیّر بزرگ تھے۔

۸ ر رجب ۱۳۳۴ھ / ۱۱ رمئی ۱۹۱۶ء کو دارِ فانی سے سفرِ آخرت اختیار کیا۔[1]

---

[1] نزہت الخواطر ج ۸، ص ۱۸۶-۱۸۷

صدرالدین چکوالی

مولانا صدرالدین (معروف بہ نورالدین) شیخ گڈھوک قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ موصوف میاں نیک محمد نقشبندی مدفون بمقام ڈھڈی تحصیل پنڈدادن خان کے بھانجے تھے۔ مولانا صدرالدین اندازاً ۱۲۴۸ھ/۳۳-۱۸۳۲ء میں موضع کھوکھر تحصیل چکوال میں پیدا ہوئے۔ اُن کے زمانہ تعلیم کے بارے میں کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔

سکھوں کے دورِ اقتدار میں ضلع اٹک میں خزانچی کے عہدے پر فائز تھے۔ انگریزوں کے زمانہ حکومت میں ملتان میں مقیم رہے اور فارسی زبان و ادب کی تدریس کرتے تھے۔ ۱۳۲۲ھ/۲۳-۱۹۰۵ء میں فوت ہوئے۔

مولانا صدرالدین فارسی زبان کے بلند پایہ ادیب اور فارسی و پنجابی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ موصوف سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ گلدستہ تاریخ گڈھوک (فارسی۔ غیر مطبوعہ)

۲۔ سوانح عمری میاں نیک محمد نقشبندی (فارسی۔ غیر مطبوعہ)

۳۔ کلام بزبانِ فارسی۔ جس میں ایک مثنوی اور میاں نیک محمد نقشبندی کی مدح میں چند قصائد شامل ہیں[۱]

---

[۱] دھنی ثقافت و ادب ص ۱۲۸-۱۲۹

خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی

خواجہ محمد ضیاء الدین بن خواجہ محمد الدین بن خواجہ شمس الدین سیالوی ۱۳۰۴ھ/۸۷-۱۸۸۶ء میں آبائی وطن سیال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے "منظورِ حق" اُن کا تاریخی نام ہے۔
۱۳۰۴ھ

خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی نے قرآن مجید حفظ کیا اور اساتذۂ وقت سے علومِ مروّجہ کی تحصیل کی۔ اپنے والد بزرگوار خواجہ محمد الدین کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ سلیمانیہ میں بیعت کی اور خرقۂ خلافت حافظ محمد موسیٰ تونسوی (م ۱۳۲۳ھ) نے عطا کیا۔ اپنے والدِ ماجد کے وصال پر اُن کے جانشین ہوئے۔

خواجہ محمد ضیاء الدین مطالعہ کے بے پناہ شائق تھے۔ تقابلِ ادیان اُن کے موضوعاتِ مطالعہ میں سے تھا۔ بائبل پر گہری نظر رکھتے تھے۔ دار العلوم ضیاء شمس الاسلام نے اُن کی نگرانی میں کافی ترقی کی۔ اُنہوں نے پنجاب اور بیرونِ پنجاب کے قابل اور معروف اساتذہ کی خدمات حاصل کیں۔ دار العلوم کے کتب خانے میں قیمتی اور نادر و نایاب کتابوں کا اضافہ کیا۔

خواجہ صاحب نے علمی اور تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ تحریکِ حریت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدم تعاون میں خود عملی حصّہ لیا اور اپنے ارادتمندوں کو ان تحریکوں میں حصّہ لینے کی تلقین کی۔ اس زمانے میں خواجہ صاحب نے اپنے اُن ارادت مندوں کے نذرانے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جو حکومتِ برطانیہ کی ملازمت میں تھے۔ سون سکیسر کے پہاڑی علاقے میں حکومتِ برطانیہ نے اُن فوجیوں کی یاد میں ایک تختی نصب کی تھی جنہوں نے پہلی عالمی جنگ میں اپنے ہم مذہب بھائیوں

پر چند ٹکوں کے عوض گولیاں چلائی تھیں۔ خواجہ صاحب نے وہ پتھر اکھاڑ پھینکا۔ اُنہوں نے فرمایا تھا کہ:

"ہم اُن بد بختوں کے نام دیکھنا نہیں چاہتے جنہوں نے عربوں پر گولیاں چلائی تھیں"[1]

خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی ۱۳ محرم ۱۳۴۸ھ/۲۱ جون ۱۹۲۹ء کو فوت ہوئے اور سیال میں اپنے جدِّ امجد خواجہ شمس الدین تونسوی کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

خواجہ صاحب کی علمی یادگاروں میں ایک رسالہ "معیار المسیح المعروف ضیاء الشمس" ہے۔ مرحوم بلند شعری ذوق رکھتے تھے اور گاہے گاہے خود بھی اُردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔

خواجہ مرحوم کے چار فرزند ہیں:

۱۔ خواجہ قمر الدین سیالوی (جانشین) ۲۔ صاحبزادہ بدر الدین

۳۔ صاحبزادہ فخر الدین ۴۔ صاحبزادہ فرید الدین

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۵۲ م ۲۴۴

مولانا سید ضیاالدین سلطانپوری

مولانا سید ضیاء الدین بن سید حمید شاہ بن سپارت شاہ بن نور علی شاہ موضع سلطانپور ضلع اٹک میں ۱۳۱۲ھ / ۹۵-۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان میں علمی روایت چلی آ رہی تھی۔ ان کے خاندانی ذخیرۂ کتب میں سید سپارت شاہ کے کتابت کردہ خطی نسخے موجود ہیں[1]۔ زبانی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا خاندان تقویٰ و تورع میں معروف رہا ہے۔

مولانا سید ضیاء الدین نے ابتدائی تعلیم مولانا احمد دین (ساکن بھوٹی گاڑ ضلع اٹک) سے حاصل کی۔ صرف و نحو کی تحصیل موضع شاہراں (ضلع اٹک) میں کی۔ اس زمانے میں یہ گاؤں صرف و نحو کی تعلیم کا ایک بڑا مرکز تھا۔ افسوس ہے کہ اس مرکز کی "شمع علم" کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے جس کے گرد طالب علم پروانہ وار جمع ہوتے تھے۔

صرف و نحو میں مہارت پیدا کرنے کے بعد مولانا مشتاق حسین کانپوری کی خدمت میں اجمیر حاضر ہوئے اور استفادہ کیا۔ دورۂ حدیث کی تکمیل جامعہ امینیہ دہلی سے کی۔

فارغ التحصیل ہو کر وطن مالوف آ گئے اور ۱۳۳۶ھ / ۱۸-۱۹۱۷ء میں مدرسہ حمیدیہ کی بنیاد رکھی۔ وفات سے دو تین سال پہلے تک مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے فقہ، اصولِ فقہ اور میراث کے فنون میں بطورِ خاص درک رکھتے تھے۔ علاقے میں ان کا فتویٰ تسلیم کیا جاتا تھا۔ ۱۷، جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ / ۱۸، جولائی ۱۹۷۳ء کو فوت ہوئے اور سلطان پور میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

---

[1] فکر و نظر (اسلام آباد) بابت اکتوبر ۱۹۷۰ء ص ۱۷-۲۲-۳۲

مولانا سید ضیاء الدین حلیم الطبع اور متواضع شخصیت کے حامل تھے۔ تدریس کے ساتھ اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کرتے اور اکلِ حلال کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ مرحوم پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مخلص مریدوں میں سے تھے۔ مولانا مرحوم کے صاحبزادے علمی و دینی خدمات میں مصروف ہیں۔

قاضی ظفر الدین لاہوری

قاضی ظفر الدین بن امام الدین لاہوری ۱۲۷۵ھ/۵۹-۱۸۵۸ء میں موضع کورٹ قاضی ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اساتذۂ گرامی میں حسبِ ذیل نام ملتے ہیں:

۱۔ مفتی علاء الدین محمد (شاگرد سید نذیر حسین دہلویؒ)
۲۔ ابو احمد مراد علی (شاگرد مولانا فضلِ حق خیر آبادی)
۳۔ مولانا عبداللہ (شاگرد مفتی سعد اللہ مراد آبادی)
۴۔ مولانا محمد الدین (شاگرد مفتی لطف اللہ علی گڑھی)
۵۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری
۶۔ مولانا غلام قادر بھیروی

قاضی صاحب فارغ التحصیل ہوئے تو اکتوبر ۱۸۸۱ء/۱۲۹۸ھ میں اورینٹل کالج لاہور میں بحیثیت مدرس دوم (شعبہ عربی) ملازم ہوئے۔ ۱۹۰۵ء/۲۳-۱۳۲۲ھ میں سبکدوش ہوئے۔[1]

قاضی صاحب نے ایک عربی مجلہ "نسیم الصبا" جاری کیا تھا۔ عربی میں شعر بھی کہتے تھے۔ اُن کی اہم تصنیفات یہ ہیں:[2]

۱۔ الباکورۃ الشہیہ فی شرح الفیہ
۲۔ نیل المرام فی اصول الاحکام

---

[1] تاریخ اورینٹل کالج ص ۲۱۱

[2] نزہت الخواطر جلد ۸ ص ۲۰۴

۳۔ نیل الارب من مصادر العرب
۴۔ سلک الجواہر
۵۔ العلق النفیس
۶۔ سبیل النجاۃ

ظہور احمد بگوی

مولانا ظہور احمد بگوی بن مولانا عبدالعزیز مشہور خاندانِ بگہ کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۱۹۰۱ء/ ۱۹-۱۳۱۸ھ میں رونق افزائے عالم ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائیوں مولانا محمد ذاکر بگوی اور مولانا محمد یحییٰ بگوی سے حاصل کی۔ ۱۹۱۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور مزید تعلیم کے لیے ایجرٹن کالج بہاول پور اور اسلامیہ کالج لاہور میں یکے بعد دیگرے داخل ہوئے۔ خلافت اور ترکِ موالات کی تحریکیں اپنے شباب پر تھیں۔ وہ بھی تعلیم ترک کر کے ان تحریکوں میں شامل ہو گئے۔ خلافت کمیٹی شاہ پور کے روحِ رواں بن گئے۔ آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقدہ دہلی (۱۹۲۶ء) میں بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے۔ دورانِ تحریک میں گرفتار ہوئے اور جیل گئے۔ جیل میں انہیں مولانا غلام معین الدین اجمیری (م ۱۳۵۹ھ) اور مولانا محمد حسن سے علمی و دینی استفادہ کا موقع ملا۔

تحریکِ خلافت سے ہوتے ہوئے انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے مگر جلد ہی کانگریس کی پالیسیوں سے دل برداشتہ ہو گئے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے مسلمانوں کی خدمت کی۔ بھیرہ مسلم لیگ کے صدر رہے۔ آخری ایام میں ضلعی مسلم لیگ کے نائب صدر اور پنجاب کی صوبائی مجلسِ عاملہ کے رُکن تھے۔

اُنہوں نے اپنے خاندان کی درسگاہ کو ترقی دی اور اسے "مدرسہ عزیزیہ" کے نام سے موسوم کیا۔ ۱۹۲۹ء میں "مرکزی مجلس حزب الانصار" کی بنیاد رکھی اور مجلس کی ترقی و توسیع میں سرگرم رہے۔ جناب عنایت اللہ خان المشرقی (م ۱۳۸۳ھ) کی خاکسار تحریک کے بالمقابل ایک نیم عسکری تنظیم "ادارہ عالیہ محمدیہ عسکریہ" قائم کی۔ مجلس حزب الانصار کا آرگن پندرہ روزہ "شمس الاسلام" جاری کیا جو تا حال شائع ہو رہا ہے۔

مولانا ظہور احمد بلند پایہ خطیب تھے۔ مسلکِ اہلِ سنّت کے پُرزور داعی تھے اور

مخالفینِ مسلک کے بارے میں "شمس الاسلام" میں لکھتے رہتے تھے۔ اہل سنّت کے باہمی اختلاف میں رواداراور معتدل تھے۔

مارچ ۱۹۴۵ء/ ۱۳۶۴ھ میں کل ہند تنظیم اہل سنّت کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ واپسی پر راولپنڈی، محمدی شریف (جھنگ) اور چنیوٹ میں خطاب کیا۔ چنیوٹ میں بیمار ہوئے اور بھیرہ آتے ہوئے راستے میں فوت ہوئے۔ خانقاہ بگویہ بھیرہ میں دفنائے گئے۔

مولانا لاولد تھے اس لئے ان کے بھتیجے مولانا افتخار احمد بگوی مرحوم جانشین ہوئے۔ مولانا مرحوم کی علمی و تصنیفی خدمات میں پندرہ روزہ "شمس الاسلام" کے کئی ایک مضامین ہیں جو تاحال یکجا نہیں ہو سکے۔

پیر سید ظہور شاہ جلالپوری

پیر سید ظہور شاہ جلالپوری بن مولانا پیر سید محمد شاہ قادری جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں ۱۳۰۶ھ / ۸۹-۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباؤ اجداد کشمیر سے ترکِ سکونت کر کے جلالپور جٹاں میں آباد ہوئے تھے۔

سنِ شعور کو پہنچے تو قرآنِ مجید اور ابتدائی درسیات حافظ نورالدین سے پڑھیں۔ برادرِ محترم سید اعظم شاہ سے بھی علمی استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ پشاور اور بریلی میں مقیم رہ کر علومِ مروّجہ کی تکمیل کی۔

اپنے والد بزرگوار سے قادری سلسلے میں مجازِ بیعت تھے تاہم میاں شیر محمد شرقپوریؒ سے ارادت مندانہ تعلقات رکھتے تھے۔ پیر صاحب کو اللہ تعالےٰ نے خوش الحانی اور حسنِ سیرت و صورت سے وافر حصہ دیا تھا۔ جہلم، گجرات اور سرگودہا کے اضلاع میں انہوں نے کافی تبلیغی کام کیا۔ تشیع اور بدعات کی سختی سے تردید کرتے۔ ایک شکایت پر کہ وہ اہلِ تشیع کو گالیاں دیتے ہیں گرفتار ہوئے۔ تین ماہ مقدمہ چلتا رہا اور باعزت طور پر بری ہو گئے۔

پیر صاحب کامیاب مقرر ہی نہیں تھے۔ خوش گو شاعر اور اچھے قلم کار بھی تھے۔ انہوں نے مرزائیت اور رفض و بدعت کے خلاف تصنیف و تالیف کی ہے۔ مندرجہ ذیل تصنیفات معلوم ہو سکی ہیں:[۱]

۱۔ ظہورِ صداقت (ردِ مرزائیت)
۲۔ قہر یزدانی بر سرِ دجّال قادیانی
۳۔ نورِ ہدایت
۴۔ سیفِ مرید بر فرقہ یزید

---

[۱] تذکرہ اکابرِ اہلِ سنت ص ۲۰۰

۵۔ ظہور ہدایت
۶۔ شمشیر پیر بر گردن شریر
۷۔ وظائفِ حضوری
۸۔ چرخۂ ظہوری
۹۔ خطباتِ ظہوری
۱۰۔ صمصام حنفیہ
۱۱۔ سیف خادمین علی رؤس الفاسقین
۱۲۔ مرغوب اولو العظمین المعروف بہ محبوب العاشقین
۱۳۔ ظہورِ کرامت

پیر صاحب ۲۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ/ ۸ فروری ۱۹۵۳ء کو فوت ہوئے۔ مزار منارہ ضلع جہلم میں ہے۔

پیر صاحب مرحوم کی اولاد میں چار صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ سیّد قمر الزمان شاہ
۲۔ سیّد فخر الزمان شاہ فاضل دار العلوم حزب الاحناف لاہور۔ پیر مرحوم کے سجادہ نشین ہیں۔
۳۔ سیّد محبوب الزمان شاہ
۴۔ سیّد عادل مسعود شاہ

عارف اللہ شاہ قادری

مولانا عارف اللہ شاہ قادری بن مولانا محمد حبیب اللہ قادری بن محمد عظیم اللہ ۱۴ شوال ۱۳۲۷ھ / ۲۹ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو میرٹھ کے ایک علمی اور دینی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں کئی پشتوں سے خطابت، وعظ و تذکیر اور افتاء نویسی کی روایت چلی آرہی تھی۔

مولانا محمد حبیب اللہ قادری، بلند نظر عالم اور صوفی تھے۔[1] مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے خلفاء میں اُن کا نام بہت نمایاں ہے۔ ۱۳۶۷ھ / ۸، ۴۷ ۱۹ء میں فوت ہوئے تھے۔

مولانا عارف اللہ شاہ قادری نے علومِ دینیہ کی تحصیل میرٹھ میں مدرسہ قومیہ عربیہ، مدرسہ امداد الاسلام اور مدرسہ اسلامیہ عربیہ میں کی۔ ۲۵ نومبر ۱۹۳۲ء / ۷ شعبان ۱۳۵۲ھ کو اُنھوں نے دستارِ فضیلت حاصل کی۔ اس کے بعد عربی، فارسی اور انگریزی کے امتحانات الٰہ آباد یونیورسٹی سے پاس کیے۔

مولانا عارف اللہ شاہ فارغ التحصیل ہوئے تو اپنے والد محترم کے ایماء پر جامع مسجد خیر المساجد میرٹھ میں خطبہ جمعہ و عیدین دینے لگے اور غیر مسلموں کی اصلاح و تبلیغ کے لئے ملک کے دورے کرنے لگے۔ موصوف صوفی صافی تھے۔ اپنے سلسلۂ تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میرا سلسلۂ طریقت پاک و ہند کے مشہور بزرگ شیخ المشائخ سیّدنا و

---

[1] حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ اذکار حبیبِ رضا

مولانا الحاج الشاہ سیّد علی حسین صاحب گیلانی قدس سرہٗ (کچھوچھہ شریف) سے نہ صرف وابستہ رہے (۲۰ ربیع الاوّل شریف ۱۳۵۱ھ کو شرفِ بیعت حاصل ہوا) بلکہ تاجِ خلافت و خرقۂ اجازت بھی عطا فرمایا گیا لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ الکریم سے حُسنِ عقیدت و محبت اور سلسلۂ عالیہ رضویہ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہونے کے لئے ۲۰ جون ۱۹۴۳ء کو حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا اور حضرت صاحب نے تمام اوراد و معمولات کی اجازت کے ساتھ تبرکات بھی مرحمت فرمائے۔[1]

مولانا قادری نے تحریکِ پاکستان میں ایک فعال کارکُن کی حیثیت سے حصہ لیا۔ موصوف مسلم لیگ کے اجلاسوں میں شرکت کرتے تھے۔ مسلم پولیٹیکل کانفرنس میرٹھ (منعقدہ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء و یکم ۲ جنوری ۱۹۴۶ء) کی مجلسِ استقبالیہ کے صدر تھے۔ انہوں نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں مسلمانوں کی جدّو جہد آزادی پر روشنی ڈالی۔ آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس میں بھی شریک ہوئے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۵۰ء/۷۰-۱۳۶۹ھ میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے ابتداءً بس کراچی میں مقیم ہوئے وہاں سے خوشاب چلے آئے مگر راولپنڈی کو اُن کا گھر بننا تھا چنانچہ یہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ راولپنڈی کی مرکزی جامع مسجد کے منصبِ خطابت پر فائز ہوئے اور ۲۴ اگست ۱۹۵۱ء/۱۹ صفر ۱۳۷۱ھ تک اس منصب کی ذمہ داریاں پوری کیں۔ اس کے بعد جامع مسجد واہ کینٹ میں فرائضِ خطابت انجام دیئے۔ اندرونِ ملک اسلامی نظام کے قیام کے لئے جدّو جہد کی اور بیرونِ ملک فرائضِ تبلیغ انجام دیئے۔

---

[1] اذکارِ حبیبِ رضا ص ۱۹

راولپنڈی میں ایک دینی درس گاہ "احسن المدارس" قائم کی جو دینی خدمت کر رہی ہے۔
اُن کے زیرِ ادارت ماہنامہ "سالک" (راولپنڈی) مارچ ۱۹۵۳ء/ ۱۳۷۲ھ میں جاری ہوا اور بارہ سال باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

مولانا عارف اللہ شاہ قادری جمعیت علمائے پاکستان کے نمایاں راہنماؤں میں سے تھے۔ ۲۸ فروری ۱۹۷۹ء/ ۳۰ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ کو راولپنڈی میں فوت ہوئے۔

✿✿✿✿✿

قاضی عبدالاحد خانپوری (وھابی نجدی اھل حدیث)

قاضی عبدالاحد بن قاضی محمد حسن خانپوری ۱۴؍ جمادی الاخری ۱۲۶۸ھ/ ۷؍ اپریل ۱۸۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ درسِ نظامی کی ابتدائی کتب اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں۔ بعد میں سید عبداللہ غزنوی سے امرتسر میں استفادہ کیا اور سندِ حدیث مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے حاصل کی۔ فنِ طب حکیم نور الدین بھیروی ثم قادیانی سے پڑھا۔ ان دنوں میں حکیم صاحب مہاراجہ جموں کے ہاں مقیم تھے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو کچھ عرصہ آبائی گاؤں خانپور ضلع ایبٹ آباد میں مصروفِ تدریس رہے۔ محمد ایوب شاہ افغانستان کے شاہی طبیب رہے اور اُن کے ساتھ نظر بند ہو کر راولپنڈی آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد نظر بندی ختم ہو گئی اور انہوں نے جامعہ اہل حدیث کے ایک حجرے میں مطب کھولا اور معرکہ آرا معالجات کے ساتھ علمی کمالات کی دھاک بٹھائی۔[۱] مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے اختلاف تھا اور دونوں طرف سے مناظرانہ رسائل اور کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ تفسیر و حدیث پر گہری نظر تھی۔

۱۹۲۶ء میں حج کی سعادت حاصل کی، واپسی پر ۱۵؍ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ/ ۱۴؍ دسمبر ۱۹۲۸ء کو راولپنڈی میں فوت ہوئے اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ ان کے چھوٹے بھائی قاضی یوسف حسین صابر نے قطعہ تاریخِ وفات کہا ہے:

سنو صابر یہ کیا نغمے ہیں غمی میں!
عنادل چہچہاتی شاخِ گل میں
لگی ہے بھیڑ کیا جنت کے پل میں
ہوا شور و فغاں بانگِ دہل میں

۱؎ راولپنڈی ص ۶۳

کہا سالِ وصل بحر اللہ ، بولو
گیا عبدالاحد باغ و نزل میں

۱۳۴۷ھ

روایت ہے کہ جب اُن کی رحلت کی خبر گولڑہ شریف پہنچی تو اس وقت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب، چائے پی رہے تھے، پیالی ہاتھ سے رکھ دی۔ آنکھ بھر آئی، کسی معتقد نے کہہ دیا، اچھا ہوا ہمارا مخالف چل بسا۔ پیر صاحب نے اُسے جھڑکا اور فرمایا:

"مقام گریہ ہے علم کا وہ آفتاب آج غروب ہوا ہے جس کی جگہ لینے والا مشکل ہی سے پیدا ہوگا"[۱]

قاضی صاحب مرحوم سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:[۲]

۱۔ البیان والاشاعۃ

۲۔ اقامۃ البرہان علی بطلان التبیان

۳۔ ازالۃ اللبس والاشتباہ عن حقیقت پیر مہر شاہ

۴۔ صمصام الموحدین

۵۔ التحقیقات الحقہ

۶۔ استفسار مسائل عشرہ

۷۔ سوط اللہ العزیز الحکیم الباری علی متن حافظ عبدالکریم اللاری

۸۔ صرصر العاتیہ علی عباد الجبت والطاغیہ

۹۔ السیف المسلول فی نحر شاتم الرسول

---

[۱] راول دیس، ص ۶۳

[۲] ماہنامہ "محدث"، (لاہور) بابت محرم ۱۳۹۷ھ

۱۰۔ اظہار مخادعۃ مسیلمہ قادیانی

۱۱۔ اغاثۃ الملہوف المسجون فی مصائد القادیانی المجنون

۱۲۔ سنان الموحدین لدرء مطاعن الملحدین

۱۳۔ انتصار الصدیق من ملحد الزندیق

۱۴۔ النقض المتین علی کلام المبین

۱۵۔ القول الفاضل الفارق بین الکاذب فی دعویٰ اہل الحدیث والصادق

۱۶۔ کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ

۱۷۔ الفضیلۃ الحجازیۃ السلطانیہ

۱۸۔ الفرس المصطفویہ علی رؤس الجھوہرویہ (غیر مطبوعہ)

عبدالتواب ملتانی (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا ابوتراب، عبدالتواب بن مولانا قمرالدین بن بدرالدین ۱۴ ر جمادی الاخری ۱۲۸۸ھ/ ۳۱ر اگست ۱۸۷۱ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدِ ماجد مولانا قمرالدین مسلکِ اہل حدیث پر عامل تھے۔ مولانا قمرالدین نے اپنے صاحبزادوں۔ عبدالغفار، عبدالبر اور عبدالتواب۔ کو مولانا سیّد نذیر حسین محدّث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) سے اکتسابِ علم کے لئے دہلی بھیجا تھا۔ مولانا عبدالتواب۔ نے محدّث دہلویؒ سے اکتسابِ فیض کیا اور دینی خدمات میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں۔

مولانا عبدالتواب خلوت پسند، کم گو اور سادہ مزاج بزرگ تھے۔ اُنہوں نے "مکتبہ السلفیہ" کے نام سے قدیر آباد ملتان میں ایک مکتبہ قائم کیا اور نادر و نایاب کتب طبع کر کے دین کی بیش بہا خدمت انجام دی۔ اُنہوں نے ان کتابوں پر مفید تعلیقات و حواشی کا اہتمام بھی کیا۔ اُن کی شائع کردہ بعض کتابیں یہ ہیں:

۱۔ تفسیر سورہ نصر۔ ابن رجب بغدادی (م ۷۹۵ھ)

۲۔ حاشیہ صحیح مسلم۔ سندھی

۳۔ مختصر قیام اللیل۔ مروزی

۴۔ تحفۃ الودود۔ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ)

۵۔ المسارعہ الی المصارعہ۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

۶۔ کتاب القبل والمعانقہ۔ ابن الاعرابی

۷۔ مسند عمر بن عبدالعزیز

۸۔ القول المحمود۔ تاج الدین سبکی (م ۷۷۱ھ)

۹۔ المختصر النافع فی اصول الحدیث۔ جرجانی

۱۰۔ شرح الصدور ۔ امام شوکانی

۱۱۔ رفع الریبہ عن الغیبہ

۱۲۔ رفع الملام عن آئمۃ الاعلام ۔ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ)

۱۳۔ کتاب الیقین ۔ ابوبکر بن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ)

۱۴۔ غایۃ النفع فی شرح تمثیل المومن نجامۃ الزرع ۔ ابن رجب (م ۷۹۵ھ)

۱۵۔ مصنّف ابوبکر بن ابی شیبہ (اجزار۔ اوّل ،ثانی، رابع)

۱۶۔ فضائل ابی بکر الصدیق ۔ ابوطالب فشاری

۱۷۔ المعام المنعم الباری شرح ثلاثیات البخاری

مولانا عبدالتواب ملتانی کا مکتبہ اہلِ شوق کا ایک اہم مرکز تھا۔ طلبہ اُن سے استفادہ کے لئے یہیں حاضر ہوتے تھے اور وہ خندہ پیشانی سے درسِ حدیث دیتے تھے۔

مولانا عبدالتواب اشاعتی اور علمی سرگرمیوں میں مصروف ۹ رجب ۱۳۶۶ھ/۲۹ مئی ۱۹۴۷ء کو فوت ہوئے اور ملتان میں دفنائے گئے۔

عبدالجبّار (وہابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالجبّار بن مولانا محمد شاکر ۲۵ مارچ ۱۸۹۳ء/ رمضان ۱۳۱۰ھ کو موضع ڈربی سرسہ ضلع حصار کے ایک راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد مولانا محمد شاکر علمائے دیوبند کے عقیدت مند اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے۔

مولانا عبدالجبار نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی موصوف والدین کے اکلوتے فرزند تھے اس لیے ناز و نعم میں پلے اور ان کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی۔ ابتدائی نوشت و خواند کے بعد مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں میں داخل ہوئے اور مولانا فقیر اللہ رائے پوری سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد مدرسہ عبدالرب دہلی میں رہ کر سندِ فراغت حاصل کی۔

مولانا عبدالجبار نے شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنی پوری توجہ تعلیم و تبلیغ پر مرکوز کر دی۔ انہوں نے مستقل رہائش ابوہر منڈی ضلع فیروز پور میں اختیار کر لی۔ ایک عظیم الشان مسجد اور دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ مولانا محمود حسنؒ نے اپنی بیماری کے دوران میں اُنہیں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے مولانا تھانویؒ کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی اور خلافت کے اعزاز سے بہرہ مند ہوئے۔

مولانا عبدالجبار، مولانا تھانویؒ کے معتمد علیہ افراد میں سے تھے۔ جن دنوں خاکسار تحریک کے بانی جناب عنایت اللہ المشرقی نے انکارِ حدیث اور علماء کے استخفاف کی تحریک چلا رکھی تھی۔ مولانا عبدالجبار نے ان کے طرزِ عمل پر سخت نکتہ چینی کی۔ اس مقصد کے لیے جگہ جگہ گئے اور اپنی تقریروں میں جناب المشرقی کی غلط روی سے عوام کو آگاہ کیا۔

مولانا تھانویؒ نے مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ (۱۹۳۸ء) میں شرکت کے لیے جو وفد ترتیب دیا تھا اس میں مولانا عبدالجبار بھی شامل تھے۔ اُنہوں نے مولانا تھانویؒ کے حسبِ حکم دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تبلیغ میں بھی کام کیا تھا۔ اُن کے وعظ پُر تاثیر اور دعوت

عمل سے لبریز ہوتے تھے۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں عموماً وعظ کہتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد ہارون آباد میں رہائش اختیار کی اور یہاں مدرسہ اشرف المدارس کی تجدید کی، دینی اور تبلیغی کاموں میں مصروف تھے کہ ۱۶/اپریل ۱۹۵۱ء/۹ رجب ۱۳۷۰ھ کو پیغام اجل آگیا۔

حکیم عبدالحق پوٹھوی

مولانا حکیم عبدالحق بن مولانا خیر محمد ۱۸۶۶ء/۸۳-۱۲۸۲ھ میں پوٹھہ تحصیل مری ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ مولانا خیر محمد صوفی منش عالم دین تھے۔ مولانا عبدالحق ابتدائی تعلیم حاصل کر کے دہلی چلے گئے۔ مدرسہ امینیہ دہلی میں زیرِ تعلیم رہے۔ فن طب کی تحصیل حاذق الملک حکیم عبدالحمید خان کے مدرسہ میں کی۔ ذہین اور محنتی طالب علم تھے۔ جماعت میں اوّل آنے پر ہز ہائی نس والئی ٹونک نے اُنہیں سُنہری تمغہ عطا کیا تھا۔ حکیم اجمل خان مرحوم نے اُنہیں طبیہ کالج دہلی کی طرف سے خصوصی سند دی تھی۔

مولانا عبدالحق جادو بیان مقرر تھے۔ مری میں فرائضِ خطابت انجام دیتے تھے۔ اُنہوں نے علم و فن کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ تجارت سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے تھے۔ ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۶ء/۱۳۱۰ھ تا ۱۳۳۴ھ ضلع راولپنڈی کے سرکاری طبیب رہے تھے۔ "شمس العلماء" کے خطاب سے سرفراز کئے گئے تھے۔

جنوری ۱۹۲۳ء/ ۱۳۴۱ھ میں قلیل عرصہ بیمار رہ کر فوت ہوئے۔ مرحوم کی اولاد میں چھ صاحبزادے ہیں:

۱۔ حکیم عبدالخالق
۲۔ حکیم شرف الحق مالک نیو دہلی دواخانہ۔ راولپنڈی
۳۔ مولوی سراج الحق ایڈوکیٹ
۴۔ حکیم ضیاء الحق
۵۔ جناب کرم الحق (ارمان قریشی)

سیّد عبدالحق شاہ ہمدانی

سیّد عبدالحق بن سیّد ولایت شاہ، ہمدانی خانوادۂ سادات کے فرد تھے۔ ۱۲۷۱ھ/ ۵۵-۱۸۵۴ء میں اپنے ننھیال کھیم کرن میں پیدا ہوئے۔ صاحبزادہ عبدالرسول قصوری نے اُن کی رسمِ بسم اللہ ادا کی۔ سیّد قمرالدین شاہ ہمدانی سے قرآن مجید پڑھا۔ اپنے والد اور دادا سے درسِ نظامی کی بعض کتابیں پڑھیں۔ رمضان ۱۳۰۸ھ/ ۹۱-۱۸۹۰ء میں مولانا غلام دستگیر قصوری سے سندِ اجازت حاصل کی۔ کچھ عرصہ اورنٹیل کالج لاہور میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔

فارغ التحصیل ہو کر قصور میں تدریس کا شغل شروع کیا مگر قصور کے نامساعد خاندانی حالات کے پیشِ نظر خیرپور ٹامیوالی منتقل ہو گئے اور ایک پرائمری سکول کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ فرائض منصبی کے ساتھ وعظ و تبلیغ میں مصروف رہتے تھے۔

اچھا شعری ذوق رکھتے تھے۔ اُردو، فارسی اور عربی میں خود بھی شعر کہتے تھے۔ ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے سندِ حدیث حاصل کی۔

سلسلۂ قادریہ میں اپنے دادا سیّد چراغ شاہ سے بیعت تھے۔ بیعت ثانی پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے حاصل تھی۔ تپ محرقہ میں مبتلا ہو کر ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ/ ۲ نومبر ۱۹۳۹ء کو قصور میں فوت ہوئے۔ دوسرے روز دفنائے گئے۔[۱]

---

[۱] ہم اور ہمارے اسلاف ص ۳۸۲-۳۹۱

عبدالحکیم سوہدروی (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا عبدالحکیم بن مولانا غلام نبی سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ علوم مروجہ کی تحصیل والد محترم سے اور حدیث کی سند حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی سے حاصل کی۔ احیائے سنّت کی جدّ و جہد میں اپنے والد کے دست و بازو تھے کہ سنہ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲-۳ء میں وفات پا گئے۔ مولانا غلام نبی نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات کہی ہے۔

گشت تاریخ وفات عبدالحکیم از حق پدید
حرف "یا اللہ" بگیر از "حافظ قرآن مجید"[1]

۷۷ — ۱۳۹۷

۱۳۲۰ھ

---

[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" (امرتسر) بابت ۱۱ اپریل سنہ ۱۹۱۹ء

عبدالحلیم انگوی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالحکیم بن مہر محمد ۱۸۸۱ء/۹۹ - ۱۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اعوان برادری کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے والدِ محترم مولانا مہر محمد، خواجہ محمد عثمانؒ (م ۱۳۱۴ھ) موسیٰ زئی شریف، کے خلیفہ و مجاز تھے۔ حلیق، مسکین طبع اور خوش تقریر تھے۔ خاصے کثیر العیال تھے اور مالی حالت چنداں اچھی نہ تھی۔[۱]

مولانا مہر محمد موضع لاوہ ضلع اٹک میں مقیم رہے۔ مسجد بابیانوالی لاوہ میں درس و تدریس کرتے تھے اور لاوہ کے خوانین اُن کے اخراجات کے کفیل تھے۔ مولانا عبدالحکیم کا بچپن لاوہ میں گزرا۔ نو دس سال کی عمر میں قرآنِ عزیز حفظ کر لیا اور درسیات کی تحصیل کے لئے ونده شاہ بلاول میں مولانا ولی اللہؒ کے ہاں پہنچے۔ اُن کے رفقائے سبق میں مولانا محمد صادق مرحوم سابق خطیب جامع مسجد پٹولیاں لاہور شامل تھے۔

ونده شاہ بلاول سے امرتسر گئے اور جامع مسجد خیر دین میں مولانا محی الدین ساکن گڑھا اتم سنگھ ضلع جہلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا محی الدین کا امرتسر میں انتقال ہوا تو آپ نے اُستاد کی میت اُن کے وطن مالوف پہنچائی۔ امرتسر کے دورانِ قیام میں مولانا عبدالجبار غزنویؒ (م ۱۳۳۱ھ) سے حدیث کی بعض کتابیں پڑھیں۔ بعد میں مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) سے فنِ حدیث میں استفادہ کیا۔ اُس زمانے میں مولانا حسین علیؒ اُن کے شریکِ سبق تھے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو خطابت و امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔ تقریباً پندرہ سال سیالکوٹ چھاؤنی میں خطیب رہے۔ کچھ عرصہ فیصل آباد میں قیام رہا۔ چار سال

---

[۱] فوائد عثمانی ص ۱۵۷

چنیوٹ کی جامع مسجد نواب سعد اللہ خان میں دینی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۵ء میں سرگودہا منتقل ہوئے اور تقریباً ۲۵ سال تک جامع مسجد بلاک نمبرا اور جامع مسجد ڈپو کے منبر و محراب اُن کی آواز سے گونجتے رہے۔

سیاسی طور پر جمعیت علمائے ہند سے وابستہ تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ہمہ تن تبلیغ و اصلاحِ معاشرہ میں مصروف رہے۔

یکم شوال ۱۳۸۵ھ / ۲۳ جنوری ۱۹۶۶ء کو انگہ میں نمازِ عشاء ادا کرتے ہوئے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ اُن کی وفات سے وادیٔ سون سکیسر کے مذہبی حلقے ایک عالم باعمل کی ذات سے محروم ہو گئے۔ دوسرے دن خاندانی قبرستان میں سپردِ خاک کئے گئے۔

مرحوم کی قلمی یادگاروں میں ایک رسالہ "عروۃ الوثقیٰ فی احکام الضحیٰ" معروف ہے۔

مولانا مرحوم کی اولاد میں مولانا عبد الحلیم قاسمی (مہتمم مدرسہ حنفیہ۔ ٹمپل روڈ لاہور) اور مولانا عبد العلیم قاسمی ہیں۔ جو دینی خدمات میں مصروف ہیں۔

عبدالحکیم سرمد مظاہری (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالحکیم سرمد مظاہری کندیاں ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۲۱ء/۹ر محرم ۱۳۴۰ھ کو پیدا ہوئے۔ ایف۔اے کرنے کے بعد انہوں نے منشی فاضل ادیب فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات اعزاز کے ساتھ پاس کئے۔ اس کے بعد باقاعدہ دینی تعلیم کی جانب متوجہ ہوئے اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے اور وہیں سے سندِ فضیلت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو اُن کو دہلی، مراد آباد اور دیوبند کی درسگاہوں میں معقول مشاہرے پر ملازمتوں کی پیشکش ہوئی مگر اُنہوں نے کوئی ملازمت اختیار نہ کی۔ مولانا سیّد فخرالدین شاہ مرحوم (ساکن کالاباغ) سے رشتہ ارادت رکھتے تھے۔ اُن کے تعاون سے کالاباغ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا اور درسِ نظامی کی تعلیم و تدریس میں لگ گئے۔

تحریکِ آزادی میں دو قومی نظریئے کے علمبردار تھے۔ چنانچہ مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کشمیر میں جنگ چھڑی تو انہوں نے رضا کاروں کی بھرتی کے لئے دفتر کھولا اور دو ہزار کے لگ بھگ مسلح اور کسی قدر تربیت یافتہ رضا کار میدانِ جہاد میں بھیجے۔ جماعتِ اسلامی پاکستان کے ہم درد و ہم نوا تھے۔ مگر ۱۹۶۴ء کے عام انتخابات میں محترمہ فاطمہ جناح کی تائید و حمایت کی بنیاد پر جماعت کی قیادت سے شاکی رہے۔ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۷۲ء/۱۸ر شعبان ۱۳۹۰ھ کو فوت ہوئے۔

مولانا عبدالحکیم کا مطالعہ بے پناہ تھا اور موضوعاتِ مطالعہ بھی ہمہ گیر اور متنوع قسم کے تھے۔ اسلامی علوم کے ساتھ تاریخ، فلسفہ اور ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔

مزاجاً شاعر تھے مگر تہہ دل سے شاعری کے بھی قائل نہ ہوئے ۔ خود شعر کہتے تھے۔ سرمدؔ تخلّص کرتے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ شروع کیا تھا اور آخری تین پاروں کا ترجمہ مکمّل کر لیا تھا مگر ان ہی دنوں گھر میں چوری ہوئی۔ سوئے اتفاق سے دوسرے سامان کے ساتھ یہ بلند پایہ مسوّدہ بھی چور لے گئے۔ اس طرح اُن کی محنت ضائع ہو گئی۔

مولانا عبدالحکیم سرمد مظاہری کی رحلت کے بعد اُن کے صاحبزادے یحییٰ امجد اور اسلم قاسم نے اُن کا مجموعہ کلام "وارداتِ سرمد" ترتیب دیا جو ۱۹۷۳ء میں آب و تاب کے ساتھ طبع ہوا۔ ان کے مجموعہ سے "حمد باری تعالیٰ" کے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

مائل بہ کرم اک بار اگر وہ ابرِ بہاراں ہو جائے
پتھر سے بھی چشمے پھوٹ پڑیں آتش بھی گلستاں ہو جائے
اے حسنِ سراپا ایک جھلک جس آنکھ نے بھی پائی تیری
وہ مرکزِ عالم بن جائے، وہ محورِ دوراں ہو جائے
اُس دردِ محبّت سے بڑھ کر کونین میں راحت کیا ہوگی
یہ درد اگر ہو جائے عطا، ہر درد کا درماں ہو جائے
تو قلب و نظر سے دُور نہیں پر عُریانی منظور نہیں
ہاں عقل کا یہ مقدور نہیں ڈھونڈھے تو پریشاں ہو جائے[1]

"وارداتِ سرمد" پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے لکھا ہے کہ:

"وارداتِ سرمد میں ہمیں ایک ایسا شاعر ملتا ہے جس نے برائے

---

[1] وارداتِ سرمد ص ۲۱۱

شعر گفتن شاعری نہیں کی بلکہ وارداتِ قلبی کی سچّی ترجمانی کرتے ہوئے جو کچھ لکھا۔ باندازِ اخلاص لکھا۔ اُس کے کلام میں حسن و عشق کے تجربات بھی ہیں۔ اور حیات و کائنات کے بارے میں فکری و جذباتی تبصرے اور تجزیے بھی ہیں۔"

عبدالحکیم مظفّر نگری

(وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالحکیم بن میاں عبدالعزیز پٹی سادات گھنگیرو ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے متفرق مدارس میں حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ پانچ سال دارالعلوم کے اساتذہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا غلام رسول خان، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، علامہ شبیر احمد عثمانی اور علامہ سید انور شاہ کاشمیری رحمہم اللہ اجمعین سے استفادہ کیا۔ اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا عبدالحکیم اعلیٰ درجے کے طبیب تھے اور فنِ طب ہی اُن کا ذریعہ معاش تھا۔ طب کی کتابیں مولانا حکیم محمد حسن (برادر شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) سے پڑھی تھیں بعد میں چار سال دہلی میں مقیم رہے اور حکیم جمیل الدین سے استفادہ کیا۔

قیامِ پاکستان سے کافی پہلے لاہور آ گئے تھے۔ یہاں کی دینی، طبی اور علمی سرگرمیوں میں بقدرِ استطاعت حصہ لیتے تھے۔ کچھ عرصہ "جامعہ مدنیہ" میں طب پڑھاتے رہے ہیں۔ آخری عمر میں فنِ تجوید سے شغف پیدا ہوا اور دو سال کے عرصے میں قاری عبدالمالک مرحوم سے یہ فن سیکھ لیا۔

مولانا عبدالحکیم چشتی سلسلہ میں مولانا حسین احمد مدنی رح سے بیعت تھے اور ان کے خلیفۂ مجاز بھی تھے۔ ۲۱ر شوال ۱۳۹۳ھ/۱۷ر نومبر ۱۹۷۳ء کو تقریباً اسّی سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان سے ایک غیر مطبوعہ تالیف "حالاتِ سلوک" یادگار ہے۔

قاضی عبدالحلیم چکوالی

مولانا قاضی عبدالحلیم بن حافظ فتح نور موضع ڈھاب کلاں تحصیل چکوال کے باشندے تھے۔ قبیلہ کہوٹ قریش کے اہم فرد تھے۔ اُن کے حالاتِ زندگی پردۂ تاریکی میں ہیں۔ البتہ اس قدر معلوم ہے کہ وہ ہمہ صفت موصوف اور جامع جمیع علوم تھے۔ اپنے وقت کے ولی اللہ حاذق حکیم اور عالم بے بدل تھے۔

قاضی صاحب خواجہ شمس الدین سیالوی سے بیعت تھے۔ قاضی صاحب نے طویل عمر پائی اور ۱۳۰۰ھ / ۸۳-۱۸۸۲ء میں فوت ہوئے۔[1] اپنے مولد و مسکن ڈھاب کلاں میں مدفون ہیں۔

قاضی عبدالحلیم عمدہ شعری ذوق رکھتے تھے۔ عربی، فارسی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ قاضی اور حافظ تخلص کرتے تھے۔

---

[1] دھنی ادب و ثقافت ص ۱۹۹

عبدالحمید سوہدروی (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا عبدالحمید بن مولانا غلام نبی سوہدروی ۱۳۰۰ھ/۸۳-۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی درسی کتابیں اپنے والدِ محترم سے پڑھ کر حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے درس میں شریک ہوئے اور اُن سے سندِ حدیث حاصل کی۔ محدث وزیر آبادی نے ان کی خوش خصالی کو دیکھتے ہوئے انہیں اپنی دامادی میں لے لیا تھا۔

مولانا عبدالحمید سوہدروی نے مولانا سید نذیر حسین دہلوی، مولانا شمس الحق ڈیانوی (مؤلف عون المعبود) اور شیخ حسین عرب سے بھی اسنادِ حدیث حاصل کی تھیں۔

فارغ التحصیل ہو کر سوہدرہ میں مقیم رہے۔ "مدرسہ حمیدیہ" کی بنیاد رکھی اور تدریس و تبلیغ میں مصروف رہے۔ وہیں ۷، جمادی الاخریٰ ۱۳۳۰ھ/۲۴ مئی ۱۹۱۲ء کو وفات پائی۔

مولانا عبدالحمید نے تقی الدین ابوعبداللہ محمد حنبلی کی تالیف "عمدۃ الاحکام عن سیّد الانام" کا ترجمہ کیا اور شرح "زبدۃ المرام" لکھی۔ مرحوم سے بیسیوں افراد نے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ نظام الدین کٹھوروی
۲۔ حافظ محمد حیات
۳۔ ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی
۴۔ ابویحییٰ امام خان نوشہروی
۵۔ ابوالبشیر مراد علی کٹھوروی
۶۔ عبدالعزیز (ساکن خونی چک، گجرات)

خواجہ عبدالحیّ فاروقی (وھابی نجدی دیوبندی)

خواجہ عبدالحیّ فاروقی بن خواجہ عبدالرحیم ۱۸۸۷ء/۱۳۰۴ھ میں تحصیل گڑھ شنکر ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد گورداسپور کے ایک وکیل خورشید عالم بیرسٹرایٹ لار کے منشی تھے۔[1] انھوں نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول گورداسپور میں حاصل کی، دینی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند گئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا عبیداللہ سندھی سے بطورِ خاص استفادہ کیا۔ لکھتے ہیں:

"غالباً ۱۹۱۲ء کا واقعہ ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی قدس سرہٗ اپنے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے دیوبند آئے۔ میں ان دنوں وہاں تعلیم پا رہا تھا۔ مولانا کے علم و فضل، فہم و ذکا، بیدار مغزی اور سادگی سے دارالعلوم کا بچہ بچہ واقف تھا۔ جیسے ہی اُن کے آنے کی خبر ملی، مولانا محمد میاں المعروف بہ مولانا منصور مجھے اُن کی خدمت میں لے گئے۔ کہہ نہیں سکتا کہ اُن سے مل کر کس قدر مسرّت و شادمانی اور اطمینانِ قلب نصیب ہوا۔ اس کیفیت کی یاد اب تک میرے دل میں تازہ ہے۔ مولانا کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ وہ جب تک رہے قرآن کریم اور حجۃ اللہ البالغہ کا درس برابر ہوتا رہا۔ سردی کی راتوں میں بارہا ایسا ہوا کہ عشار کی نماز کے بعد جو درس شروع ہوا تو رات کے تین چار بج گئے اور استاد و شاگرد میں سے کسی نے بھی تھکن محسوس نہ کی۔ مولانا کافی دن تک رہے۔ دن رات یہی شغلہ رہتا تھا۔ ان صحبتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر قرآن میں درس و فکر کا ذوق پیدا

---

[1] تحریکِ شیخ الہند (مولانا محمد میاںؒ) ص ۲۹۸

ہو گیا۔[1]

خواجہ عبدالحیؒ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تو میرٹھ کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔ ۱۹۱۳ء میں مولانا عبیداللہ سندھی نے مسجد فتح پوری دہلی کے شمالی کمروں میں "نظارت المعارف القرآنیہ" قائم کیا۔ خواجہ صاحب اُن کے درسِ قرآن سے استفادہ کے لیے ہر شنبہ کی شام دہلی آجاتے تھے اور پیر کے روز میرٹھ واپس جاتے تھے۔ یہ سلسلہ ۱۹۱۵ء میں مولانا سندھی کے افغانستان روانہ ہونے سے بند ہوا۔

جولائی ۱۹۱۵ء / رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ میں "دارالارشاد" کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے کا مقصد یہ تھا کہ نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت کو کم سے کم مدت میں قرآن کریم کی تعلیم سے آراستہ کیا جائے جو کتاب اللہ کی دعوت و تبلیغ اور اصلاح وارشاد کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے۔ دارالارشاد کا ایک طبقہ عربی اور دینیات کے فارغ التحصیل علماء پر مشتمل تھا اور دوسرا طبقہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کا تھا۔ جملہ طلبہ کے قیام و طعام کے اخراجات مولانا آزاد نے اپنے ذمے لے رکھے تھے۔

خواجہ عبدالحیؒ میرٹھ کالج کی پروفیسری سے سبکدوش ہو کر کلکتہ آ گئے اور "دارالارشاد" میں مولانا آزادؒ سے اکتسابِ فیض کرنے لگے تھے۔ مولانا آزادؒ کے درسِ قرآن کے بارے میں خواجہ صاحب نے اپنا تاثر ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے کہ:

"(مولانا آزاد) ایک عجیب و دلفریب ایمانی کیفیت قلوب و اذہان میں پیدا کرتے تھے۔"[2]

اس زمانے میں حضرت شیخ الہندؒ اور اُن کے رفقاء حصولِ آزادی کی ایک سکیم پر عمل

---

[1] بصائر (خواجہ عبدالحی فاروقی)، ص ۷

[2] ایضاً ص ۷

کر رہے تھے۔ جو تاریخ میں "تحریک ریشمی رومال" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ ۱۹۱۶ء کے اوائل میں اس تحریک کے کارکنوں اور ہمدردوں کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ مولانا آزاد کو حکومت نے رانچی میں نظر بند کر دیا اور "دار الارشاد" کی بساط لپیٹ دی گئی۔ خواجہ صاحب کلکتہ سے لاہور چلے آئے۔

تحریک ریشمی رومال کے ہمدرد و ہمنوا ہونے کی حیثیت سے خواجہ صاحب حکومت کی نظر میں تھے۔ وہ لاہور شہر کی میونسپل حدود سے باہر نہیں جا سکتے تھے اور وہ پنجاب سی۔ آئی۔ ڈی کے دفتر میں ہفتہ وار حاضری دینے کے پابند تھے۔ خواجہ صاحب نے اپنی مصروفیات صرف "درسِ قرآن" تک محدود کر دی تھیں۔ وہ اپنے مکان پر درس دیتے جس میں نوجوان طلبہ بطورِ خاص شریک ہوتے تھے۔ مولانا نصر اللہ خان عزیز مرحوم ان درسوں میں شریک ہوتے تھے۔ اُن کے الفاظ میں:

"درسِ قرآن کے علاوہ وہ کوئی سیاسی بات نہیں کرتے تھے۔ خفیہ پولیس سائے کی طرح ان کے ساتھ رہتی تھی۔ انہوں نے درس کے طلبہ کے سامنے کبھی تلقینِ جہاد نہ کی مگر درسِ قرآن کا انداز خود بخود طالب علموں کے اندر روحِ جہاد پھونکتا جاتا تھا اور ہم لوگ فیصلہ کرتے جاتے تھے کہ ہم اپنی زندگی جہاد کے لیے وقف کر دیں گے۔"[1]

۱۹۱۷ء میں مولانا ظفر علی خان نے اپنے زمانۂ نظر بندی میں کرم آباد سے ہفت روزہ "ستارۂ صبح" جاری کیا۔ جو کچھ عرصہ بعد لاہور آ گیا اور ہفت روزہ سے روزنامہ ہو گیا۔ خواجہ عبد الحیٔ فاروقی "ستارۂ صبح" میں مولانا ظفر علی خان کے مدیر معاون رہے۔

---

[1] ماہنامہ "مشیر" (کراچی)، جنوری ۱۹۵۷ء

خواجہ صاحب بے باک اور حق گو مقرر تھے۔ انہوں نے شاہی مسجد لاہور میں ایک تقریر کی جسے باغیانہ خیال کیا گیا۔ ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء میں اُن کا مقدمہ زیر بحث آیا۔ مولینا غلام رسول مہرؒ نے ملک لال دین قیصرؔ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"ملک لال دین قیصرؔ مرحوم نے ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء کی انتہائی سختیوں کا دَور بھی دیکھا تھا۔ وہ ابتدائی عمر ہی میں بڑے بہادر اور جواں مرد تھے اور ڈنڈا فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ مارشل لاء میں گرفتار ہوئے اور بیس سال قید کی سزا سنائی گئی۔ لاہور کے ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں میں بہت سے لوگ جن میں اکابر بھی خاص تعداد میں شامل تھے گرفتار ہوئے اور دوسرے شہروں سے بھی لوگ گرفتار ہو کر آئے۔ وہ سب جیل میں رکھے گئے اور باری باری ایک ایک کے مقدمے کی سماعت ہوتی تھی۔ قیصرؔ مرحوم نے بارہا مجھ سے ذکر کیا کہ اس زمانے میں صرف دو افراد ایسے دیکھے۔ جن کی بہادری اور دلیری کی قسم کھائی جا سکتی تھی۔ ایک خواجہ عبدالحیؒ، دوسرے ڈاکٹر سیف الدین کچلو مرحوم۔ قیصرؔ صاحب کہا کرتے تھے کہ صرف دو کے چہرے اُفتاد پر رنج وغم کے آثار سے پاک دیکھے گئے۔ بڑی سے بڑی سزا سُن کر بھی ہنستے اور مسکراتے ہوئے آئے۔"[لے]

خواجہ صاحب کو ضبطی جائیداد اور عمر قید بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ فیصلہ سناتے ہوئے "منصفوں" نے یہ بھی کہا کہ اگر مجرم رحم کی درخواست کرے گا تو اس کی سماعت نہ ہوگی۔ خواجہ صاحب پندرہ دن سنٹرل جیل لاہور میں رہے۔ یہاں سے سنٹرل جیل ملتان منتقل کر دیئے گئے۔ جیل میں فرصت کے اوقات قرآن کریم پر غور و فکر میں گزارے۔ بعد میں عام معافی کا

لے ہفت روزہ "الاعتصام" (لاہور) ۵ فروری ۱۹۶۵ء

اعلان ہوا تو وہ رہا ہو کر لاہور آ گئے۔

تحریک عدمِ تعاون کے زمانے میں مولانا محمد علی جوہر نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بالمقابل "جامعہ ملیّہ" کی بنیاد رکھی۔ سنگِ بنیاد خواجہ صاحب کے استادِ گرامی شیخ الہند مولانا محمود حسن نے ۱۶ صفر ۱۳۲۹ھ کو رکھا۔ خواجہ صاحب اس تقریب میں شمولیت کے لیے لاہور سے گئے تھے۔ خواجہ صاحب کی خدمات بانیانِ جامعہ نے دینیات کی تعلیم کے لیے حاصل کر لیں۔ موصوف علی گڑھ اور دہلی میں تقسیم ہند تک باحسن وجوہ یہ خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۹۴۷ء میں شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر میں ایک ادارہ "جامعہ اسلامیہ" قائم کیا۔ تقریباً دو سال جامعہ اسلامیہ میں علمی و تدریسی خدمات انجام دیں[۱]۔ ۱۹۴۹ء میں جناب جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان صاحب مرحوم (سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان) دہلی گئے تو اُن کی ملاقات خواجہ صاحب سے ہوئی۔ جسٹس صاحب نے انہیں پنجاب یونیورسٹی میں آنے کی دعوت دی، چنانچہ جون ۱۹۵۰ء میں ترکِ سکونت کر کے لاہور آ گئے[۲]۔

پاکستان آکر دو سال تک کوئی خاص کام نہ کیا۔ ۱۹۵۲ء میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں اسلامیات کے پروفیسر مقرر ہوئے اور آخر دم تک تین سو روپے ماہانہ مشاہرے پر یہ خدمت انجام دیتے رہے[۳]۔ انجمن اصلاح و تبلیغ (آسٹریلین بلڈنگ) لاہور سے وابستہ رہے۔ ابتدا میں رہائش بھی آسٹریلین بلڈنگ کے ایک حصے میں تھی بعد میں تاج کمپنی (اسلامیہ کالج روڈ) کے عقب میں اُٹھ آئے۔ انجمن اصلاح و تبلیغ کے آسان ترجمہ قرآن (درسِ قرآن) کی مجلسِ ادارت کے اہم رکن تھے۔

---

[۱] مجلہ "کریسنٹ" (اسلامیہ کالج لاہور) ص ۲۳۴

[۲] ایضاً ص ۲۳۴

[۳] ایضاً ص ۲۱۴

۷ر جنوری ۱۹۶۵ء کو اُن پر فالج کا حملہ ہوا۔ دوسرے دن ۸ر جنوری ۱۹۶۵ء/۵ر رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ کو جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ قبرستان میانی صاحب میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

خواجہ عبدالحیٔ مرحوم نہایت متین اور کم گو تھے۔ ہمیشہ پاجامہ اور شیروانی پہنتے تھے، سر پر ٹوپی اور ہاتھ میں چھڑی ہوتی تھی۔ راہ چلتے کبھی اِدھر اُدھر نہ دیکھتے اور حمد و ثنا میں مصروف سیدھے چلے جاتے تھے۔ آخری عمر میں بھی اپنا کام ہمیشہ خود کرتے تھے۔ حلال و حرام میں حلاوجہ تمیز کرتے تھے۔ کسی چیز کے بارے میں ذرہ بھر بھی شک گذرتا تو اسے استعمال میں نہ لاتے۔

کم گو ہونے کے باوجود خوش طبع اور زندہ دِل تھے۔ ان کے احباب کی رائے ہے کہ انہیں کبھی پریشان نہ دیکھا گیا۔ مشکلات اور مصائب میں بھی اُن کے وقار اور سنجیدگی میں فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ ایسے صاحبِ علم تھے جنہیں اپنے علم و فضل پر فخر نہیں تھا۔ انہوں نے کبھی اپنی رائے کو "علمیت" کی بنیاد پر نہ منوایا بلکہ رائے دیتے ہوئے عجز و انکسار سے رائے قائم کرنے کے اسباب بیان کر دیتے تھے۔

خواجہ صاحب مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد تھے اور قرآن فہمی میں اُن کا "اندازِ تفسیر" پیشِ نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے قرآنِ مجید کی متفرق سورتوں کی تفسیر لکھی۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ بصائر۔ بنی اسرائیل کے واقعات و حوادث اور فرعون کے طرزِ عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن مجید کے فلسفۂ تاریخ پر گفتگو ہے۔ ان کے حالات کو اپنی غلامی اور برطانوی حکومت کے طرزِ عمل پر منطبق کیا ہے۔

۲۔ الخلافۃ الکبریٰ (تفسیر سورۂ بقرہ)

۳۔ بیان (تفسیر سورۂ آلِ عمران)

۴۔ سبیل الرشاد (تفسیر سورۂ الحجرات)

۵۔ بُرہان (تفسیر سورۂ نور)

۶۔ عبرت (تفسیر سورۂ یوسف)

۷۔ صراطِ مستقیم (تفسیر سورۂ انفال و سورۂ توبہ)

۸۔ ذکریٰ (تفسیر پارہ عمّ)

۹۔ اسباب النزول۔ بعض اہم آیات کی شانِ نزول بیان کی گئی ہے۔

۱۰۔ سُبل السلام

متذکرۃ الصدر تفسیری کتب کے علاوہ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی نے ان کے حسبِ ذیل کتابچے شائع کیے جو طلبہ اور کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔

۱۔ نبیوں کے قصّے

۲۔ حالاتِ قرآن مجید

۳۔ ارکانِ اسلام

۴۔ ہمارے نبیؐ

۵۔ پیارے رسول

۶۔ خلفائے اربعہ

خواجہ صاحب کے بہت سے علمی، ادبی اور تاریخی مضامین رسائل و جرائد میں منتشر ہیں جن کی ترتیب و تدوین ہونی چاہیئے۔ خواجہ صاحب کو شعر و شاعری سے بھی رغبت تھی۔ اُن کے ایک پُرانے ملنے والے بزرگ حکیم ظفر اللہ صاحب (اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور) کے ذریعے اُن کی حسبِ ذیل نظم "پیغامِ عمل" سامنے آئی ہے[۵]:

کچھ مقصد لے کر آتا ہے اس دُنیا میں جو آتا ہے!
محروم عمل جو رہتا ہے وہ جیتے جی مر جاتا ہے!

۵۔ مجلہ "کریسنٹ"، (۱۹۶۵ء) ص ۱۲۴

اس مزرعِ عالم کو سینچو تم جدو جہد کی بارش سے!
جو بیج عمل کا بوتا ہے وہ پھل درخت کا پاتا ہے!
رستے کی صعوبت سہہ کر ہی منزل پر پہنچنا ممکن ہے!
آگاہ حقیقتِ غم ہے جو وہ لذت و عیش اڑاتا ہے
ہر ایک مصیبت دُنیا میں پیغام خوشی کا لاتی ہے
گلشن میں خزاں کا آنا ہی اُمیدِ بہار دلاتا ہے
دریا کی طرح جو چلتا ہے اور پھر چلتا ہی رہتا ہے
کہساروں کو میدانوں کو خاطر میں کب وہ لاتا ہے
ہر رات کے پچھلے حصّے میں کچھ دولت لٹتی ہوتی ہے!
جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے

عبدالخالق شورکوٹی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالخالق بن مولانا احمد دین بن محمد امین بن محمد اسلام ۵ مئی ۱۸۹۶ء/۲۲ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ کو بستی ولی محمد جھنڈیر تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباد اجداد زمرۂ علماء میں شمار ہوتے تھے۔ یہ خاندان اصلاً موضع منیکرہ ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا۔ مولانا عبدالخالق کے والد بزرگوار مولانا احمد دین ترکِ سکونت کر کے بستی ولی محمد آ گئے تھے۔

مولانا عبدالخالق نے "باگڑ سرکانہ" میں اپنے برادرِ مکرّم مولانا نورالحق اور والد ماجد سے درسِ نظامی کی اکثر کتابیں پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور وہیں سے سندِ فراغ حاصل کی۔

۱۳۶۳ھ/۴۴-۱۹۴۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں عربی کے مدرّس مقرر ہوئے اور تقسیم ہند تک فرائضِ منصبی بخوبی انجام دیئے۔ دارالعلوم دیوبند سے وطن آ گئے اور مختلف مدارسِ دینیہ سے وابستہ رہے۔ تین سال جامعہ عباسیہ بہاول پور میں شیخ الحدیث رہے۔ اس کے بعد پانچ سال مدرسہ نعمانیہ ملتان، بارہ سال مدرسہ محمدیہ تڑھال، چھ سال مدرسہ قاسم العلوم ملتان اور زندگی کے آخری چند سال دارالعلوم کبیروالا میں درس و تدریس میں صرف کئے۔

مولانا عبدالخالق نے زمانۂ تعلیم میں مولانا ابوالسعد احمد خانؒ سے بیعت کی تھی۔ ابھی سلسلۂ نقشبندیہ کے اوراد و اشغال مکمل نہیں ہوئے تھے کہ مولانا ابوالسعد احمد خان کا انتقال ہو گیا۔ اُن کے جانشین مولانا عبداللہ ہوئے۔ مولانا عبداللہ سے تجدیدِ بیعت کی اور اُن کے خلیفہ مجاز ہوئے۔

مولانا عبدالخالق اچھے منتظم، خوش پوش اور ہنس مکھ انسان تھے۔ پوری زندگی تجرّد میں گزاری۔ ۱۵؍نومبر ۱۹۶۶ء؍یکم شعبان ۱۳۸۶ھ کو نمازِ فجر کے بعد مراقبے کی حالت میں فوت ہوئے اور احاطۂ دارالعلوم کبیر والا میں دفنائے گئے۔ قطعۂ تاریخِ وفات یہ ہے:

بجھی شمعِ محفل جہاں دم بخود ہے
ہے تاریخ دیں کے نگیں فخرِ دیں کی
ہوا آہ رخصت وہ نور النجوم!
نویدِ خدا - شیخ دارالعلوم

۱۹۶۶ء

عبدالدیان دامانی

مولانا عبدالدیان دامانی بن مولانا عبداللہ جی موضع دامان ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد ماجد مولانا عبداللہ جی اپنے آبائی وطن موضع "کانڑاں غربند" (سوات) سے حصولِ تعلیم کے لیے دامان تشریف لائے تھے۔ جہاں مولانا محمد موسیٰ ؒ بادہ تشنگانِ علوم کی پیاس بجھارہا تھا۔ مولانا عبداللہ جی اپنے اوصافِ حمیدہ سے اُستادِ محترم کی محبت و شفقت کا مرکز بن گئے اور وہ مولانا محمد موسیٰ کے گھر کے ایک فرد معلوم ہونے لگے۔ بعد میں مولانا محمد موسیٰ نے اپنی صاحبزادی کو اُن کے نکاح میں دیا۔ اس طرح مولانا عبداللہ جی نے دامان کو اپنا وطن بنا لیا۔

مولانا عبدالدیان نے مختلف اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ جن میں مولانا عصمت اللہ (ساکن ویسہ)، مولانا محمد صدیق (ساکن ضلع مردان)، مولانا صاحبِ حق (ساکن رزڑپور) اور مولانا محمد دین بدھوی کے نام ملتے ہیں۔

دورۂ حدیث دہلی کی مشہور درس گاہ مدرسہ عبدالرب میں مولانا عبدالعلی ؒ سے کیا۔ کچھ عرصہ رسمی داخلہ لیے بغیر دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد انور شاہ کاشمیری سے استفادہ کیا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو دامان میں تشنگانِ علوم کو سیراب کرنے لگے۔ بعد میں شاہجہانپور تشریف لے گئے اور سات سال تک حدیث و تفسیر کی تدریس کی۔ اس زمانے میں اُن کے مخلص دوست مولانا قاضی غلام جیلانی شمس آبادی بنگال میں دینی خدمات میں مصروف تھے۔ انہوں نے مولانا عبدالدیان کو بلالیا۔

مولانا عبدالدیان ؒ اور مولانا قاضی غلام جیلانی ؒ کی کوششوں سے ڈھاکہ اور نرائن گنج کے علاقوں میں قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا ہوا۔ بنگال میں اُن کا سلسلۂ رشد و ہدایت دور دُور تک پھیلا ہوا تھا اور آخر عمر میں ضعف و نقاہت کے باوجود عقیدت مندوں کے اصرار

پر بنگال تشریف لے جاتے تھے۔

تقسیم ہند سے پہلے جمعیت علمائے اٹک کے رکن رکین تھے۔ بعد میں جمعیت علمائے اسلام کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔

مشہور مجاہد اور غازی مولانا فضل واحد المعروف بہ حاجی صاحب ترنگ زئی (م ۱۳۶۵ھ) سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔ حاجی صاحب، مولانا عبدالدیان پر بہت اعتماد کرتے تھے جب وہ حاجی صاحب کے ہاں حاضر ہوتے تو وہی جہاد کے موضوع پر وعظ و نصیحت کرتے تھے۔

۵ اپریل ۱۹۷۱ء/۸ صفر ۱۳۶۱ھ رات دو بجے وفات پائی۔ ان کے خلف الرشید مولانا ظہور الحق نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مرحوم کے دونوں صاحبزادے مولانا ظہور الحق اور مولانا نور الحق خدماتِ دینیہ میں مصروف ہیں۔

عبدالرحمان جانگوی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالرحمان موضع جانگہ ضلع اٹک کے باشندہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ مولانا حسین علی نقشبندی سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔ زہد و ورع میں لاثانی اور علم و عمل کا صحیح پیکر تھے۔ موضع جانگہ میں موصوف ہی پہلے شخص تھے جنہوں نے توحید و احیائے سنّت کے لیے آواز بلند کی۔ عرصہ دراز تک تدریس اور تبلیغ کے اشتغال میں مصروف رہے۔ کچھ عرصہ بیمار رہ کر ۲۳ صفر ۱۳۶۲ھ / ۹ فروری ۱۹۴۳ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔[1]

لاولد تھے البتہ ان کی روحانی اولاد نے اُن کے نام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔

---

[1] اصلاح الاخوان ص ۱۳۹

عبدالرحمان حضروی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالرحمٰن معروف بہ لقب میاں صاحب بن میاں فضل الٰہی حضروی ۲۹ر اگست ۱۸۸۶ء/۲۹رذی قعدہ ۱۳۰۳ھ کو حضرو ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم موضع قاضی پور نزد تربیلہ کے ایک عالم مولوی حبیب شاہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد کلکتہ چلے گئے اور مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آخر میں مولانا ولی احمد برہانی سے دو سال میں ہدایہ، جلالین اور مشکوٰۃ کا درس لیا اور دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ ۱۹۲۴ء/۱۳۴۲ھ میں سندِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا عبدالرحمان فارغ التحصیل ہو کر وطن آئے اور چند سال وہیں رہے۔ ۱۹۲۸ء/۴۷-۱۳۴۶ھ میں اُن کی شادی ہوئی اور کچھ عرصہ بعد دوبارہ دیوبند چلے گئے۔ موصوف دیوبند میں کپڑے کی دکان کرتے تھے اور دینی و سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی شاخ دیوبند سے منسلک رہے اور تقسیمِ ہند کے بعد مسلم لیگی ہونے کی وجہ سے دو بار گرفتار ہوئے۔ پہلی بار سنٹرل جیل بریلی اور دوسری بار سہارنپور جیل میں محبوس رہے۔ ۱۹۵۱ء/۷۱-۱۳۷۰ھ میں پاکستان آئے۔ موصوف نے حضرو میں بھی کپڑے کا کاروبار جاری رکھا اور دینی خدمات فی سبیل اللہ انجام دیں۔

مولانا عبدالرحمان ۲۰ر فروری ۱۹۷۷ء/ یکم ربیع الاوّل ۱۳۹۷ھ کو حضرو میں فوت ہوئے۔ اُن کی اولاد میں دو صاحبزادے عبدالرشید اور محمد ابراہیم ہیں جو اپنے خاندان کی روایات کے امین ہیں۔

قاضی عبدالرحمان (وھابی نجدی دیوبندی)

ابوالفیض قاضی عبدالرحمان بن قاضی نور احمد ضلع اٹک کے ایک معمولی گاؤں پنڈی سرال میں اندازاً ۱۲۸۵ھ/۶۹-۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ کئی پشتوں سے اُن کے خاندان میں علم و فضل کی روایت چلی آرہی تھی۔ اُنہوں نے ابتدائی درسیات اپنے ماموں قاضی رحیم بخش ساکن راجڑ ضلع راولپنڈی سے پڑھیں۔ پنجاب کی مختلف درس گاہوں میں زیرِ تعلیم رہے اُن کے اساتذہ میں مولانا سعداللہ (علاقہ چھچھ)، مولانا نصیرالدین غور غشتوی اور مولانا محمد حسن فیضی (ساکن بھیں ضلع جہلم) جیسے فضلاء شامل ہیں۔ علاقہ تیراہ میں بھی منطق و فلسفہ کی تحصیل کے لیے مقیم رہے تھے۔ ۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی۔

سندِ فراغت کے بعد ہمہ تن تدریس و تبلیغِ دین میں مصروف ہو گئے۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور، مدرسہ نظامیہ محلہ امام باڑہ راولپنڈی اور پنڈ دادن خان میں بھی تدریسی فرائض انجام دیئے۔ علومِ متداولہ کی سب ہی کتابیں پڑھاتے تھے مگر عربی انشاء و ادب میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ بلند پایہ مدرّس اور صاف گو عالم تھے۔ پنڈی سرال میں ایک ایک وقت میں ساٹھ ستّر طلبہ موجود رہتے تھے۔

ان کے وطن مالوف میں "ضاد" مشابہ بالدال پڑھا جاتا تھا۔ مولانا عبدالرحمان نے عربی زبان کے مختلف لہجوں کا مطالعہ کیا تھا اور "ضاد" کو مشابہ بالظاء پڑھنے کی تلقین کی۔ اس سلسلہ میں اُنہیں مخالفتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر اُن کے دلائل کا جواب نہ دیا جا سکا۔

قاضی سلطان محمود مرحوم اعوان شریف (گجرات) سے بیعت تھے اور سلسلۂ قادریہ میں اُن کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا عبدالرحمان صاحب سے بھی خلقِ خدا نے خاص

فیض حاصل کیا۔

آخری عمر میں موتیا بند کی وجہ سے بینائی سے محروم ہو گئے تھے مگر ہر حال میں صابر و شاکر رہے ۲۲ رشوال ۱۳۷۲ھ / ۳ ر جولائی ۱۹۵۳ء کو قبل مغرب وفات پائی۔ بیماری کے ایام میں اپنی تاریخ وفات کہی تھی۔

بظلِ آلہ عبدالرحمٰن

۱۳۷۲ھ

یہی تاریخ اُن کی لوح مزار پر کندہ ہے۔

مولانا عبدالرحمان سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔ البتہ ان میں سے صرف پہلی دو زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی ہیں۔ باقی کتب بصورتِ مسودات اُن کے لواحقین کے پاس محفوظ ہیں۔ مولانا مرحوم بہت اچھے خوشنویس تھے۔ اُن کے مسودات خطاطی کے نادر نمونے ہیں۔

۱۔ التحقیق الانیق فیما یتعلق بالتصور والتصدیق ـــــ علم منطق میں منظوم عربی رسالہ ہے۔
۲۔ اعلام الغافلین۔ ذبیحہ فوق العقدہ کے بارے میں یہ رسالہ ۱۳۴۴ھ میں طبع ہوا۔
۳۔ حاشیہ بخاری۔ ازافادات شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، دورانِ طالب علمی یہ افادات یکجا کئے تھے۔
۴۔ حاشیہ میر زاہد
۵۔ حاشیہ قاضی مبارک
۶۔ حاشیہ حمداللہ
۷۔ حاشیہ الارشاد (فی علم النحو)
۸۔ حاشیہ میرایسا غوجی

مولانا مرحوم عربی اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ اُن کے قصائد و مراثی کا ایک

اچھا مجموعہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔ ایک کتاب کی ابتداء یوں کی ہے۔

الحمد للہ علی الآلاء — والشکر للہ علی النعماء
الواحد الفرد الذی لا مثلہ — فی وصفہ والذات والاسماء
لم یتخذ زوجا ولا مولوداً — وہو ذو التقدیس عن الکفاء

امیر حبیب اللہ خان والئی کابل کی مدح میں ایک طویل عربی قصیدہ لکھا جس کے اشعار کے پہلے حروف جمع کرنے سے امیر حبیب اللہ اور اس کے ولی عہد کا نام بر آمد ہوتا ہے۔

تاریخ گوئی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ جب بینائی نہ رہی تو زبانی تاریخ کہہ دیتے تھے مسجد تعمیر کرائی تو حسبِ ذیل تاریخی قطعہ کہا۔

چوں درخشید نورِ ایمانی — در دلِ مردمانِ حقّانی
گشت معمور مسجدِ زیبا — مسجدِ خوش لقا و لاثانی
گفت ہاتف زبہرِ تاریخش — با ابی الفیض بازِ نورانی

۱۳۲۰ھ

قاضی صاحب کی اولاد میں تین صاحبزادے حیات ہیں۔

۱۔ قاضی فیض الرحمان

۲۔ قاضی محمد قاسم حجازی، مولوی فاضل و فاضل مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور

۳۔ قاضی محمد حسن مولوی فاضل و فاضل مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور

عبدالرحمان کاملپوریؒ (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالرحمان بن مولانا حکیم گل محمد بن محمد عباس بن محمد جلیب ۲۷، اپریل ۱۸۸۲ء/ ۸، جمادی الاخریٰ ۱۲۹۹ھ کو موضع بہبودی نزد حضرو (ضلع اٹک) میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِّ امجد سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے مجاہدین میں سے تھے اور وہ معرکہ ہائے جہد و وغا سے فارغ ہو کر واپس وطن غزنی جانے کے بجائے "بہبودی" میں مقیم ہو گئے۔ اُن کا خاندان شرافت و نجابت میں امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ اُن کے والد ماجد مولانا گل محمد (م ۱۳۴۷ھ) سنجیدہ عالم دین اور معروف طبیب تھے۔ مولانا عبدالوہاب معروف بہ پیر بانکی شریف کے مرید با اخلاص تھے۔

مولانا عبدالرحمان نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ اُن کے چچا حکیم غلام رسول شمس آباد (ضلع اٹک) میں مقیم تھے۔ اُن کے ہاں قیام رہا اور مولانا فضل حق شمس آبادی سے صرف و نحو کی تحصیل کی۔ مولانا عبدالرحمان (ساکن پنڈی سرال ضلع اٹک) کے ہاں تین سال قیام کیا۔ اور ان سے شرح جامی سے ملّا حسن تک درسی کتابیں پڑھیں۔ پنڈی سرال سے اورنگ آباد (ضلع اٹک) جا کر مولانا عبدالرؤف سے استفادہ کیا۔ اخلاص اور مکھڈ میں مولانا حسن الدین سے منطق و فلسفہ کی آخری کتابیں مثلاً حمد اللہ، صدرا اور شمسِ بازغہ پڑھیں، صوبہ سرحد کے مقامات ڈاگئی اور چکیسر میں اساتذۂ وقت سے اکتساب فیض کیا۔ آخر ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں داخل ہوئے اور دو سال قیام کر کے درسِ نظامی کی آخری کتب اور صحاح ستہ پڑھیں۔ مولانا خلیل احمد سہارن پوری اُن کے مشفق اساتذہ میں سے

۱؎ ضلع اٹک کے سابق نام "کیمبل پور" کی نسبت سے "کیمبل پوری" صفتِ نسبتی تھی جسے "کامل پوری" سے بدل دیا گیا ہے۔

تھے۔ شوال ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ حضرت شیخ الہندؒ سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی، مولانا انور شاہ کاشمیریؒ سے ابوداؤد اور مولانا محمد احمد سے صحیح مسلم پڑھی تھی۔

طب کے ساتھ خاندانی مناسبت تھی۔ دار العلوم دیوبند کے زمانۂ قیام میں حضرت شیخ الہندؒ کے بھائی حکیم محمد حسن سے نفیسی، شرح اسباب، مُوجز اور قانونچہ پڑھا، اور امتحان میں بیٹھ کر سندِ کامیابی حاصل کی۔

مولانا عبدالرحمان زمانۂ طالب علمی میں ذہین و فطین طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ اساتذہ کے عزیز شاگرد تھے۔ سہارن پور اور دیوبند کے مدارس میں انعامات سے نوازے جاتے رہے۔

۱۳۳۳ھ میں دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تو اپنی مادرِ علمی مدرسہ مظاہر العلوم میں تدریس شروع کی۔ روداد مدرسہ مظاہر العلوم میں اُن کے تقرر کی اطلاع ان الفاظ میں ملتی ہے۔

"مولوی عبدالرحمان صاحب کامل پوری جو اس مدرسہ سے گزشتہ سال میں قابلِ اطمینان کامیابی کے ساتھ فارغ التحصیل ہو چکے تھے اور نہایت قابل اور مستعد ہیں۔ طلبہ کو طالب علمی کے وقت سے ہی اُن کی طرف گرویدگی تھی۔ اُن سے طلبائے مدرسہ اس وقت بھی پڑھتے تھے مدرس عربی مقرر کیے گئے ہیں"[۱]

مولانا سہارن پور میں تھے تو مدرسہ خانقاہ تونسہ شریف کے لیے انہیں بلایا گیا۔ مگر مولانا خلیل احمد سہارن پوری نے انہیں اجازت نہ دی۔ کچھ عرصہ بعد مولانا "بہودی" آئے تو خانقاہ تونسہ کے کارپردازوں نے مولانا حسن الدینؒ (جو مولانا کاملپوری کے

۱۔ بحوالہ تجلیاتِ رحمانی ص ۶۷

اُستاد تھے) اور بعض دوسرے عزیزوں سے دباؤ ڈلوا کر انہیں تونسہ جانے پر مجبور کردیا۔ مگر ان کا یہاں دل نہ لگ سکا اور واپس مظاہر العلوم چلے گئے۔ ۱۶ شوال ۱۳۴۴ھ کو مولانا خلیل احمد (صدر مدرس) حجاز روانہ ہوئے تو ان کی جگہ صدر مدرس بنائے گئے۔ وہ ۱۳۶۶ھ تک صدر مدرس رہے۔ صدارتِ تدریس کے ساتھ مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ کے رُکن بھی تھے۔

سہارن پور کے زمانۂ قیام میں ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۹ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ جن دنوں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں شریک تھے۔ اپنے استادِ گرامی مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے بیعت کی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) مدرسہ مظاہر العلوم کے سرپرست تھے اور اُن کی بار ہا زیارت ہوئی تھی۔ اُن سے تعلقِ خاطر تھا۔ چنانچہ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ کو اُن سے سلوک و معرفت کے مسائل پر خط و کتابت شروع ہوئی اور جمادی الاخریٰ ۱۳۴۹ھ میں مولانا تھانویؒ نے انہیں خلافت و اجازت سے نواز دیا۔[1] مولانا عبدالماجد دریاآبادی (م ۱۳۹۷ھ) نے لکھا ہے:

"شیخ الطریقت مولانا عبدالرحمان صاحب کیمبل پوری، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے اور ایسے نادرِ روزگار کہ مسندِ خلافت آپ کو اپنے شیخ سے قبل بیعت ہی انہ خود مرحمت ہوگئی تھی"[2]

۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں شعبان و رمضان کی تعطیلات گزارنے وطن آئے ہوئے تھے کہ ہندوستان تقسیم ہوگیا۔ اور سہارن پور سے تعلق ملازمت ٹوٹ گیا۔ مولانا خیر محمد

---

[1] یہ خط و کتابت "مکاتیب عبادۃ الرحمان" کے عنوان سے اشرف السوانح جلد سوم میں شامل ہے بعد میں "تجلیاتِ رحمانی" میں بھی یہ مراسلت شائع ہوئی۔

[2] بحوالہ تجلیاتِ رحمانی ص ۱۲۶

جالندھری نے مدرسہ "خیر المدارس" ملتان کی بنیاد رکھی تو اشتراکِ مسلک کی بنیاد پر ۱۳۶۷ھ تا ۱۳۶۹ھ خیر المدارس میں شیخ الحدیث رہے۔ ۹ر محرم ۱۳۶۹ھ/یکم نومبر ۱۹۴۹ء کو علمائے دیوبند کے ایک نمایندہ اجتماع میں ایک مرکزی دار العلوم قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جس کے نتیجے میں دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار قائم ہوا۔ شیخ الحدیث کی مسند کے لیے مولانا عبدالرحمان کا انتخاب ہوا۔ موصوف یکم شعبان ۱۳۶۹ھ تا شعبان ۱۳۷۲ھ یہاں رہے۔ اس کے بعد چار سال جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں درسِ حدیث دیا۔

۱۹۵۸ء میں بوجہ ضعفِ پیری سلسلۂ تدریس ختم کر دیا اور وطن مالوف میں اقامت اختیار کرلی۔ ۱۰ر دسمبر ۱۹۶۵ء/۱۶ر شعبان ۱۳۸۵ھ کو فالج میں مبتلا ہو کر ۲۱ر دسمبر/۲۷ر شعبان کو انتقال کیا۔ "بہبودی" میں تدفین عمل میں آئی۔ مصرعہ وفات یہ ہے ؎

آہ اب تیغِ اجل سے بے سروپا ہو گئے

فقر و دین، زہد و ورع، فضل و کرم، علم و عمل

ق + ی + ہ + ر + مں + ر + ل + م

—— ۱۳۸۵ھ ——

مولانا کاملپوری کم سخن، خاموش طبع اور زاہد و متقی بزرگ تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رح نے ایک بار کہا تھا کہ "مولانا کاملپوری نہیں پورے کامل ہیں"۔

مولانا سے چند متفرق تحریریں یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ "مختصر الطحاوی کی" بعض مشکل عبارات کی توضیح "الحاوی علی مشکلات الطحاوی" میں ان کے قلم سے ہے۔

عبدالرحیم کوٹلوی (وھابی نجدی اھل حدیث)

عبدالرحیم کوٹلوی ۱۸۹۰ء/۱۳۰۷ھ میں موضع "بن تودلہ" ضلع قصور میں پیدا ہوئے۔ نسباً اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کی عمر چھ برس تھی کہ اُن کا خاندان ترکِ سکونت کر کے "کوٹلی رائے ابوبکر" چلا گیا۔ اُنہوں نے مڈل کا امتحان کھیم کرن سے پاس کیا اور دینی تعلیم کے لیے "لکھو کے" چلے گئے۔ لکھو کے میں اُن کے ہم سبق طلبہ میں مولانا محمد عمر اچھروی بھی شامل تھے۔ لکھو کے کی درس گاہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اسی عرصے میں طب پڑھا اور ذریعہ معاش کے طور پر منڈی عثمان والا میں مطب شروع کیا۔ بعد میں مطب کو تبلیغی اور سیاسی سرگرمیوں میں مانع سمجھتے ہوئے ختم کر دیا۔ سیاسی طور پر مجلس احرارِ اسلام سے وابستہ رہے تھے۔

۱۹۴۷ء کے آغاز میں پتوکی آ گئے تھے اور اپنی خدمات جمعیت اہل حدیث کے سُپرد کر دیں۔ مدت العمر جمعیت اہل حدیث ضلع لاہور کے ناظمِ اعلیٰ رہے اور جمعیت کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

اپنے مسلک میں بہت سخت تھے۔ مناظروں اور مباحثوں میں دلچسپی لیتے تھے۔ اپنے پرانے دوست مولانا محمد عمر اچھروی سے چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ طویل عرصہ بیمار رہ کر ۴؍دسمبر ۱۹۶۹ء/۲۴؍رمضان ۱۳۸۹ھ کو وفات پائی۔

قاضی عبدالرحیم

(وھابی نجدی اھل حدیث)

قاضی عبدالرحیم بن قاضی عبداللہ بن قاضی نظام الدین ۷ ار دسمبر ۱۸۸۴ء / ۲۸ ر صفر ۱۳۰۲ھ کو ضلع گوجرانوالہ کے معروف قصبہ "کوٹ قاضی" میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان کے بعض افرادِ گلاب سنگھ اور رنبیر سنگھ والیانِ کشمیر کے ہاں معزز عہدوں پر فائز تھے۔ قاضی نظام الدین کو سید امیر حیدر شاہ خانپوری ہزاروی سے عقیدت تھی اور اُن کے توسط سے مولانا عبداللہ غزنوی سے متعارف ہوئے۔ دونوں بزرگوں کے زیرِ اثر اہل حدیث ہو گئے تھے اور اس طرح قاضی خاندان میں تحریکِ اہل حدیث عام ہوئی۔

قاضی عبدالرحیم نے ابتدائی درسی کتب گھر پر پڑھ کر ۱۸۹۵ء / ۱۳-۱۳۱۲ھ میں حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے حلقۂ درس میں شمولیت اختیار کی اور سات سال بعد اُن سے سندِ فراغت حاصل کی۔ ۱۹۰۵ء میں مولانا عبدالجبار غزنوی سے صحیح بخاری کا اعادہ کیا۔ اسی طرح مولانا عبدالاوّل غزنوی سے ابوداؤد پڑھی۔ مدرسہ تقویت الاسلام امرتسر کے مدرس مولانا محمد معصوم ہزاروی سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ ۱۹۰۶ء تا ۱۹۰۸ء دہلی کے مدرسہ طبیہ میں زیرِ تعلیم رہے۔

حصولِ تعلیم سے فارغ ہو کر گوجرانوالہ میں مطب شروع کیا اور آخر دم تک خلقِ خدا کو فیض پہنچاتے رہے۔ پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے ساتھ ملک کی دینی اور سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے۔ تحریکِ مجاہدین کے ہمدردوں میں سے تھے۔ مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی سے تعلقِ ارادت تھا اور دامے درمے تحریک کا تعاون کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق خلافت کمیٹی گوجرانوالہ کے سیکرٹری جنرل رہے تھے۔ ۲ ر محرم ۱۳۹۱ھ / ۲۷ ر فروری ۱۹۷۱ء کو فوت ہوئے۔

عبدالرسول قصوری

مولانا حافظ عبدالرسول بن مولانا غلام محی الدین قصوری ۱۲۳۵ھ/ ۲۰-۱۸۱۹ء میں قصور میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور والدِ ماجد سے علوم مروجہ کی تحصیل کی۔ اُن ہی کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی، سندِ فضیلت اور سلسلۂ نقشبندیہ میں خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا عبدالرسول نے وعظ و ارشاد اور درس و تدریس میں زندگی گزاری۔ اپنے وقت کے بلند پایہ علماء میں شمار ہوتے تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری کو اُن سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ مفتی صاحب اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "حضرت (غلام محی الدین قصوری) کے صاحبزادے شیخ عبدالرسول بھی عالم اعلم و فاضل افضل و کامل اکمل، جامع شرافت و نجابت، ہادیٔ شریعت و طریقت، واقف حقیقت و معرفت ہیں۔ حضرت کی ذات بابرکات ایسے زمانہ میں کہ مردانِ خدا عنقا ہو گئے ہیں، مغتنماتِ وقت سے ہے۔ مؤلف کتاب بھی اُن کے دیدارِ پُرانوار سے مشرف ہوا ہے۔ سبحان اللہ کیسے مردِ خدا ہیں۔ جن کی زیارت کرنے سے خدا یاد آتا ہے۔ اللہ اُن کو دیر تک سلامت رکھے۔ حضرت کا وعظ ایسا پُرمذاق و پُرتاثیر ہے کہ سننے والے کے دل پر اس کے مضامین نقش ہو جاتے ہیں اور جب تک حضرت وعظ میں مصروف رہتے ہیں آنکھوں سے آنسو نہیں تھمتے اور اخلاقِ حسنہ کی تعریف کیا کی جائے۔ حضرت کے اخلاق کو محمدی اخلاق سے کمال نسبت ہے[1]۔"

---

[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۴۱-۱۴۲

مولانا قصوری مہمان نواز، محبِ فقراء اور فیاض تھے۔ طبعاً حلیم اور متواضع تھے۔

۲۱۔ محرم ۱۲۹۴ھ/۵ ۔ فروری ۱۸۷۷ء کو فوت ہوئے۔ مولانا غلام دستگیر قصوری نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مولانا غلام محی الدین قصوری کے احاطۂ مزار میں دفنائے گئے۔ "رضی اللہ الحمید عنہ"[1]

۱۲۹۴ھ

سے سالِ وفات نکلتا ہے۔ مولانا غلام رسول شائق رسول نگری نے عربی میں قطعہ تاریخِ وفات کہا جو لوحِ مزار پر کندہ ہے:

الا عبد الرسول الشیخ قدمات!
ہو الکامل بلا نقص ولا عیب
فان تسألن عن عام ارتحالہ
اقل تاریخہ نورث بلا ریب[2]

۱۵۰۶ - ۲۱۲ = ۱۲۹۴ھ

مولانا عبد الرسول قصوریؒ نے تصنیف و تالیف کی طرف چنداں توجہ نہیں دی تاہم اُن سے "خطیاتِ جمعہ و عیدین" یادگار ہیں۔ اُن کی اولاد میں صرف دو صاحبزادیاں ہیں۔

---

[1] احسن الکلام گوہر نظام ص ۶۱

[2] انوار محی الدین ص ۲۳۰

عبدالرشید نسیم

(وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالرشید نسیمؔ بن مولانا محمد بخش علمی دنیا میں علامہ طالوت کے نام سے معروف ہیں۔ یکم فروری ۱۹۰۹ء/ ۷ رمحرم ۱۳۲۷ھ کو ڈیرہ غازی خان کے نواحی گاؤں چوٹی زیریں جمال خان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدِ ماجد مولانا محمد بخش فارسی اور عربی کے فاضل تھے۔ دبیر الملک، مولانا عزیز الرحمان عزیزؔ نے لکھا ہے :

"حضرت مولانا مولوی محمد بخش صاحب قدس سرہٗ العزیز جو اپنے وقت کے فقیہ اعظم، بہت بڑے صوفی اور ولی اللہ تھے۔ خود خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ (غلام فریدؒ) کے تربیت یافتہ تھے۔ اُس شخص کے مقام کی بلندی کا اندازہ تخیلِ پرشکستہ کیا کر سکتا ہے جو حضرت خواجہ محمد بخش صاحب، نازک کریم کا ہم نام و ہم درس تھا اور مغفور خواجہ غلام فرید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خصوصی درس کا بہترین طالب علم تھا[1]"

مولانا محمد بخش مرحوم نے اپنے منجھلے صاحبزادے مولانا عبدالرشید کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم ڈیرہ غازی خان میں حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی فاضل" کا امتحان پاس کیا۔ فنِ طب میں "زبدۃ الحکماء" کا درجہ رکھتے تھے۔

مولانا عبدالرشید فارغ التحصیل ہوئے تو محکمۂ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ مختلف

---

[1] دیوانِ فرید (مترجم، شرح اور مصور) ص ۷

تعلیمی اداروں میں کام کیا۔ آخری زمانہ حیات میں گورنمنٹ نارمل سکول ملتان میں السنہ شرقیہ کے استاد تھے۔ انہوں نے خاموش علمی زندگی گزاری۔ بیسیوں مضامین لکھے جو برِ صغیر پاک و ہند کے معروف، اور بلند پایہ رسائل و جرائد مثلاً خیّام (لاہور)، عالمگیر (لاہور)، معارف (اعظم گڑھ) اور العزیز (بہاول پور) میں شائع ہوئے۔

مولانا عبدالرشید نسیم کی اہم قلمی یادگاریں یہ ہیں:

۱۔ مقدّمہ دیوانِ فرید (ص ۱۲ - ۱۱۰) مرتبہ و مشرّحہ مولانا عزیز الرحمان عزیزؔ

۲۔ تاریخ ادبِ عربی (غیر مطبوعہ)

مولانا عبدالرشید کے اہم کارناموں میں سے ایک علاّمہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی کے درمیان مفاہمت کرانا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ۸ر جنوری ۱۹۳۸ء / ۶ ر ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ کی شب مولانا حسین احمد مدنیؒ نے صدر بازار دہلی کے ایک جلسہ میں تقریر کی۔ جس کا بڑا حصہ ۹ر جنوری کے روزنامہ "تیج" (لاہور) اور روزنامہ "انصاری" (دہلی) میں شائع ہوا۔ چند روز بعد "الامان" (دہلی) اور "وحدت" (دہلی) نے اس تقریر کو قطع و برید کے بعد اپنے صفحات میں جگہ دی۔ ان پرچوں سے "زمیندار" (لاہور) اور "انقلاب" (لاہور) نے اس تقریر کو نقل کیا اور یہ جملے مولانا مدنیؒ کی طرف منسوب کئے کہ:

"اس زمانے میں قومیں وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ بھی اپنی قومیّت کی بنیاد وطن کو بنائیں[1]"

---

[1] مولانا سیّد حسین احمد مدنی .... اور علامہ اقبال، انوارِ مدینہ خ، ش، ص ۴۳

ان اخباری اطلاعات سے متاثر ہو کر علامہ اقبالؒ نے حسبِ ذیل اشعار کہے ع

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ!
ز دیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبیست
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدؐ عربی ست
بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است[1]

ان اشعار سے برصغیر کے علمی و دینی حلقوں میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ مولانا عبدالرشید نے "طالوت" کے قلمی نام سے دونوں بزرگوں سے خط و کتابت کی اور دونوں کو ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ کیا۔ جب مولانا مدنی نے یہ واضح کر دیا کہ انھوں نے مسلمانانِ برِ صغیر کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں بلکہ صرف امرِ واقعہ بیان کیا ہے کہ آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں تو علامہ نے روزنامہ "احسان" کے مدیر کو خط لکھا جس میں ارشاد فرمایا:

"مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانانِ ہند کو جدید نظریۂ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اعتراض کا نہیں رہتا۔"[2]

مولانا عبدالرشید اُردو اور فارسی کے کامیاب شاعر تھے۔ گاہے نسیم اور

---

[1] ارمغانِ حجاز ص ۲۷۸

[2] انوارِ اقبال ص ۱۶۸

گاہے طالوت تخلص کرتے تھے۔

۳۰ مارچ ۱۹۶۳ء/۵ ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ کو فوت ہوئے۔ جناب عاصی کرنالی نے حسب ذیل قطعۂ وفات کہا ؎

شعر و سخن کی موت، مذاقِ طلب کی موت،
طالوت کی وفات ہے علم و ادب کی موت،
آج ایک پُر خلوص انسان مر گیا
ملتان کا اک عظیم تر انسان مر گیا

عبدالستار شیخوپوری

مولانا عبدالستار شیخوپوری بن میاں مردان ۱۸۸۳ء/۱۳۰۰ھ میں ضلع شیخوپورہ کے گاؤں "کھاریاں والا" میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدِ ماجد میاں مردان اپنا آبائی مذہب ترک کر کے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور بافندوں کا کام کرتے تھے۔

مولانا عبدالستار ذرا بڑے ہوئے تو اپنے والد کا ہاتھ بٹانے لگے اور چالیس سال کی عمر تک آبائی پیشہ سے منسلک رہے۔ شاعرانہ مزاج پایا تھا اور دینی موضوعات پر اظہارِ خیال کرتے رہتے تھے۔ چالیس سال کی عمر میں باقاعدگی سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اُن کی شہرت عام ہوئی تو اُن کے مرتبہ شناسوں نے اُنہیں فکرِ معاش سے بے نیاز کر دیا۔ موضع بگھیاڑی کے رہنے والوں نے اُنہیں کچھ زمین ہدیۃً دے دی جس سے اُن کی گزر اوقات ہوتی تھی۔

مولانا عبدالستار آخری ایامِ زندگی میں فیروز وٹواں ضلع شیخوپورہ آ گئے تھے۔ اُن کا زیادہ وقت وعظ و نصیحت اور شعر و شاعری میں گزرتا تھا۔ دینی موضوعات کو عوام کی زبان اور لہجے میں ادا کرنے کا سلیقہ رکھتے تھے۔ ۲۱ مارچ ۱۹۱۳ء/۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ کو فیروز وٹواں میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔

مولانا عبدالستار سے حسبِ ذیل منظوم پنجابی کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ اکرامِ محمدی (سورۂ والضحیٰ کی تفسیر)

۲۔ یوسف زلیخا

۳۔ مجموعہ اشعار عبدالستار

۴۔ مہیش نامہ

۵۔ عبرت نامہ | ۶۔ نیلن نامہ
۷۔ بارہ ماہ | ۸۔ چرخہ رنگ رنگیلا
۹۔ سی حرفیاں | ۱۰۔ مدح نبی کریمؐ
۱۱۔ مدح پیرانِ پیر

عبدالعزیز پرہاروی

علّامہ ابوعبدالرحمان عبدالعزیز بن احمد بن حامد قرشی اندازاً ۱۲۰۹ھ/۹۵-۱۷۹۴ء میں کوٹ ادّو کی مضافاتی بستی بڑھیاراں میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان افغانستان کے راستے برّصغیر میں منتقل ہوا تھا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی اور اُن ہی سے قرآن مجید حفظ کیا۔ بعد میں مولانا محمد جمال ملتانی کے مدرسہ میں پہنچے اور اُنکے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔

علّامہ عبدالعزیز کو اللہ تعالےٰ نے ذکاوفہم کا وافر حِصّہ دیا تھا۔ سالوں کا کام مہینوں میں کر لیتے تھے۔ تیسیر محمد نادرؔ نے اُن کے تعارف میں لکھا ہے کہ:

" حافظ عبدالعزیز در ادراک حقائقِ علوم لبسا صاحب تمیز بودہ قوتِ حفظ لبغایت قوی داشت وہنگام مطارحہ و مذاکرہ صفحہ بل اوراق کتبِ معتبرہ راکہ از بر میخواند واز مذاقِ تحریر دلپذیر نیز خطی بسیار ہم رسانیدہ[۱] "

قلم میں اس قدر روانی تھی کہ یوسف زلیخا (جامیؔ) لکھنے بیٹھے تو ایک دن میں دو جزو کم پوری کتاب لکھ ڈالی۔

علّامہ عبدالعزیز کے علم و فضل کی ایک دنیا معترف ہے مگر زندگی میں اُنہیں حاسدوں سے سابقہ پڑا۔ "ایمانِ کامل" کے خاتمہ میں لکھتے ہیں:

شکر للہ این کتاب دل فروز   شد تمام از فضل دریک سہ روز

دیدۂ انصاف بکشا و بین   بر مصنّف کن دعا و آفرین

گر خطا بینی باصلاحش بپوش   عیب جوئی نیست کارِ اہلِ ہوش

---

[۱] زبدۃ الاخبار ص ۸۵

احمقانے چند بے عقل و خرد — عیب میگرند بر من از حسد
این نمی داند این قوم حسود — کایں حسد بر فضلِ ربّانی چہ سود
علم ایشاں نظری و کسبی بود — علمِ ما اشراقی و حسبی بود
نسبتے با من ندارند ایں چناں — بر زمینند و منم بر آسمان[۱]

علّامہ موصوف علوم مروّجہ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول فقہ، عقائد و کلام، منطق و فلسفہ، طب و فلکیات وغیرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ان سب ہی موضوعات پر اُن کی تحریریں موجود ہیں۔ موصوف بلند پایہ طبیب تھے۔

علّامہ عبدالعزیز سلسلہ چشتیہ میں اپنے اُستادِ گرامی مولانا محمد جمال ملتانی سے بیعت تھے اور اُن کے خلفاء میں شامل تھے۔ چشتی صوفیاء عام طور پر امراء کے درباروں سے دُور رہے ہیں۔ علّامہ موصوف بھی امراء سے مستغنی تھے تاہم جہاں[۲] علم اور دین کی لگن نظر آتی تھی۔ وہاں تعلق رکھتے تھے۔

علّامہ موصوف ۱۲۳۹ھ/۲۴-۱۸۲۳ء کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ اس سال کے بعد اُن کی کوئی تالیف نہیں ملتی۔

علّامہ مرحوم کی تصنیفات کی مختصر فہرست یہ ہے:

۱۔ نبراس (عربی۔ عقائد)

علّامہ ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد معروف بہ نجم النسفی (م ۵۳۷ھ) نے عقائد اہلسنت پر ایک مختصر رسالہ لکھا۔ اس رسالہ کی کثرت سے شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سے علّامہ سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ) کی شرح متداول ہے۔

۱؎ ایمانِ کامل (نسخہ خطی کتاب خانہ گنج بخش اسلام آباد) ص ۲۸-۲۹

۲؎ مولانا محمد عبدالواسع (ناشر "نعم الوجیز") نے لکھا ہے کہ "کان یستغنی بالعلم من الامراء"

علاّمہ عبدالعزیز نے سعدالدین تفتازانی کی شرح عقائد" پر شرح لکھی جو "نبراس" کے نام سے مقبول و متعارف ہے۔ پہلی بار میں طبع ہوئی تھی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی (م ۱۳۷۵ھ) اپنی "محسن کتابوں" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب شرح عقائد شروع ہوئی تو میرے ایک پنجابی ملتانی اُستاد مولانا محمد اشرف مرحوم نے شرح عقائد کی ایک گمنام شرح کا پتہ دیا اس کا نام نبراس ہے .... کتاب منگائی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب میں عام درسی مذاق سے زیادہ مفید چیزیں ملنے لگیں اور اس کے مطالعہ میں زیادہ لذّت ملنے لگی۔ میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ علمِ کلام کا تصوّف کے نظری حصّہ سے جو تعلق ہے سب سے پہلے اس کا سراغ مجھے نبراس ہی کے چراغ کی روشنی میں ملا۔ اس میں کتابی اُلجھنوں سے زیادہ واقعات سے دماغوں کو قریب کرنے کی کوشش کی گئی ہے"[1]

نبراس کے خطی نسخے بکثرت ملتے ہیں۔ دوسری بار لاہور سے حال ہی میں طبع ہو چکی ہے۔

۲۔ کوثرالنبی (عربی۔ حدیث)

اصولِ حدیث اور مصطلحاتِ حدیث پر ضخیم اور وقیع تالیف ہے۔ کوثرالنبی کا ابتدائی حصّہ مکتبہ قاسمیہ ملتان نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی تلخیص "منتخب کوثرالنبی" کے نام سے "محمد جی" نامی ایک عالم نے کی ہے جس کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۲۸۴ھ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے[2]

---

[1] مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں ص ۴۴

[2] فہرست مفصّل جلد اوّل ص ۴۲ - ۴۴

۳۔ الناہیہ عن طعن معاویہؓ (عربی)

فضائلِ صحابہ اور خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل پر یہ رسالہ ۳ ر رمضان ۱۲۳۲ھ کو مکمل ہوا۔ ملتان سے طبع ہوا جس کا عکس ترکی سے شائع ہوا ہے۔

۴۔ ایمانِ کامل (علم کلام۔ فارسی منظوم)

ایک سو دس اشعار کا یہ رسالہ ایک تہائی روز میں مکمل کیا۔ ۱۳۴۰ھ/۲۲-۱۹۲۱ء میں اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے طبع ہوا۔

۵۔ انوارِ جمالیہ (سوانح و مناقب۔ عربی)

یہ رسالہ مؤلف نے اپنے مرشدِ طریقت حافظ محمد جمال ملتانی کے سوانح و مناقب میں اُن کی وفات کے تیسرے دن لکھا۔ مؤلف نے رسالہ کا کوئی نام نہیں رکھا۔ ان الفاظ سے آغاز کیا ہے:

"فہذہ الخصال الرضیہ والشمائل السنیہ لمولینا ومرشدنا وہادینا قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز" [۱]

جناب خلیق احمد نظامی نے "فضائلِ رضیہ" [۲] اور مترجم محمد برخوردار نے "انوارِ جمالیہ" یا "رسالہ جمالیہ" کے نام سے ذکر کیا ہے۔ محمد برخوردار نے عربی سے فارسی اور اُردو ترجمہ کیا ہے اور مختصر حواشی لکھے ہیں۔ ۱۳۲۵ھ میں آگرہ سے طبع ہوا۔ دوسری بار پہلی اشاعت کا عکس مکتبہ جمال چک ۱۱۴/۱۰-آر تحصیل خانیوال نے شائع کیا۔

۶۔ نعم الوجیز فی البیان والبدیع (عربی)

---

[۱] گلزارِ جمالیہ ص ۳-۴

[۲] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۰۶

یہ رسالہ ۷ ار ربیع الاولیٰ ۱۲۳۶ھ کو مکمل ہوا ۔ مکتبہ سلفیہ ملتان سے شائع ہوا ہے ۔

۷۔ الصمصام فی اصول تفسیر القرآن (عربی)

اصول تفسیر کے موضوع پر یہ رسالہ "نعم الوجیز" کے حاشیہ پر طبع ہوا ہے۔ ناشر کو اس کا ناقص نسخہ ہاتھ آیا جس کے درمیان سے چند صفحات غائب تھے۔ اسی صورت میں چھاپ دیا گیا۔

۸۔ مرام الکلام فی عقائد الاسلام (فارسی)

۹۔ زمرّد الطبّ (طب ۔ عربی)

طب کے موضوع پر یہ کتاب ۱۲۲۸ھ کے ماہ شوال و ماہ ذوالقعدہ میں تالیف ہوئی۔ اس کی تالیف محمد شاہنواز خان (یکی از امرائے ملتان) کے ایماء پر ہوئی تھی۔ اس کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ تیرھویں صدی ہجری پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں محفوظ ہے [1]۔

۱۰۔ کتاب الاکسیر = اکسیر اعظم

تین جلدوں میں ضخیم کتاب ہے۔ ۱۲۳۰ھ میں تالیف ہوئی۔ پنجاب پبلک لائبریری لاہور [2] اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور [3] میں خطی نسخے ہیں۔

"کتاب الاکسیر" کا اردو ترجمہ مولانا شمس الدین علوی بہاول پوری نے "مخزنِ سلیمانیہ" کے نام سے کیا ہے جو طبع ہو چکا ہے۔

۱۱۔ سرّ السماء (علم ہیئت) کتب خانہ سعدیہ خانقاہ سراجیہ کندیاں میں خطی نسخہ

---

[1] تفصیلی فہرست مخطوطاتِ عربیہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور ص ۲۴۰

[2] ایضاً ص ۲۳۷ ۔ ۲۳۹

[3] فہرست مفصّل جلد اوّل ص ۲۸۴ (حاشیہ)

ہے۔[1]

۱۲۔ السر المکتوم ما اخفاہ المتقدمون

۱۳۔ درِ مکنون (عملیات ۔ عربی)

۱۴۔ یاقوت احمر (طب)

۱۵۔ یاقوت التاویل (فارسی)

تذکرۃ الصدر کتابوں کے علاوہ مندرجہ ذیل نام صاحبِ "نزہت الخواطر" نے مزید لکھے ہیں۔[2]

۱۶۔ البحر المحیط
۱۷۔ سلسبیل
۱۸۔ رسالہ فی اثبات رفع السبابہ فی التشہد
۱۹۔ سدرۃ المنتہیٰ
۲۰۔ الحاشیۃ العزیزیہ علی ایساغوجی
۲۱۔ التریاق
۲۲۔ فرہنگ مصطلحاتِ طبیہ
۲۳۔ مذمّت تقلید
۲۴۔ العقیق
۲۵۔ معدن الجواہر
۲۶۔ الاوقیانوس
۲۷۔ الیواقیت فی علم المواقیت
۲۸۔ رسالہ فی الکسوت
۲۹۔ لوح المحفوظ
۳۰۔ منتہی الکمال

---

[1] دیدار کتاب خانہ ہائے پاکستان ص ۱۶۵

[2] نزہت الخواطر جلد ۸ ص

عبدالعزیز چاچڑوی

مولانا عبدالعزیز بن مولانا فضل الدین بن احمد یار کے آباؤ اجداد کا وطن بستی لنگر ضلع جھنگ تھا۔ احمد یار ترکِ سکونت کر کے چاچڑ شریف ضلع سرگودھا میں مقیم ہوئے۔

مولانا عبدالعزیز کے خاندان میں علمی، دینی اور تبلیغی ذوق موجود تھا۔ اُن کے والد ماجد مولانا فضل الدین، خواجہ شمس الدین سیالوی کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ مولانا فضل الدین کی رحلت پر ان کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد نصیر الدین جانشین ہوئے۔ مولانا محمد نصیر الدین یکم رجب ۱۳۳۲ھ/ ۲۶ر مئی ۱۹۱۴ء کو فوت ہوئے تو مولانا عبدالعزیز چاچڑوی مسند نشین ہوئے۔

مولانا عبدالعزیز کی روحانی تربیت بھی خواجہ شمس الدین سیالویؒ کی نگرانی میں ہوئی اور حضرت سیالوی کے خلفائے مجاز میں سے تھے۔ ۸ر جمادی الاخریٰ ۱۳۵۷ھ/ ۶ر جولائی ۱۹۳۸ء کو فوت ہوئے۔ چاچڑ شریف میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ آج کل مولانا عبدالعزیز کے بھانجے مسند نشین ہیں۔

عبدالعزیز سہالوی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالعزیز موضع سہال ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا غلام رسول المعروف "بابا انتی والا" سے حاصل کی۔ ۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے حدیث پڑھی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو مسلم ہائی سکول گوجرانوالہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ اُن کے تفقہ فی الدین اور تبحر فی العلوم کے پیشِ نظر گوجرانوالہ کے عوام نے جامع مسجد شیرانوالہ باغ کی خطابت پیش کی۔ اس مسجد کے ساتھ مدرسہ "انوار العلوم" کا اجرا ہوا۔ مولانا مدرسہ کے مہتمم اور صدر مدرس تھے۔ اہالیانِ گوجرانوالہ نے طویل مدت تک مولانا عبدالعزیز کے مواعظِ حسنہ سے استفادہ کیا۔

علم حدیث سے بے پناہ محبت تھی۔ انہوں نے مسند امام احمد بن حنبل اور صحیح بخاری کی فہرستیں بطور اطراف بہت محنت سے تیار کی تھیں۔ وسیع المطالعہ اور محقق عالم تھے۔

مولانا حسین علی (ساکن واں بھچراں) کے مرید اور خلیفہ تھے۔ تحریکِ آزادی میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۱۹ء میں برطانوی حکومت کے خلاف جذبات شدت سے اُبھرے تو گوجرانوالہ میں ہنگامہ ہوا۔ ریلوے اسٹیشن کو آگ لگا دی گئی تھی اور کئی دوسری سرکاری عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا۔ مارشل لاء نافذ کر کے اس ہنگامہ پر قابو پایا گیا تھا۔ اس موقع پر مولانا عبدالعزیز گرفتار ہوئے اور قید بامشقت کی سزا پائی تھی۔

۱۹۳۳ء میں "قرأتِ خلف الامام" کے موضوع پر مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (م ۱۳۶۷ھ) سے اُن کا تحریری مناظرہ ہوا۔ یہ تحریری بحث العدل (گوجرانوالہ) اور اہل حدیث (امرتسر) کے صفحات پر چلتی رہی۔ مولانا عبدالعزیز نے ایک موقع پر یہ لکھا کہ صحیح مسلم میں حدیث

ہے کہ "اذا قرا، فانصتوا" مولانا امرتسری نے اسے صحیح مسلم کی حدیث ماننے سے انکار کر دیا۔ بحث طول پکڑ گئی آخر دونوں حضرات نے سیّد سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) کو حکم مان لیا۔ مولانا ندوی نے مولانا عبدالعزیز کے حق میں فیصلہ دیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے انتقال پر مولانا ندوی نے لکھا تھا:

"مرحوم کو ایک دفعہ مجھ سے شکایت بھی پیدا ہوئی اُس کی صورت یہ ہوئی کہ دس پندرہ برس ہوئے مرحوم اور اُن کے حنفی حریف مولانا عبدالعزیز خطیب گوجرانوالہ مصنّف اطراف بخاری کے درمیان حدیث واذ قراء الامام فانصتوا کے صحیح مسلم میں موجود ہونے یا نہ ہونے پر اخبارات میں تحریری مناظرہ ہو رہا تھا۔ فریقین نے اس باب میں مجھے حکم مانا۔ میں نے مولانا مرحوم سے کچھ پوچھے بغیر صرف دونوں کی تحریروں کو دیکھ کر فیصلہ مرحوم کے خلاف اور مولانا عبدالعزیز کے موافق کیا۔"[1]

مولانا موصوف فرقِ باطلہ کی سرکوبی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ قادیانیت کی تردید میں بہت پُرجوش تھے۔ ۱۹۳۰ء میں جب انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے "امیرِ شریعت" کے لیے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام تجویز کیا تو مولانا عبدالعزیز پہلے شخص تھے جنہوں نے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

رمضان ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں فوت ہوئے اور اپنے آبائی گاؤں سہال میں مدفون ہوئے مرحوم سے حسبِ ذیل تالیفات یادگار ہیں۔

۱۔ فہرست مسند امام احمد بن حنبلؒ (غیر مطبوعہ)

---

[1] یادِ رفتگاں ص ۴۲۰

مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کے بارے میں لکھا تھا کہ:

"مرحوم نے مجھے لکھا تھا کہ مسند ابن حنبل کی بھی ایک فہرست بنائی ہے اور وہ اس کے چھپوانے کی فکر میں تھے۔ کیا اچھا ہو اگر ان کی یادگار میں ان کی یہ کتاب گوجرانوالہ کے قدردان چھپوا سکیں یا وہ اس نسخہ کو کسی قدر شناس کے سپرد کریں کہ وہ اس کو چھپوا کر اس فیض کو عام کرے۔"[1]

۲۔ نبراس الساری علی اطراف البخاری

۳۔ حاشیہ علی الطحاوی (غیر مطبوعہ)

۴۔ حاشیہ نصب الرایہ للزیلعی تا کتاب الحج

۵۔ بغیۃ الالمعی

۶۔ مسئلہ تقلید

۷۔ اظہار الحق (ترک قرأت خلف الامام)

۸۔ کیفیت مناظرہ تحریری (مابین عبدالعزیزؒ و مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ)۔ یہ رسالہ مولانا احمد علی گجراتی[2] (فاضل دیوبند) مدیر ہفت روزہ "الہلال" (گوجرانوالہ)

---

[1] یادرفتگاں ص ۲۴۸

[2] مولانا احمد علی بن حیات بخش موضع گورسیاں ضلع گجرات کی گوجر برادری میں ۱۸۹۱ء/۱۳۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مولانا عبداللہ بٹالوی، مولانا فضل الرحمان رملاسی، مولانا سلطان احمد گنجوی اور مولانا حمید الدین مانسہروی سے اکتساب فیض کیا۔ ۱۹۱۹ء/۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند گئے اور دو سال بعد سند فضیلت حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تو خانقاہ فاضلیہ بٹالہ کے سجادہ نشین سید بدر معین الدین کے اتالیق مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ سے منسلک ہو گئے۔ اسی سال مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۵ء میں منشی فاضل کی سند

اور جناب منظور حسنؒ نے مرتب کیا تھا۔

حاصل کی۔ ۱۹۲۷ء میں مدرسہ انوار العلوم سے مستعفی ہو کر اسلامیہ محبوب عالم ہائی سکول میں مدرس عربی ہو گئے۔ ۱۹۲۹ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے او،ٹی کی پیشہ ورانہ سند کی۔ ۱۹۶۴ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

علمائے دیوبند کے مسلک کے نقیب وداعی تھے۔ ۱۹۲۶ء میں اخبار "العدل" (گوجرانوالہ) کے مدیر مقرر ہوئے اور چند سال بااحسن وجوہ اخبار کی ادارت کی۔ اخبار میں حنفی مسلک کی تائید اور اہل حدیث کی مخالفت میں مضامین چھپتے رہتے تھے۔

مولانا احمد علی بااخلاق، خوش مزاج اور محفل آرا بزرگ ہیں۔ ان دنوں بینائی ختم ہو چکی ہے اور آبائی وطن ہی میں مقیم ہیں۔

مفتی عبدالعزیز مزنگوی

مفتی عبدالعزیز بن میاں محمد فضل الدین (م ۱۳۳۷ھ) بن محمد عطاء اللہ موضع چانگاں والی (نزد جلال پور جٹاں) کے ایک دیندار اور صاحبِ علم خانوادے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ ٹھٹھہ موسیٰ میں بغرضِ تعلیم مقیم رہے۔ یہاں سے لاہور آئے۔ مدرسہ رحیمیہ (مسجد نیلا گنبد) میں مولانا محمد عالم رامپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کچھ عرصہ انجمن حمایت اسلام کی دینی درسگاہ مدرسہ حمیدیہ میں کریم بخش سے استفادہ کیا بعد میں مولانا کریم بخش کے صاحبزادے فضل میراں کی خدمت میں دس بارہ سال رہے اور علومِ مروّجہ کی تکمیل کی۔ مفتی عبدالعزیز ان کے نامور شاگرد اور داماد تھے۔

زمانہ تعلیم ہی میں مزنگ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جامع مسجد چاہ جھنڈی والی میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا بعد میں ایک دوسری مسجد قلعہ مادھو میں درسِ قرآن شروع کیا اور آخر دم تک اس مسجد کو اپنی دینی سرگرمیوں کے لیے مخصوص رکھا۔ زندگی بھر دینی خدمات کے مشاہرہ سے اجتناب کیا اور اکلِ حلال کے لیے تصنیف و تالیف اور پروف ریڈنگ کرتے رہے۔

مفتی عبدالعزیز وسیع المطالعہ عالم تھے۔ ان کا زیادہ وقت مطالعہ اور تصنیف میں گزرتا تھا۔ کتابوں سے از حد لگاؤ تھا۔ عُمدہ اور نادر کتابیں خریدتے اور خود ہی خوبصورت جلد بندی کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کے کاموں سے فرصت ملتی تو اصلاح و تبلیغ میں مصروف رہتے۔ مزنگ میں "انجمن اسلامیہ" بنائی جس نے تبلیغ و اصلاح کے میدان میں اچھی خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان سے پہلے مفتی صاحب مسلمان قیدیوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے جیل جاتے اور اُن سے خطاب کرتے تھے۔

۳۰ رجب ۱۳۸۲ھ/ ۱۶ دسمبر ۱۹۶۳ء کو لاہور میں واصل بحق ہوئے اور قبرستان

یا نی پتی دفنائے گئے۔ مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حیات ہیں۔ بڑے صاحبزادے مولانا عبدالرشید اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینی و تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مفتی صاحب مرحوم کثیر التصانیف صاحب قلم تھے۔ جناب عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے اُن کی حسب ذیل تیرہ کتابوں کا ذکر کیا ہے[1]

۱۔ الافتاء فی جواب الاستفتاء ۔ ۲۔ عزیز المعظم فی اکرام المکرم

۳۔ عزیز البیان فی تفسیر القرآن۔ بہ اشتراک مولانا ابو المظفر فضل الرحمان

۴۔ ترجمہ عہد نامہ

۵۔ اربعین عزیزی المعروف بہ احسن الاقوال فی احوال الابدال

۶۔ آفتاب ہدایت ۔ ۷۔ سیرۃ النبی الخلیل

۸۔ عزیز المجلی (ترجمہ و تشریح منیۃ المصلی المعروف بہ تکمل صلوٰۃ الرحمان)

۹۔ قربانی کے احکام ۔ ۱۰۔ مسائل زکوٰۃ

۱۱۔ نسب نامہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۲۔ زاد الآخرۃ فی مسائل الجنازہ

۱۳۔ تصحیح و تحشیہ عزیز المرقاۃ الی مطالب المشکوٰۃ

---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۲۳۳

عبدالعزیز شاہ جالندھری (وھابی نجدی دیوبندی)

سید عبدالعزیز بن پیر حیدر علی شاہ کا آبائی وطن ”شیخ محمد“ ضلع قصور تھا۔ اُن کی ولادت مارچ ۱۹۰۱ء /۱۳۱۸ھ میں موضع داہگلے ضلع فیروز پور میں ہوئی۔ مدرسہ رشیدیہ رائے پور اور مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ میں تعلیم پاکر ۱۹۲۱ء /۱۳۳۹ھ میں فاتحہ فراغ پڑھا۔ ان کے اساتذہ میں مولانا فضل احمد، مفتی فقیر اللہ رائے پوری اور مولانا رحمت علی لدھیانوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوری کے دورۂ تفسیر میں شریک ہوکر سند حاصل کی۔ فن طب اپنے والد ماجد اور حکیم مشتاق احمد پروفیسر طبیہ کالج لاہور سے سیکھا۔

اُنہوں نے عملی زندگی کا آغاز ننکانہ صاحب میں خطابت سے کیا۔ یہاں سے ضلع فیصل آباد منتقل ہوگئے۔ دو سال یہاں رہ کر مولانا احمد علی لاہوری کے حکم پر جالندھر میں خطابت و امامت قبول کی۔ مسجد کے منتظمین سے اختلاف کی بنیاد پر ہندو آبادی میں گھری ہوئی ایک دور کی مسجد میں منتقل ہوگئے اور اپنی محنت اور شوق سے اللہ کے اس ویران گھر کو مسلمانوں کے سجدوں سے آباد کیا۔ قیام پاکستان تک جالندھر میں قیام پذیر رہے۔

جالندھر سے ہجرت کر کے ساہیوال آگئے جہاں ۱۹۵۰ء میں جامع نور کی بنیاد رکھی۔ سات سال بعد ”مدرسہ انوریہ“ قائم کیا جس سے ہزاروں بچوں نے قرآن مجید پڑھنا سیکھا۔ سید عبدالعزیز اچھے واعظ تھے۔ اثر آفریں اشعار سے سامعین کو گرماتے اور رُلاتے تھے۔ اندرون ملک کئی تبلیغی سفر کیے۔ دو بار انگلستان اور بلادِ یورپ کا سفر کیا۔ پانچ بار فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

ابتداء میں میاں شیر محمد شرقپوریؒ سے بیعت ہوئے۔ بعد میں مولانا احمد علی لاہوری سے قادری سلسلہ میں منسلک ہوئے۔ مؤخر الذکر نے ۱۹۴۶ء میں انہیں اپنا خلیفۂ مجاز نامزد کیا۔

مولانا جالندھری کو ۱۹۶۱ء سے پیشاب کی تکلیف تھی۔ مثانے میں پتھری پیدا ہو گئی تھی آپریشن کے باوجود تکلیف دُور نہ ہوئی۔ دوسری بار ۱۲ اپریل ۱۹۷۲ء کو میو ہسپتال لاہور میں اپریشن ہوا جو کامیاب نہ ہو سکا اور تیسرے دن ۱۵ مئی ۱۹۷۲ء یکم ربیع الاخریٰ ۱۳۹۲ھ کو اُن کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ مولانا عبیداللہ انور نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان میانی صاحب میں سپردِ خاک کئے گئے۔

مولانا مرحوم سے حسبِ ذیل اصلاحی و تبلیغی کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ حقیقت البر
۲۔ حقیقت المعاصی
۳۔ نفحات الجنّت
۴۔ نمازِ حنفی (مترجم)
۵۔ جامِ توحید
۶۔ حلِ مشکلات
۷۔ رہنمائے حج

مولانا مرحوم کی پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔ جن میں سے صاحبزادہ سید سعید احمد شاہ اور سید عبدالحمید شاہ درسِ نظامی کے فاضل اور حافظِ قرآن ہیں۔

عبدالعزیز مرتضائی

مولانا عبدالعزیز مرتضائی بن میاں گوہر علی ۱۹۱۴ء/۳۳-۱۳۳۲ھ کے لگ بھگ حسین خان والا چک نمبر ۸ ضلع لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد صوفی صافی تھے اور خواجہ نور محمد نقشبندی (متوطن قلعہ لال سنگھ) کے مُرید تھے۔

مولانا عبدالعزیز نے گاؤں کی مسجد میں قرآن مجید پڑھا اور درسِ نظامی کی کتب مختلف مدارس میں پڑھیں۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے دورۂ حدیث کیا۔

خواجہ نور محمد نقشبندی بن خواجہ غلام مرتضیٰ سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ اُن ہی سے خلافت حاصل کی اور اس نسبت کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ "مرتضائی" لکھتے تھے۔

مولانا عبدالعزیز فارغ التحصیل ہوئے تو آبائی گاؤں میں مسندِ درس بچھائی۔ کچھ عرصہ کوٹ غلام محمد خان (قصور) میں فرائضِ امامت و خطابت انجام دیئے۔ مناظرہ میں میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

۵ ربیع الاخریٰ ۱۳۹۵ھ/ ۱۸ اپریل ۱۹۷۵ء کو قصور میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے[۱]۔ لواحقین میں تین بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں۔ اُن کے فرزند ارجمند محمد عبدالرسول سجادہ نشین ہوئے۔

---

[۱] ماہنامہ "انوار الصوفیہ" (قصور) بابت مئی-جون ۱۹۷۵ء، ص ۱۰

عبدالعزیز خان بلوچ (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا عبدالعزیز خان بلوچ بن غلام رسول ضلع ڈیرہ غازی خاں کے ایک گاؤں چورٹہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے اساتذہ میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا نام ملتا ہے۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے بحیثیت واعظ وابستہ تھے۔ تقریباً ۲۵ سال پنجاب کے طول و عرض میں تبلیغِ دین کے لیے دَورے کرتے رہے، مناظرانہ ذوق رکھتے تھے اور اس فن میں خوب منجھے ہوئے تھے۔ طبعاً بہت سادہ اور جری شخص تھے۔

دارالحدیث محمدیہ ملتان کے تقریباً پندرہ سال مہتمم رہے، کچھ عرصہ تدریسی شغل بھی اختیار کیا۔ ملتان میں مسلکِ اہل حدیث کے فعال عالمِ دین تھے۔ ۱۰ر جولائی ۱۹۶۹ء/۲۴ر ربیع الاخریٰ ۱۳۸۹ھ کو وفات پائی۔ بوقتِ رحلت ان کی عمر ۷۲ سال کے قریب تھی۔ مرحوم سے تبلیغی اور مناظرانہ رنگ کے کئی کتابچے یادگار ہیں۔ چند ایک یہ ہیں:

۱۔ اہتمام جنازہ خیرالانام
۲۔ فیصلہ نکاح اُمِ کلثوم
۳۔ فیصلہ حدیثِ قرطاس
۴۔ باغِ فدک
۵۔ فضائل خلفائے ثلاثہ
۶۔ قراۃ خلف الامام
۷۔ فضائل درود

قاری عبدالعزیز شوقیؔ (وھابی نجدی دیوبندی)

قاری عبدالعزیز شوقیؔ انبالہ کے رہنے والے تھے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور اور دارالعلوم دیوبند سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ دیوبند میں انہوں نے فنِ تجوید مولانا قاری حفظ الرحمان سے سیکھا اور دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں فرائضِ امامت انجام دیتے تھے۔ قاری صاحب نے مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اعزاز علی، قاری محمد طیب، مفتی محمد شفیع اور مولانا شمس الحق افغانی سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

قاری صاحب نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ عربی، اُردو اور فارسی کے اچھے ادیب تھے۔ اُردو میں شعر کہتے اور شوقیؔ تخلص کرتے تھے۔ سہارن پور کے زمانۂ طالب علمی میں مولانا اسعد اللہ سے اصلاح لی تھی۔

پاکستان بننے پر ترکِ سکونت کر کے راولپنڈی آ گئے اور ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد لاہور آ گئے۔ آغاز میں مسلم مسجد لوہاری گیٹ میں بطور شیخ التجوید کام کیا۔ بعد میں دارالعلوم الاسلامیہ (پرانی انار کلی) سے وابستہ ہوئے۔ قاری عبدالمالک لکھنوی مرحوم دسمبر ۱۹۵۹ء/۱۳۷۹ھ میں فوت ہوئے تو دارالعلوم کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور آخر دم تک اس منصب پر فائز رہے۔

مولانا مرحوم مسلکِ اہلِ سنت کے پُرجوش داعی تھے۔ "تنظیم اہلِ سنت" کی تشکیل میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ تنظیم کے آرگن سہ روزہ "دعوت" کے کچھ عرصہ مدیر بھی رہے۔ ۹ رشعبان ۱۳۹۱ھ/۳۰ ستمبر ۱۹۷۱ء کو گلے کے سرطان میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔

عبدالعلی ہروی (شیعہ رافضی اھل تشیع)

شیخ عبدالعلی ہروی بن شیخ ملّا محمد بن شیخ حاجی انوند مشہد (ایران) میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباؤ اجداد ہرات کے رہنے والے تھے۔ اِسی سبب "ہروی" کی صفتِ نسبتی سے یاد کیے جاتے ہیں۔

شیخ عبدالعلی کے والد مشہد کے جیّد عالم اور متوسّط زمیندار تھے۔ شیخ عبدالعلی نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی اور مدرسہ فیض المدارس مشہد میں داخل ہوئے۔ اللہ تعالےٰ نے اُنہیں ذہانت و فطانت سے بہرۂ وافر عطا کیا تھا۔ درس انہماک سے سنتے اور اکثر بحث و مباحثہ میں شریک ہوتے تھے۔ بعض اوقات ان کی نکتہ سنجی سے اُن کے اساتذہ بھی لاجواب ہو جاتے۔ قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اساتذہ کی طویل تقریریں یاد کر لیتے تھے۔

شیخ عبدالعلی نے علومِ ظاہری کے ساتھ تزکیہ نفس اور صفائے باطن کے لئے محمد اکبر ترشیزی سے ربط و تعلق قائم کیا اور ترشیزی مرحوم سے چھ سال استفادہ کیا۔

شیخ عبدالعلی کے علم و نظر کی شہرت بہت جلد پورے ایران میں پھیل گئی۔ ناصرالدین شاہ قاچار نے اُنہیں نائب وزیر کا عہدہ پیش کیا جو اُنہوں نے قبول کر لیا تھا۔ شاہ نے اُن کے علوم کا فیض عام کرنے کی خاطر اُن کی نگرانی میں "ادارۃ المعارف" قائم کیا جس نے علمی و کلامی خدمات انجام دیں۔ اسی زمانے میں محمد علی باب، کا فتنہ اُٹھا۔ شیخ موصوف نے بابیوں کے کفر کا فتویٰ دیا اور اُن کی گمراہیوں پر کڑی نکتہ چینی کی۔

ناصرالدین شاہ قاچار ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء میں ایک بابی کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اُس کا جانشین مظفر الدین شاہ قاچار ہوا۔ مظفر الدین نے ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء میں روس سے آٹھ لاکھ تومان کا قرضہ لیا تو علماء نے اُس کی شدید مخالفت کی۔ شیخ عبدالعلی بھی اُن علماء میں شامل تھے۔ یہ تنقید و گرفت شاہ کو ناگوار گزری اور شیخ موصوف کو ایران چھوڑنا پڑا۔

شیخ عبدالعلی ایران سے نکل کر یورپ کے دَورے پر چلے گئے۔ واپسی پر ترکی اور عراق ہوتے ہوئے ۱۳۲۰ھ/۰۳-۱۹۰۲ء میں کراچی تشریف لائے۔ کچھ عرصہ کراچی اور شکارپور میں مقیم رہے۔ یہاں کے اہلِ علم نے اُنہیں خوش آمدید کہا۔ بالخصوص سندھ اور پنجاب کے اہلِ تشیع نے اُنہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔

اُنہوں نے پہلی مجلس مالیر کوٹلہ میں پڑھی۔ اس کے بعد پٹیالہ میں مقیم رہے۔ ۱۹۰۶ء/ ۱۳۲۴ھ میں پنجاب اُن کے وعظ سے گونجنے لگا۔ موصوف فارسی میں خطاب کرتے تھے اور مقامی علماء اُن کی ترجمانی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مگر موصوف اپنے مترجمین سے مطمئن نہ تھے۔ دو سال بعد اُنہیں سیّد محمد سبطین سرسوی کی صورت میں کامیاب مترجم مل گیا اور اُن کی زبانِ فیض ترجمان کے جوہروں سے عوام آگاہ ہوئے۔

شیخ عبدالعلی نے تقریباً سولہ سال پنجاب میں دینی و اصلاحی خدمات انجام دیں۔ اُن کا زیادہ تر قیام لاہور اور پٹیالہ میں رہتا تھا۔ اُنہوں نے لاہور سے ایک رسالہ "البرہان" جاری کیا تھا۔ ۹ر دسمبر ۱۹۲۲ء/ ۱۹ر ربیع الآخر ۱۳۴۱ھ کو لاہور میں فوت ہوئے۔

شیخ مرحوم وسیع المطالعہ اور دقیق النظر عالم تھے۔ تفسیر و حدیث کے ساتھ علومِ عقلی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ دینیات کے ساتھ عربی و فارسی کے ادبی سرمائے سے واقف تھے۔ طویل سیاحت کی بدولت نظر میں وسعت اور فکر میں گہرائی تھی۔

کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ ترکی، فرانسیسی اور روسی میں لکھتے پڑھتے تھے۔ انگریزی بقدرِ ضرورت جانتے تھے۔ برصغیر کی زبانوں میں سے سندھی اور پشتو سمجھ لیتے تھے۔ اُردو میں بھی درک حاصل کر لیا تھا۔ ۴۰-۱۳۳۹ھ/ ۲۲-۱۹۲۱ء میں آگرہ کی مجالس میں اُردو میں خطاب کیا تھا۔

شیخ مرحوم سے حسب ذیل تحریریں یادگار ہیں:

۱۔ تفسیرِ قرآن (سورۂ فاتحہ تا آیت اہدنا الصراط المستقیم)

ناصر الدین شاہ قاچار کی مالی سرپرستی میں انہوں نے جید علماء کا ایک بورڈ بنایا تھا۔ جس نے قرآن مجید کی ایک جامع تفسیر لکھنا شروع کی۔ ایک سال کے عرصے میں صرف اتنا کام ہوا تھا کہ ناصر الدین شاہ قاچار قتل کر دیا گیا اور یہ سلسلہ رک گیا۔

۲۔ تفسیر آیت انا کل شئ خلقنا بقدر "البرہان" (لاہور) میں طبع ہوئی۔

۳۔ تفسیر سورۂ کہف (غیر مطبوعہ) ۴۔ ثبوت معاد جسمانی بدلائل فلسفۂ طبیعیہ

۵۔ رسالۂ اعمال ۶۔ مسئلۂ قضا و قدر

۷۔ رسالۂ نور ۸۔ مواعظِ حسنہ مرتبہ سید محمد سبطین سرسوی

۹۔ مسئلہ امامت (غیر مطبوعہ) ۱۰۔ ہدایت و اقسام ہدایت (غیر مطبوعہ)

شیخ مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے تھے۔ ایک صاحبزادے تہران میں رہتے تھے۔ دوسرے صاحبزادے حجۃ الاسلام شیخ نصر اللہ مشہد میں مقیم تھے اور اپنے والدِ ماجد کی طرح صاحبِ علم تھے۔

پیر عبدالغفار شاہ کاشمیری

پیر عبدالغفار شاہ بن پیر احمد شاہ بن مصطفیٰ شاہ کے آباؤ اجداد بغداد سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے۔ آج کل اس خاندان کے افراد سری نگر، مظفر آباد، پونچھ، دیوبند اور لاہور میں مقیم ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مرحوم مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اسی خاندان کے گلِ سرسبد تھے۔

پیر عبدالغفار شاہ کے دادا مصطفیٰ شاہ کشمیر سے ترکِ سکونت کر کے ضلع ملتان کے ایک ویرانے میں آ گئے۔ اس مقام پر چک ۱۵/۵۷ ایل کی بنیاد رکھی گئی۔ اُن کا مزار اسی چک میں ہے۔[۱]

پیر عبدالغفار شاہ چک ۱۵/۵۷ ایل (ضلع ملتان) میں پیدا ہوئے۔ بچپن وہاں گزارا۔ گیارہ سال کی عمر میں اپنے والدِ ماجد پیر احمد شاہ کے ساتھ لاہور آئے۔ مدرسہ واقع مسجد بکن خان اندرون موچی دروازہ میں تعلیم حاصل کی۔

پیر صاحب مسجد تکیہ سادھواں کے امام و خطیب تھے۔ اسی مسجد میں ۷ جنوری ۱۹۱۵ء / ۲۰ صفر ۱۳۳۳ھ کو "مدرسہ عالیہ غوثیہ" کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ نے اُن کے اہتمام و انصرام میں بہت ترقی کی اور کئی نامور علماء پیدا ہوئے جن میں سے ایک مولانا نبی بخش حلوائی ہیں۔ افسوس کہ پیر صاحب کی رحلت کے بعد یہ مدرسہ اپنی شان و شوکت کھو بیٹھا۔

پیر عبدالغفار کاشمیری سلسلۂ قادریہ میں مجاز تھے[۲] مگر کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔

---

[۱] نقوش (لاہور نمبر)، ص ۱۸۴ [۲] مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے انہیں نقشبندی لکھا ہے۔

اس کے باوجود اُن کے عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ مثنوی مولانا روم سے دلچسپی تھی اور " درود و سلام " کی اشاعت و ترغیب میں لگے رہتے تھے۔ اپنی تالیفات میں اپنے نام کے ساتھ " حامی اشاعت درود شریف " کے الفاظ لکھتے تھے۔

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ / ۲۶ جنوری ۱۹۲۲ء کو وفات پائی۔ اُن کے دوست ڈاکٹر محمد دین ناظر نے قطعۂ تاریخ کہا اور واقعہ وفات نظم کیا ع

بشنو حالِ وصالِ عبد اللہ
پیر عبد الغفار عالی جاہ
در وضوئے نمازِ وقتِ عشاء
ناگہاں داد جاں بحکمِ الٰہ
بہر سالِ وصال ناظر گفت
پیر عبد الغفار نورِ الٰہ

۱۹۲۲ء
بہر سالِ وصالِ او ناظر
گفت سرمستِ جامِ عشقِ الٰہ

اُن کا جسدِ خاکی اماناً تکیہ سادھواں میں دفنایا گیا۔ بعد میں اُن کے فرزند نے ۱۸ اگست ۱۹۳۵ء / ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کو قبرستان میانی صاحب میں منتقل

(تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۲۴۴) مگر مولانا نبی بخش حلوائی اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:

چہرے انور اُپر اُسدے نقروں نور چمکدا
قادریاں دے گلشن اندر سوہنا پھل لٹکدا

کر دیا۔ جہاں وہ ابدی نیند سو رہے ہیں۔

پیر صاحب کی تالیفات میں سے حسب ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ خزائن البرکات (غیر مطبوعہ)

۲۔ فارسی ترجمہ قصیدہ بانت سعاد (منظوم)

فضائل درود و سلام پر متعدد رسائل بھی وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہے۔

پیر صاحب کی اولاد میں اکلوتے فرزند پیر محمد اشرف (م ۱۳۸۴ھ) تھے۔

****

عبدالغفور ہزاروی

ابوالحقائق عبدالغفور بن عبدالحمید بن محمد عالم یکم اپریل ۱۹۱۰ء/۹ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ کو موضع چنبہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی درویش صفت عالم تھے۔ اُن سے ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ مولانا احمد الدین (ساکن بھوئی گاڑ) اور ان کے صاحبزادے مولانا محب النبی سے استفادہ کیا۔ غورغشتی میں مولانا قطب الدین غورغشتوی اور میاں عبدالحق غورغشتوی[۱] سے بعض کتابیں پڑھیں۔ میرٹھ اور مرادآباد میں علامہ مشتاق احمد کانپوری سے استفادہ کیا۔ ان کے ہم درسوں میں مفتی احمد یار خاں گجراتی کا نام بہت نمایاں ہے[۲]۔

حصولِ علم کی خاطر طویل سفر کئے۔ دارالعلوم دیوبند پہنچے وہاں امتحان ہو رہے تھے داخلہ کا وقت نہ تھا اس لیے داخلہ نہ مل سکا[۳]۔ وہاں سے دہلی گئے اور مدرسہ جامع مسجد فتحپوری میں داخل ہوئے۔ کچھ عرصہ یہاں رہ کر دارالعلوم رضویہ بریلی تشریف لے گئے جہاں مولانا حامد رضا خان (فرزند مولانا احمد رضا خان) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ انہوں نے "ابوالحقائق" کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ دارالعلوم رضویہ سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد وہیں ایک سال تدریسی خدمات انجام دیں۔

بریلی سے گجرات آ گئے اور "مدرسہ خدام الصوفیہ" میں بطور معلّم کام کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ شیشیانوالہ دروازہ کی مسجد اُن کی خطابت سے گونجنے لگی۔ ۱۹۳۵ء میں وزیرآباد آ گئے، یہیں اُن کے جوہر کھلے، خطابت کے میدان میں نام پیدا کیا۔ اور

---

[۱] خود نوشت میاں عبدالحق غورغشتوی مدظلہ العالی

[۲] حیاتِ سالک ص ۳۱، ۱۰۵

[۳] حضرت شیخ القرآن ص ۳۰

مدرسہ نظامیہ قائم کر کے درسِ نظامی کی تدریس کی۔ آخری زمانے میں رمضان المبارک میں خصوصی دورۂ قرآن کا اہتمام کرتے تھے۔

مولانا ہزاروی نے پیر مہر علی شاہ گولڑی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ان کے علاوہ سائیں گوہر دین (ساکن جلیندھر، ضلع گجرات) سے بھی منازلِ سلوک طے کی تھیں اور اُن کے خلیفہ مجاز تھے۔

اُنہوں نے تحریکِ آزادی میں اپنے جوشِ خطابت سے عوام کو جگایا۔ تحریک شہید گنج میں مولانا ظفر علی خان کے ساتھی تھے۔ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں اُن کی تقریر سُن کر مولانا ظفر علی خان نے کہا تھا ع

میں آج سے مرید ہوں عبدالغفور کا چشمہ اُبل رہا ہے محمدؐ کے نور کا

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے تاریخی اجلاس لاہور میں شریک ہوئے تھے اور اس کے بعد ہمہ تن تحریکِ پاکستان میں جذب ہو گئے تھے۔ ۱۹۴۶ء کی تحریک سول نافرمانی میں گرفتار ہوئے۔ بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں شریک ہو کر پاکستان کے لیے کام کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے تاہم تحریکِ تحفظ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) اور ایوب خان کے خلاف عوامی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ اپنے معمولات کے سختی سے پابند تھے۔ صبح و شام باقاعدگی سے سیر کے لیے جاتے تھے۔ ۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء / ۸ شعبان ۱۳۹۰ھ کو نمازِ فجر کے بعد سیر کے لیے جا رہے تھے کہ جی۔ ٹی روڈ کے کنارے ایک ٹرک کی زد میں آکر شدید زخمی ہو گئے۔ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مولانا شرافت نوشاہی نے قطعہ تاریخ کہا۔ آخری دو شعر یہ ہیں۔[۱]

---

[۱] منتخب اعجاز التواریخ ص ۵۱

به تاریخ آں فاضل راست گو | ز "مغفور ناجی" وصالش بجو
۱۳۹۰ھ

شرافت به سالِ مسیحی ضرور | بخوانی "کرم پیشہ عبد الغفور"
۱۹۷۰ء

مولانا ہزاروی فارسی، اُردو اور پنجابی کے مشہور شعراء کے سیکڑوں اشعار یاد تھے۔ اور تقریر میں برمحل پڑھ کر سماں باندھ دیتے تھے۔ اچھا شعری ذوق تھا۔ گاہے گاہے خود بھی مشقِ سخن کرتے تھے۔ چشتی تخلص تھا۔ بطور نمونہ ایک نعت کے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں:

محمد مصطفےٰ اور رحمۃ اللعالمین تم ہو | حبیبِ کبریا تم ہو امام المرسلین تم ہو
شبِ اسریٰ کے دولہا رونقِ بزمِ جہاں تم ہو | شہنشاہِ دو عالم زینتِ عرشِ بریں تم ہو
شبِ دیجور میں کوہ الم جب ٹوٹ پڑتے ہیں | قرارِ بے قراراں مونسِ قلب حزیں تم ہو
ہوا دل مطمئن اور شاد چشتی کا سُنا جب سے | سہارا روزِ محشر کا شفیع المذنبین تم ہو

عبدالقادر دین پوری (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالقادر بن دولت خان ٹبی کورائیاں ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے تھے۔ بچپن میں دولت خان مرحوم نے اُنہیں مویشی چرانے کا کام سونپا اور اُن کے بڑے بھائی کو دینی تعلیم کے لئے وقف کیا مگر اللہ تعالےٰ کو اس کے برعکس منظور تھا۔ بڑا بھائی تعلیم سے محروم رہا اور مویشی چرانے والا "عبدالقادر" عالم و فاضل مشہور ہوا۔

مولانا عبدالقادر نے ابتدا میں مولانا محمد صدیق بھرچونڈوی (م ۱۳۰۸ھ) سے بیعت کی۔ اُن کی رحلت پر مولانا غلام محمد دین پوری سے تجدیدِ بیعت کی اور اُن کی بارگاہ میں رہنے لگے۔ موصوف دینوی اور سیاسی اُمور میں مولانا غلام محمد دین پوری کے دستِ راست تھے۔ صبح و شام مسجد میں قرآن مجید اور صحیح بخاری کا درس دیتے تھے۔ مولانا عبدالقادر "بہت بڑے عالمِ دین، خدا ترس اور عابد شب زندہ دار تھے۔"[1]

مولانا عبیداللہ سندھی نے اُن ہی سے عربی زبان کی صرف و نحو کی کتابیں پڑھی تھیں۔

مولانا عبدالقادر "تحریک ریشمی رومال" کے اہم کارکن تھے۔ اسی سلسلے میں ستمبر ۱۹۱۶ء / ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ میں گرفتار ہوئے اور قید و بند میں رہے۔ تحریکِ آزادی میں فعال کردار ادا کیا۔

موصوف مطالعۂ کتب کے بے حد شائق تھے۔ رسائل و جرائد سے عشق کی حد تک لگاؤ تھے۔ اندرونِ ملک چھپنے والے تمام علمی و سیاسی رسائل اُن کے زیرِ مطالعہ رہتے

---

[1] ید بیضا ص ۱۴۸

تھے ایک اچھا کتب خانہ فراہم کیا تھا۔

۲۰ر مارچ ۱۹۴۹ء/۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ کو ایک بجے شب وفات پائی اور دین پور (نزد خان پور) میں دفنائے گئے۔ مولانا عبدالقادر نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں، پہلی اہلیہ سے مولانا عبداللہ پیدا ہوئے جو عالم وفاضل انسان تھے۔ مولانا عبداللہ کے فرزند مولانا عبدالشکور دین پوری دینی حلقوں کی متعارف اور روشناس شخصیت ہیں۔

مولانا عبدالقادر کی دوسری اور تیسری اہلیہ، مولانا غلام محمد دین پوری کی صاحبزادیاں تھیں۔ اُن کی اولاد میں مولانا عبدالمنان، مولانا محمد بشیر، مولانا عبدالرحمان اور مولانا حبیب الرحمان ہیں۔

حافظ عبدالکریم

مولانا حافظ عبدالکریم بن میاں نذر محمد ۱۱ اپریل ۱۸۴۸ء / ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۲۶۴ھ کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ابھی تین ماہ کے تھے کہ اُن کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا اور عمر کے ابھی دو سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ والدِ ماجد بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اُن کی پرورش اُن کے عمِ محترم میاں پیر بخش اور پھوپھی نے کی۔

آٹھ سال کی عمر میں مکتب میں قاضی محمد زمان سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ اُن ہی سے کتبِ درسیہ پڑھیں۔ سولہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق پیدا ہوا اور ۲½ سال کی محنت سے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ فنِ تجوید مولانا محمد حسین مکی سے سیکھا۔ حافظؒ اُن کے نام کا جزو بن گیا۔ قرآن مجید اس خوبی سے پڑھتے تھے کہ جس مسجد میں وہ تراویح کی نماز پڑھاتے تھے، نمازیوں کو جگہ نہیں ملتی تھی۔

خواجہ فقیر محمد چوروئیؒ راولپنڈی تشریف لائے تو اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سلسلہ نقشبندیہ کے اشغال واذکار میں مصروف رہے اور خواجہ فقیر محمد چوروئیؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ راولپنڈی اور گردونواح میں اُن کی ذات سے سلسلۂ نقشبندیہ کو کافی فروغ ہوا۔ اُن کی تلقین وارشاد سے سینکڑوں افراد ذکر و فکر کی لذّت سے آشنا ہوئے اور بہت سے بے نماز تہجد گزار بن گئے۔

حافظ عبدالکریمؒ ابتدائے جوانی میں کاروبار کرتے تھے لیکن جب ہجومِ خلائق رہنے لگا تو کاروبار لپیٹ دیا اور ہمہ تن وعظ وارشاد میں لگ گئے۔ معاصرین میں پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی، میاں شیر محمد شرقپوری، سائیں توکّل شاہ انبالوی اور پیر سیّد جماعت علی شاہ علی پوری سے مراسمِ محبّت رکھتے تھے۔

حافظ عبدالکریم ۲۸ر صفر ۱۳۵۵ھ/ ۲۰ر مئی ۱۹۳۶ء کو راولپنڈی میں فوت ہوئے اور عیدگاہ راولپنڈی میں دفنائے گئے۔ مولانا محمد شریف کوٹلوی نے زیرِ نظر قطعۂ تاریخ کہا ع

قبلۂ دین و کعبۂ ایمان ناصرِ دین و مذہبِ نعمانؒ

وارثِ علمِ مصطفوی قطبِ دہر و غوثِ زماںؒ

چشمۂ فیض و عارفِ کامل مطلعِ نور و معدنِ عرفاںؒ

یعنی شیخ عبدِ کریم واقفِ علم و حافظِ قرآں

در شبِ بستم ماہِ مئی گشت از چشم ما پنہاںؒ

ہاتف گفت سالِ وصلش

پیرِ عظیم زیبِ جناںؒ!

۱۳۵۵ھ

حافظ عبدالکریمؒ سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ ہدایت الانسان الیٰ سبیل العرفان ۲۔ فیض الکریم

۳۔ مجموعہ گلزارِ کریم ۴۔ ترتیب و تصحیح دعائے حزب البحر

حافظ صاحب کی اولاد میں چار صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا عبدالعزیز (م ۱۳۴۲ھ) ۲۔ مولانا عبدالرحیم (م ۱۳۳۸ھ)

۳۔ مولانا عبدالحق ۴۔ مولانا عبدالرحمان (جانشین)

حافظ صاحب نے ۲۷ افراد کو خلافت و اجازتِ بیعت سے سرفراز کیا۔ ان میں سے مولانا حافظ محمد شریف کوٹلوی، صوفی نواب الدین (موہڑی شریف) مولانا عبدالرحمان (فرزند حافظ صاحب) اور مولانا قاضی عالم الدین کے نام نمایاں ہیں:

عبدالکریم جامپوری

مولانا عبدالکریم بن مولوی صدیق محمد کی ولادت بمقام آدم گڑھ (نزد جامپور) ضلع ڈیرہ غازیخان میں ۱۲ ربیع الاولیٰ ۱۳۱۶ھ/۳۱ جولائی ۱۸۹۸ء کو ہوئی۔ ابتدائی درسیات والد ماجد مولوی صدیق محمد سے پڑھیں۔ سندِ فضیلت مولانا مشتاق حسین کانپوری سے حاصل کی۔

خواجہ غلام حسن نقشبندی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور اُن کے خلفائے مجازین سے تھے۔ پانچ سال لنگر خانقاہ حسن آباد کے منصرم رہے۔ خواجہ غلام حسن کے صاحبزادوں کے اتالیق اور خانقاہ کے امام مسجد تھے۔ اُن کے بارے میں خواجہ غلام حسن کہتے تھے کہ مولوی صاحب نے حقِ خدمت وحقِ درویشی جس طرح ادا کیا ہے ایسا کسی نے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو خوش رکھے۔ اُس نے کبھی خلافِ حکم نہیں کیا، اور چپ چاپ خدمت کرتا رہا۔ وہ سالکانِ قدیم کی فطرت پر واقعی عامل رہا ہے۔[1]

ملتان میں سکونت اختیار کی اور مدرسہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان میں صدر مدرس تھے۔

اُن کی تالیفات میں یہ نام ملتے ہیں:

۱۔ کتاب الہدیٰ فی اعتقاد اللحیٰ

۲۔ فیوضاتِ حسنیہ (فارسی)

****

---

[1] فیوضاتِ حسنیہ ص ۶۹

عبدالکریم قلعداری

مولانا عبدالکریم بن مولانا فضل احمد بن حافظ خان محمد لبتی قلعدار ضلع گجرات کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب بنو قریش سے جا ملتا ہے۔ اُنہوں نے اپنے دَور کے جیّد علماء، مولانا کلیم اللہ مچھیانوی، مولانا عبداللہ ٹونکی اور مولانا عبدالحکیم کلانوری سے استفادہ کیا۔ مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات اعزاز و امتیاز کے ساتھ پاس کیے۔

۱۸۹۶ء/۱۴-۱۳۱۳ھ میں مشن ہائی سکول جلالپور جٹاں میں بحیثیت مدرّس عربی عملی زندگی کا آغاز کیا اور ۱۹۳۱ء/۵۰-۱۳۴۹ھ میں گورنمنٹ ہائی سکول پنڈدادن خان سے سبکدوش ہوئے۔ فرائضِ منصبی کے ساتھ فارغ اوقات میں فی سبیل اللہ علومِ دینیہ کی تدریس کرتے تھے۔

صوفی منش عالم تھے۔ پیر سیّد حیدر علی شاہ جلالپوری سے بیعت تھے۔ اُنہوں نے خاموشی سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا اور اشاعت و طباعت کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ کتابوں کا عمدہ ذخیرہ جمع کیا تھا اور خود بہت سی کتابوں کی نقلیں تیار کی تھیں جو اُن کے خاندانی کتب خانہ میں موجود ہیں:

۲۴، صفر ۱۳۷۷ھ/۱۹، ستمبر ۱۹۵۷ء کو فوت ہوئے۔ مولانا محمد فاضل (ساکن جھیوانوالی) نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے

حیف حضرت مولوی عبدالکریم — کرد رحلت جانبِ دارالنعیم
جستجو کردم کہ ہاتف گفت یار — "فخرِ ملّت زاہدے" سالش شمار[1]

۱۳۷۷ھ

---

[1] یادِ سلف ص ۴۶

ڈاکٹر تبسم قریشی مرحوم نے "موت العالم کذا موت العالم" سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ مولانا عبدالکریم کی مدح میں مولا بخش واصف گجراتی نے کہا ہے:

مرحبا اے مولوی عبدالکریم — بر تو بادا رحمتِ ربِّ رحیم
نے ز عربی فارسی تو قاصرے — بر نوشت و خواند آنہا قادرے
در گلستانِ فصاحت بلبلے — در خیابانِ بلاغت صلصلے
بر چراغِ دینِ حق پروانہ ای — از ریا و زرق تو بیگانہ ای
چوں کنی اسرارِ قرآنی بیاں — صاحبِ کشاف گوید مرحبا[1]

مولانا عبدالکریم کی مندرجہ ذیل تالیفات معلوم ہو سکی ہیں۔ اِن میں سے صرف آخر الذکر مطبوعہ ہے۔

۱۔ تفسیر سورۂ فاتحہ (عربی)
۲۔ فحوی البیّنات فی مسائل الاموات
۳۔ خیر الخبر فی مسائل سنت الفجر
۴۔ القول العاضد فی حکم ایقاع الطلقات الثلاث فی المجلس الواحد
۵۔ تاج المومنین
۶۔ دیوان الکریم (عربی)
۷۔ دیوان الکریم (فارسی)
۸۔ تاریخ صلح حدیبیہ و فتح مکہ
۹۔ روح العباد فی ذکر المیلاد

مولانا عبدالکریم فارسی اور عربی میں شعر کہتے تھے۔ اُن کے غیر مطبوعہ دیوان میں سے

---

[1] تذکرہ شعرائے پنجاب ص ۳۸۲

چند اشعار یہ ہیں۔

زپلیشم ناگہاں چوں باصبا افراختی رفتی
بجانم از قصا تیر بلا انداختی رفتی

براندازے کہ در جانِ تمنّا آمدی گاہے
خسے اندوختی وآتشے انداختی رفتی

فریبِ عشوۂ تو اللہ اللہ ناتوانم گفت
بجاں کعبۂ دل سومناتے ساختی رفتی

****

عبداللہ وزیرآبادی

مولانا عبداللہ بن غلام علی بن محمد عابد بن غلام رسول عہدِ خالصہ کے علماء میں سے تھے۔ ان کے خاندان میں علمی روایت کا سراغ ملتا ہے۔ مولانا عبداللہ کے دادا حافظ محمد عابد وزیرآبادی بارہویں صدی کے معروف عالم اور پنجابی زبان کے شاعر تھے۔ حافظ محمد عابد کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات نہیں ملتی البتہ اُن کے ایک فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۹۵ھ/۸۱-۱۷۸۰ء میں زندہ تھے۔[۱] حافظ محمد عابد وزیرآبادی سے حسبِ ذیل تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ حل المشکلات۔ (عربی و فارسی) قصیدہ غوثیہ کی شرح ہے۔

۲۔ نجات السالکین (فارسی)

۳۔ مرغوب القلوب (فارسی) حرمتِ تمباکو کے موضوع پر رسالہ ہے۔

۴۔ رسالہ عقیقہ (پنجابی نظم)　　۵۔ شرح ایسا غوجی

حافظ محمد عابد وزیرآبادی کے پوتے مولانا عبداللہ وزیرآباد کی بازار والی مسجد کے امام و خطیب تھے۔ اُن کی مسجد بازار کی توسیع میں بحکمِ سرکار مسمار کردی گئی تھی۔ اُن کی تگ و دو کے نتیجے میں خالصہ حکومت نے رام کٹڑہ میں پہلی مسجد کے متبادل نئی مسجد تعمیر کرائی۔[۲]

---

[۱] یہ فتویٰ قریشی احمد حسین احمد قلعداری کے کتب خانے محفوظ ہے۔

[۲] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو ORIENTAL STUDIES

عبداللہ جامی

مولانا عبداللہ جامی بن نور محمد بن حافظ لعل دین لاڑ قبیلے کے جلیل القدر فرزند تھے۔ اُن کے جدامجد حافظ لعل دین، حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی (م ۱۱۹۷ھ) سے تعلق بیعت رکھتے تھے اور صاحبِ حال بزرگوں میں سے تھے۔ حافظ لعل دین کے صاحبزادے اور مولانا عبداللہ جامی کے والد محترم مولوی نور محمد، مولانا قاضی عاقل محمد کے شاگرد تھے۔ آخری عمر میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے تھے وہیں ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ/ ۲۶ جولائی ۱۸۵۹ء کو وفات پائی۔

مولانا عبداللہ جامی بہاول پور کے بلند پایہ علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی زندگی نہایت پاکبازانہ رہی۔ اُسوۂ حسنہ کے باعث مشہور تھا کہ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔[1]

ان سے مندرجہ ذیل تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ شرح قدوری۔ فقہ حنفی کی معروف کتاب "المختصر القدوری" کی عام فہم اور مفصل شرح ہے جو پنجاب بھر میں مقبول رہی ہے۔

۲۔ تعویذ بہاول خانی شرح قصیدہ حضرت محبوب سبحانی۔

۱۸ شوال ۱۳۲۴ھ/ ۵ دسمبر ۱۹۰۶ء کو بہاول پور میں وفات پائی۔[2] اور موری دروازے کے اندر محلہ حکیم رحیم بخش میں مسجد کے متصل ان کا

---

[1] ذکر کرام ص ۶۸ (بہ تغیر الفاظ)

[2] اولیائے بہاول پور ص ۸۰۔

مزار ہے[1]۔

مرحوم کی اولاد میں مولوی عاشق محمد، مولوی شاکر محمد اور مولوی صادق محمد تبحرِ علمی میں اپنے والد کی یادگار تھے اور مشاغل درس و تدریس میں مصروف رہے۔

[1] ذکر کرام ص ۶۸

شیخ عبداللہ گجراتی

مولانا شیخ عبداللہ بن مولانا صدرالدین اپنے ننھیال موضع دینہ (ضلع جہلم)[1] میں ۱۸۳۴ء/ ۵۰-۱۲۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن کے چند سال اپنے نانا حافظ نور جی کے زیرِ سایہ گزارے ساڑھے چار سال کی عمر میں حافظ نوردین (ساکن چک عمر) سے قرآن مجید حفظ کیا اور والد مکرم مولانا صدرالدین (م ۱۲۶۹ھ) سے علوم مروّجہ کی تحصیل کی۔ اُن کے علاوہ میاں مخدوم عالم (چچا) اور حافظ غلام یحییٰ سے اکتسابِ فیض کیا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو چک عمر (کھاریاں) میں درس و تدریس شروع کی۔ چک عمر اُن کے پردادا حافظ شیخ شکراللہ کے زمانے سے مرکزِ علم چلا آرہا تھا مگر اُن کے زمانۂ تدریس میں چک عمر کی شہرت دُور و نزدیک پھیلی۔

شمس العارفین سیالویؒ سے بیعت تھے اور اُن کے خلفائے مجاز میں شامل تھے۔ یہ بلند پایہ مدرّس ۱۹۲۱ء/ ۴۰-۱۳۳۹ھ میں فوت ہوئے۔ اُن کے دو صاحبزادے مولانا محمد بقا (مولوی فاضل) اور حافظ محمد رضا اُن کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ اس لیے اُن کے بھتیجے محمد سلام اللہ شائق بن امان اللہ جانشین ہوئے۔ شائق نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ؎

چو مولائے ما قبلۂ اہلِ دیں   چراغِ ہدایت بروئے زمیں
چراغے نہ گویم کہ مہرِ جہاں   زبینندگاں گشت ناگہ نہاں

---

[1] جناب شرف قادری صاحب نے حکیم محمد مظفر علی صاحب کی مہیا کردہ معلومات کے مطابق اُن کا مولد دینہ قرار دیا ہے۔ خواجہ عبدالرشید نے اُن کا مولد "چک عمر" بتایا ہے (تذکرہ شعرائے پنجاب ص ۲۳۴)

زفقدش سیاہ گشت عالم تمام | شدہ خواب در چشم شائق حرام
خدائش بجنات بخشد مقام | بحق محمد علیہ السلام
بسالِ مسیحی چو داری خیال | بگو ،،کوچ شیخ المشائخ،، بسال

۱۹۲۱ء

شیخ عبداللہ سے بیسیوں افراد نے علمی و دینی استفادہ کیا۔ انہیں اگر اپنے دور کا ،،اُستادِ پنجاب،، قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اُن کے چند اہم شاگردوں کے نام یہ ہیں :

۱۔ محمد سلام اللہ شائق دم ۱۲؍ستمبر ۱۹۴۵ء/ ۵؍شوال ۱۳۶۴ھ)
۲۔ مولانا عبدالمالک کھوڑوی
۳۔ مولانا نیاز احمد نہوڑوی
۴۔ مولانا حافظ نوردین جلالپوری
۵۔ مولانا نور احمد ساکن باگڑیانوالہ
۶۔ مولانا محمد عالم قریشی ساکن سرگدھن

شیخ عبداللہ کے قلمی آثار سے مندرجہ ذیل معلوم ہو سکے ہیں :

۱۔ تاریخ الدیوان۔ حالات حاجی عبداللہ دیوان جی قادری دم ۲۰ شوال ۱۰۷۲ھ)
اس کا ایک خطی نسخہ عبدالرشید تاجر کتب، نادرہ لاہور کے ہاں دیکھا گیا تھا۔

۲۔ نشانِ شیخ۔ مجموعہ کلام جو ۱۳۱۱ھ/ ۹۴-۱۸۹۳ء میں مدوّن کیا گیا۔ ،،نشانِ شیخ،، تاریخی نام ہے۔ اُن کے دیوان میں قصائد، مرثیے اور قطعات ملتے ہیں۔

گجرات شہر کی تعریف میں ایک مثنوی کے چند اشعار یہ ہیں :

خوشا گجرات شہر شادولا | ز رشک او بلستان گردو گریا
بہ سبقت بودہ گوئے عزت و جاہ | سراپا گنج آہ گردید گنجاہ

شدہ ذنگہ بہ بازارش کجا راست | کہ کج با کج گرایدراست باراست
زفضلِ او کند اقرار جہلم | سراسر بے شعورم بلکہ جہلم
چہ نسبت باشوائے دانائے اُستاد | وزیر آباد را با کبسہ آباد[1]

تاریخ گوئی میں کامل استعداد رکھتے تھے۔ ۱۸۹۶ء میں "پیسہ اخبار" نے تاریخ گوئی کا ایک مقابلہ منعقد کیا۔ جس میں شیخ عبداللہ مرحوم نے عربی، فارسی اور پنجابی قطعات کہہ کر انعامات حاصل کئے۔ اہم واقعات اور احباب کی وفات پر انھوں نے سینکڑوں مادہ ہائے تاریخ نکالے۔ مولانا نجم الدین گجراتی کا سالِ وفات "غروب النجوم = ۱۳۳۸ھ" اور غلام محی الدین کنجاہی کا سالِ ارتحال "آہ جانِ غلام محی الدین" = ۱۲۸۴ھ" سے نکالا ہے۔[2]

****

---

[1] تذکرہ شعرائے پنجاب ص ۲۳۴

[2] " " ص ۲۷۰، ۳۶۴

سیّد عبداللہ شاہ سیالکوٹیؒ

مولانا حافظ سیّد عبداللہ شاہ بن مولانا سیّد چراغ شاہ ۱۲۷۴ھ/۵۸-۱۸۵۷ء میں کشمیری محلہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور ابتدائی کتب درسیہ مولانا علم الدین سیالکوٹی سے پڑھیں۔ خواجہ عبدالعلیم ملتانی سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔

۱۳۰۰ھ/۸۳-۱۸۸۲ء میں مولانا قاضی سلطان محمود (ساکن اعوان شریف) سے قادری سلسلۂ طریقت میں بیعت ہوئے۔ قاضی صاحب اُن پر بے حد شفقت کرتے تھے۔ معاصر علماء میں سے مولانا محمد حسن فیضی، مولانا محمود گنجوی، مولانا کرم الدین دبیر اور مولانا قادر بخش ملتانی سے دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ زندگی کے آخری سالوں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ ۸۴ سال کی عمر میں ۴ دسمبر ۱۹۴۱ء/۱۶ ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ کو جان، جانِ آفرین کے سپرد کی۔ چک نمبر ۱۵ شمالی ضلع گجرات میں مدفون ہیں۔ اُن کے فرزندِ ارجمند مولانا سیّد نور محمد قادری دینی اور علمی حلقوں میں متعارف شخصیت ہیں۔

مولانا سیّد عبداللہ شاہ سیالکوٹی صاحبِ مطالعہ شخص تھے۔ نادر و نایاب کتابوں کے حصول میں لگے رہتے تھے۔ نیز نایاب کتابوں کی نقل خود تیار کر لیتے تھے۔ اُن کے چھوڑے ہوئے کتب خانہ میں اب بھی بعض بلند پایہ نوادر موجود ہیں۔

مولانا موصوف کی اپنی تالیفات میں سورۂ آلِ عمران کی چند آیات کی غیر مطبوعہ تفسیر (فارسی) ہے جو بڑے سائز کے تقریباً دو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

****

عبداللہ بہلوی

(وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبداللہ بن محمد مسلم بن نور محمد یکم رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ/ ۱۵ ار فروری ۱۸۹۶ء کو موضع بہلی تحصیل شجاع آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں دینی علوم اور وعظ و ارشاد کی روایت چند پشتوں سے چلی آرہی تھی۔ مولانا عبداللہ نے مولانا قادر بخش سے قرآن مجید اور ابتدائی فارسی کتابیں پڑھیں۔ دس سال کی عمر میں پرائمری تعلیم سے فارغ ہوئے اور "تحفۃ الاحرار"، "جامی" تک فارسی کتابیں پڑھ لی تھیں۔

مولانا غلام محمد (ساکن جھنڈا) سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مولانا عبدالرحمان (ساکن بیٹ قیصر) سے درسِ نظامی کی متوسطات تک تعلیم پائی۔ ہدایہ، حسامی اور مشکوٰۃ المصابیح اپنے زمانے کے متبحر عالم مولانا غلام رسول پونٹوی سے پڑھیں۔ اس عرصہ میں "متن متین" مولانا محمد عظیم سے پڑھی۔ دارالعلوم دیوبند میں دو سال زیرِ تعلیم رہ کر آخری کتابیں پڑھیں اور دورۂ حدیث کیا۔ غالباً ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ مولانا حسین علی واں بھچرانوی اور مولانا احمد علی لاہوری سے دورۂ تفسیر کیا۔

فارغ التحصیل ہو کر وطن آئے اور "موضع بہلی" میں "مدرسہ مظہر العلوم" میں تدریس شروع کی۔ ۱۳۶۷ھ/ ۸/۴۷-۱۹۴۷ء تک تدریسی شغل جاری رکھا بعد میں وعظ و ارشاد کی مصروفیات کے پیشِ نظر تدریس سے ہاتھ اُٹھا لیا۔

مولانا عبداللہ بہلوی نے مولانا فضل علی قریشی مسکین پوری کے ہاتھ پر سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی اور اُن کے خلفائے مجازین سے تھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے اہلِ دل مولانا محمد امیر دامانی، مولانا حسین علی، مولانا تاج محمود امروٹی اور مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی روحانی استفادہ کیا تھا۔ سات بار فریضۂ حج

اداکیا اور ایک بار عُمرہ کیا تھا۔ ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء میں وطن مالوف ہیں وفات پائی۔

مولانا عبداللہ بہلوی سے تفسیر و حدیث، تصوّف و سلوک اور فقہی مسائل پر مندرجہ ذیل تحریریں یادگار ہیں۔ تبلیغی نقطۂ نظر سے لکھے گئے رسائل اور چارٹ ان پر مستزاد ہیں:

تفسیر

۱۔ فوائد القرآن المعروف اصطلاحات القرآن (غیر مطبوعہ۔ گیارہ پارے)

۲۔ تفسیر سورۃ الفاتحہ (الکلمات الراجحہ فی تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ فارسی)

حدیث

۳۔ المستدلات الاحناف

سیرت النبی

۴۔ الشجرۃ الطیبہ (حضرت آدمؑ تا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

۵۔ خیر الاذکار

تصوّف وسلوک

۶۔ عمدۃ الاذکار فی علاج قلوب الابرار

۷۔ طبِ روحانی المعروف بہ خدائی رنگ

۸۔ فیض روحانی۔ رحمت صمدانی

۹۔ الوفاء بعہد الاولیاء

۱۰۔ مہمات التصوّف ودفع مغالطات

۱۱۔ معارف السلوک

۱۲۔ التصرف فی حقیقت البیعت والتصوّف،

۱۳۔ انکشاف الاحوال والاوہام

۱۴۔ محاسبۃ الاعمال

۱۵۔ التبیین فی ہمزات الشیاطین

۱۶۔ اطاعت الالہ فیما یتعلق بہ الاعضاء

۱۷۔ رسالہ تصوف اہلِ صفا

۱۸۔ تصفیۃ الاعمال

فقہ

۱۹۔ تحفۃ الفقیر الی اللہ (مسائلِ حج)

۲۰۔ رسالہ ترک المنکرات

۲۱۔ پچیس مسائل

۲۲۔ دعا بعد الجنازہ

۲۳۔ محاکمہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی

۲۴۔ تین مسائل کا استفتاء

عبداللہ دھرم کوٹی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبداللہ بن میاں محمد بخش موضع دھرم کوٹ ضلع فیروز پور کے ایک ارائیں خاندان میں پیدا ہوئے۔ والدین کے اکلوتے فرزند تھے۔ اُن کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرنے کی خاطر مکتب میں بٹھائے گئے۔ مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری (خلیفہ مجاز مولانا عبدالقادر رائے پوری) سے ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ اُن کے توسط سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ چار سال دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم رہ کر ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ) کا نام بہت نمایاں ہے۔

مولانا عبداللہ کے اُستادِ گرامی مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری جگراؤں ضلع لدھیانہ میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ مولانا عبداللہ کو انہوں نے جگراؤں بلالیا اور اپنا نائب مدرس بنادیا۔

مولانا عبداللہ نے سلسلۂ قادریہ میں مولانا اللہ بخش بہاول نگری کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اُن کی رحلت کے بعد مولانا عبدالقادر رائے پوری کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی۔ مولانا عبدالقادر رائے پوری نے انہیں اپنا خلیفہ مجاز نامزد کیا۔

تقسیمِ ہند کے بعد آبائی وطن سے چک نمبر ۱۲۶۔ ایم۔ بی تحصیل خوشاب آگئے۔ یہیں علمی و دینی سرگرمیوں میں مصروف ۶ رمضان ۱۳۸۳ھ/ ۲۲ جنوری ۱۹۶۴ء کو فوت ہوئے۔

مولانا عبداللہ مرحوم کی اولاد میں مولانا حاجی عبدالرحیم اور مولانا فضل الرحمان ان کی دینی و علمی روایت قائم رکھے ہوئے ہیں۔

عبداللہ روپڑی (وھابی نجدی اھل حدیث)

حافظ عبداللہ بن میاں روشن دین موضع کمیر پور ضلع امرتسر میں ۱۳۰۳ھ/۸۶-۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے موضع ڈوبہ تحصیل چونیاں ضلع لاہور میں تعلیم کا آغاز کیا۔ مولانا عبداللہ (ساکن چھانگا مانگا) سے آٹھ پارے حفظ کر کے مدرسہ غزنویہ امرتسر چلے گئے۔ جہاں مولانا عبدالجبار غزنوی سے استفادہ کیا۔ ۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ میں دہلی چلے گئے اور درسِ نظامی کی بعض آخری کتابیں مولانا محمد اسحاق منطقی سے پڑھیں۔ دو اڑھائی سال بعد مدرسہ عالیہ رامپور چلے گئے۔ وہیں سے سندِ فضیلت حاصل کی اور رامپور کے زمانۂ قیام میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے بھی اجازتِ حدیث حاصل کی تھی۔

۱۹۱۴ء/۳۳-۱۳۳۲ھ میں امرتسر آئے اور ایک سال بعد روپڑ (ضلع انبالہ) میں سکونت اختیار کی۔ روپڑ میں مسلکِ اہل حدیث کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے۔ "مدرسہ اہل حدیث"، قائم کیا اور ایک اخبار "تنظیم اہل حدیث"، جاری کیا۔ روپڑ"، میں قیام کی وجہ سے روپڑی اُن کے نام کا لاحقہ بن گیا تھا حالانکہ وہ مولداً کمیر پوری تھے اور خود امرتسری کی صفت نسبتی لکھتے تھے۔

۱۹۳۴ء/۵۳-۱۳۵۲ھ کے لگ بھگ روپڑ میں اپنے برادر زادہ حافظ عبدالقادر روپڑی کو تبلیغی و تدریسی کام سپرد کر کے خود امرتسر آ گئے۔ پاکستان بننے پر لاہور آ گئے اور چوک دالگراں میں "مسجد قدس"، اور مدرسہ اہل حدیث، کی بنیاد رکھی۔ خطابت و تدریس کے فرائض کے ساتھ تصنیف و تالیف بھی کرتے تھے۔ ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۸۴ھ/ ۲۰ اگست ۱۹۶۴ء کو لاہور میں رحلت کی اور گارڈن ٹاؤن میں دفنائے گئے۔

حافظ عبداللہ روپڑی سے پچاس کے لگ بھگ چھوٹی بڑی کتابیں یادگار ہیں۔ جن میں زیادہ تر اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر ہیں۔ چند اہم کتابیں یہ ہیں:

۱۔ تفسیر قرآن (دو پارے۔ غیر مطبوعہ)
۲۔ اُردو ترجمہ و حواشی مشکوٰۃ المصابیح تا کتاب القدر (غیر مطبوعہ)
۳۔ وراثتِ اسلامی
۴۔ حکومت اور علمائے ربّانی
۵۔ اہل حدیث کے امتیازی مسائل
۶۔ ارشاد الوریٰ فی جمعۃ القریٰ (عربی)
۷۔ مرزائیت اور اسلام
۸۔ تحقیق التراویح
۹۔ ردِّ بدعات
۱۰۔ المرشد والامام
۱۱۔ تکبیراتِ عیدین
۱۲۔ تعلیم الصلوٰۃ

پاکستان آکر ہفت روزہ "تنظیم اہل حدیث" دوبارہ شروع کیا تھا اور اس کی نگرانی کے فرائض انجام دیتے رہے۔

****

عبداللہ کلسوی

(وهابی نجدی اهل حدیث)

مولانا عبداللہ کلسوی ۱۹۱۲ء/ ۳۱-۱۳۳۰ھ کے لگ بھگ موضع کلس راجپوتاں (حال ضلع امرتسر) میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان زراعت پیشہ تھا۔ بارہ برس کے تھے کہ محمد سلیمان نامی ایک دیہاتی دوست کے ساتھ سید محمد شریف گھڑیالوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن سے استفادہ کرنے کے بعد مولانا محمد ابراہیم باقی پوری کی خدمت میں ویروول ضلع امرتسر تشریف لے گئے۔ اُن سے اڑھائی سال استفادہ کیا۔ آخر میں مدرسہ تقویت الاسلام امرتسر میں داخل ہوئے اور فاتحۂ فراغ پڑھا۔ مدرسہ تقویت الاسلام میں مولانا نیک محمد سے خصوصی استفادہ کیا۔ اسی زمانے میں مولانا محمد حسین روپڑی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

مولانا عبداللہ تحصیلِ تعلیم کے بعد اپنے گاؤں "کلس" آ گئے اور درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد سرکالی کلاں (ضلع قصور) ہجرت کر آئے۔ ۱۹۵۶ء/ ۷۶-۱۳۷۵ھ میں مولانا محمد اسماعیل سلفی کے ایماء پر حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کی مسندِ درس کو رونق بخشی اور پانچ سال وزیر آباد میں رہے۔ وزیر آباد سے وہاڑی گئے۔ دو سال بعد دھرم پورہ (لاہور) آ گئے اور یہاں مسندِ تدریس سجائی۔ مسلسل درس و تدریس سے صحت گر گئی اور اپنے صاحبزادے پروفیسر حافظ ثناء اللہ کے ہاں آ گئے۔

لاہور میں ۱۱ر جنوری ۱۹۷۱ء/ ۱۳ر ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ کو جان، جانِ آفرین کے حوالے کی۔[1] مرحوم سے کوئی تصنیف یادگار نہیں مگر اُن کے بیسیوں شاگرد دینی خدمات میں مصروف ہیں۔

---

[1] ماہنامہ "محدث"، (لاہور) بابت جنوری۔ فروری ۱۹۷۱ء

عبداللہ جھنگوی

مولانا عبداللہ بن احمد یار ۱۲ر محرم ۱۳۴۰ھ/۱۵ ستمبر ۱۹۲۱ء کو لنگرانہ چک ۲۳۷ نزد محمدی شریف (ضلع جھنگ) میں پیدا ہوئے۔ بھیرہ میں مولانا سعید الرحمان ہزاروی اور موضع کفری ضلع سرگودہا میں مولانا خدا بخش سے علوم مروجہ کی تکمیل کی۔ دورۂ حدیث مولانا سردار احمد لائل پوری (فیصل آبادی) سے بریلی کے زمانۂ قیام میں کیا تھا۔ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی صاحب کے ارادت مندوں میں سے تھے۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد خانقاہ چشتیہ سیال شریف کے مدرسے "ضیاء شمس الاسلام" میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۷۷-۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں چند ماہ اُستاد گرامی مولانا سردار احمد کے اصرار پر فیصل آباد میں رہے۔ ایک سال جامعہ حنفیہ قصور اور دو تین سال جامعہ مظفریہ رضویہ واں بھچراں (ضلع میانوالی) میں مدرس رہے۔ زندگی کا زیادہ حصّہ خانقاہ سیال شریف میں گزارا۔

تدریس و تبلیغ میں مصروف ۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ/۱۹ر جنوری ۱۹۷۴ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

****

لہ تذکرہ اکابر اہلسنت (ملخص) ص ۲۷۰-۲۷۱

عبداللہ لدھیانوی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا ابو احمد عبداللہ بن مولانا محمد اسماعیل ضلع لدھیانہ کے موضع "بلیہ والی" کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ مکرم سے حاصل کی۔ والد ماجد کی وفات کے بعد کچھ عرصہ لدھیانہ میں تعلیم حاصل کر کے امرتسر چلے گئے۔ مولانا نور احمد امرتسری (م ۱۳۴۸ھ) اور مفتی محمد حسن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ بعد میں ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور چار سال بعد واپس لدھیانہ آکر تعلیم و تدریس کے کام میں مشغول ہوئے۔

زمانہ قیام دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے بیعت ہوئے۔ اُن سے ہی سندِ اجازت حدیث حاصل کی۔

دیوبند سے آنے کے بعد مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ میں مدرس ہو گئے۔ تھے مگر مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے درسِ حدیث سے استفادہ کی خواہش تھی۔ چنانچہ دوسری بار مع اہل و عیال دیوبند چلے گئے۔ دار العلوم کے منتظمین نے ابتدائی اور درمیانے درجے کے کچھ اسباق اُن کے سپرد کر دیئے۔ پانچ روپے ماہانہ وظیفہ اور دو وقت درمیانے درجے کا کھانا مقرر کیا۔ دو سال حضرت کاشمیریؒ سے استفادہ کے بعد لدھیانہ آئے۔ "مدرسہ اللہ والا" میں مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی کے ساتھ مل کر تبلیغ و تدریس کا کام شروع کیا۔

"مدرسہ اللہ والا" کے سالانہ جلسے کے موقع پر مولانا انور شاہ کاشمیریؒ تشریف لائے اور ایک عظیم الشان اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے مولانا عبداللہ کے بارے میں فرمایا:

"مجھے اس شخص کے علم و دیانت پر پورا اعتماد ہے۔"

یہ مولانا عبداللہ کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔

مولانا عبداللہ اسی مدرسے میں مصروفِ تدریس تھے کہ اُن کے بڑے بھائی مولانا محمدؒ کا انتقال ہوگیا جو آبائی گاؤں میں اسلاف کے مسند نشین تھے۔ اہلِ دیہہ کے اصرار پر مولانا عبداللہ کو "بدیہ والی" جانا پڑا۔ وہاں "مدرسہ انواریہ عربیہ" کے نام سے دینی مدرسہ قائم کیا بعد میں یہ مدرسہ لدھیانہ کی شاہی مسجد میں منتقل ہوگیا۔ لدھیانہ کے زمانۂ تدریس میں "مدرسہ انواریہ عربیہ" کی کمیٹی سے بعض اختلافات پیدا ہوئے اور وہ مدرسہ سے الگ ہوگئے۔ ایک نیا ادارہ "دارالعلوم نعمانیہ" قائم کیا اور تقسیم ہند تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔

تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان آ گئے۔ اگست ۱۹۷۵ء/۱۳۹۵ھ میں علمی و دینی خدمات میں مصروف جان، جانِ آفرین کے حوالے کی۔

مولانا عبداللہ نے اپنے استاذ مفتی محمد حسن کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کے خلفاء میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

مولانا عبداللہ لدھیانوی سے کم و بیش اٹھائیس کتابیں اور پمفلٹ یادگار ہیں۔

محمد عبداللہ فاروقی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد عبداللہ فاروقی بن مولانا محمد کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضؓ سے ملتا ہے۔ وہ کوٹ بادل خان ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد ماجد مولانا محمد، بانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا محمد ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں کوٹ بادل خان میں فوت ہوئے۔

مولانا محمد عبداللہ فاروقی نے ابتدائی درسیات اپنے والدِ ماجد اور علاقے کے نامور اساتذہ سے پڑھیں۔ اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن سے استفادہ کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی۔ اُن کی رحلت پر مولانا عبد القادر رائے پوری سے منسلک ہوئے۔ مولانا رائے پوری نے انہیں خلافت سے سرفراز کیا۔

مولانا محمد عبداللہ فارغ التحصیل ہوئے تو چند ماہ دیوبند میں مقیم رہے بعد میں وطنِ مالوف آکر دینی و تبلیغی کام میں مصروف ہو گئے۔ شیخ الہند کی "تحریک ریشمی رومال" میں شریک تھے اُن کا ایک بازو کلائی سے کٹا ہوا تھا اور خفیہ رپورٹ میں ان کا ذکر "عبداللہ مولوی ٹنڈا کوٹ بادل خان" کے نام سے کیا گیا ہے۔ تحریک کے ناکام ہو جانے پر لاہور آ گئے اور مسلم ہائی سکول بھاٹی گیٹ میں فارسی کے اُستاد مقرر ہو گئے۔

رمضان ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء میں میو ہسپتال لاہور میں فوت ہوئے۔ عبد العزیز گمتھلوی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے۔

عبداللہ جان (وهابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبداللہ جان بن محمد قاسم بن صدر الدین ۱۸۶۵ء / ۸۲-۱۲۸۱ھ میں موضع جلالیہ ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ زبانی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے جدِ امجد جلال خان ان سپاہی پیشہ لوگوں میں شامل تھے جو سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے ہمراہ برصغیر میں وارد ہوئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے تھے۔ موضع جلالیہ کے بانی بھی یہی "جلال خان" ہیں۔

مولانا عبداللہ جان کے والد محترم محمد قاسم اپنے علاقے کے اچھے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا عبداللہ جان نے ابتدائی کتابیں اُن ہی سے پڑھیں۔ کچھ بڑے ہوئے تو اپنے بھائی مولوی عبدالمالکؒ کے ہمراہ پشاور، قاضی پور، سرائے صالح اور بعض دوسرے مقامات پر حصولِ تعلیم کے لیے مقیم رہے۔ امروہہ اور دہلی کا سفر بھی کیا تھا۔ دہلی میں مدرسہ فتح پوری میں کچھ عرصہ قیام رہا۔ دہلی کے زمانۂ اقامت میں مولانا عبدالحق حقانی (م ۱۳۳۵ھ) مؤلف تفسیر حقّانی سے بھی استفادہ کیا۔

حصولِ تعلیم سے فارغ ہو کر جلالیہ میں سکونت اختیار کی اور زندگی بھر افتاء و درس میں مشغول رہے۔ درسِ نظامی کی سب ہی کتابیں پڑھاتے تھے مگر "نحو و معانی" میں اپنی مثال آپ تھے۔ طلبہ میں "نحوی بابا" کے عُرف سے پہچانے جاتے تھے اور علم معانی میں "سیبویہ ثانی" کہلاتے تھے۔

جمعیّت علمائے چھچھ سے منسلک تھے اور ہر دینی تحریک میں دامے، درمے، قدمے اور سخنے تعاون کرتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت میں شریک رہے۔ اس سے پہلے حاجی فضلِ واحد معروف بہ حاجی صاحب ترنگ زئی کی تحریکِ اصلاح و جہاد سے وابستہ

رہے تھے۔

یکم جنوری ۱۹۶۳ء/ ۵ر شعبان ۱۳۸۲ھ کو فوت ہو گئے۔ نمازِ جنازہ مولانا نصیر الدین غورغشتوی نے پڑھائی اور جلالیہ کے قبرستان میں دفنائے گئے۔

مرحوم کی نرینہ اولاد میں دو صاحبزادے ہیں۔

ابوالبرکات عبدالمالک کھوڑوی

ابوالبرکات عبدالمالک بن مولوی محمد عالم بن گوہر خان موضع کھوڑی متصل ڈنگہ ضلع گجرات کے گوجر چوہان خاندان میں متولّد ہوئے۔ مولوی محمد عالم جیّد عالم دین اور اچھے خوشنویس تھے۔ مولانا جان محمد قادری لاہوری سے بیعت تھے اور اُن کے خلیفۂ مجاز تھے۔ مولوی محمد عالم سے پنجابی سی حرفی "فریادِ عالم در فراقِ غوث اعظم رح" یادگار ہے اس کے علاوہ "حسابِ عالم" (ریاضی) اُن کی تالیف ہے جو زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔[1]

مولانا عبدالمالک نے ابتدائی درسیات والد ماجد اور اپنے بھائی غلام غوث سے پڑھیں۔ درسِ نظامی کی آخری کتابیں مولانا شیخ عبداللہ (ساکن چک عمر نزد لالہ موسیٰ) سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

اُنہوں نے عملی زندگی کا آغاز "مددگار پٹواری" کی معمولی اسامی سے کیا اور ترقی کرتے کرتے افسرِ مال کے عہدہ پر پہنچے۔ نواب صادق محمد خان خامس والیٔ بہاولپور نے اُن کی شہرت سن کر بہاولپور بلا بھیجا اور سابق ریاست بہاولپور میں مشیرِ مالیات مقرر ہوئے۔ انہوں نے فرائضِ منصبی بطریق احسن انجام دیئے۔ حکومتِ برطانیہ نے انہیں "خان صاحب" کا خطاب دیا تھا۔ مسجد اقصیٰ بہاولپور کی تعمیر اور نہر صادقیہ کی کھدائی اُن کی نگرانی میں ہوئی تھی۔

۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ھ میں والیٔ بہاولپور کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا۔ ملازمت

---

[1] دیباچہ الجواہر المنیفہ ص ۲

سے الگ ہو کر وطن مالوف آ گئے۔ ایک عربی مدرسہ اور خانقاہ نہر اپر جہلم کے کنارے متصل موضع تون اپنی مملوکہ اراضی میں بنوائی۔ علمی اور دینی خدمات میں مصروف رہے۔ ۲۴ رجون ۱۹۴۱ء / ۲۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ کو موضع کھوڑی میں فوت ہوئے[1]۔ نماز جنازہ مولانا محمد سلام اللہ شائق (رئیس چک عمر) نے پڑھائی۔ جناب حکیم مظفر علی صاحب نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ع،

فخرِ گوجر عبد مالک نیک نام | کرد رحلت جانبِ دارالسلام
بود عالم با عمل از اب وجد | فیضیاب از خانہ اش ہر خاص عام
گفت شائق با مظفر ایں چنیں | کن رقم تاریخِ او "ذی احترام"[2]
۱۳۶۰ھ

مولانا عبدالمالک فارسی اور اردو کے ایک اچھے شاعر تھے۔ صادق تخلص کرتے تھے۔ تاریخ گوئی میں کمال تھا۔ انہوں نے نواب محمد صادق خامس (والئی بہاول پور) کی مدح میں ایک تاریخی قصیدہ (۱۳۱۰ھ) لکھا جس کے تیس شعروں میں ۱۴، مادہ ہائے تاریخ آتے تھے۔ مطلع ملاحظہ ہو؛

مصلحِ جود و صداقت منبعِ سرِّ نہاں
ہمدمِ عدل و جلالت صادق صاحبقراں[3]
۱۳۱۰ھ ۱۳۱۰ھ

---

[1] جناب شرف قادری صاحب نے ماہنامہ "العزیز"، (بہاول پور) کے حوالے سے تاریخ وفات ۲۱ رجولائی ۱۹۴۱ء / ۲۶ رجمادی الاخریٰ ۱۳۶۰ھ لکھی ہے۔ (ص ۲۷۶)

[2] دیباچہ الجواہر المضیئہ، ص ۸

[3] قصیدہ میں یہ صنعت بھی پیشِ نظر رہی ہے کہ دونوں مصرعوں کے حروفِ منقوط یا حروفِ غیر منقوط کو الگ الگ جمع کیا جائے تو مادۂ تاریخ ۱۳۱۰ھ حاصل ہوتا ہے۔

مرحوم کے ایک نعتیہ قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں:

اے برزدہ بر عرش بریں نقش قدم را — وز نام تو علم ازلی لوح و قلم را

اے فخر بذات تو مناد ید عرب را — وے ناز بنام تو اقالیم عجم را

مشاطہ رخ حسن تو آراست — تاہست تماشا بکند حسن عدم را

مولانا مرحوم سے حسب ذیل تالیفات یادگار ہیں:[1]

۱۔ الطباق الشردہ فی شرح القصیدہ البردہ

۲۔ حسن الجردہ فی شرح القصیدہ البردہ۔ اوّل الذکر شرح میں اضافوں اور منظوم فارسی ترجمہ کے ساتھ یہ شرح مرتب کی گئی ہے۔

۳۔ شرع محمدی (علم الفرائض)

۴۔ الجواہر المضیہ فی شرح القصیدہ الغوثیہ (قصیدہ غوثیہ کی اُردو شرح)

۵۔ شرح درود کبریت احمر

۶۔ التنور (سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

۷۔ المزمل (〃 〃 〃)

۸۔ النکاح (فقہ۔ نکاح وطلاق کے متعارف مسائل)

۹۔ النبوت والرسالت

۱۰۔ صادق الارشاد فی شرح بانت سعاد

۱۱۔ شاہان گوجر (مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ)

****

---

[1] اشتہار۔ حسن الجردہ ص ۲۴۶

عبدالمجید خادم سوہدروی (وہابی نجدی اہل حدیث)

مولانا عبدالمجید خادم بن مولانا عبدالحمید بن مولانا غلام نبی ۱۹۰۱ء/۱۹ سہ ۱۳۱۸ھ میں سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے ننھیال اور ددھیال دونوں خانوادوں میں علمی و دینی روایت چلی آرہی تھی۔ مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی اُن کے نانا تھے۔

مولانا عبدالمجید ابھی کم سن تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا۔ اُن کی پرورش مولانا غلام نبی (دادا) نے کی۔ انہیں سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبدالمجید نے حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے درسِ نظامی کی تکمیل کی بیس سال کی عمر میں مروّجہ درسیات سے فارغ ہوکر اصلاحی و تبلیغی کاموں میں مشغول ہوئے۔

مولانا عبدالمجید نے سوہدرہ سے ایک پرچہ "مسلمان" جاری کیا۔ اور "مسلمان کمپنی" کے نام سے اشاعتی ادارہ قائم کیا۔ اس کے ساتھ ذریعہ معاش کے طور پر طبابت کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان تک "مسلمان" اُن کی ادارت میں طبع ہوتا رہا۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) کا ہفت روزہ "اہل حدیث" (امرتسر) مسلکِ اہل حدیث کا مقبول ترین ترجمان تھا۔ تقسیم ہند کے وقت مولانا امرتسری ہجرت کرکے پاکستان آگئے اور "اہل حدیث" دم توڑ گیا۔ مولانا عبدالمجید نے اس کی تجدید سوہدرہ سے کی جو اُن کی رحلت تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

مولانا عبدالمجید اچھے خطیب، قلمکار اور بلند نظر عالم تھے۔ علمی و دینی کام کرتے ہوئے نومبر ۱۹۵۹ء/ ۱۳۷۹ھ میں فوت ہوئے اور سوہدرہ میں اپنے جدِ امجد کے پہلو میں دفنائے گئے۔ مرحوم سے طبی اور مذہبی موضوعات پر کم و بیش ساٹھ کتابیں یادگار ہیں۔ چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ رہبرِ کامل (سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۔ انگریز اور وہابی ۔۔۔ ۳۔ دولت مند صحابہؓ

۴۔ سیرتِ عائشہؓ ۔۔۔ ۵۔ سیرتِ فاطمہؓ

۶۔ سیرت امام ابو حنیفہؒ ۔۔۔ ۷۔ سیرتِ ثنائی

۸۔ سیرت سلمانؒ (مولانا محمد سلیمان منصور پوری مؤلف "رحمۃ اللعالمین" کی سوانح حیات) غیر مطبوعہ۔

حافظ عبدالمجید نابینا (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا حافظ عبدالمجید نابینا بن چوہدری وزیر خان ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء کے لگ بھگ چک ۲۲۴ ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان زراعت پیشہ تھا اور دولت و ثروت کے اعتبار سے خاصا نمایاں تھا۔

بچپن میں بینائی سے محروم ہو گئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور فنِ تجوید میں درک حاصل کیا۔ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل میں دینی تعلیم حاصل کی۔ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے عزیز ترین تلامذہ میں سے تھے۔ بلا کا حافظہ پایا تھا۔ درس میں شامل ہونے سے پہلے کسی ہم جماعت سے عبارت سُن لیتے اور دورانِ سبق احادیث پڑھتے اور بحث میں حصہ لیتے تھے۔ مولانا انور شاہ صاحب ان کی یادداشت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

"جب معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ نابینا ہونے کے باوجود حافظِ حدیث تھے تو حیرت ہوتی تھی لیکن اب ان حافظ عبدالمجید کو دیکھ کر وہ حیرت جاتی رہی ہے۔"[1]

علومِ دینیہ کی تحصیل کے بعد لکھنؤ میں فنِ طب کی تعلیم حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے فارسی، عربی اور اُردو کے امتحاناتِ فاضل پاس کیے۔ یہیں سے بی۔ اے کی سند لی۔ عملی زندگی کا آغاز فیصل آباد میں بطور طبیب کیا اور "شفاخانۂ نقشبندیہ" کے نام سے مطب کھولا۔ بہت اچھے نباض تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی۔

تحریکِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ مجلس احرارِ اسلام کے نمایاں افراد میں شمار ہوتے تھے۔ شہر و ضلع مجلس احرار اسلام کے صدر اور مرکزی ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔ ۱۹۳۹ء

---

[1] ہفت روزہ "خدام الدین" (لاہور) بابت ۱۲ر جولائی ۱۹۷۲ء

میں مجلس احرار اسلام نے فوجی بھرتی کے خلاف تحریک چلائی تو اس میں گرفتار ہوئے اور ایک سال راولپنڈی جیل میں قید رہے۔

حافظ صاحب مخیر اور مہمان نواز بزرگ تھے۔ دینی سرگرمیوں میں قول و عمل سے شریک ہوتے تھے۔ امام ابن حزم رح کے خیالات سے متاثر تھے اور مروّجہ نظام معیشت کو ناپسند کرتے تھے۔ ۱۲؍ فروری ۱۹۷۲ء/ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کو فوت ہوئے۔

حافظ عبدالمنان وزیر آبادی (وھابی نجدی اھل حدیث)

حافظ عبدالمنان بن شرف الدین بن نور خان، اعوان خاندان میں ۱۲۶۷ھ/۵۱-۱۸۵۰ء میں موضع کرولی سیداں تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے۔ تحصیل علم کے لیے مختلف مقامات کے سفر کیے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا قادر بخش احمد آبادی، سید قاسم شاہ بھلوالی، مولانا برہان الدین (ساکن بوریا نوالہ ضلع جہلم) اور گل احمد (ساکن چک شیخ جی۔ بنوں) کے نام ملتے ہیں تحصیلِ علم کے شوق میں سندھ گئے۔ پیر محفوظ اللہ میر سندی کے ہاں قیام کیا اور اُن کی وساطت سے نواب مراد علی خان (والئی خیر پور) سے تعارف ہوا۔ نواب صاحب کے اصرار پر ایک سال خیر پور میں رہے۔ مولانا محمد محدث سہارنپوری اور مولانا عبدالحق بنارسی (م ۱۲۸۶ھ) سے ملاقاتیں کیں اور آخر الذکر کے مشورے پر بھوپال تشریف لے گئے۔ ایک سال بھوپال میں رہ کر اہلِ علم سے استفادہ کیا۔ بھوپال سے واپسی پر دہلی میں رُک گئے۔ ایک سال اور چند ماہ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث پڑھی اور ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں سندِ حدیث لے کر واپس وطن مالوف آ گئے۔

وہ پہلے عالم تھے جنھوں نے ضلع جہلم میں تقلید کے خلاف آواز بلند کی۔ احناف میں سے مولانا گل احمد للہی، مولانا غلام حسین چکوالی اور بعض دوسرے علماء نے شدید مخالفت کی۔ طرفین کے درمیان مباحثے ہوتے رہے۔

حافظ عبدالمنان صاحب وطنِ مالوف سے لاہور آ گئے۔ یہاں سے لدھیانہ گئے مگر لدھیانہ میں دل نہ لگا۔ واپس لاہور آئے اور ایک سال قیام کے بعد مولانا

عبداللہ غزنوی سے استفادہ کے لئے امرتسر چلے گئے۔

دو سال امرتسر میں گزار کر، مبانوالہ ضلع سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ آخر میں وزیر آباد آئے اور یہیں کے ہو گئے۔ ابتداء میں محلہ شیخاں کی مسجد میں درس کا آغاز کیا بعد میں سیالکوٹی دروازہ کے قریب ایک مسجد اور مدرسہ "دار الحدیث"، کی بنیاد رکھی اور تقریباً چالیس سال قرآن و حدیث کی تعلیم دی۔ ۱۶ر رمضان ۱۳۳۴ھ/۱۸ر جولائی ۱۹۱۶ء کو وفات پائی۔ مولانا غلام حسن سیالکوٹی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور وزیر آباد میں دفنائے گئے۔ عبد الحفیظ (ساکن گلزار باغ۔ پٹنہ) نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخِ وفات کہا ؎

حافظِ علمِ حدیثِ مصطفےٰ — عبدِ منّاں اُس کا تھا مشہور نام
احاطۂ پنجاب کا وہ شیرِ دیں — تھا وزیر آباد میں اُس کا مقام
ہو گیا واصل بحق مردِ خدا — ختم ہونے پر جو تھا ماہِ صیام
بولا ہاتف سالِ رحلت اے حفیظ — مولوی باخدا جنّت مقام

۱۳۳۴ھ

حافظ صاحب مرحوم سے سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری

۲۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

۳۔ مولانا محمد علی لکھوی

۴۔ مولانا عبد القادر لکھوی

۵۔ مولانا عبد العزیز قلعوی (فرزند مولانا غلام رسول قلعوی)

۶۔ مولانا عبد الحمید سوہدروی

۷۔ مولانا عبد الحکیم سوہاردی

۸۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی

۹۔ مولانا عبدالرحمان نظام آبادی

حافظ صاحب مرحوم نے تین شادیاں کی تھیں۔ جن سے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہوئیں۔ پہلی زوجہ سے لڑکی، دوسری زوجہ سے تین لڑکیاں اور پانچ لڑکے ہوگئے۔ تیسری زوجہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حکیم عبدالجبار

۲۔ مولوی عبدالستار

۳۔ مولوی محمد حسین آزاد

۴۔ مولوی عبدالرشید

۵۔ مولوی عبدالباسط

****

قاضی عبدالنبی کوکبؔ

قاضی عبدالنبی کوکبؔ بن قاضی عبدالحکیم گجرات کے رہنے والے تھے۔ قاضی عبدالحکیم کا شمار گجرات شہر کے اہلِ علم اور متدیّن اصحاب میں ہوتا تھا۔ مسلم بازار گجرات میں اُن کی کتابوں کی دکان تھی۔

مفتی احمد یار خان مرحوم گجرات آئے تو قاضی عبدالحکیم سے اُن کی دوستی ہوگئی۔ مفتی صاحب کے ایماء پر عمر کے چھٹے سال میں قاضی عبدالنبی کو اُن کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ قاضی عبدالنبی نے مدرسہ خدام الصوفیہ گجرات میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ اُن کے اساتذہ میں مفتی احمد یار خاں مرحوم کے علاوہ قاضی عبدالسبحان ہزاروی، مولانا محمد اکرام، مولانا حضرت امیر، مولانا نور محمد، مولانا مفتی امین الدین اور مولانا ظہیر احمد صاحبان شامل ہیں۔

درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد ذاتی مطالعہ سے پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات منشی فاضل، مولوی فاضل اور ادیب فاضل پاس کئے۔ بعد میں لاہور آکر اُردو اور عربی میں ایم اے کی اسناد حاصل کیں۔

قاضی صاحب نے عملی زندگی کا آغاز جامعہ نعیمیہ لاہور میں تدریس سے کیا۔ فاضل عربی کی جماعت اُن کے ذمّہ تھی۔ دو سال جامعہ گنج بخش میں بھی تدریسی فرائض انجام دیئے۔ بعد میں پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں فہرست مخطوطات کی تیاری کے کام پر مامور ہوئے۔ وفات سے کچھ پہلے یونیورسٹی اورینٹل کالج میں عربی زبان و ادبیات کے لیکچرار مقرر ہوئے مگر اس سے پہلے کہ نئے منصب کی ذمّہ داریاں سنبھالتے ۱۹ر جنوری ۱۹۷۸ء / ۹ر صفر ۱۳۹۸ھ کو پنجاب پبلک لائبریری لاہور سے واپس

آتے ہوئے ایک کار اُن سے ٹکرا گئی اور یہ حادثہ جانکاہ ثابت ہوا۔

قاضی عبدالنبی ایک اچھے ادیب، شاعر اور خطیب تھے۔ اسلام کے نڈر اور بے باک سپاہی تھے اور حق بات کہنے میں جری تھے۔ قاضی صاحب جامع مسجد تاج شاہ میں ایک عرصہ تک بلامعاوضہ درسِ قرآن دیتے رہے۔ محلّے کے بچّے اُن سے از حد مانوس تھے۔ کیونکہ وہ اُنہیں نماز پڑھنے پر ٹافیاں اور چاکلیٹ کھلاتے تھے۔ مرنجاں مرنج اور صُلح جو انسان تھے۔ اولیائے کرام اور اہل اللہ سے دلی محبت رکھتے تھے اور اُن کے افکار و کردار سے عوام کو آگاہ کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ یوم مجدّد اور یوم رضا منانے میں پیش پیش رہتے تھے۔

قاضی صاحب اچھے شاعر تھے اور کوکبؔ تخلّص کرتے تھے۔ قاضی صاحب سے اُردو اور فارسی کلام کے علاوہ حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ زندگی کی راہیں ۔قرآن میں

۲۔ تحقیقِ قربانی

۳۔ یادِ شہید

۴۔ شاہِ جیلاں

۵۔ مقالاتِ یومِ رضا (تین حصّے)

۶۔ آٹھویں جماعت کے لیے عربی ریڈر

۷۔ الخزائن ۔ پنجاب یونیورسٹی کے نادر عربی مخطوطات کی فہرست (جلد اوّل)

۸۔ مجمل فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی (غیر مطبوعہ)

۹۔ مجموعہ کُتبِ سیرت (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین) بچوں کیلئے۔

۱۰۔ سیرتِ سالک (سوانح حیات مفتی احمد یار خان گجراتی)

۱۱۔ ترتیب "اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب" تالیف جمال الدین علی بن زکریا

بن مسعود حنفی (م ۶۸۶ھ) ستا الواب الوتر

قاضی صاحب نے ایم۔ اے (عربی) کے زمانۂ طالب علمی میں بطور "تحقیقی مقالہ" یہ حصّہ مرتب کیا۔ اُن کے نگران ڈاکٹر ضیاء الحق صوفی فرزند مولانا اصغر علی روحی تھے۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔

عبدالہادی دین پوری (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالہادی دین پوری بن مولانا غلام محمد ۴ر اور ۵ر اپریل ۱۹۰۴ء کی درمیانی شب/۶ر محرم ۱۳۲۱ھ کو دین پور میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں میاں جی خیر محمد مرحوم کے پاس قرآن مجید پڑھنے بیٹھے۔ قرآن مجید پڑھ کر درسِ نظامی کی کتابیں دین پور ہی میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا عبدالقادر دین پوری، مولانا عبداللہ لغاری، مولانا محمد سلیمان اور مولانا غلام صدیق حاجی پوری کے نام بہت نمایاں ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ مولانا احمد علی لاہوری کے دورۂ قرآن میں شامل ہوکر معارفِ قرآنی سے ذہن وفکر کو جلادی۔

مولانا عبدالہادی کی تعلیم وتربیت، مولانا تاج محمود امروٹی (م ۱۳۴۸ھ) اور مولانا غلام محمد دین پوری کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ بعد میں مولانا احمد علی لاہوری کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

مولانا عبدالہادی اپنے والدِ ماجد کی زندگی ہی میں دینی خدمات انجام دینے لگے تھے۔ اُنھوں نے وعظ وارشاد اور اصلاح وتزکیہ کے ساتھ جہادِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ تحریکِ خلافت میں پیش پیش رہے۔ جمعیت علمائے ہند سے وابستہ تھے اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے رشتۂ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ اُنہیں تبلیغی اجتماعات کے انعقاد میں لذت محسوس ہوتی تھی۔ مولانا غلام محمد دین پوریؒ کے آخری دورِ حیات میں یادگار اور کامیاب اجتماعات اُن ہی کی سعی وجہد کا نتیجہ تھے۔

مولانا عبدالہادی نے زندگی کے آخری آٹھ نو۹ سال بیماری میں گزارے۔ چلنا پھرنا موقوف ہوگیا تھا۔ وضو اور نماز سب کچھ چارپائی پر ہوتا تھا۔ بوقتِ نماز اُن کی

چارپائی اُٹھا کر صف کے ساتھ لگا دی جاتی تھی۔ ۷رمضان ۱۳۹۸ھ/۱۲اگست ۱۹۷۸ء کو وفات پائی اور دین پور میں دفنائے گئے۔

مولانا مرحوم کی شادی اس کے چچازاد بھائی حاجی محمد بخش خان مرحوم (ضلع جھنگ) کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ جن سے تین لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔ بڑے صاحبزادے میاں سراج احمد عالم با عمل ہیں۔

حافظ محمد عبیداللہ ملتانی

حافظ محمد عبیداللہ بن حافظ قدرت اللہ کے آباؤ اجداد عراق سے واردِ ہند ہوئے تھے۔ خاندان میں پشت ہا پشت سے علمی روایت چلی آ رہی تھی۔ اُن کے جدِّ امجد مولانا عبدالقادر حضرت مخدوم سید محمد غوث قادری کے مرید اور اُن کے بچّوں کے اتالیق تھے۔ پیر و مرشد کی نسبت سے "فقیر قادری" کہلاتے تھے۔ اُن کی آخری آرام گاہ چوک شاہ عباس (ملتان) کے قریب بیان کی جاتی ہے۔[۱]

حافظ محمد عبیداللہ کے خانوادے کے ایک بزرگ مولانا داؤد سے رسالہ "شیر و شکر" (فارسی مطبوعہ) یادگار رہے۔ اُن کے والد حافظ قدرت اللہ، حافظ محمد جمال ملتانی کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ نیز اپنے دَور کے جیّد علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ محمد عبیداللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ ان کی رحلت کے بعد مولانا محمد خدا بخش ملتانی سے استفادہ کیا۔ جب ملتان پر سکھوں نے غلبہ حاصل کر لیا تو احمد پور چلے گئے اور مولانا گل محمد احمد پوری[۲] سے علومِ متداولہ کی تکمیل کی۔ احمد پور میں مولانا محمد خدا بخش خیر پوری سے بیعت ہوئے اور ان کے ساتھ خیر پور جا کر حساب و ہئیت، تصوّف اور علم فرائض کی تحصیل کی۔ دس بارہ سال اُن کی خدمت میں رہ کر خلافت سے سرفراز ہوئے۔[۳]

مولانا موصوف متدیّن اور متقی عالم دین تھے۔ ان کا مدرسہ دُور دُور تک مشہور تھا۔

---

[۱] تاریخ ملتان ج ۲، ص ۲۲۶

[۲] از خلفا حضرت قاضی صاحب مٹھن کوٹ

[۳] جناب خلیق نظامی صاحب نے انہیں حافظ محمد جمال ملتانی کا خلیفہ بتایا ہے (تاریخ مشائخ چشت ص ۶۰۶) جو درست نہیں (درک، مناقب المحبوبین ص ۱۳۳)

علمِ فرائض میں اپنے وقت کے سراج الدین سجاوندی تھے۔ طلبہ درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد صرف علمِ فرائض پڑھنے اُن کے پاس آتے تھے اور سند حاصل کرتے تھے۔

بروز جمعہ ۶ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ / ۲۰ ر جنوری ۱۸۸۰ء کو ملتان میں فوت ہوئے اُن کے جنازہ پر اس قدر خلقت جمع ہوئی کہ شمار ممکن نہیں[1] مزار محلہ قدیر آباد میں ہے۔

"وصالہ، قدرضی اللہ عنہ" اور "و فان المتقین فی جنت" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

حافظ محمد عبیداللہ کی تصنیفات کی تعداد سَو تک بیان کی جاتی ہے[2] انہوں نے درسی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں اور علم الفرائض پر کئی رسائل قلمبند کیے ہیں۔ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں اہم ہیں:

۱۔ فتح العبید
۲۔ رفیقیہ
۳۔ سیر السماء
۴۔ اصولِ حافظیہ
۵۔ وفیات الاعیان
۶۔ سرِ دلبراں

تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ فارسی، عربی، سرائیکی میں شعر بھی کہتے تھے۔

---

[1] گلزارِ جمالیہ ص ۳۲

[2] تاریخ ملتان ج ۲ ص ۲۲۷

عبیداللہ سندھی (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا عبیداللہ سندھی ۱۲ر محرم ۱۲۸۹ھ/ ۱۰ر مارچ ۱۸۷۲ء کو ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں "چیاں والی" میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام رام سنگھ ولد جسپت رائے تھا جو سکھ مذہب پر عامل تھے۔

مولانا عبیداللہ کی ولادت سے چار ماہ پہلے اُن کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ابھی دو سال کے تھے کہ دادا جان بھی فوت ہو گیا۔ اُن کی والدہ اُنہیں ننھیال لے آئی۔ کچھ عرصہ بعد نانا بھی فوت ہو گیا۔ مولانا عبیداللہ کے دو ماموں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں پٹواری تھے۔ چنانچہ مولانا کی والدہ اپنے بھائیوں کے پاس جام پور چلی گئی۔

مولانا عبیداللہ چھ سال کے تھے کہ جام پور کے اُردو مڈل سکول میں داخل ہوئے۔ بارہ سال کے تھے کہ اُنہیں ایک آریہ سماجی دوست کے پاس مولانا عبیداللہ پائلی (م ۱۳۱۰ھ) کی تالیف "تحفۃ الہند" دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اُن کے عقائد و نظریات پر زبردست چوٹ لگی۔ اس کے بعد شاہ اسماعیل شہیدؒ (م ۱۲۴۶ھ) کی "تقویت الایمان" اور مولانا محمد لکھوی (م ۱۳۱۱ھ) کی پنجابی منظوم تالیف "احوال الآخرت" پڑھنے سے اسلام کی حقانیت نکھر کر سامنے آگئی۔ موصوف مڈل کی تیسری جماعت میں پڑھتے تھے کہ اظہار اسلام کیلئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ مؤلف "تحفۃ الہند" کے نام پر اپنا نام "عبیداللہ" رکھا۔ اس دوران میں دو سال سیالکوٹ میں مقیم رہے۔

اظہارِ اسلام کے بعد ترکِ وطن کر کے سندھ چلے گئے اور مولانا محمد صدیق

بھرچونڈوی (م ۱۳۰۸ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے ران کے ہاتھ پر سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی اور سندھ میں اقامت اختیار کرلی۔

مولانا سندھی نے ابتدائی درسیات تا ہدایۃ النحو مولانا عبدالقادر دین پوری سے دین پور میں پڑھیں۔ شوال ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں دین پور سے کوٹلہ رحم شاہ ضلع منظفر گڑھ گئے اور مولوی خدا بخش سے کافیہ پڑھا۔ صفر ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ تخمیناً پانچ ماہ میں "قطبی" تک منطق کے رسائل متفرّق اساتذہ اور شرح جامی مولانا حکیم محمد حسن سے پڑھی۔ منطق و حکمت کی کتابیں ختم کرنے کے لئے چندماہ مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) کے مدرسہ میں چلے گئے۔ اسی طرح چندماہ مدرسہ عالیہ رامپور میں رہ کر مولوی ناظرالدین سے استفادہ کیا اور صفر ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں واپس دیوبند آگئے۔

شوال ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے دورہ حدیث میں شامل ہوئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن (م ۱۳۳۹ھ) سے جامع ترمذی کے اسباق پڑھے۔ سنن ابی داؤد کا درس گنگوہ جاکر مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) سے لیا۔ دورۂ حدیث کے دوران میں بیمار ہوکر دہلی آگئے۔ یہیں حدیث کی باقی کتابیں مولانا عبدالکریم پنجابی سے پڑھیں۔ مولانا عبدالکریم، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے غیرمعروف مگر محقّق شاگرد تھے۔

تکمیل تعلیم کے بعد جمادی الاخریٰ ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء کو دہلی سے بھرچونڈی واپس آئے۔ مولانا شیخ الہند رح نے اجازت نامہ تحریر فرما کر دہیں بھجوادیا۔ شوال ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء میں امروٹ شریف ضلع سکھر گئے۔ وہاں ایک مطبع قائم کرکے عربی اور سندھی کی بعض نایاب کتابیں شائع کیں۔ دو سال مطبع نے کام کیا اور ایک ماہنامہ "ہدایت الاخوان" چھپتا رہا۔ اسی عرصے میں اُن کی شادی ہوگئی اور اُنہوں نے اپنی والدہ کو اپنے پاس

بلالیا جو آخر دم تک اپنے آبائی مذہب پر قائم رہیں۔ امروٹ شریف میں تقریباً سات سال قیام رکھا اور مولانا تاج محمود امروٹی (م ۱۳۴۸ھ) کے ظلِ عاطفت میں اُنہوں نے بھرپور مطالعہ کیا۔ اس زمانے میں تلاشِ کتب اور شوقِ مطالعہ میں گوٹھ پیر جھنڈا اُن کا آنا جانا تھا۔ مولانا رشید الدین صاحب العَلَم ثالث کی صحبت میں اٹھنا بیٹھنا تھا۔

۱۳۱۹ھ/۰۲-۱۹۰۱ء میں مولانا سندھی نے مولانا راشد اللہ صاحب العَلَم رابع کی مدد سے گوٹھ پیر جھنڈا میں ایک مدرسہ قائم کیا جسے سات سال چلایا۔ ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ایماء پر دیوبند چلے گئے اور چار سال مقیم رہے۔ وہاں "جمعیت الانصار" کے روح رواں رہے۔ اس جمعیت کا مقصد علی گڑھ اور دیوبند کو ایک دوسرے کے قریب لانا تھا۔ دیوبند سے دہلی آ گئے اور مسجد فتح پوری میں "نظارت المعارف القرآنیہ" کی بنیاد رکھی۔ جس کا مقصد جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قرآن مجید کے حقائق و معارف سے روشناس کرانا تھا۔

طرابلس اور بلقان کی جنگوں نے برصغیر کے مسلمانوں میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ مولانا سندھی اب تک علمی کاموں میں مصروف تھے اور کھل کر میدانِ سیاست میں نہیں آئے تھے۔ اس کے بعد اُن کی زندگی میں سیاسی پہلو غالب ہوتا چلا گیا۔ ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں کابل گئے۔ اگلے سال انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۲۲ء/۴۱-۱۳۴۰ھ میں "کانگریس کمیٹی کابل" بنائی جس کے صدر رہے۔ انڈین نیشنل کانگرس نے "کانگرس کمیٹی کابل" کا باقاعدہ الحاق منظور کیا۔ کابل میں اُنہوں نے تحریک ریشمی رومال میں فعال کردار ادا کیا۔ سات سال کابل میں رہنے کے بعد مولانا سندھی ماسکو چلے گئے۔ "لینن اُن دنوں اشتراکی روس کی بنیاد رکھ رہا تھا۔ موسیٰ جاراللہ کی روایت کے مطابق حکومت بالشویک مولانا کا بہت زیادہ احترام کرتی تھی اور اُن کے افکار و خیالات سے استفادہ کرتی تھی چنانچہ حکومت نے مولانا کے بعض ارشادات انگریزی زبان میں طبع کرائے۔"[۱۰]

کچھ عرصہ قیام کے بعد انگورہ گئے۔ تین سال ترکی میں گزارے۔ آخر ۱۳۴۵ھ/۲۷-۱۹۲۶ء میں ارضِ حجاز آ گئے۔ یہاں تیرہ چودہ سال علمی ودینی زندگی بسر کی۔

مولانا سندھی کی جلا وطنی برصغیر کے عوام پر شاق گزر رہی تھی چنانچہ ہر مکتبِ فکر کے راہنماؤں نے اُن کی واپسی کے لئے حکومت پر زور ڈالا۔ آخر اُنہیں واپس وطن آنے کی اجازت مل گئی۔ موصوف ۷ر مارچ ۱۹۳۹ / ۱۵ر محرم ۱۳۵۸ھ کو چوبیس سال کی جلا وطنی کے بعد واپس وطن آئے۔ دیو بند میں ان کا بے مثال استقبال کیا گیا۔ دیوبند میں ایک ہفتہ کے مختصر قیام کے بعد دہلی آ گئے اور جامعہ ملیہ میں مقیم ہوئے۔ وہیں "بیت الحکمت" کے نام سے "نظارت المعارف القرآنیہ" کی تجدید کی۔ "بیت الحکمت" کے بارے میں مولانا سندھی کا تخیّل کیا تھا۔ اُن کے شاگرد موسیٰ جاراللہ نے لکھا ہے:

"حضرت مولانا سندھی کے نزدیک اُن کی مہتم بالشان آرزوؤں کی تکمیل کا اوّلین طریقہ اور ابتدائی تدبیر یہ تھی کہ اُمّتِ اسلامیہ کے بچّوں اور بچیوں کی کامل تربیت اسلامی اور عصری اصول کے مطابق مسلمانوں کی بہترین اسلامی درس گاہوں اور عالمِ تمدّن کی اعلیٰ جامعات میں کرائی جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت مولانا نے جو سب سے پہلا اقدام کیا وہ یہ تھا کہ دہلی اور لاہور میں آپ نے دار الحکمت کی ایک چھوٹے نمونے پر (MINIATURE MODEL) تاسیس کی اور اُن کی آرزو تھی کہ اس کو اپنی زندگی میں تمام کرّۂ ارض کی بہترین یونیورسٹی دیکھیں جو اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ عہدِ حاضر کے کائناتی

(حاشیہ صفحہ سابقہ) لے ماہنامہ "جامعہ" (دہلی) بابت دسمبر ۱۹۴۴ء ص ۲۵

اور اجتماعی علوم کی تعلیم کا واحد مرکز ہو۔[1]

جلاوطنی سے واپس آکر مولانا عبید اللہ سندھی نے تجدد پسندانہ خیالات کا اظہار کیا تو علماء میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور دوسرے علمائے دیوبند نے اُن کے افکار سے لاتعلقی کا اعلان کیا۔ تاہم مولانا سندھی پورے استقلال سے اپنے خیالات کی تلقین کرتے رہے۔

ایک روایت کے مطابق اسی زمانے میں اُن کے ایک بدبخت شاگرد نے انہیں زہر دیا اور اُن کی آنکھوں میں پسا ہوا سیسہ ڈالا گیا جس سے اُن کی بینائی جاتی رہی۔ اسی عالم میں ۲۲ راگست ۱۹۴۴ء / ۳ رمضان ۱۳۶۳ھ کو دین پور میں فوت ہوئے اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

مولانا سندھی کی علمی یادگاروں میں حسبِ ذیل اہم ہیں:

۱۔ امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف (مطبوعہ: "الفرقان" شاہ ولی اللہ نمبر)

۲۔ شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک

۳۔ خطبات و مقالات (مرتبہ: پروفیسر محمد سرور)

۴۔ قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟ (خطبہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ راولپنڈی)۔ مرتبہ عبد الرحمان

۵۔ التمہید

ان کے علاوہ مولانا عبید اللہ سندھی کے شاگردوں نے تفسیر قرآن سے متعلق اُن کی امالی قلمبند کی ہے۔

---

[1] ماہنامہ "جامعہ" (دہلی) بابت دسمبر ۱۹۴۴ء، ص ۲۷

عزیز الدین احمد عظامی

(وھابی نجدی دیوبندی)

عزیز الدین احمد عظامی بن شیخ الٰہی بخش موضع بدلہ من مضافات ہوشیار پور کے ایک علمی خانوادہ میں ۱۸۹۸ء / ۱۶-۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد مولانا شیخ الٰہی بخش اپنے علاقے کے بلند پایہ عالم تھے۔ مولانا عظامی ابھی چھ سال کے تھے کہ ان کے والد نے دنیا سے منہ پھیر لیا۔ برادرِ بزرگ ظہیر الدین احمد نے تعلیم و تربیت کا ذمہ لیا۔ مگر مولانا عظامی نے ابھی گیارہویں سال میں قدم رکھا تھا کہ برادرِ بزرگ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مولانا عظامی نے نوشت و خواند کا آغاز والدِ ماجد سے کیا۔ بعد میں "رائے پور گوجراں" کے دینی مدرسے میں داخل ہوئے۔ وہاں سے گلاوٹھی (بلند شہر) گئے اور یہاں تین سال رہ کر علومِ عالیہ کی تحصیل کی۔ انہوں نے حافظ محمد صالح اور مفتی فقیر اللہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ علمِ حدیث کی تحصیل کے لیے دار العلوم دیوبند گئے اور شیخ الحدیث مولٰینا محمود حسنؒ اور علامہ انور شاہ کاشمیری سے بطورِ خاص استفادہ کرتے ہوئے فارغ التحصیل ہوئے۔ بعد میں پنجاب یونیورسٹی سے "منشی فاضل" کا امتحان پاس کیا۔

تعلیم سے فارغ ہوئے تو اسلامیہ ہائی سکول ہوشیار پور میں ملازمت اختیار کر لی۔ بعد میں پنجاب کے مختلف شہروں میں تدریس کی۔ جس زمانے میں ہوشیار پور میں قیام تھا۔ مولانا غلام قادر گرامی (م ۱۳۴۵ھ) سے تعارف ہوا اور یہ تعارف شاگردی کی صورت اختیار کر گیا۔ ۱۹۲۳ء میں مولانا گرامی نے انہیں اپنا جانشین نامزد کیا ؎

ستارہ سفتہ گوش و چرخ پا بوس زمین آمد
تعالی اللہ گرامی را عظامی جانشین آمد

؎ دیوان گرامی ص ۲۱۱

۱۹۴۷ء میں مولانا عظامی جالندھر میں تھے کہ برصغیر تقسیم ہوا۔ یہاں سے ترکِ سکونت کر کے ساہیوال چلے آئے اور یہاں بھی محکمۂ تعلیم سے منسلک رہے۔ ۱۹۵۳ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۴ار فروری ۱۹۵۷ء/۱۴ار رجب ۱۳۷۶ھ کو وفات پائی۔ مولانا عبدالرشید نسیم نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے:

چیست وصفِ عظامی مرحوم　　یادگارِ گرامی مرحوم
فاضلِ وقت آں عزیزالدین!　　رشکِ عطار و جامی مرحوم
بزمِ او چوں نظیری مغفور　　رزم او چوں نظامی مرحوم
آنی بود چوں بہ "آنی" شد　　سالِ فوتش " عظامی مرحوم"

۶۱　+　۱۳۱۵ھ

۱۳۷۶ھ

مولانا عظامی کا اہم ترین کارنامہ اپنے استاد مولانا گرامی کے کلام کی تدوین ہے ان ہی کی سعی و کوشش سے مولانا گرامی کا کلام منظرِ عام پر آیا۔

مولانا عظامی نے ابتداء میں اردو میں شعر کہے مگر بعد میں استاد کے تتبع میں محض فارسی کے ہو رہے۔ اُن کے غیر مطبوعہ دیوان میں قصیدہ، غزل، مثنوی اور رباعی سب ہی اقسامِ سخن ہیں۔ شیخ اکرام الحق اُن کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تا عہدِ عظامی نخلِ شعر فارسی در شبہ قارہ مائل بہ خزاں بود و عظامی آخریں ثمر آں نخل می باشد"[1]

مولانا عظامی کے دو شعر بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں:

---

[1] شعر العجم فی الہند بحوالہ فارسی گویانِ پاکستان حصہ اول ص ۲

در شہرِ جفا دیدم کہ دستِ ستم کیشاں
ناداں بہ سرِ منبر، دانا بہ سرِ داری

سجادۂ پارینہ و این کہنہ کلاہی
با تختِ جم و تاجِ سکندر نفروشم

محمد عزیز الرحمان بہاولپوری

دبیر الملک محمد عزیز الرحمان بن مولانا غلام رسول ۹ صفر ۱۲۹۰ھ / ۷ اپریل ۱۸۷۳ء کو بہاول پور میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام رسول بلند پایہ عالم دین تھے۔

مولانا محمد عزیز الرحمان ابھی سات سال کے تھے کہ اُن کے والدین کا انتقال ہوگیا۔ حافظ اللہ بخش سے قرآن مجید پڑھا۔ ابتدائی نوشت وخواند مشن سکول بہاول پور میں سیکھی۔ مرزا صاحب بیگ نامی مدرس سے فارسی ادب وانشار کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۸۸۷ء / ۰۵-۱۳۰۴ھ میں مدرسہ عربیہ بہاول پور میں داخل ہوئے۔ جہاں مولانا خلیل احمد انصاری سے استفادہ کیا۔ ۱۸۹۲ء / ۱۰-۱۳۰۹ھ میں "مولوی" کا امتحان خاص امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔

"مولوی" کی سند حاصل کر کے عملی زندگی میں قدم رکھا۔ دسمبر ۱۸۹۴ء / ۱۳۱۲ھ میں نواب بہاول پور کے کتب خانۂ خاص کے ناظم مقرر ہوئے اور تقریبًا پانچ سال یہ خدمت انجام دی۔ کچھ عرصہ بیکار رہ کر مئی ۱۹۰۳ء / ۱۳۲۱ھ میں فوج میں بحیثیت کلرک بھرتی ہو گئے۔ وہاں سے محکمہ مال اور پھر کونسل آف ریجنسی بہاول پور کے کلرک مقرر ہوئے۔

اپریل ۱۹۰۹ء / ۱۳۲۷ھ میں سررشتہ دار چیف کورٹ بہاول پور کی اسامی پر فائز ہوئے۔ اِس سلسلے میں منصفی کا امتحان پاس کیا۔ جون ۱۹۳۱ء / ۱۳۵۰ھ میں ڈسٹرکٹ جج ہو گئے۔ ۱۲ مئی ۱۹۳۸ء / ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا محمد عزیز الرحمان نے متنوع انداز کی خدمات انجام دیں۔ نواب بہاولپور

نے اُن کی خدمات کا بارہا اعتراف کیا اور انعام واکرام سے نوازا۔ نواب صادق محمد خان کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا۔ اور " حج صادق " کے نام سے سفر نامہ لکھا۔ نواب نے خوش ہو کر " دبیر الملک " کا خطاب عطا کیا۔

مولانا محمد عزیز الرحمان سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ حج صادق

۲۔ صبح صادق (نواب محمد صادق خان رابع کی سوانح حیات)

۳۔ مثنوی نور و نار

۴۔ نعتِ عزیز۔ مرتبہ محمد حفیظ الرحمان

۵۔ دیوان (فارسی، عربی، اُردو اور سرائیکی کلام)

۶۔ ترجمہ و شرح دیوانِ فرید۔ خواجہ غلام فرید کے کلام کا اُردو میں ترجمہ کیا اور شرح لکھی ہے۔

۷۔ ترجمہ سرائیکی قرآن مجید

متذکرۃ الصدر تالیفات کے علاوہ چند منظوم و منثور قصے ہیں جو ان کی زندگی میں طبع ہو گئے تھے لیکن " کافی قصے ابھی تک سیٹھ عبید الرحمان کے ذاتی کتب خانے میں پڑے طباعت کا انتظار کر رہے ہیں[1] "

مولانا محمد عزیز الرحمان کی ادارت میں ماہنامہ " العزیز " (بہاول پور) طبع ہوتا تھا جس میں اُردو اور سرائیکی کے معیاری مضامین طبع ہوتے تھے۔ اُنھوں نے فارسی عربی، اُردو اور سرائیکی چار زبانوں میں منظومات کا ذخیرہ چھوڑا ہے عزیز تخلص تھا ابتداء میں مولانا وحید الدین سلیم پانی پتی (م ۱۳۴۷ھ) سے اصلاح لی جوان دنوں ایجرٹن کالج بہاول پور

---

[1] تاریخِ ملتان ج ۲، ص ۴۴۴

میں فارسی کے اعلیٰ مدرس تھے۔ ان کے علاوہ اپنے برادرِ بزرگ مولانا محمد عبدالرحمان آزادؔ سے اصلاح لی۔

مولانا محمد عزیزالرحمان نے تین شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے محمد حفیظ الرحمان پیدا ہوئے۔ جنھوں نے علمی دُنیا میں نام پیدا کیا۔ دوسری اہلیہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ تیسری بیوی سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جو بچپن میں فوت ہوگیا۔

سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری (وھابی نجدی دیوبندی)

سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری بن سیّد ضیاءالدین احمد بن سیّد نورالدین احمد کے آباؤ اجداد بخارا سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے۔ اس خانوادے کے کئی افراد نے علمی اور دینی حلقوں میں نام پیدا کیا ہے۔ اس خاندان کے پیش رو سیّد عبدالغفار بخاری، سلطان زین العابدین والئ کشمیر کے مرشد تھے۔

ایک دوسرے فرد سیّد اکمل الدین بخاری متوطن دہلی، حضرت شاہ غلام علی دہلوی (م ۱۲۴۰ھ) کے خلیفۂ مجاز تھے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں دہلی سے سرہالی ضلع گجرات آئے تھے۔ اُنہوں نے سرہالی میں سفرِ آخرت اختیار کیا اور اُن کے پسماندگان یہیں آباد ہو گئے۔

سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری کے دادا، سیّد نورالدین احمد، خواجہ شمس الدین سیالوی کے ارادت مند تھے۔ وہ سرہالی سے ایک دوسرے گاؤں ناگڑیاں منتقل ہوئے۔ سیّد نورالدین احمد کے فرزند سیّد ضیاءالدین احمد پشمینے کا کاروبار کرتے تھے۔ اور اسی سلسلے میں اُن کی پٹنہ میں آمدورفت رہتی تھی۔ اُنہوں نے پٹنہ کے حکیم سیّد احمد اندرابی کی دُختر نیک اختر سے شادی کی۔

سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری یکم ربیع الاوّل ۱۳۰۱ھ/۲۳ ستمبر ۱۸۹۲ء کو اپنے ننھیال پٹنہ میں پیدا ہوئے۔[۱] شاہ صاحب کی عمر ابھی تین چار سال سے زیادہ نہ تھی کہ اُن کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ اُن کی پرورش اور ابتدائی تعلیم ننھیال میں ہوئی۔

---

[۱] روایت سیّد ابومعاویہ ابوذر بخاری صاحب

اُنہوں نے عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے نانا حکیم سیّد احمد اندرابی (جو طبّیہ کالج لکھنؤ کے فارغ التحصیل تھے اور علومِ دینیہ پر گہری نظر رکھتے تھے) سے پڑھیں۔ شاہ صاحب سنِ بلوغت کو پہنچے تو پنجاب کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر میں اُنہیں کافی مشکلات و مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ امرتسر آئے اور اساتذۂ وقت کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔ مولانا نور احمد امرتسری (م ۱۳۴۸ھ) سے تفسیرِ قرآن، مولانا مفتی محمد حسن سے حدیث اور مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی (م ۱۳۵۲ھ) سے فقہ کے اسباق پڑھے۔

مولانا سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری نے عملی زندگی کا آغاز امرتسر کی ایک چھوٹی سی مسجد میں فرائضِ امامت کی انجام دہی سے کیا۔ اللہ تعالےٰ نے آواز اور زبان میں بے پناہ تاثیر رکھی تھی۔ بحیثیت واعظ اُن کی شہرت امرتسر سے پھیل کر ملک گیر ہو گئی۔ اپنے دور کے عظیم مقرّر تسلیم کئے گئے۔ شاہ صاحب کے سوانح نگار آغا شورش کاشمیری مرحوم نے بجا طور پر لکھا ہے:

> "جس طرح ہر بڑے آدمی کی خصوصیت اُس کا نام لیتے ہی حافظہ کی لوح پر آجاتی ہے۔ مثلاً غالب کا نام لیتے ہی ایک عظیم شاعر کا تصوّر بندھتا ہے۔ اسی طرح شاہ جی کی ذات خطابت سے مختص ہو گئی ہے۔ وہ سراپا خطابت ہیں۔"[1]

۱۹۲۶ء/۴۵-۱۳۴۴ھ میں ایک جلسۂ عام دہلی دروازہ لاہور کے باغ میں مولانا محمد علی جوہر (م ۱۳۴۹ھ) کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس جلسے کے ایک مقرّر شاہ صاحب تھے۔ مولانا جوہر نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

---

[1] سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری ص ۱۸۳-۱۸۴

• کامیابی کا سہرا اس بے مثال مقرر کے سر رہا۔ جن کا نام سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہے۔ اُن کی قرآن خوانی، اُن کی اُردو، اُن کی پنجابی، اُن کی متانت، اُن کی ظرافت، غرض ہر چیز نے سامعین کو مسحور کئے رکھا۔ لوگوں کا تقاضا تھا کہ شاہ صاحب اپنی تقریر جاری رکھیں۔ شاہ صاحب بھی تیار تھے مگر میرے کہنے سے انکار کر دیا۔ جلسہ غالباً دو بجے شب ختم ہوا۔ ورنہ وہیں صبح ہو جاتی۔"[1]

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تحریکِ خلافت کے زمانے میں سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور قید و بند زندگی کے معمولات میں شامل ہو گئی۔ پہلی بار اسی تحریک میں ۲۷ مارچ ۱۹۲۱ء/ ۴ رجب ۱۳۳۹ھ کو گرفتار ہوئے اور تین سال قید بامشقت کی سزا کاٹی۔ اس کے بعد برصغیر میں اُٹھنے والے ہر جذبۂ آزادی کو اپنایا۔ آریہ سماجیوں کی دریدہ دہنی جب حد سے گزر گئی تو میدانِ عمل میں آئے اور ۷ جولائی ۱۹۲۷ء/ ۶ محرم ۱۳۴۶ھ کو ایک سال کے لئے جیل چلے گئے۔ ۱۹۳۰ء/ ۴۹-۱۳۴۸ھ میں کانگریس کی نمکین ستیہ گرہ میں شمولیت کی پاداش میں چھ ماہ قید ہوئے۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء/ ۸ شعبان ۱۳۴۹ھ کو "مجلس احرارِ اسلام" کی بنیاد رکھی گئی تو مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری پہلے صدر چنے گئے۔ احرار اسلام کی تحریکِ کشمیر میں دو سال پسِ دیوارِ زنداں رہے۔ دوسری عالمی جنگ کے آغاز سے چند دن پہلے مختلف سنگین الزامات کے تحت گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا تو پولیس رپورٹر کے انکشاف نے حکومت کی سازش عیاں کر دی۔ اور چھ ماہ قید رہ کر با عزت بری ہو گئے۔

شاہ صاحب کی سیاسی زندگی میں بنیادی اہمیت "انگریز دشمنی" کو حاصل

---

[1] سید عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۱۸۶

تھی ۔ وہ خود کہا کرتے تھے :

"(میں) سپاہی ہوں ۔ تمام عمر انگریزوں سے لڑتا رہا اور لڑتا رہوں گا ۔ اگر اس مہم میں سوّر بھی میری مدد کریں گے تو میں اُن کا منہ چُوم لُوں گا ۔ میں تو اُن چیونٹیوں کو شکر کھلانے کے لئے تیار ہوں جو صاحب بہادر کو کاٹ کھائیں ۔ خدا کی قسم ! میرا ایک ہی دشمن ہے ۔ انگریز ۔ اس ظالم نے نہ صرف مسلمان ملکوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی ۔ ہمیں غلام رکھا اور مقبوضات پیدا کئے بلکہ خیرہ چشمی کی حد ہو گئی کہ قرآن حکیم میں تحریف کے لئے مسلمانوں میں جعلی نبی پیدا کیا ۔ پھر اس خود کاشتہ پودے کی آبیاری کی اور اب اس کو چہیتے بچے کی طرح پال رہا ہے"[1]

قیامِ پاکستان سے چند ماہ پہلے سے فسادات شروع ہو گئے تھے ۔ شاہ صاحب مارچ ۱۹۴۷ء/۱۳۶۶ھ میں امرتسر سے لاہور آ گئے ۔ تقسیمِ ہند کے بعد وہ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے ۔ دو سال بعد مجلسِ احرار اسلام کو ہمہ تن تبلیغی جماعت بنا دیا ۔ اور قادیانیت کے تعاقب میں تیغِ برہنہ ہو گئے ۔ تحریک ختمِ نبوت میں بھرپور حصّہ لیا اور ایک سال سنّتِ یوسفی بھی ادا کی ۔

مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری ابتدا میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی ؒ سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے بعد میں مولانا عبد القادر رائے پوری (م ۱۳۸۲ھ) کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ۔

آخری ایامِ حیات میں ملتان منتقل ہو گئے تھے ۔ وہیں ۹ ربیع الاولیٰ ۱۳۸۱ھ/ ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو فوت ہوئے ۔

---

[1] سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری

مولانا مرحوم کی اولاد میں چار صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا حافظ سیّد عطاالمنعم بخاری (سیّد ابومعاویہ ابوذر بخاری)
۲۔ حافظ سیّد عطاالمحسن بخاری
۳۔ حافظ سیّد عطاالمؤمن بخاری
۴۔ حافظ سیّد عطاالمہیمن بخاری

مولانا مرحوم کی قلمی یادگاروں میں اُن کا مجموعہ کلام "سواطع الالہام" ہے۔ جو مولانا حافظ سیّد عطاالمنعم بخاری نے ترتیب دیا ہے۔

سید عظیم الدین شاہ ملتانی

مولانا سید عظیم الدین شاہ ملتانی ارضِ حجاز کے رہنے والے تھے۔ مدینۃ النبیؐ میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاکروبی اور چراغ بندی کی خدمت پر مامور تھے۔ نواب مظفّر خان والئی ملتان (م ۱۸۱۸ء/ ۱۲۳۳ھ) ۱۲۰۷ھ/۱۷۹۳ء میں حج کے لئے ارضِ حجاز گئے۔ مدینۂ منوّرہ میں اُن کی مولانا سید عظیم الدین سے ملاقات ہوئے۔ نواب موصوف اُن کے زہد و تقویٰ اور علم و نظر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اُنھیں ملتان تشریف لے آنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ وہ ملتان آگئے۔ نواب موصوف نے کچھ رقبہ زمین بطور جاگیر عطا کیا اور وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے لگے۔

زندگی بھر قال اللہ اور قال الرسول کی اشاعت و ترویج کی۔ آخر ۱۳ر جمادی الاخریٰ ۱۲۳۱ھ/ ۹ر مئی ۱۸۱۶ء کو فوت ہوئے۔ بیرون دولت گیٹ ملتان میں دفنائے گئے۔ اُن کے تعویذ پر حسبِ ذیل اشعار درج ہیں:

حاجی حرمین نیز واعظِ خلق — بود ز اولاد غوث محی الدین
سیز دہم ماہ جمادی الثانی — روز شنبہ شُدہ بخلدِ بریں
چوں کہ در راہ دیں قوی می بود — سالِ وصلش قوی عظیم الدین[1]

۱۲۳۱ھ

---

[1] اولیائے ملتان ص ۲۶۵

علاء الدین صدیقی (وھابی نجدی دیوبندی)

علامہ علاء الدین صدیقی بن فیروز الدین ۳ نومبر ۱۹۰۷ء/ ۲۷ رمضان ۱۳۲۵ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان چھ سات پشتوں سے لاہور میں مقیم ہے اور کئی پشتوں سے علم و فن کی روایت اُن کے خاندان میں چلی آرہی تھی۔ عہدِ مغلیہ میں اُن کے بعض بزرگوں کو شہزادوں کی اتالیقی کا شرف حاصل تھا اور اکثر بزرگ علم و فن کی خدمت میں مصروف رہے۔

علامہ صدیقی کے والدِ ماجد ایرانی طرز کی مصوّری اور نقاشی میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور اس فن کے اُستادوں میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔ علامہ موصوف کے چار بھائیوں نے مصوّری و نقاشی کا فن سیکھا البتہ انہوں نے علمی شغل کو ترجیح دی۔

علامہ موصوف نے اسلامیہ ہائی سکول (شیرانوالہ دروازہ)، مدرسہ قاسم العلوم (شیرانوالہ دروازہ)، فورمین کرسچین کالج لاہور اور لاء کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ اُن کے اساتذہ میں ملک عبدالقیوم پرنسپل لاء کالج، مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا عبیداللہ سندھی کے نام بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

علامہ موصوف کو بدوِ شعور سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ عمدہ کتابیں خریدتے اور زیرِ مطالعہ رکھتے تھے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے مقرر اور خطیب کی حیثیت سے دینی جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ غلبہ اسلام کی ہر ملّی تحریک میں بقدرِ حیثیت و استطاعت حصہ لیتے رہے۔ تحریکِ آزادی میں مسلم لیگ کے پرچم تلے کام لیا۔ مسلم لیگ میں شمولیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سب سے پہلے بہار کے خونی واقعات کے زخم خوردہ مہاجرین کی خدمت کے لئے مسلم لیگ میں شریک ہوا اور جو بن پڑا، کیا۔ پھر

بعض احباب کے حُسنِ ظن نے صوبائی مسلم لیگ کا سیکرٹری بھی
چُن لیا۔[1]
تحریکِ پاکستان میں اُن کی خدمات ایک مستقل مضمون کی متقاضی ہیں۔ قیامِ پاکستان کے کچھ عرصہ بعد سیاسی دنیا سے واپس علمی دنیا میں آئے اور ملک کے بہت سے ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے۔ شعبہ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے صدر رہے اور بعد میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے۔ اسلامی مشاورتی کونسل میں اُنہوں نے اہم خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ بیسیوں دینی و تبلیغی اداروں اور انجمنوں سے وابستہ رہے۔

علامہ صدیقی مسجد شاہ چراغ (ہائی کورٹ۔ لاہور) میں خطبہ جمعہ دیتے تھے اور مستقل طور پر عصر کے بعد درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ اُن کے درسِ قرآن میں مولانا احمد علی لاہوری کا مخصوص اندازِ فکر نمایاں تھا۔ تقابلِ ادیان کے فن پر اُن کی گہری نظر تھی۔ اس لئے قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے دوسرے مذاہب کی کتابوں کا ذکر بھی اُن کے درس میں ہوتا تھا۔ اور اسلامی تعلیمات کی برتری واضح کرتے تھے۔

علامہ موصوف گفتگو کے بادشاہ تھے:

"وہ جس محفل میں ہوتے سب کی توجہ کا مرکز بن جاتے۔ اُن کی بذلہ سنجی، حاضر جوابی، قادر الکلامی، شگفتگی اور بے تکان گفتگو کی قدرت سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔"[2]

اُن کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہر طبقے کی زبان اور لب و لہجہ میں گفتگو کرتے

---

[1] ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ" (لاہور) بابت فروری ۱۹۶۵ء، ص ۲۳

[2] روزنامہ "نوائے وقت" (لاہور) بابت ۱۲ جنوری ۱۹۸۰ء

تھے۔ انہیں عوام کی زبان میں بات کرنے کا سلیقہ تھا اور ایوانوں میں رہنے والوں کے بھی رمز شناس تھے۔ وہ محبت کے انداز بھی جانتے تھے اور دیوانوں کی سی بے باکی اور تندی سے بھی آشنا تھے۔ اُن کی سیرت و کردار کا نمایاں اور غالب پہلو "اعتدال پسندی" تھی۔ وہ خود ایک مسلک کے داعی تھے مگر دوسرے ہر مسلک و مشرب کے بزرگوں کا احترام کرتے تھے۔

علامہ موصوف جامع الحیثیات شخصیت کے حامل تھے۔ وہ خوش بیان خطیب، دردِ دل کے مالک مبلغ، بلند پایہ اُستاذ اور سیاست دان تھے۔ ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۷ء/۱۶ر محرم ۱۳۹۸ھ کو میو ہسپتال میں انہوں نے آخری سانس لیا۔ شمیم صبا متھراوی نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ کہا ؂

چھپا اک اور سورج آسمانِ علم و دانش کا!
ہوئے جب دہر سے رخصت علاء الدین صدیقی
سروشِ خلد نے تاریخِ رحلت یوں کہی اُن کی
بنے ہیں رہبرِ جنّت علاء الدین صدیقی

۱۳۹۸ھ

نیز ؏ "علامہ علاء الدین صدیقی باغِ ارم میں جا بسے" سے سالِ عیسوی ۱۹۷۷ء برآمد ہوتا ہے۔

علم الدین سالک

مولانا علم الدین سالک بن حاجی جلال الدین ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰-۱ء میں موضع سلامت پور نزد لاہور میں پیدا ہوئے۔ وہ ارائیں برادری کے ایک ذی حشم خاندان کے فرزند تھے۔ اُن کے والد نے آبائی پیشہ زمینداری چھوڑ کر گھوڑوں کی تجارت شروع کردی تھی اور لاہور یعنی اکبری دروازے کے باہر نہر کے کنارے زمین خرید کر مکان بنالیا تھا۔ اس طرح مولانا علم الدین سالک بچپن میں لاہور آ گئے۔

اسلامیہ ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور دیال سنگھ کالج میں داخل ہوئے کالج کے ہونہار اور ذہین طلبہ میں سے تھے مگر ترکِ موالات کی تحریک میں تعلیم کو خیرباد کہہ دیا۔ کچھ عرصہ روزنامہ "امام" (لاہور) کی ادارت کی۔ جب وہ بند ہوگیا تو والد ماجد کے کہنے سننے پر ریلوے کے دفتر حصولِ اراضی میں ملازم ہو گئے۔ اسی ملازمت کے زمانے میں انہیں بی۔ اے پاس کرنے کا خیال آیا۔ ملازمت سے الگ ہو کر امتحان میں بیٹھے اور کامیاب ہوئے۔

بی۔ اے کرنے کے بعد ریاست سکیت چلے گئے۔ وہاں انگریزی دفتر میں سررشتہ دار تھے۔ چند ماہ ریاست سکیت میں گزارے تھے کہ لاہور میں دیوسماج کالج قائم ہوا اور یہاں لیکچرار مقرر ہو گئے۔ یہیں سے انہوں نے داخلہ بھیج کر علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے (فارسی) کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں دیو سماج کالج سے اسلامیہ کالج لاہور آ گئے۔

اسلامیہ کالج میں اُنہوں نے ملت اسلامیہ کی بھرپور خدمت کی۔ وہ تحریکِ پاکستان کے مخلص کارکن تھے۔ سماجی کاموں میں خاص دلچسپی لیتے تھے اور اپنی برادری کی تنظیم و اصلاح میں کوشاں رہتے تھے۔

مولانا علم الدین سالکؔ سخن فہم اور سخن سنج تھے۔ کالج کے زمانے میں فارسی میں شعر کہنے لگے تھے مگر اپنے اُستاد پروفیسر کے۔ ایم۔ مترا کے مشورے پر شاعری ترک کردی اور اپنی جولانیوں کے لئے نثر کا میدان منتخب کیا۔ اُنہوں نے ادب کی مختلف اصناف افسانہ، ڈرامہ اور تنقید پر قلم اٹھایا۔ عمر کے ساتھ ساتھ اُن کا ذوق ادب سے تاریخ اور اسلامیات کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ہندوپاک کی قرونِ وسطیٰ کی تاریخ پر اُن کی گہری نظر تھی۔ اُس دَور کے فنون پر ماہرانہ گفتگو کرتے تھے۔

وہ بلند پایہ عالم، بالغ نظر مورّخ تو تھے ہی مگر اُن کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو معلّمی ہے۔ وہ اسی کو اپنا سب سے بڑا کمال سمجھتے تھے۔ اُنہوں نے تین نسلوں کو پڑھایا۔ ہزاروں شاگرد پیدا کئے۔ اور سینکڑوں کی زندگیاں سنواریں۔ ۲۷ جولائی ۱۹۷۳ء / ۲۶ / جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ بروز جمعہ عالمِ جاودانی کو روانہ ہوئے۔

اُن کی حسبِ ذیل علمی یادگاریں ہیں۔

۱۔ تاریخ سکیت

۲۔ سبدِ گُل (افسانوں کا مجموعہ)

۳۔ نگارشات (تاریخ پاک وہند کے مختلف ادوار پر پندرہ مقالات)

ان کے علاوہ اُنہوں نے دیوانِ حالیؔ، دیوانِ غالبؔ اور ہمایوں نامہ (گلبدن بیگم) کے عالمانہ مقدمے لکھے ہیں۔

سیّد علی الحائری (شیعہ رافضی اھل تشیع)

مولانا سیّد علی الحائری بن سیّد ابو القاسم ۱۲۹۸ھ/۸۱-۱۸۸۰ء میں لاہور میں پیدا ہوئے انہوں نے درسِ نظامی کی تکمیل والد ماجد سے کی۔ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے عراق و عرب کا سفر کیا۔ سامرہ میں ایک عرصے تک سرکار مرزا محمد حسن شیرازی اور مرزا حبیب اللہ رشتی نجفی کے درس میں شریک رہے ان دونوں بزرگوں کے علاوہ آقا سیّد کاظم طباطبائی، آقا ماثر ندرانی، ملّا محمد کاظم خراسانی اور سیّد ابو القاسم طباطبائی سے اجازت نامے حاصل کئے۔

مسلمانانِ لاہور اور بالخصوص پنجاب کے اہلِ تشیع میں اُن کی دینی عظمت اور اثر ورسوخ تسلیم کیا جاتا تھا۔ دسمبر ۱۹۱۱ء/۱۳۲۹ھ میں "دربار دہلی" میں انہیں مدعو کیا گیا تھا۔ ۱۹۱۴ء/۱۳۳۲ھ میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ میں ہوا۔ سیّد علی الحائری اس کے صدر چُنے گئے۔ انہوں نے شیعہ کالج لکھنؤ کے قیام و ترقی کے لئے خوب کام کیا تھا۔ حکومت نے اُن کی خدمات کے پیشِ نظر "شمس العلماء" کے خطاب سے نوازا تھا۔

مولانا سیّد علی الحائری نہایت وجیہ، جامہ زیب اور خوش الحان واعظ تھے۔ اُن کا خطبہ وجد آفریں ہوتا تھا۔ ۲۸ جون ۱۹۴۱ء/۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۰ھ کو اس دارِ فانی سے رحلت کی اور کربلا گامے شاہ میں دفنائے گئے۔

مولانا مرحوم سے عربی، فارسی اور اُردو میں تقریباً پچاس کتابیں یادگار ہیں۔ جن میں مندرجہ ذیل بہت اہم ہیں:

۱۔ لوامع التنزیل وسوامع التاویل (فارسی)۔ سیّد ابو القاسم کی نامکمل تفسیر میں پندرہ جلدوں کا اضافہ کیا۔ ستائیسویں پارے کی تفسیر لکھ رہے تھے کہ پیغامِ اجل آگیا۔

۲۔ فتاویٰ علامہ حائری (۸ جلدیں)

۳۔ غایۃ المقصود (۴ جلدیں)

۴۔ منہاج السلامہ

۵۔ رسالۃ الغدیر

۶۔ تقریظات المشاہیر (۴ جلدیں)

۷۔ رسالہ المؤید (ردِ نصارٰی)

۸۔ مفید الصبیان

۹۔ سیف الفرقان در تحقیق فسق و ایمان

۱۰۔ عشرۂ کاملہ (مناظرہ)

۱۱۔ التنقید در اجتہاد و تقلید (فارسی)

سیّد علی احمد شاہ گیلانی

سیّد علی احمد شاہ گیلانی بن سیّد عبدالعلی شاہ ۱۲ر شعبان ۱۳۱۵ھ/ ۸ر جنوری ۱۸۹۸ء کو کیتھل شریف ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ وہ حضرت شاہ کمال کیتھلی کے اخلاف میں سے تھے۔ کیتھل کی شہرت کا باعث یہی خانوادۂ قادریہ ہے۔ کسی شاعر نے کیتھل کے بارے میں کہا ہے ع

اندر جہاں شہرے ندیدم ہمچو کیتھل خوش مقام
زانکہ آسودند دروے اولیائے خوش کرام

سیّد علی احمد شاہ تین سال کے تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اُن کی تربیت اُن کے چچا میاں غلام رسول شاہ نے کی۔ اُنہوں نے بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے بعد دینی علوم میں کمال حاصل کیا۔ گھریلو ماحول اور تعلیم و تربیت کی وجہ سے تقویٰ، اعلیٰ اخلاق اور اسلامی کردار کے مالک ہوئے۔

کسبِ معاش کے لئے کچھ عرصہ محکمہ ریلوے میں ملازم رہے۔ اس کے بعد اسلامیہ ہائی سکول کیتھل میں مدرّس ہو گئے۔ آخر میں تدریس سے الگ ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ موصوف زندگی بھر مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اخوّت پر زور دیتے رہے۔ وہ مسلمانوں کے ملّی تشخص اور جداگانہ قومیت کے قائل تھے۔ اُن کے دل میں آزادی اور اتحادِ مسلمین کی تڑپ بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ اُنہوں نے تحریکِ پاکستان میں فعال کردار ادا کیا۔

تقسیم ہندوستان کے ساتھ ہی ہندو اکثریت کے علاقوں سے مسلمانوں کا انخلاء شروع ہو گیا۔ کیتھل چاروں طرف سے ہندو آبادی میں گھرا ہوا تھا۔ سیّد صاحب کیتھل سے اُس وقت روانہ ہوئے جب شہر سے مسلمانوں کا انخلاء مکمل ہو گیا۔

پاکستان ہجرت کر کے آئے تو ابتداء میں قبولہ شریف میں مقیم ہوئے۔ پھر ملتان چلے گئے۔ یہاں کچھ دن قیام کے بعد ڈیرہ غازی خان گئے اور زندگی کے آخر دم تک وہیں مقیم رہے۔

سیّد علی احمد شاہ گیلانی، سلسلۂ قادریہ میں اپنے والدِ ماجد سے مجاز تھے۔ ۲۲؍رجب ۱۳۸۳ھ/۲۱؍دسمبر ۱۹۶۲ء کو ڈیرہ غازی خاں میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔

سیّد علی احمد شاہ گیلانی سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ رسالہ نورِ ایمان (غیر مطبوعہ)
۲۔ رسالہ حفظ الایمان (؍؍)
۳۔ قندِ نبات یعنی کلیاتِ سید (غیر مطبوعہ)

علی احمد قریشی بہاول نگری (وہابی نجدی دیوبندی)

مولانا علی احمد بن مولانا جمال الدین بن فضل الدین بن ہدایت اللہ قریشی ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدِ امجد مولانا ہدایت اللہ قریشی جیّد عالم دین تھے۔ اُن سے دینی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ شروع ہوا اور مولانا علی احمد قریشی تک یہ دینی روایت قائم تھی۔

مولانا علی احمد نے ابتدائی درسیات گھر پر پڑھیں۔ درس نظامی کی جُملہ کتب علاقے کے نامور اساتذہ سے پڑھ کر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے دورۂ حدیث کیا۔ ایک سال مظاہر العلوم میں گزار کر شعبان ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا عبد القادر رائے پوری سے بیعت ہوئے۔ اُن کی صحبت میں رہ کر تزکیہ نفس و تصفیہ باطن کیا۔ بہاول نگر میں ۲۲ مئی ۱۹۶۲ء/ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ کو فوت ہوئے۔ دین پور نزد بہاول نگر کے قبرستان میں دفنائے گئے۔

مولانا علی احمد قریشی مرحوم نے مولانا عبد القادر رائے پوری کا مجموعۂ ملفوظات مرتّب کیا تھا۔ جس سے مولانا رائے پوری کے سوانح نگار مولانا ابوالحسن علی ندوی نے استفادہ کیا ہے۔

میاں علی محمد خان

حضرت میاں علی محمد خان بن محمد عمر خان ۱۲۹۹ھ/۸۲-۱۸۸۱ء میں بستی عمر خان ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک زمیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے والد ماجد محمد عمر خان صاحبِ علم و فضل، اور صوفی منش انسان تھے۔ اُن کی قلمی یادگاروں میں "تہذیب دھرم" اور "یادِ پیر" کے نام ملتے ہیں۔

میاں علی محمد خان کی تربیت اُن کے نانا میاں محمد خان چشتی نظامی کی نگرانی میں ہوئی اُنہوں نے فاضل اساتذہ کی نگرانی میں مروّجہ دینی نصاب کی تکمیل کی، علم طب اور فنونِ سپہ گری میں کمال حاصل کیا۔ فارغ التحصیل ہوئے تو اپنے نانا سے تعلقِ ارادت قائم کیا اور ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں اُن کی رحلت کے بعد سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ کی مسند پر متمکن ہوئے۔ نظام حیدر آباد کے درباری شاعر مولانا غلام قادر گرامیؔ نے قطعہ کہا ع

محرم نکتۂ خفی و جلی جانشین محمد است علی!

آفتاب آفتاب ست دلیل درخورِ مسندِ ولی است علی

حضرت میاں علی محمد خان خاموشی سے گراں قدر خدمات انجام دینے کے قائل تھے اور نمود و نمائش سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ رشد و ہدایت اور تعلیم و تبلیغ میں اپنا وقت گزارتے تھے۔ برصغیر کی تحریکِ آزادی اور مسلمانوں کے جداگانہ وطن "پاکستان" کے لئے کام کیا۔ ۴۶-۱۹۴۵ء/۱۳۶۵ھ کے انتخاب میں انہوں نے اپنے نیازمندوں کو حکم دیا کہ وہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں۔ تحصیل امرتسر سے چودھری نصراللہ اور رانا نصراللہ خان کی کامیابی میں اُن کی تگ و دو بھی شامل تھی۔

قیامِ پاکستان کے بعد میاں صاحب اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کی سرزمین پاکستان

آ گئے اور ابتدائی طور پر لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ ڈیڑھ دو ماہ یہاں رہنے کے بعد حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے شہر پاکپٹن میں قیام کیا۔

میاں صاحب کتبِ تصوف کے پڑھنے پڑھانے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کی تالیفات پر گہری نظر تھی۔ فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیّہ کا درس دیتے تھے۔

یہ عابد و زاہد اور شب زندہ دار بزرگ دل کے عارضے میں مبتلا تھے۔ ۱۵ محرم ۱۳۹۵ھ/ ۲۸ جنوری ۱۹۷۵ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ میت پاکپٹن لائی گئی۔ ہزاروں افراد نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور درگاہ خواجہ فریدالدین گنج شکر میں مدفون ہوئے۔

میاں صاحب کی علمی یادگاروں میں حسبِ ذیل تین رسائل ہیں:

۱۔ راہ قرار

۲۔ تفسیر سورۂ نون

۳۔ مکتوب در مسئلہ وحدت الوجود

شاہ علی مردان ملتانی

مولانا شاہ علی مردان بن حافظ علی مدد بن حافظ عنایت اللہ بن فقیر عبدالقادر ملتان کے رہنے والے تھے۔ اُن کے جدِ اعلیٰ فقیر عبدالقادر عرب کے رہنے والے تھے اور وہ اِس خاندان کے پہلے شخص تھے جو بر صغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے تھے۔

مولانا شاہ علی مردان عہدِ مظفر خانی (۱۱۹۳ھ - ۱۲۳۳ھ) کے باکمال عالم تھے۔ حرم گیٹ کے باہر اپنی مسجد میں درس دیتے تھے۔ طالبانِ علم و ادب اکنافِ عالم سے کشاں کشاں یہاں پہنچتے اور آپ سے تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس لیتے (تھے)۔[1] قناعت پسند، بے نیاز اور اہل دولت سے دُور رہتے تھے۔ نواب مظفر خان (والئی ملتان) اور نواب محمد بہاول خان (والئی بہاول پور) نے اُن سے ملاقات کی کوشش کی مگر بوریا نشین عالم نے والیانِ ریاست سے ملاقات نہ کی۔ فقیروں اور معذور لوگوں کی مدد کرنے میں مستعد رہتے تھے۔

سلسلہ اویسیہ میں خواجہ محکم الدین سیرانی (م ۱۱۹۷ھ) کے خلیفہ خواجہ محمد مراد اویسی سے بیعت تھے۔

شاہ علی مردان چھیاسی[۸۶] سال کی عمر میں ۲۷ رجب ۱۲۸۲ھ/۱۶ دسمبر ۱۸۶۵ء کو فوت ہوئے اور بیرون حرم گیٹ ملتان میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔ اُن کی اولاد میں دو صاحبزادے مولوی غوث بخش اور مولوی جندوڈہ تھے جن کی اولاد چلی آ رہی ہے۔

---

[1] اولیائے ملتان ص ۲۶۹

مولانا شاہ علی مردان سے چند تالیفات یادگار ہیں۔ ان میں معروف ترین "لطائف سیریہ" ہے جو خواجہ محکم الدین سیرانی (م ۱۱۹۷ھ) کے حالات میں معروف کتاب ہے "لطائفِ سیریہ" میں بعض روایات ثقاہت سے گری ہوئی ہیں۔ خواجہ غلام فرید فرماتے ہیں:

"میاں علی مردان اکثر روایات از قاضی جیون داجلی شنیدہ درج کردہ است و قاضی جیون بعضی حکایات از خود وضع کردہ است[1]"

---

[1] ارشاداتِ فریدی ص ۱۱۳

عماد الدین لاہوری (شیعہ رافضی اہل تشیع)

مولانا سید عماد الدین محمود حسینی مرعشی سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد میں سلطان العلماء سید حسین مرعشی بلند پایہ عالم تھے۔ مولانا سید عماد الدین محمود حسینی لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد تجارت پیشہ تھے۔ اُن کے ہمراہ مشہد گئے۔ مشہد میں علمائے وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ وہاں سے اصفہان گئے اور سید اسد اللہ بن سید محمد باقر کے درس میں شریک ہوئے۔ سید ابراہیم موسوی (ساکن کربلائے معلیٰ) سے اجازت نامہ حاصل کیا۔

مولانا سید عماد الدین محمود حسینی کی زندگی پنجاب سے باہر گزری۔ ۱۲۹۷ھ/۸۰-۱۸۷۹ء میں مشہد میں فوت ہوئے۔ مرحوم زاہد و عابد اور فقیہ تھے۔ اُن کی علمی یادگاروں میں حسب ذیل معروف ہیں:

۱۔ المنہل الرائق فی شرح الشرائع
۲۔ شرح النتائج لسید ابراہیم قزوینی [۱]

---

[۱] مطلع انوار ص ۳۲۰

عنایت علی شاہ بخاری (شیعہ رافضی اھل تشیع)

مولانا عنایت علی شاہ بن سید مرتضیٰ شاہ ۱۸۷۰ء/۸۷-۱۲۸۶ھ میں ملو ہدرہ میں پیدا ہوئے یہ گاؤں وزیر آباد سیالکوٹ ریلوے لائن پر ادگو کی سٹیشن سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے[1] آج کل یہ گاؤں "در نجف" کے نام سے معروف ہے۔

مولانا عنایت علی شاہ کے والد ماجد عالم و فاضل شخص تھے۔ منشی فاضل و مولوی فاضل تھے سیالکوٹ کے افاضل میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ مولانا عنایت علی شاہ نے اپنے والدِ گرامی کی نگرانی میں علوم مروجہ کی تحصیل کی۔

مولانا عنایت علی شاہ نے ہوش سنبھالا تو مناظروں میں دلچسپی لینے لگے۔ زبان و قلم سے مسلکِ تشیع کی خدمت کی۔ اس مقصد کے لئے ۱۹۰۸ء میں اخبار ہفت روزہ "درِ نجف" جاری کیا۔ ۱۹۱۷ء میں اخبار کا دفتر لاہور منتقل کر دیا۔ تحریکِ کشمیر (۱۹۳۱ء) کے زمانے میں "درِ نجف" روز نامہ ہو گیا۔ تقریباً ایک سال روز نامہ کے طور پر شائع ہوتا رہا۔ پرلطف بات یہ ہے کہ عنایت علی شاہ صاحب خود ہی خبریں مہیا کرتے، کتابت کرتے اور خود ہی خریداروں کو بھجواتے تھے۔

درِ نجف اثنا عشری رسائل میں بلند مقام رکھتا ہے۔ جو اُن کے رحلت کے بعد ایک عرصہ تک چھپتا رہا۔ "درِ نجف" کی چند خصوصی اشاعتیں بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

شاہ صاحب ۹۸ برس کی عمر میں ۳۰ جون ۱۹۶۸ء/۲ ربیع الاخریٰ ۱۲۸۸ھ کو سیالکوٹ میں فوت ہوئے۔ اُن کے خلف الرشید سید شبیر حسین (م ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ) تھے۔ جنہوں

---

[1] مطلع انوار ص ۲۲۶

نے اپنے والدِ گرامی کی یادگار "درِ نجف" کو قائم رکھا۔ شاہ صاحب عربی، فارسی، اُردو اور پنجابی کے شاعر، مناظر اور مضمون نگار تھے۔ ان کی حسبِ ذیل تصانیف ملتی ہیں:

۱۔ ذوالفقارِ صفدری مع سیفِ مرتضوی بجواب سیفِ مرتضوی (پنجابی نظم)

۲۔ جذبۂ انتقام (دو حصے)۔ حصّہ دوم غیر مطبوعہ ہے۔

۳۔ شمشیرِ ولایت

۴۔ مقدماتِ سیالکوٹ (غیر مطبوعہ)

۵۔ الحق مع علی رض

۶۔ القرآن مع علی رض

۷۔ خزینۃ المسائل

۸۔ عنایتِ بخاری (مناظرہ قلمی۔ ۳ جلدیں)

غلام احمد حافظ آبادی

مولانا غلام احمد بن شیخ احمد ۱۲۷۳ھ/ ۵۷-۱۸۵۶ء میں کوٹ اسحاق تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام احمد نے تحصیلِ علم کے لئے پنجاب کے مختلف مقامات، دہلی اور دیوبند کے سفر کئے اور جلیل القدر علماء و فضلاء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا علاء الدین (ساکن بجاہڑ ضلع ہوشیارپور) مولانا شاہ دین، مولانا محمد الدین (ساکن احمد نگر۔ گوجرانوالہ)۔ مولانا ابو احمد مراد علی (کپور تھلہ) مولانا محمد عمر (ساکن رام پور متھاراں)۔ مولانا عبداللہ (ٹلونڈی)، مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا محمد یعقوب اور میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے نام ملتے ہیں۔

فارغ التحصیل ہو کر جامعہ نعمانیہ لاہور میں بحیثیت مدرس دوم کام شروع کیا۔ اُن کی کامیاب تدریس سے جامعہ نعمانیہ کی شہرت دُور و نزدیک پھیل گئی اور وہ جلد ہی صدر مدرس اور مفتی انجمن نعمانیہ مقرر ہو گئے۔ اُن کے زمانہ تدریس میں طلبہ کی تعداد تین سو کے لگ بھگ رہتی تھی۔

مولانا غلام احمد علوم مروجہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور اس کے ساتھ فتویٰ نویسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ فتویٰ لکھنے میں ممکن احتیاط اور علمی تحقیق کرتے تھے۔ اُن کے سینکڑوں فتوے انجمن نعمانیہ کے رسالہ میں شائع ہوئے ہیں۔ مزاجاً اعتدال پسند تھے اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سالانہ اجلاسوں میں نمائندہ انجمن نعمانیہ کی حیثیت سے شرکت کرتے تھے۔

۱۳۲۵ھ میں طاعون کی وبا پھیلی تو بیمار ہوئے اور اپنے گاؤں تشریف لے

گئے وہیں ۱۶ / اپریل ۱۹۰۷ء / ۳ / ربیع الاولیٰ ۱۳۲۵ھ کو وفات پائی۔ سید محمد زمان شاہ نیازی نے مصرعہ ہائے تاریخ کہے۔

بہر تاریخ تو نیازی گفت
دانش آموز شد نہاں در قبر
۱۳۲۵ھ

نیز ع

گفت نیازی پئی سالِ وفات
انجمن آرائی بہشتِ بریں[2]
۱۳۲۵ھ

مولانا غلام احمد مرحوم سے سینکڑوں تشنگانِ علم نے استفادہ کیا۔ اُن کے جو تلامذہ آسمانِ علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر جگمگائے اُن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ مولانا فیض الحسن جہلمی
۲۔ مولانا محمد عالم آسی امرتسری
۳۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی
۴۔ مولانا شہاب الدین خطیب مسجد چو بُرجی کوارٹرز۔ لاہور
۵۔ پروفیسر مولانا عبداللہ (اسلامیہ کالج فیصل آباد)

۱۔ الیواقیت المہریہ ص ۱۳۷ - ۱۳۸
۲۔ ہم اور ہمارے اسلاف ص ۳۴۳

غلام العلی قصوری (وهابی نجدی اهل حدیث)

مولانا غلام العلی بن حافظ محمد داؤد بن شیخ محمد بن مخدوم غلام مرتضیٰ بن عبدالمالک صدیقی ۱۸۲۶ء/۴۲-۱۲۴۱ھ کے لگ بھگ قصور میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان میں چند پشتوں سے سے پیری مریدی کا سلسلہ چلا آرہا تھا۔

اُنھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور قصور کے معاصر علماء سے حاصل کی، خانقاہی ماحول سے چنداں دلچسپی نہ تھی اس لیے فیروز پور چلے گئے اور فوج میں فرائضِ خطابت انجام دینے لگے۔ کچھ عرصہ بعد مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا احمد دین بگوی کی خدمت میں لاہور حاضر ہوئے اور اُن سے علومِ مروّجہ کی تکمیل کی۔

مولانا غلام العلی کے برادرِ بزرگ مولانا غلام رسول امرتسر میں مدرّسِ دینیات تھے انھوں نے ۱۸۵۳ء میں مولانا غلام العلی کو اپنے پاس بلالیا اور ان کا تقرّر مدرسہ میں بطورِ نائب مدرّس ہوگیا۔ ۱۸۶۱ء تک فرائضِ معلّمی ادا کیے۔

تبلیغی اور اصلاحی کاموں کے پیشِ نظر ملازمت ترک کردی اور ہمہ تن رشد و ہدایت میں لگ گئے۔ مسجد سر کی بنداں امرتسر ایک عرصے سے غیر آباد چلی آرہی تھی۔ انھوں نے اس مسجد کو مرکز بنا کر وعظ و تبلیغ شروع کی اور تھوڑے ہی عرصے میں مسجد قال اللہ اور قال الرسول سے گونجنے لگی۔ وعظ و تبلیغ اور اصلاحِ رسوم کے راستے پر چلتے چلتے عمل بالحدیث کا جذبہ بیدار ہوا۔ اسی زمانے میں اپنے آبائی نام "غلام علی" کو "غلام العلی" سے بدل دیا۔ وہ امرتسر میں پہلے معروف عامل بالحدیث تھے۔ ان کے مسلک میں تبدیلی سے امرتسر کی فضا تقلیدِ شخصی اور عدمِ تقلید کی بحثوں کا اکھاڑہ بن گئی، مسجد سر کی بنداں کے متوّلی بھی اُن کے مخالف ہوگئے۔ چنانچہ مولانا غلام العلی نے ایک نئی مسجد بنانے کا فیصلہ کیا۔ مسجد کی تعمیر کے لیے سرمایہ کی فراہمی ایک مسئلہ تھی۔ مولانا اپنے وطن قصور آئے اور

آبائی جائیداد سے اپنا حصہ فروخت کر کے امرتسر میں جگہ خریدی اور مسجد تعمیر کی۔

مولانا غلام العلی کی کوششوں سے امرتسر میں عمل بالحدیث کا چرچا ہوا۔ اس کے بعد مولانا عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ) یہاں فروکش ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق امرتسر میں ان کے قیام کا باعث مولانا غلام العلی ہی تھے۔ دونوں بزرگوں میں مخلصانہ تعلقات تھے۔ تاہم علمی سطح پر بعض مسائل میں نظری اختلاف بھی تھا۔ مولانا عبداللہ غزنوی الہام اور مروجہ طریقۂ بیعت کے قائل ہی نہیں اس پر عامل تھے۔ اس کے برعکس مولانا قصوری حلبہ پیری مریدی کے سرے سے مخالف تھے۔ اس موضوع پر انہوں نے "تحقیق الکلام فی البیعت والالہام" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کا جواب مولانا غزنوی کے صاحبزادے مولانا عبدالجبار غزنوی (م ۱۳۳۱ھ) نے لکھا۔ جواب میں تند و تیز لہجہ اختیار کیا گیا تھا۔ جسے مولانا عبداللہ غزنوی نے پسند نہ کیا۔ اس اختلاف کے باوجود مولانا غزنوی ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہے۔

مولانا قصوری نے اپنی بناکردہ مسجد میں "مدرسہ تائیدالاسلام" قائم کر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس مدرسہ میں کچھ عرصہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی فرائض تدریس انجام دیئے۔ مولانا قصوری تبلیغی و تدریسی کام کرتے ہوئے استسقاء کے مرض میں ۱۶ر شعبان سنہ ۱۳۰۶ھ/۱۷ر اپریل سنہ ۱۸۸۹ء کو امرتسر میں فوت ہوئے۔ حکیم مطیع اللہ امرتسری نے طویل قطعہ تاریخ وفات کہا۔ مصرعہ تاریخی یہ ہے ؎

حق گو ہوا فوت آہ! حسرت

۱۳۰۶ھ

مولانا قصوری کی حسب ذیل قلمی یادگاریں ہیں:

۱۔ جواب الاستفسار فی التعامل مع الکفار (فارسی) اس رسالہ میں کفار و مشرکین کی ملازمت کے جواز پر بحث کی گئی ہے۔ مؤلف کے پوتے مولانا محمد داؤد ایڈووکیٹ نے

اس کا اُردو ترجمہ "کفار کی نوکری" کے نام سے کیا جو ہفت روزہ "اہل حدیث" کی تین اشاعتوں (بابت ۱۴ جولائی تا ۲۸ جولائی ۱۹۲۹ء) میں شائع ہوا۔

۲۔ تحقیق الکلام فی البیعۃ والالہام

۳۔ رسالہ اثنا عشریہ۔ وظیفہ یا شیخ عبدالقادر، استمداد لغیر اللہ اور ندائے غیب جیسے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور انہیں ناجائز قرار دیا ہے۔

۴۔ تذکرۃ الحق۔ حدیثِ قرطاس پر بحث کی ہے۔

۵۔ القول المبین (عربی) رد تقلید شخصی کے موضوع پر غیر مطبوعہ رسالہ ہے۔ اس کا ترجمہ مؤلف کے صاحبزادے خلیفہ عبدالرحمان نے "القول المبین فی عدم وجوب التقلید" کے نام سے ۱۹۲۶ء میں شائع کیا۔

۶۔ تحریق القرآن۔ قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق جلا دینے کے جواز میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔

۷۔ تفسیر القرآن۔ چند سورتوں کی تفسیر سے زیادہ نہ لکھی جا سکی۔

۸۔ الشافیہ ترجمہ اُردو حمویہ فی الرد علی الجہمیہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی تالیف کا ترجمہ ہے جو لاہور سے شوال ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا۔ غالباً امام ابن تیمیہؒ کی تصنیفات میں سے اُردو میں پہلا ترجمہ یہی "الشافیہ" ہے۔

۹۔ التسویہ فی ترقیمۃ القول السرمدیہ (اُردو)

۱۰۔ اظہار المحذور فی شہادت الزور (اُردو)

۱۱۔ تائید الاسلام (اُردو) مسیحی منادین کے ان اعتراضات کا جواب ہے جو انہوں نے قرآن اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر کئے تھے۔

غلام العلی قصوری عمدہ شعری ذوق رکھتے تھے۔ گاہے گاہے خود بھی شعر کہتے تھے جو ان کے مسلک کا رنگ لیے ہوتے تھے۔

خلیفہ غلام اللہ فاضل لاہوری

مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری بن مولانا غلام فرید لاہور کے علمائے کبار اور فضلائے نامدار میں سے تھے۔ مولانا غلام فریدؒ کے بارے میں مفتی غلام سرور لاہوری رقمطراز ہیں:

"لاہور کے فضلاء و علماء سے یہ بزرگ جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی و علم و عمل و ذکر و شغل و ورع و تقویٰ و صبر و شکر و رضا و تسلیم تھے۔ تمام عمر تدریس طالب علماں و تلقین شائقانِ حق میں مصروف رہے۔ تمام پنجاب کے لوگوں نے اُن کی شاگردی کا غاشیہ اپنے سر پر رکھا"[1]

مولانا غلام فرید لاہور میں ۱۲۱۶ھ/۲-۱۸۰۱ء میں فوت ہوئے تو اُن کے فرزندوں مولانا خلیفہ غلام رسول اور مولانا خلیفہ غلام اللہ فاضل لاہوری نے علمی روایات قائم رکھیں۔ سکھ دورِ حکومت میں دونوں بھائیوں کے مدرسے کی شہرت دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ امرتسر کی طوائف موراں[2] نے پاپڑ منڈی میں مسجد تعمیر کرائی۔ اس کے ساتھ طلبہ کی رہائش کے لئے حجرے تھے۔

مسجد تیار ہوئی تو اس کی امامت مولانا غلام رسول اور مولانا غلام اللہ کے سپرد ہوئی۔ دونوں بھائی مسجد میں قیام پذیر ہو کر درس و تدریس اور وعظ و نصیحت میں مصروف ہو گئے۔

---

[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۱۰

[2] رنجیت سنگھ کی منظورِ نظر تھی۔ مہاراجہ نے اُسے خوش کرنے کے لئے اُس کے نام کا سکہ جاری کیا تھا۔ اُس نے ۱۲۲۴ھ/۱۰-۱۸۰۹ء میں یہ مسجد تعمیر کرائی۔ اُسے یہ شوق اپنی ماں بیگم جان سے ورثے میں ملا تھا جس نے باغبانپورہ میں ایک مسجد بنوائی تھی۔

مولانا غلام رسول ۱۲۵۰ھ/۳۵-۱۸۳۴ء میں فوت ہو گئے تو امامت و تدریس کی ذمہ داریاں تنہا مولانا غلام اللہ نے اٹھالیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ مولانا غلام اللہ کی بے حد عزت کرتا تھا۔ ایک دفعہ شہزادہ شیر سنگھ کی ماں نے شکایت کی کہ مولانا غلام اللہ نے شہزادے کو بدنی سزا دی ہے اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔ مہاراجہ نے اپنی رانی کی شکایت سُن لی اور آدمی بھجوا کر مولانا غلام اللہ کو طلب کیا۔ جب وہ تشریف لائے تو شہزادہ شیر سنگھ کو بلایا۔ جب وہ مولانا غلام اللہ اور مہاراجہ کے پاس آیا تو مہاراجہ نے مولانا کے ہاتھ میں ایک چابک تھما دیا اور کہا کہ شہزادے کو خوب سزا دیں۔ جب مولانا نے سزا دینے میں پس و پیش کی تو مہاراجہ نے سختی سے کہا کہ شیر سنگھ کو سزا ملنی چاہیئے۔ مولانا نے شیر سنگھ کو چند بید لگائے۔ شہزادہ چیختا ہوا جب وہاں سے چلا گیا تو مہاراجہ نے کہا کہ آیندہ اُن کے خلاف کسی کو شکایت کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ اسکے ساتھ ہی مہاراجہ نے مولانا کو بتایا کہ اُن کے بچے نازک اندام ہیں اور اُنہیں سخت سزا نہ دینی چاہیئے۔ اِس بات چیت کے بعد مہاراجہ نے اُنہیں عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

مولانا خلیفہ غلام اللہ سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا ہو گا۔ ایک روایت کے بموجب "لاکھوں آدمیوں نے اُن کی ذاتِ بابرکات سے بہرۂ علم و عمل پایا"[1] پنجاب میں علماء کا شاذ و نادر ہی کوئی خاندان ہو گا جس نے اُن کے درس سے استفادہ نہ کیا ہو۔ مؤلف "حدائق الحنفیہ" نے لکھا ہے کہ "آپ تدریس و تعلیم میں متقدمین سے گوئے سبقت لے گئے تھے"[2]

۱۲۷۲ھ/۵۶-۱۸۵۵ء میں فوت ہوئے۔ اُن کے پانچ صاحبزادے تھے۔

---

[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۱۹

[2] حدائق الحنفیہ ص ۴۷۶

اُن میں خلیفہ نظام الدین بمبئی میں تدریس کرتے تھے۔ خلیفہ احمد الدین اور خلیفہ حمید الدین نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی تھی۔

خلیفہ حمید الدین بہت بڑے عالم اور فاضل بزرگ تھے۔ انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے بانیوں میں سے تھے۔ اِس خانوادے میں کئی دوسرے نامور افراد نے جنم لیا اور مسلمانوں کی مجلسی زندگی میں نمایاں مقام حاصل کیا۔

غلام اللہ قصوری

مولانا غلام اللہ قصوری بن مولوی غلام رسول بن حافظ داؤد بن شیخ محمد قصور کے اہل علم میں سے تھے۔ وہ ۱۸۵۰ء/۶۷-۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد امرتسر میں مدرس تھے۔ مولانا غلام اللہ ابھی چھ برس کے تھے کہ مولوی غلام رسول کا انتقال ہو گیا۔ مولانا غلام العلی قصوری نے اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق اپنے بھتیجوں، مولانا غلام اللہ اور مولانا ولی اللہ، کی تعلیم و تربیت کی۔

مولانا غلام اللہ عہدِ جوانی میں امرتسر سے اپنے آبائی شہر قصور آ گئے اور عملی زندگی کا آغاز مہاراجہ فرید کوٹ کی ملازمت سے کیا۔ مولانا غلام اللہ ریاست کے مشیرِ مال تھے۔ مولانا غلام اللہ ریاستی ماحول میں اپنے آپ کو نہ ڈھال سکے اور استعفاد دے کر لاہور آ گئے۔

لاہور میں مولانا غلام اللہ نے اورینٹل کالج میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ) سے استفادہ کیا اور کالج سے باہر مولانا خلیفہ حمید الدین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ علومِ متداولہ کی تحصیل کے بعد دستارِ فضیلت حاصل کی۔

۱۸۸۲ء/۱۳۰۰-۱۲۹۹ھ میں مولانا نے خلیفہ حمید الدین کے ایماء پر مسجد محلہ کمانگراں اندرون موچی دروازہ کی امامت سنبھالی۔ دو سال بعد خلیفہ حمید الدین اور اُن کے مخلص ساتھیوں نے انجمن حمایتِ اسلام لاہور کی بنیاد رکھی۔ مولانا غلام اللہ نے استاد محترم کی کوششوں میں بھرپور حصّہ لیا۔

انجمن حمایت اسلام نے خلیفہ حمید الدین کے نام پر ایک دینی مدرسہ جاری

کیا۔ مدرسہ کے صدر مدرس مولانا خلیفہ حمید الدین اور نائب مدرس مولانا غلام اللہ تھے۔ کچھ عرصہ یہاں کام کرنے کے بعد مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد میں صدر مدرس ہو گئے تاہم اس تمام عرصے میں انجمن حمایت اسلام کی سرگرمیوں میں شامل رہے۔

تقریباً ایک سال مدرسہ رحیمیہ میں گزارا ہو گا کہ اُن کے والد ماجد کے شاگرد خان محمد شاہ رئیس اعظم امرتسر نے انہیں اسلامیہ ہائی سکول امرتسر میں بطور اوّل مدرس دینیات بلا لیا۔ امرتسر میں فرائض منصبی کے ساتھ کٹڑہ اہلووالیہ کی مسجد میں امامت کرتے تھے۔ گیارہ سال امرتسر میں رہ کر اواخر ۱۸۹۶ء/۱۳۱۴ھ میں ہائی سکول فیروز پور چلے گئے۔ جہاں ۱۹۰۴ء/۱۳۲۱ھ تک کام کیا۔ فیروز پور سے لاہور آئے اور چیفس کالج کے شعبۂ دینیات و عربی میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ چیفس کالج میں سترہ (۱۷) سال فرائض تدریس ادا کر کے ۴ جنوری ۱۹۲۲ء/۴ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ کو سبکدوش ہوئے اور اُن کی اسامی پر اُن کے فرزند حکیم حاجی محمد حسین (م ۱۳۷۴ھ) کا تقرر ہوا۔

مولانا غلام اللہ اعتدال پسند بزرگ تھے۔ اُن کے چچا مولانا غلام العلی بلند پایہ اہل حدیث عالم تھے اور وہ خود حنفی المسلک۔ انہوں نے سُنی وہابی کے جھگڑوں میں بالکل حصّہ نہ لیا۔ وہ اس قسم کی بحثوں کو اُمّتِ اسلامیہ کے لیے نقصان دہ خیال کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی توجہ قادیانیت اور عیسائی مشنریوں کے تعاقب پر مرکوز رکھی۔

موصوف نے ایک نقشبندی بزرگ مہر صوبہ (م ۱۳۶۴ھ۔ مدفون قبرستان میانی صاحب) مرید مولانا غلام مرتضےٰ کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ مجدّدیہ میں بیعت کی تھی۔

۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں اپنے فرزند حکیم حاجی محمد حسین (م ۱۳۷۴ھ) کے ہاں لاہور میں مقیم تھے کہ اجل کا بلاوا آ گیا۔ اُن کی میّت تصور لے جائی گئی اور خاندانی

قبرستان میں دفنائے گئے۔

مولانا غلام اللہ قصوری سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ تحقیق الکلام فی ولادت المسیح علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ ؑ کے بن باپ پیدا ہونے کی تائید کی گئی ہے۔

۲۔ تائیدِ اسلام

۳۔ غزوات النبی

۴۔ رسالہ حرمتِ سُود

مولانا غلام اللہ شعر و شاعری کا عُمدہ ذوق رکھتے تھے۔ خود بھی شعر کہتے اور "غلامی" تخلّص کرتے تھے۔ اپنا شجرہ طریقت منظوم کیا تھا۔ جس کا آخری شعر یہ ہے:

غلامی را دعائے خیر گوید ‏ ‏ ‏ خلافِ شرع ہرگز نپوید

غلام اللہ خان (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا غلام اللہ خان بن فیروز خان اعوان خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ موصوف ۱۹۰۵ء/ ۱۳۲۳ھ میں ضلع اٹک کے ایک گاؤں دریہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد گاؤں کے نمبردار اور علاقے کی باا ثر شخصیت تھے۔ مولانا غلام اللہ خان نے نویں جماعت تک مروّجہ تعلیم حاصل کی۔ بعد میں بھٹہ ضلع راولپنڈی میں مولانا احمد دین مرحوم سے صرف و نحو کی تعلیم پائی۔ یہاں سے انّی ضلع گجرات گئے اور مولانا غلام رسول اور مولانا ولی اللہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ تفسیرِ قرآن مولانا حسین علی واں بھچراتوی سے پڑھی اور دورۂ حدیث کی تکمیل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے کی۔

مولانا غلام اللہ خان نے عملی زندگی کا آغاز بھیرہ ضلع سرگودھا کے ایک دینی مدرسے میں مدرّس کی حیثیت سے کیا۔ بھیرہ سے گجرات منتقل ہوئے اور مدرسہ شاہ حسین میں فرائضِ تدریس انجام دیئے۔ گجرات سے راولپنڈی آئے اور اسلامیہ ہائی سکول میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۳۶ء میں سکول کی ملازمت ترک کر کے پرانا قلعہ راولپنڈی میں مدرسہ تعلیم القرآن کی داغ بیل ڈالی۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہ مدرسہ قریب ہی راجہ بازار میں منتقل ہو گیا۔

مدرسہ تعلیم القرآن کے قیام کے بعد مولانا غلام اللہ خان نے اپنی مستقل رہائش راولپنڈی میں رکھ لی۔ البتہ اندرون اور بیرونِ ملک تبلیغی دوروں پر جاتے رہتے تھے۔ مولانا غلام اللہ خان ہر سال شعبان و رمضان میں اپنے مدرسے میں "دورۂ قرآنی" کا اہتمام کرتے تھے۔ اُن سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا۔ قرآن کی اسی خدمت کے پیشِ نظر عوام میں "شیخ القرآن" کے لقب سے معروف تھے۔

مولانا غلام اللہ نے قیامِ پاکستان سے قبل مجلسِ احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے تحریکِ آزادی میں حصّہ لیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد کسی سیاسی جماعت سے منسلک نہ ہوئے البتہ ملک میں اُٹھنے والی تمام دینی تحریکوں میں پیش پیش رہے۔ اس راہ میں انہیں بارہا قید و بند کی سختیاں جھیلنی پڑیں۔ مگر اُن کے جوش و جذبہ میں کوئی کمی نہ آئی۔ ۱۹۵۶ء میں مسجد قاسم جان پشاور میں اُن پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں بال بال بچ گئے۔ مولانا غلام اللہ خان نے نے شرک و بدعت کے خلاف جہاد کیا اور مسلمان معاشرے میں موجود خلافِ اسلام مراسم کے خلاف اُن کی کوششیں کامیاب رہیں۔ موصوف نے مشرقِ وسطیٰ کے مختلف ممالک کا بارہا دورہ کیا۔ آخری بار ۱۹۸۰ء میں عمرہ ادا کرنے گئے واپسی پر دبئی میں ایک جلسے سے خطاب کرنے والے تھے کہ ۲۷ رمئی ۱۹۸۰ء/ ۱۲ رجب ۱۴۰۰ھ کو حرکتِ قلب بند ہو جانے سے فوت ہوئے۔ دوسرے روز اُن کی میت راولپنڈی آئی اور اپنے قائم کردہ مدرسہ اشاعت الاسلام اٹک کے صحن میں دفنائے گئے۔

موصوف بلند پایہ عالمِ دین، مناظر اور مؤلف تھے۔ اُن سے حسب ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ بلغتہ الحیران (ربط آیات و سور قرآن کے سلسلے میں مولانا حسین علیؒ کی امالی)

۲۔ التبیان

۳۔ توحیدی پاکٹ بک

۴۔ جواہر القرآن (مقدمہ تفسیر)

۵۔ تفسیر جواہر القرآن (تین جلد)

۶۔ جواہر التوحید

مولانا غلام اللہ خان مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے مولوی احسان الحق، مولوی حسین علی اور مولوی اشرف علی ہیں۔ مولوی احسان الحق مرحوم کے جانشین ہیں۔

محمد غلام جان قادری لاہوری

مفتی محمد غلام جان قادری بن احمد جی بن محمد عالم کے اسلاف میں سے میر قطب شاہ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ برصغیر وارد ہوئے تھے۔ اُن کی اولاد ہزارہ میں مقیم ہوئی۔ مفتی غلام جان، میر قطب شاہ کی اکیسویں پشت میں تھے۔ وہ ۱۳۱۶ھ/۹۹-۱۸۹۸ء میں بمقام اوگرہ تحصیل مانسہرہ (ہزارہ) میں پیدا ہوئے۔

اُنھوں نے ناظرہ قرآن مجید، گلستان، بوستان اور صرف و نحو کے ابتدائی رسائل اپنے والد ماجد سے پڑھے۔ صرف و نحو کی مزید تعلیم کے لیے معروف مراکز مثوال (ہزارہ)، پنجائن (تحصیل چکوال) اور کھیوال (تحصیل فتح جنگ ضلع اٹک) میں رہے۔ مولانا غلام رسول رح سے انھی ضلع گجرات میں فقہ اور منطق کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ انھوں نے حصولِ علم کے لیے طویل سفر کئے۔ ٹونک میں مولانا برکات احمد ٹونکی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ دہلی، آگرہ اور سہارنپور کے مختلف مدارس میں زیرِ تعلیم رہ کر مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۵ھ/۱۷-۱۹۱۶ء میں درجۂ تکمیل کی سند حاصل کی۔ یہاں سے بانس بریلی گئے اور مدرسہ منظر الاسلام میں مولانا ظہور الحسن فاروقی اور حکیم محمد امجد علی سے استفادہ کیا۔ ۱۳۳۷ھ/۱۹-۱۹۱۸ء میں سندِ فراغ حاصل کی اور جلسہ تقسیم اسناد میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اُن کی دستار بندی کی۔

سندِ فضیلت حاصل کی تو مدرسہ منظر الاسلام میں مدرّس مقرر ہو گئے۔ ساتھ ہی بریلی کی مسجد بی بی جی محلہ جسولی میں خطبۂ جمعہ دیتے تھے۔ بریلی سے وطن واپس آئے تو خواجہ محمود تونسوی رح کی دعوت پر مدرسہ سلیمانیہ تونسہ کی مسندِ تدریس کو رونق بخشی ایک سال بکھڈ ضلع اٹک میں رہے۔ شہلیہ (ہزارہ) کے نواب محمد امیر خان نے اُن کی

علمی و دینی سرگرمیوں کے پیشِ نظر اپنی ریاست کا عہدۂ قضا پیش کیا۔ کچھ عرصہ مولانا غلام جان ریاست شہلیہ میں مقیم رہے۔ بعد میں مدرسہ نعمانیہ لاہور کے منتظمین نے انہیں اپنے ہاں بلالیا۔ وہ مدرسہ میں مفتی اور صدر مدرس رہے۔

بریلی کے زمانۂ قیام میں مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن سے خلافت حاصل کی۔

۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ تحریکِ پاکستان میں دوسرے علماء کے ساتھ کام کیا۔ افتاء و تدریس کی خدمت انجام دیتے ہوئے ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ/ یکم اگست ۱۹۵۹ء کو لاہور میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ مولانا ابوالبرکات سید احمد شاہ قادری نے پڑھائی اور قبرستان میانی صاحب میں غازی علم الدین شہید کے پہلو میں دفنائے گئے۔

مولانا غلام جان رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں چار صاحبزادے اور ایک دختر ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا محمد مظفر اقبال [۱]

۲۔ محمد اشرف

۳۔ غلام صابر

۴۔ غلام مصطفٰے

مرحوم کی علمی یادگاروں میں سے حسبِ ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ القول المختار فی جواز الحیلۃ والاسقاط (مطبوعہ)

۲۔ رسالہ اذان علی القبر و تعدد الجمعہ فی مساجد المصر (؍؍)

---

[۱] عالم و فاضل، مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور

۳۔ سیفِ رحمانی علیٰ راُس القادیانی (غیر مطبوعہ)

۴۔ فتاویٰ علامیہ (دو جلد) (؍؍)

۵۔ نور العینین فی سفر الحرمین (؍؍)

۶۔ دیوانِ علامیہ (؍؍)

۷۔ نغمۂ شہادت (؍؍)

غلام جہانیاں ڈیروی

مولانا غلام جہانیاں موضع جگی والا ضلع مظفر گڑھ میں رجب ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی کتب مولانا غلام حسین مظفر گڑھی اور مولانا سلطان محمود (ساکن کوٹلہ رحم علی شاہ) سے پڑھیں۔ اس کے بعد قصبہ شاہ جمال (نزد ڈیرہ غازیخاں) میں مولانا فیض محمد سے استفادہ کیا۔ دارالعلوم نعمانیہ ہشد لاہور میں کچھ عرصہ زیرِ تعلیم رہے اور مولانا محمد دین بدھوی سے استفادہ کیا۔ آخر میں مدرسہ سبحانیہ ملتان میں مولانا محمد اشرف سے ۱۳۴۹ھ/ ۳۱-۱۹۳۰ء میں سندِ حدیث حاصل کی۔

مولانا غلام جہانیاں نے درسِ نظامی کی تکمیل کی اور مدرسہ عربیہ کوٹلہ رحم علی شاہ میں مدرس ہو گئے۔ اس کے بعد مدرسہ سبحانیہ ملتان، مدرسہ معین الاسلام جتوئی (مظفر گڑھ) مدرسہ اسلامیہ شجاع آباد اور مدرسہ عربیہ ریکڑہ (ڈیرہ غازی خاں) میں بارہ سال تدریسی کام کیا۔ آخر میں ڈیرہ غازی خان تشریف لے گئے۔ جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے اور ایک دینی مدرسہ "جامعہ معینیہ" قائم کیا۔ دینی کاموں میں مصروف ۱۴ر جنوری ۱۹۷۷ء/ ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۹۷ھ کو فوت ہوئے۔ شاہ اکرام حسین سیکروی نے حسبِ ذیل مصرعہ تاریخ کہا۔[1]

جانکاہ سالِ وفات مولانا غلام جہانیاں

—— ۱۹۷۷ء ——

---

[1] ماہنامہ "الولی" (حیدرآباد) بابت اکتوبر ۱۹۷۷ء، ص ۵۴

مولانا غلام جہانیاں سلسلۂ چشتیہ فریدیہ میں خواجہ محمد معین الدین سے بیعت تھے۔ اُنہوں نے اپنے سلسلۂ عالیہ کے بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔

قاضی غلام جیلانی شمس آبادی

قاضی غلام جیلانی بن قاضی نادر دین بن قاضی جنگ باز شمس آباد ضلع اٹک میں ۱۲۸۵ھ/۶۹-۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رح سے جا ملتا ہے۔ اُن کا خاندان "مشوانی سادات" کے نام سے معروف ہے جو گنگر کے پہاڑی علاقے اور اس کے قرب و جوار میں آباد ہے۔ معرکۂ بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ) کے بعد سکھوں نے مقامی آبادیوں پر مظالم شروع کئے تو اس خانوادہ کے ایک بزرگ قاضی جنگ باز قصبہ نقارچیاں متصل غازی سے ترکِ سکونت کر کے شمس آباد آ گئے۔

قاضی غلام جیلانی کے والدِ ماجد قاضی نادر دین صاحبِ علم اور رئیس القلم تھے۔ شمس آباد کے عوام نے اُن ہی سے نوشت و خواند سیکھی تھی۔ ہندکو زبان کے صوفی منش شاعر تھے اور اُن کی علمی و دینی یادگار "پند نامہ بطرزِ سی حرفی" موجود ہے۔

قاضی غلام جیلانی نے ابتدائی کتابیں اپنے علاقے کے جید علماء سے پڑھیں۔ پھر مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہوئے۔ مولانا ابو طیب مکی اور مولانا منور علی سے استفادہ کیا۔ مدرسہ عالیہ سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ اور اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ تدریس کی تھی کہ مولانا کرامت علی جونپوری کے سلسلۂ تبلیغ و ارشاد سے وابستہ ہو کر بنگال چلے گئے۔ مولانا عبد الاوّل جونپوری (فرزند و خلیفہ مولانا کرامت علی جونپوری) نے اُنہیں "محی الدین" کا لقب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اُن کے وعظ میں تاثیر رکھی تھی۔ اسی طرح زورِ قلم سے دینی مسائل کو سلجھانے

کاملکہ دیا تھا۔ اُن سے تقریباً پچاس کتابیں یادگار ہیں۔ چند یہ ہیں :

۱۔ جامع التحریر فی حرمت الغناء والمزامیر

۲۔ عذاب شریعت در ردّ آداب طریقت

۳۔ تیغ غلام گیلانی برگردن قادیانی

۴۔ قولِ مقبول در ردِّ قادیانی مجہول بطریق المنطق والمعقول

۵۔ جواب حقّانی در ردِّ بنگالی قادیانی ۔ بنگال کا قصبہ برہمن باریہ قادیانیوں کا مرکز تھا۔ اسی مرکز کے کرتادھرتا لوگوں کے بارے میں یہ رسالہ ہے۔

قاضی صاحب کی فقہ حنفی پر گہری نظر تھی۔ اس سلسلہ میں اُن کی مندرجہ ذیل مطبوعہ کُتب ملتی ہیں۔

۶۔ بدیع الکلام

۷۔ فتاویٰ فتاح الجنّت (صرف پہلے باب کا خلاصہ "کتاب الوضو" شائع ہوا ہے یہ فتاویٰ اکئی ضخیم مجلّدات پر مشتمل ہے۔

۸۔ تنحیۃ الہالک

۹۔ راحت الافکار

۱۰۔ ظہور الشفقت

۱۱۔ حق الایضاح

قاضی صاحب سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا سراج الدین (موسیٰ زئی شریف) سے مجاز تھے اور اپنے کو "نقشبندی مجدّدی" لکھا کرتے تھے۔ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۴ء میں حج بیت اللہ سے مشرّف ہوئے اور شیخ الدلائل مولانا عبدالحق سے الحزب الاعظم اور دیگر وظائف کی اجازت حاصل کی۔

۲۴ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ/۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو ۶۳ سال کی عمر میں خمس آباد میں

فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ بوقت رحلت چھ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حیات تھیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ قاضی عبد السلام

۲۔ قاضی انوار الحق

۳۔ قاضی نور السلام

۴۔ قاضی محمد زاہد الحسینی مؤلف کتبِ کثیرہ و سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج اٹک۔

۵۔ قاضی منظور الحق۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ۱۹۳۵ء/۵۴-۱۳۵۳ھ میں زیرِ تعلیم تھے کہ عین عالم شباب میں وفات پائی۔

۶۔ قاضی محمد طاہر

غلام حسن سیالکوٹی (وہابی نجدی اہل حدیث)

ابو عبداللہ غلام حسن بن حکیم کرم الٰہی ۱۸۴۳ء/۱۲۵۹ھ میں موضع ساہووالہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد حکیم کرم الٰہی پڑھے لکھے لوگوں اور اچھے طبیبوں میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

مولانا غلام حسن نے فارسی کی درسی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں اور مولانا غلام مرتضیٰ سیالکوٹی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ موصوف کی طبیعت نہایت ذکی اور حافظہ نہایت قوی تھا۔ تھوڑی مدت میں درسِ نظامی کی تکمیل کر لی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو والدِ ماجد کے ایماء پر آغا شہباز خان رئیس سیالکوٹ کے بچوں کے اتالیق ہو گئے۔ بعد میں مولانا غلام مرتضیٰ کے علمی جانشین ہوئے۔ مولانا موصوف سیالکوٹ کے اوّلین اہلِ حدیث علماء میں سے تھے۔ اختلافِ مسلک کی بنیاد پر اُنہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ خوش طبع، بے تعصب اور حق گو عالم تھے۔ اختلافِ مسلک کے باوجود لوگ اُن سے رجوع کرتے اور اُن کے طرزِ تفہیم سے متاثر ہوتے تھے۔ نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) سے اُن کی علمی مراسلت تھی اور نواب صاحب نے ۳ ذی قعدہ ۱۲۹۹ھ/۱۶ ستمبر ۱۸۸۱ء کو اُنہیں سندِ حدیث عنایت کی۔

مولانا غلام حسن ۱۸ جنوری ۱۹۱۸ء/۲۵ ربیع الاولیٰ ۱۳۳۶ھ کو فوت ہوئے۔ اُن کے لواحقین میں دو صاحبزادے۔ مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالواحد۔ اور ایک صاحبزادی تھیں۔

اُن کی قلمی یادگاریں حسبِ ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ کتاب الصلوٰۃ بما ثبت بالسنۃ (تالیف: ۱۳۰۱ھ)

۲۔ لوامع الانوار فی عقائد الابرار

۳۔ شمس الہدیٰ

۴۔ شہابِ ثاقب (تقویت الایمان۔ تالیف شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عبارات پر اعتراضات اور اُن کے جواب)

۵۔ القول الفصیح (عربی) در جواز فاتحہ خلف الامام

۶۔ انیس الغریب (غیر مطبوعہ)[1]

---

[1] تمام حالات مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے مرقومہ مضمون سے ماخوذ ہیں۔ کتاب الصلوٰۃ ص ۱۴۔۴۸

غلام حسن

مولانا غلام حسن موضع جایہ ضلع راولپنڈی کے رہنے والے تھے۔ عربی اور فارسی میں شعر گوئی اور تاریخ گوئی کا شغل رکھتے تھے۔ نادم تخلّص کرتے تھے۔ محمد گوہر علی صوفی کی تالیف "الجوہر العلی فی القصائد والقصادی فی اللسان العربی" کی تاریخ طباعت اُن کی تاریخ گوئی کی اچھی مثال ہے۔ چودہ[۱۴] تاریخی مادے نکالے ہیں۔

مولانا غلام حسن کی متعدد کتابوں کے مسودے ضائع ہو گئے ہیں۔ ان میں لغات الاضداد (عربی) بھی شامل ہے۔ ان کی ایک تالیف "خصائص الابواب" کا ذکر ملتا ہے۔ مگر ان کی اہم ترین تالیف قرآن مجید کا انڈکس "الفاظ القرآن" ہے۔ جس کا نسخہ بخطِ مؤلف محفوظ ہے۔ یہ انڈکس ۱۳۱۳ھ/۹۶-۱۸۹۵ء میں مرتب ہوا تھا۔ انڈکس کے بارے میں عاصم نعمانی صاحب نے لکھا ہے:

"اس فہرستِ الفاظ و آیاتِ قرآنیہ میں عام غیر عربی دان آدمی کی سہولت کو مدِّ نظر رکھا گیا ہے اور مادہ کے بجائے حروفِ تہجّی کی ترتیب سے تمام کرکے تمام الفاظ (مشتقات) پر انڈکس کو مبنی کیا گیا ہے۔ ہر آیت کا ہر لفظ اپنے باب میں آیتِ متعلقہ کے سیاق و سباق کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ سہولت پیدا ہو گئی ہے کہ جس خاص آیت کو برآمد کرنا ہو اُسے انڈکس ہی میں مشخّص کیا جا سکتا ہے۔ البتہ زمانۂ ترتیب کے رواج کے مطابق سورت اور آیت کے نمبر کے بجائے پارہ اور رکوع کا نمبر درج کیا گیا ہے ...."

اس انڈکس پر تھوڑی سی محنت مزید کی جائے یعنی ایک تو سورۃ اور آیات کے نمبر اور دوسرے اعراب لگا دیئے جائیں تو یہ بے حد مفید اور سہل الاستعمال ہے[1]۔"

---

[1] سیارہ ڈائجسٹ۔ قرآن نمبر ص ۵۵۵

غلام حسن نقشبندی

مولانا غلام حسن بن ملک لعل بن ملک احمد یار موضع ڈگر سواک علاقہ کروڑ لعل عیسن میں پیدا ہوئے۔ سالِ ولادت ۱۲۸۵ھ/۶۹-۱۸۶۸ء کے لگ بھگ ہے۔ اُن کے خاندان میں کوئی علمی روایت معلوم نہیں ہوتی۔ اُن کے والد ملک لعل تحصیل بھکر میں بطور چپڑاسی ملازم تھے۔

مولانا غلام حسن کی والدہ اُن کی ولادت کے چند روز بعد فوت ہو گئی تھیں۔ ابھی بچپن ہی تھا کہ والد کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ ابتداء میں زراعت پیشہ خاندان سے تعلق رکھنے کی بنا پر مویشی چرانے اور کھیتی باڑی میں اپنے بزرگوں کا ہاتھ بٹایا۔ بعد میں ڈیرہ اسماعیل خان چلے گئے۔

خواجہ محمد عثمان دامانی کے خلیفہ مولوی غلام حسن سے ابتدائی کتب درسیہ پڑھیں۔ بعد میں مولوی علی محمد (ساکن شیہانوالہ ضلع جھنگ)، مولوی جان محمد (علاقہ کروڑ) مولوی غلام محمد (ساکن سیلوان۔ کندیاں) اور نور خان چکڑالوی سے استفادۂ علمی کیا۔ خواجہ محمد عثمان دامانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خواجہ محمد عثمان کے جانشین خواجہ محمد سراج الدین ہوئے۔ دونوں حضرات نے مولانا غلام حسن کو خلافت عطا کی۔

مولانا غلام حسن نے خلافت سے سرفراز ہونے پر اپنی تمام توجہ اصلاحِ معاشرہ پر مرکوز کر دی۔ آبائی گاؤں سے ترکِ سکونت کر کے "ڈھپی مکوڑی" منتقل ہو گئے جو آج "خانقاہ عالیہ سراجیہ حسن آباد" کے نام سے معروف ہے۔ انہوں نے غیر مسلموں میں تبلیغی کام کیا۔ جس کے نتیجے میں ساڑھے چھ سو ہندو اور سکھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ نومسلموں کا ہر ممکن تعاون اور سرپرستی کرتے تھے۔ بعض نومسلموں کے

اقربا، عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹاتے تو مولانا غلام حسن نومسلموں کے مقدمات کی بہ نفسِ نفیس پیروی کرتے تھے۔ اُن کے ہاتھ پر جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اُن میں مولوی شیخ کلیم اللہ اور مولوی شیخ عبداللہ کے نام ملتے ہیں جو اچھے عالم تھے۔

اُن کے تبلیغی مشن میں یہ امر بطورِ خاص شامل تھا کہ لوگوں کو "رواج" کے بجائے شرعی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنی چاہیئے۔ بیٹیوں کو وراثت میں حصہ دیا جائے شادی بیاہ اور موت پر رواج اور رسوم وغیرہ ختم کر دی جائیں۔ مسائلِ شرعیہ میں خوب تحقیق کرتے تھے اور عموماً دارالعلوم دیوبند سے رجوع کرتے تھے[1]

۱۹۲۴ء/۴۲-۱۳۴۱ھ میں مولانا غلام حسن ایک مقدمہ میں ماخوذ ہوئے اور قید و بند میں رہنا پڑا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک شخص نور زمان شاہ نامی مذہب امامیہ پر عامل تھا۔ وہ مسلک بدل کر اہلِ سنت والجماعت میں شامل ہو گیا اور مولانا گل حسن (خلیفہ مولانا غلام حسن) سے بیعت ہو گیا۔

نور زمان شاہ نے مولانا غلام حسن کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ مولانا غلام حسن اُس کے گھر چلے گئے۔ نور زمان شاہ کے شیعہ اقربا نے اِسے اپنی توہین خیال کیا اور نور زمان شاہ کے مکان پر حملہ آور ہوئے۔ نور زمان شاہ کے ہاتھوں اپنا ایک عزیز قتل ہو گیا۔ مقتول کے ورثاء نے مولانا غلام حسن کو قاتل قرار دیا۔ ماتحت عدالت میں انہیں سزائے دوام بعبور دریائے شور کا حکم سنایا گیا جو اپیل دائر کرنے پر ختم ہو گئی اور وہ باعزت طور پر بری ہو گئے۔

۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ/۹ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو فوت ہوئے اور حسن آباد میں دفنائے گئے۔ اُن کی اولاد میں بوقتِ رحلت ایک صاحبزادہ اور تین صاحبزادیاں

---

[1] فیوضاتِ حسینیہ ص ۴۳

حیات تھیں۔

مولانا غلام حسن مرحوم کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند نامور خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ فقیر محمد (م ۱۳۴۶ھ) صاحبزادہ

۲۔ مولوی جان محمد (ساکن تحصیل کبیر والا)

۳۔ مولانا گل حسن (م ۱۳۵۶ھ) ساکن مرشد آباد

۴۔ خواجہ غلام محمد (صاحبزادہ)

۵۔ مولانا عبدالکریم جامپوری مؤلف "ملفوظاتِ حسنیہ"

غلام حسین سیالکوٹی (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا ابو النظفر عبید اللہ غلام حسین[1] بن مولوی نور احمد بن حکیم محمد رمضان بن حافظ غلام محمد بن ملا شیخ احمد بن محمد مسلم، ساہو والہ (ضلع سیالکوٹ) کے رہنے والے تھے۔ اُن کے خانوادے میں علم و فن کئی پشتوں سے چلا آرہا تھا۔ کئی طبیب، ادیب، شاعر اور عالم اس خانوادے میں پیدا ہوئے۔

مولانا غلام حسین کے والدِ محترم مولانا نور احمد فاضلِ اجل، عالمِ با عمل اور بے مثال خطیب تھے۔ اُن کی شخصیت "جامع صناعات و فنون[2]" کے مصداق تھی۔ وہ کہنہ مشق خطاط بھی تھے۔ گاہے گاہے شعر کہتے تھے۔ اُن کی تحریر کے بارے میں مولانا غلام حسین کی رائے یہ ہے:

"گاہ گاہ قطعہ و قصیدہ می گفتند بر وضع متقدّمین بہ متانتِ مضامین و سلاستِ الفاظ دُر می سفتند۔ نثرِ ایشاں ہم پہلوئے طرزِ نعمت خان عالی بود[3]"

مولانا نور احمد ۲۹ر شوال ۱۳۱۸ھ / ۱۹ر فروری ۱۹۰۱ء کو فوت ہوئے۔ اُن کی اولاد میں دو صاحبزادے حکیم علی محمد اور مولانا غلام حسین تھے۔ اوّل الذکر نے فنِ طب کی خدمت کی اور ثانی الذکر نے علمی و دینی حلقوں میں نام پیدا کیا۔

---

[1] ترجمہ مکاتیب سید احمد شہید ورق ۱۵۶

[2] علمائے ساہو والہ (سیالکوٹ) کا ایک غیر مطبوعہ تذکرہ ص ۱۴

[3] ایضاً ص ۱۴

مولانا غلام حسین نے ادب و طب کی تحصیل اپنے والدِ محترم سے کی۔ منطق مولانا فیروزالدین سے پڑھی۔ حکمت و فلسفہ مولانا حیات گل اور مولانا محمد عبداللہ سکندرپوری (جو مولانا حیات گل کے اُستاد تھے) سے پڑھا۔ درسِ حدیث کے لئے مولانا غلام محمد بگوی اور مولانا عبداللہ غزنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

مولانا غلام حسین کی زندگی کی تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔ وہ اپنے وقت کا زیادہ حصّہ لوگوں کے علاج اور تدریسِ طلبہ میں گزارتے تھے۔ عربی، فارسی اور اُردو میں شعر کہتے تھے۔ فارسی اور اُردو میں غلامؔ تخلّص کرتے تھے۔

مولانا غلام حسین تحریکِ مجاہدین سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اور مولانا عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ) کے شاگرد اور عقیدت مند تھے۔ مولانا غلام حسین مشّاق خطاط تھے۔ اُن کی لکھی ہوئی کتابوں میں اغلاطِ کتابت نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اُنکے کتابت کردہ نسخہ "مکاتیب سید احمد شہیدؒ"، کا عکس طبع ہو چکا ہے۔

مولانا غلام حسین کی قلمی یادگاروں میں حسبِ ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ قصۂ بلال رضؓ (منظوم۔ اُردو) غیر مطبوعہ

نسخہ بخطِ مؤلف، مولانا عبدالرشید سیالکوٹی مالک دارالنوادر لاہور کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

۲۔ ثمرۂ شجرۂ طین

مولانا محمد شہسوارالدین احمد اور مولانا محمد شہنوازالدین احمد نے اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات لکھے تھے۔ مولانا غلام حسین نے ان حالات کو "عبارتِ جدید" میں ڈھالا اور اپنے زمانے تک مزید افرادِ خاندان کے احوال لکھے۔ منظوم تاریخہائے وفات کا اضافہ کیا۔ ۱۳۲۲ھ/۵-۱۹۰۴ء میں ثمرۂ شجرۂ طین کی تسوید سے فارغ ہوئے۔

جناب پروفیسر محمد اقبال مجدّدی کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ یہ نایاب تذکرہ سہ ماہی "صحیفہ" (لاہور) کے "ادبیات فارسی نمبر" بابت اکتوبر ۱۹۷۱ء میں طبع ہو چکا ہے۔

تذکرہ

علمائے پنجاب

مصور

(۱۲۰۱ھ — ۱۴۰۰ھ)

جلد دوم

اختر راہی

مکتبہ رحمانیہ

اردو بازار ۞ لاہور

۱۴۰۰ھ

۱۹۸۱ء

کتاب : علمائے پنجاب
تالیف : اختر راہی
طباعت : ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء (بار اول)
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
صفحات : ۸۶۰
قیمت
ناشر : مقبول الرحمان، مکتبہ رحمانیہ۔ لاہور

سیّد غلام حیدر علی شاہ جلال پوری

سیّد غلام حیدر علی شاہ بن سیّد جمعہ شاہ ۳ر صفر ۱۲۵۴ھ/ ۲۶ر اپریل ۱۸۳۸ء کو جلالپور ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ وہ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (م ۷۸۵ھ) کی اولاد میں سے تھے۔

سیّد غلام حیدر علی شاہؒ نے قرآن مجید میاں محمد اعظم خانپوری سے پڑھنا شروع کیا اور تکمیل اپنے چچا سیّد امام شاہ سے کی۔ میاں عبداللہ چکوری سے فارسی اور اُردو کی درسی کتابیں پڑھیں۔ درسِ نظامی کی بعض کتابیں وہیں کے مقام پر قاضی محمد کامل سے پڑھیں۔ یہیں اپنے دور کے بلند پایہ عالم متقی غلام محی الدینؒ سے استفادہ کیا۔ اور کنز الدقائق کا درس لیا۔ اس کے بعد کسی دوسرے عالم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔

سیّد غلام حیدر علی شاہ کی عمر سترہ برس تھی کہ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ بیعتِ طریقت کے لیے خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے مرید اور خلیفہ سیّد غلام شاہ کی خدمت میں ہرن پور گئے اور بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ وہ انہیں اپنے مرشد کے پاس سیال شریف لے گئے۔ ۷ر رجب ۱۲۷۱ھ/ ۲۶ر مارچ ۱۸۵۵ء کو سیّد غلام حیدر علی شاہ نے خواجہ شمس الدین کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی۔ اس کے بعد عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ اِس عرصے میں اُنھوں نے اپنے مرشد سے خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۴۰ھ) کی تالیفات کشکول اور مرقع کا درس لیا۔ کچھ عرصہ بعد خلافت اور اجازتِ بیعت سے سرفراز ہوئے۔

سیّد غلام حیدر علی شاہ نے جلالپور میں سلسلۂ رشد و ہدایت شروع کیا اور

دُور و نزدیک کے ہزاروں افراد نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ موصوف ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ اُنہوں نے جلالپور میں ایک خانقاہ قائم کی جس میں فقراء اور زائرین کے لیے لنگر خانہ قائم کیا اور ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی۔

بہتر سال کی عمر میں ۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۶ھ/ ۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو واصلِ بحق ہوئے اور جلالپور میں مدفون ہوئے۔ علماء و شعراء نے کئی مرثیے کہے۔ علامہ اقبال نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ کہا ؎

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت
تربتِ او را امینِ جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاکِ او را بوسہ داد
گفتمش سالِ وفاتِ او بگو "مغفور" گشت[1]

۱۳۲۶ھ

سیّد غلام حیدر علی شاہ مرحوم کے حسبِ ذیل چار صاحبزادے تھے:

۱۔ صاحبزادہ سید بدیع الدین شاہ (م ۱۲۹۵ھ)
۲۔ سیّد قائم الدین شاہ (م ۱۳۱۶ھ)
۳۔ سیّد محمد رسول شاہ۔ صغر سنی میں وفات پائی۔
۴۔ سیّد محمد مظفر علی شاہ (م ۱۳۳۵ھ)۔ جانشین ہوئے تھے۔

سیّد غلام حیدر علی شاہ مرحوم سے کوئی تصنیف یادگار نہیں۔ اُن کے ملفوظات کا ایک مجموعہ صوفی نور عالمؒ نے "احیاء القلوب فی نفحات المحبوب" (فارسی) کے نام سے مرتّب کیا تھا جو ۱۳۲۷ھ/ ۰۹-۱۹۰۸ء میں ساڈھورہ سے طبع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ملک محمد الدین نے "ذکرِ حبیب" میں اُن کے احوال و ملفوظات یکجا کیے ہیں۔

---

[1] ذکرِ حبیب ص ۱۱۱

غلام دستگیر قصوری

مولانا غلام دستگیر ہاشمی قصوری بن مولانا حسن بخش اُس خانوادۂ علم ودانش کے فرزند تھے، جس میں مولانا غلام محی الدین قصوری پیدا ہوئے۔ مولانا غلام دستگیر محلہ چلہ بیبیاں لاہور میں پیدا ہوئے۔ سنِ شعور کو پہنچے تو بغرضِ تعلیم اپنے ماموں مولانا غلام محی الدین قصوری کے پاس پہنچے۔ اُن سے علومِ متداولہ کی تحصیل کی اور سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ مولانا غلام محی الدین سے اُن کے گوناگوں رشتے تھے۔ اُن کے خواہر زادہ، داماد، شاگردِ رشید، مُریدِ باصفا اور خلیفہ تھے۔ مولانا غلام دستگیر نے اپنے ماموں زاد بھائی مولانا عبدالرسول قصوری سے بھی دینی استفادہ کیا ہے۔

مولانا غلام دستگیر نے تمام عمر تبلیغ و تلقینِ حق میں گزاری۔ انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے شعبۂ تبلیغ واشاعت سے بھی وابستہ رہے۔ انجمن کے لیے بعض کتابیں تالیف کیں جن کی آمدنی انجمن کے فنڈ میں جمع ہوتی تھی۔

مولانا قصوری بلند پایہ مصنّف تھے اُنھوں نے اپنی اکثر تالیفات شائع کر کے مفت تقسیم کیں۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے مسلمان والیانِ ریاست اور مخیّر لوگوں سے مالی تعاون حاصل کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے رامپور، مالیر کوٹلہ، بریلی اور پنجاب کے مختلف شہروں کے سفر کئے۔

مولانا قصوری مناظرانہ ذوق رکھتے تھے۔ شوال ۱۳۰۶ھ میں مولانا خلیل احمد انبیٹھوی (م ۱۳۴۵ھ) مؤلف "براہین قاطعہ" سے بہاول پور میں مناظرہ کیا۔[۱] ان کی اکثر تالیفات

---

[۱] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل تذکرۃ الخلیل ص ۱۳۲ - ۱۳۹

میں مناظرانہ رنگ کی جھلک موجود ہے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری کی مندرجہ ذیل تالیفات معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ عمدۃ البیان فی اعلان مناقب النعمان (مطبوعہ: ۱۲۸۵ھ)

اہل حدیث عالم میاں سید نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) کی تالیف "معیار الحق" کے جواب میں ہے۔ پہلے فارسی اور بعد میں اردو میں طبع ہوئی۔

۲۔ تحفۂ دستگیریہ بجواب اثنا عشریہ (مطبوعہ: ۱۲۸۵ھ)

مولانا غلام العلی قصوری کے اعتراضات کے جواب میں ہے۔

۳۔ تحقیق صلوٰۃ الجمعہ (مطبوعہ: ۱۲۸۸ھ)

۴۔ مخزن عقائد نوری بجواب نغمہ طنبوری (مطبوعہ: ۱۲۹۴ھ)

پادری عماد الدین کے رسالہ "نغمہ طنبوری" کا جواب ہے۔

۵۔ ہدیۃ الشیعتین (مطبوعہ: ۱۲۹۵ھ)

شیعہ اور خوارج کے نظریات کا رد ہے۔ پہلے فارسی اور بعد میں اردو میں شائع ہوئی۔

۶۔ توضیح دلائل و تصریح ابحاث فرید کوٹ (مطبوعہ: ۱۳۰۰ھ)

ریاست فرید کوٹ کے راجہ نے احناف اور اہل حدیث علماء کے درمیان کئی مباحثے کرائے۔ مولانا نے ان مباحثوں کو یکجا کیا اور آخر میں مہاراجہ فرید کوٹ کا فیصلہ نقل کیا ہے۔

۷۔ عروۃ المقلدین بالہام القوی المبین (مطبوعہ: ۱۳۰۰ھ)

تقلید ائمہ کی تائید میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

۸۔ ظفر المقلدین (مطبوعہ: ۱۳۰۲ھ)

مولانا محی الدین لکھوی (م ۱۳۱۳ھ) کی تالیف "ظفر المبین" کے جواب

میں ہے۔

۹۔ رجم الشیاطین براغلوطات البراہین (مطبوعہ: ۱۳۰۲ھ)

مرزا غلام احمد قادیانی کی تالیف "براہین احمدیہ" کی اغلاط کا جائزہ ہے۔

۱۰۔ جواہر مضیئہ در ردِ نیچریہ (مطبوعہ: ۱۳۰۴ھ)

سر سیّد احمد خان کے عقائد و نظریات کا محاکمہ ہے۔

۱۱۔ ظہور اللمعہ فی ظہر الجمعہ (مطبوعہ: ۱۳۰۴ھ)

۱۲۔ کشف السطور عن مسئلہ طوافِ قبور (مطبوعہ: ۱۳۰۵ھ)

۱۳۔ نصرۃ الابرار فی جواب الاشتہار (مطبوعہ: ۱۳۰۵ھ)

صلوٰۃ وسلام کے موضوع پر مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالقادر (اہلحدیث علماء) سے ایک مناظرہ کی روداد ہے۔

۱۴۔ تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل (مطبوعہ: ۱۳۰۸ھ)

۱۳۰۷ھ میں علمائے حرمین سے تصدیقی دستخط حاصل کرنے کے لیے اس کا عربی ترجمہ کیا گیا۔ اصل اُردو اور عربی ترجمہ دونوں یکجا طبع ہوئے ہیں۔

۱۵۔ فتح الرحمانی بہ دفع کیدِ قادیانی (مطبوعہ: ۱۳۱۴ھ)

مولانا غلام دستگیر نے مرزا غلام احمد قادیانی کو دعوتِ مباہلہ دی تھی۔ وہ مسجد ملّا مجید میں اپنے بیٹوں اور پوتوں سمیت مباہلہ کے لیے تشریف لائے مگر مرزا نے مباہلہ میں خود آنے کی بجائے مولوی فضل دین کو بھیجدیا اور مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کی۔ اس کے بعد یہ کتاب لکھی گئی۔

۱۶۔ جواب اعتراضات بر تحفہ رسولیہ

۱۷۔ تحقیقات دستگیریہ فی ردِ ہفوات براہنیہ

مولانا غلام دستگیر قصوری ۱۳۱۵ھ/۹۸-۱۸۹۷ء میں فوت ہوئے اور

قصور میں دفنائے گئے۔ مولانا نبی بخش حلوائی نے اُن کے وصال پر قطعۂ تاریخ کہا۔ تاریخِ وفات "غفرلہٗ" سے نکالی ہے ع

۱۳۱۵ھ

تاریخ آں پیر ہدیٰ گفتہ سروشِ خوش نوا
"غفرلہٗ" اے مہ لقا نغمہ سرا شد ہر کجا

مولانا قصوری شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے۔ گاہے ماہے شعر بھی کہتے تھے۔ ایک فارسی شعر کی تضمین کی ہے:

دیدہ گریاں، سینہ بریاں آہ و نالہ دمبدم
ہے یہ ذوق اپنا، ہے یہ اپنا زیر و بم
دِل کو ہے یہ فکر، جی میں رات کو بھی ہے یہ غم
کے بود یارب کہ سوئے یثرب و بطحا کنم
گہ بہ بطحا منزل و گہ در مدینہ جا کنم

مولانا مرحوم کے دو صاحبزادے مولانا عبدالرحمان اور مولانا غلام ابوبکر تھے۔ ایک صاحبزادی ہاجرہ بیگم تھی۔

غلام دستگیر نامی

پیر غلام دستگیر نامی بن پیر حامد شاہ بن پیر غلام محمد ۲۳ / جمادی الاخری ۱۳۰۰ھ / یکم مئی ۱۸۸۳ء کو موضع رتہ پیراں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے ۔ اُن کا سلسلۂ نسب لاہور کے معروف سہروردی بزرگ حضرت شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی (م ۹۱۰ھ) سے ملتا ہے ۔ اُن کے خانوادے میں اصلاح و ارشاد کی روایت کئی نسلوں سے چلی آرہی تھی ۔

پیر حامد شاہ کی نرینہ اولاد میں سے دو صاحبزادے یکے بعد دیگرے بچپن میں فوت ہو گئے تھے ۔ اُسی زمانے میں مولانا غلام دستگیر قصوری رتہ پیراں تشریف لے گئے تو پیر حامد شاہ مرحوم کی ماموں زاد بہن کو یہ نام بہت پسند آیا ۔ اُنہوں نے منت مانی کہ اُن کے بھائی اور نند کو خدا نے بیٹا عطا کیا تو اُسے "غلام دستگیر" کے نام سے موسوم کیا جائے گا ۔ چنانچہ مولانا نامی کا نام "غلام دستگیر" رکھ دیا گیا ۔ مولانا نامی اپنے بارے میں کہتے ہیں :

زادم و گشتم غلام دستگیر من شدم نامی بنام دستگیر[1]

سات آٹھ سال کی عمر میں مسجد ملا مجید محلہ چلہ بیبیاں لاہور میں مولانا محمد بخش مُسلم سے قرآن مجید ناظرہ پڑھنا شروع کیا اور اسلامیہ سکول (شاخ حویلی کابلی مل) کی دوسری جماعت میں داخل ہوئے ۔ ۱۸۹۴ء کے دوسرے ربع / ۱۳۱۱ھ میں ان کے والد ماجد پیر حامد شاہ کا تبادلہ قصور ہو گیا ۔ چنانچہ گورنمنٹ سکول قصور چلے گئے ۔

---

[1] تاریخِ جلیلہ ص ۲۸۱

چند ماہ بعد ۱۱ر اکتوبر ۱۸۹۴ء / ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۲ھ کو پیر حامد شاہ کا انتقال ہو گیا تو مولانا نامیؔ یتیم ہو کر رتہ پیراں چلے گئے۔ ۱۸۹۶ء/۱۳۱۴ھ میں اسلامیہ ہائی سکول دروازہ شیرانوالہ میں دوبارہ تعلیم شروع کی اور یہیں سے ۱۹۰۳ء/۱۳۲۱ھ میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔

مولانا نامیؔ نے کسی دینی درسگاہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ البتہ مولانا محمد نجم الدین (پروفیسر شجاع الدین مرحوم صدر شعبۂ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور کے نانا) اور مولانا اصغر علی روحی سے استفادہ کیا اور اپنے ذاتی مطالعہ سے اسلامی علوم میں مہارت حاصل کی۔

مولانا نامیؔ نے تلاشِ معاش میں مختلف سرکاری محکموں میں کام کیا۔ ریلوے، ڈاک اور ضلع کچہری لاہور کی مختصر ملازمتوں کے بعد ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ میں محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۳۸ء/۵۷-۱۳۵۶ھ میں سنٹرل ٹریننگ کالج میں بطور خازن کام کر رہے تھے کہ مدتِ ملازمت پوری کر کے ریٹائر ہوئے۔

مولانا نامیؔ نے ۱۹۱۴ء/۳۳-۱۳۳۲ھ میں اپنے احباب کے تعاون سے "دائرۃ الاصلاح" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے مقاصد میں اصلاحِ معاشرہ، اتحاد بین المسلمین اور تذکارِ اسلاف کی کوششیں شامل تھیں۔ دائرۃ الاصلاح نے بیسیوں کتابچے شائع کئے جو ہزاروں کی تعداد میں بلا قیمت تقسیم کئے گئے۔ زیادہ تر کتابچے مولانا نامیؔ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہوتے تھے۔

۱۹۳۲ء/۱۳۵۱ھ میں مولانا نامیؔ، اپنے ماموں اور سُسر پیر محمد اشرف کی وفات پر حسبِ وصیت "خانقاہ حضرت چوہڑ بندگی" کے متولی مقرر ہوئے۔ اُنہوں نے خانقاہ کی نہ صرف تعمیر و تزئین کی بلکہ اپنے خانوادے کے علمی آثار کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔ مامریدان و مراد العاشقین، ذکر الحسن، شرائطِ سلوک، حیاتِ مراد، نامۂ مراد،

تذکرہ قطبیہ، تذکرہ حمیدیہ، حالات بابرکات، اذکارِ قلندری، تبرک عرس، گلدستہ شادی قصائدِ قلندری، نعتیہ کلام حالی۔ خاص خاندانی کتابیں ہیں۔ جو اُن کی سعی سے طبع ہوئیں[1]

مولانا نامی شاعر، تاریخ گو، مؤرخ، مصلح اور ماہر علم المیراث تھے۔ انہیں اپنے خانوادے کا گراں قدر ذخیرہ کتب ورثے میں ملا تھا۔ پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ فرائضِ ملازمت کی بجا آوری کے بعد جو وقت ملتا تھا اُسے مطالعہ اور تالیفِ کتب میں صرف کرتے تھے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ہمہ تن لکھنے پڑھنے میں لگ گئے تھے۔ اُن کی تمام کتب ورسائل مطبوعہ کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی[2] اہم کتابیں یہ ہیں:

۱۔ تاریخ مدینہ منورہ	۲۔ تاریخ مکہ معظمہ
۳۔ تاریخ نجدیہ	۴۔ خلافتِ صدیقی
۵۔ خلافتِ فاروقی	۶۔ خلافتِ حیدری
۷۔ زوالِ ایران	۸۔ حیدر کرار
۹۔ قرآنی قانونِ وراثت	۱۰۔ کلید تقسیمِ وراثت
۱۱۔ انیس الوارثین	۱۲۔ قانونِ وراثت
۱۳۔ حکایاتِ مثنوی مولانا روم	۱۴۔ نسب نامہ
۱۵۔ بزرگانِ لاہور	

۱۶۔ تاریخ جلیلہ۔ خانوادہ حضرت چوہڑ بندگیؒ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

---

[1] تاریخ جلیلہ ص ۱۵

[2] ایضاً ص ۱۶

مولانا نامی کو مولانا اصغر علی روحی سے شاعری میں شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ ان کے پسندیدہ موضوعات نعت، منقبت صحابہ رضؓ اور تاریخ گوئی رہے ہیں۔ گنبدِ خضرا کے آسودگان (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ) کے بارے میں کہتے ہیں[1]:

گنبدِ خضرا کی خاکِ پاک میں ۔۔۔ اور قربِ صاحبِ لولاک میں!
تا ابد آسودہ ہیں وہ خوش نصیب ۔۔۔ جن سے دائم خوش رہے ہیں حق حبیب
ایک ہیں صدیقِ اکبر یارِ غار ۔۔۔ دوسرے فاروقِ اعظم حق شعار
عمر بھر دونوں رہے حضرت کے ساتھ ۔۔۔ جان دے کر بھی ملے حضرت کے ساتھ
حشر میں بھی یہ اُٹھیں گے ایک ساتھ ۔۔۔ دستِ سرورؐ سے ملائے دونوں ہاتھ
قربِ جسمی اور روحی کا شرف ۔۔۔ اور مژدہ بھی ہر اک کو لاتخف
دونوں نے جو خدمتِ اسلام کی ۔۔۔ وہ بھی حصّہ ہے اُنہی کا اے اخی

۷ رجب ۱۳۸۱ھ/۱۶ دسمبر ۱۹۶۱ء کو مولانا نامی ایک ماہ علیل رہ کر فوت ہوئے حسبِ وصیت میت لاہور سے رتہ پیراں منتقل کی گئی اور وہیں دفنائے گئے۔ مولانا شرافت نوشاہی صاحب نے حسبِ ذیل قطعہ تاریخ کہا ع

پیرِ نامی بے مثال و بے عدیل ۔۔۔ افتخارِ عالماں روشن جمیل
در بلاغت ہم فصاحت باکمال ۔۔۔ در ولایت اولیاء را شُد دلیل
خاندانش قرشی و ہکاری است ۔۔۔ جامعِ علم و عمل شیخ جلیل
روز شنبہ ہفتم از رجب بداں ۔۔۔ چوں سفر کرد از جہاں مردِ عقیل

وصلِ او "مغفور دائم" شُد ظہور!
ہم شرافت گفت "غفرانِ جمیل"[2]

۱۳۸۱ھ

---

[1] تاریخ جلیلہ ص ۵۰-۵۱ [2] منتخب اعجاز التواریخ ص ۴۵

غلام دین لاہوری

مولانا غلام دین لاہوری بن میاں سید احمد بن میاں فضل دین موضع چکوڑی ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ گاؤں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر "کنجاہ" میں ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد عبد اللہ کنجاہی سے سکندر نامہ تک فارسی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد لاہور آ گئے۔ مولانا محمد مہر الدین (مؤلف تسہیل المبانی شرح مختصر المعانی) مولانا سیّد ابو البرکات اور مولانا سیّد دیدار علی الوری سے علوم مروّجہ کی تحصیل کی اور ۱۳۵۲ھ/۳۴-۱۹۳۳ء میں دار العلوم حزب الاحناف سے سندِ فراغ حاصل کی۔

مولانا شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی سے بیعت کی تھی۔ خود کہتے ہیں ع

اشرفی ہوں بندۂ مسکین ہوں   خادمِ قوم و غلامِ دین ہوں

فارغ التحصیل ہو کر مسجد ریلوے شیڈ (جامع مسجد صدیقیہ) میں خطابت و امامت شروع کی۔ واعظِ خوش بیان تھے۔ تحریکِ پاکستان میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ تحریک ختم نبوّت (۱۹۵۳ء) میں حصّہ لیا اور سنّتِ یوسفی ادا کی۔

۱۰ر شعبان ۱۳۹۰ھ/۱۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ء کو وفات پائی اور جامعہ صدیقیہ کی جنوبی جانب مدفون ہوئے۔ سیّد شرافت نوشاہی صاحب نے حسبِ ذیل قطعہ کہا ع

زہے مولوی سعادت قریں   غلامِ جنابِ شہِ اہلِ دیں
بہ سنت جماعت بسے نیک نام   بہ تبلیغِ اسلام والا مقام
ز وعظِ شریفش خلائق ہزار   بر راہ ہدایت شدہ بے شمار
بر لاہور فیضانِ اُو بے حساب   ز تبلیغ اُو ہر کسے فیضیاب
چو بربست رختِ سفر از زمیں   بہ فردوسِ اعلیٰ شدہ جاگزیں

زترحیلِ آں زبدۃ الکاملین — زہاتف ندا گشت مغفورِ دین

چو روحش بدار الجناں گشت شاد — ۱۳۹۰ھ

شرافت بگو "افتخار العباد"[1]

۱۳۹۰ھ

مولانا غلام دین نے حسبِ ذیل کتابیں تالیف کیں:

۱۔ فضائلِ امام اعظم رح

۲۔ فضائل درود شریف

۳۔ رفیق الواعظین

[1] تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۲۹۵

خلیفہ غلام رسول لاہوری

مولانا خلیفہ غلام رسول بن مولانا غلام فرید[1] لاہور کے سر آمد روزگار علماء میں سے تھے۔ مسجد موراں (تعمیر شدہ: ۱۲۲۴ھ) کے مدرسہ کی شہرت اُن کے دم قدم سے تھی۔ اُن کے برادر خورد مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری اُن کے دستِ راست تھے۔ رائے بہادر کنہیا لال نے لکھا ہے:

"لاہور میں سے سکھی عہد میں مولوی خلیفہ غلام رسول اور خلیفہ غلام اللہ تھے۔ بڑا مدرسہ اُن کا جاری تھا۔ ہزاروں طلبہ درویش دُور دُور ملکوں سے وہاں آکر تعلیم پاتے تھے۔ تمام زمانہ اُن کا بہ دل وجان ادب کرتا تھا۔ ہنود و اہلِ اسلام سب اُن کے شاگرد کہلاتے"[2]

مولانا خلیفہ غلام رسول نے اپنے والد ماجد سے استفادہ کیا تھا اور علومِ متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سکھ دورِ حکومت میں کوئی دوسرا عالم تدریسی خدمات کے اعتبار سے اُن کا ہم پلہ نہیں تھا۔[3]

سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔[4] ۱۲۵۰ھ/ ۳۵-۱۸۳۴ء میں فوت ہوئے۔ "ہادی نیک نظر" مادۂ تاریخ ہے۔

---

۱ دیکھئے ترجمہ مولانا خلیفہ غلام اللہ فاضل لاہوری

۲ تاریخ لاہور ص ۸۷

۳ حدیقۃ الاولیاء ص ۲۱۷ و حدائق الحنفیہ ص ۴۷۲

۴ سلسلۃ الاولیاء (خطی) بحوالہ ماہنامہ "المعارف" (لاہور) بابت ماہ اپریل ۱۹۷۰ء

اُن کا ایک ہی صاحبزادہ غلام یٰسین تھا جو نوجوانی میں انتقال کر گیا۔ اُن کے علمی جانشین برادرِ خورد مولانا خلیفہ غلام اللہ فاضل لاہوری تھے۔

غلام رسول چنٹر

مولانا غلام رسول بستی مستیاں نزد ملوک شاہ (ضلع بہاول پور) کے رہنے والے تھے۔ اُنھوں نے مولانا نور جہانیاں کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ جو بہاول پور شہر میں احمد پوری دروازے کے اندر واقع تھا۔

مولانا غلام رسول متبحر عالم اور صاحبِ نظر درویش تھے۔ بہاول پور کے خطے میں جن افراد کے دم قدم سے دینیات کی تعلیم عام ہوئی اُن میں مولانا غلام رسول چنٹر کا نام بہت نمایاں ہے۔ اُن کا زیادہ وقت درس و تدریس میں گزرتا تھا۔ درس و تدریس سے جو وقت بچتا۔ اوراد و اذکار میں گزارتے تھے۔

ساٹھ ستر برس کی عمر میں ۱۶ ربیع الآخر ۱۲۹۰ھ/۱۳ جون ۱۸۷۳ء کو وفات پائی[1]۔ اور قبرستان ملوک شاہ میں دفنائے گئے۔ ایک اُونچے پختہ چبوترے پر اُن کا مزار ہے۔ چنٹر قوم کے لوگ اُن سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔

مولانا غلام رسول چنٹر سے ایک زمانے نے فیض پایا۔ اُن کے چند شاگردوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولوی شمس الدین۔ جج بہاول پور
۲۔ مولوی عبدالرشید۔ خانقاہ والے
۳۔ قاضی محمود الدین۔ بہاول پوری
۴۔ مولوی نور محمد
۵۔ مولوی عزیز الدین

---

[1] ذکرِ کرام ص ۵۹

غلام رسول قلعوی (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا عبداللہ (معروف بہ غلام رسول) بن مولوی رحیم بن نظام الدین خادم بن بہاءالدین اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے آباؤاجداد موضع سکندرپور ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے ہجرت کر کے کوٹ بھوانی داس ضلع گوجرانوالہ چلے گئے۔ مولانا غلام رسول ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء میں کوٹ بھوانی داس میں پیدا ہوئے۔

مولانا غلام رسول کے خاندان میں علم وادب کی روایات چند پشتوں سے ملتی ہیں۔ اُن کے جدِ امجد نظام الدین خادم فارسی کے نہایت اچھے شاعر تھے۔ اُنہوں نے نظامی گنجوی (م مابین ۶۰۷ھ۔ ۶۱۵ھ) کے تتبع میں ایک فارسی مثنوی لکھی تھی۔

مولانا غلام رسول پانچ سال کے ہوئے تو قرآن مجید پڑھنے کی خاطر مکتب میں بٹھائے گئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور گئے۔ مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا احمد الدین بگوی سے استفادہ کیا۔ بیس سال کی عمر میں مروّجہ درسِ عربی سے فارغ ہو گئے۔

مولانا غلام رسول عنفوانِ شباب ہی سے عابد و زاہد تھے۔ اس دور میں سوات کے اخوند صاحب، (م ۱۲۹۳ھ) کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کی خاطر سوات اور بُنیر کا سفر کیا۔ اخوند صاحب سے ملاقات کی مگر طبیعت بیعت پر آمادہ نہ ہوئی۔ واپس وطن آتے ہوئے تربیلہ ضلع ہزارہ میں چندے قیام کیا۔ تربیلہ کا نمبردار عزّت و تکریم سے پیش آیا اور "حضرت کوٹھے والا" کی خدمت میں لے گیا۔ مولانا غلام رسول نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ واپس وطن آئے مگر اہلِ دل کی صحبت سے استفادہ کا شوق غالب تھا چنانچہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی (م ۱۲۶۷ھ) سے ملاقات کے لئے تونسہ گئے۔ خواجہ تونسوی نے بلا بیعت اُنہیں اپنا خلیفہ نامزد کیا۔

تونسہ سے واپس آکر لاہور میں اقامت اختیار کرلی اور توحید و سنّت کے بھولے ہوئے سبق کو دُہرایا۔ اُن کی بے باکی اور حق گوئی کی وجہ سے ایک طبقہ مخالف ہوگیا اور مخالفین نے بدنام کرنے کی پوری کوشش کی مگر مخالفین کی چالیں ناکام ہوئیں اور اُن کے عقیدت مندوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ سینکڑوں غیر مسلم اُن کے ہاتھ پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور بہت سے گمراہ مسلمانوں نے توحید و سنّت کی راہ اختیار کی۔ لاہور میں اُن کی داعیانہ کوششوں سے اُن کا نام خاصا مشہور ہو چکا تھا تاہم طلبِ علم کا شوق زندہ تھا۔ مولانا عبداللہ غزنوی رح (م ۱۲۹۸ھ) کے ہمراہ سیّد نذیر حسین محدّث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ربیع الاخریٰ ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء میں اجازتِ حدیث حاصل کی۔

۱۸۵۷ء/۱۲۷۳ھ میں دہلی میں تھے۔ جنگِ آزادی کے ناکام ہونے پر حکومت نے مسلمانوں کو خصوصی طور پر انتقام کا نشانہ بنایا۔ بہت سے علماء گرفتار ہوئے۔ مولانا غلام رسول رح دہلی سے رُخصت ہو کر امرتسر آئے، دو روز حافظ محمود امرتسری رح کی مسجد میں ٹھہرے۔ امرتسر ہی میں مولانا صاحب کو معلوم ہوا کہ اُن کی گرفتاری کا اشتہار شائع ہوگیا ہے۔ امرتسر سے اپنے سسرال فتح گڑھ چلے گئے۔ فتح گڑھ میں بھی پولیس گرفتاری کی کوشش کرتی رہی مگر بے سود۔ مولانا صاحب قلعہ میہاں سنگھ آ گئے۔

قلعہ میہاں سنگھ میں اعزّہ و اقارب پہلے سے گرفتاری کے اشتہار سے آگاہ تھے۔ بھائی حکیم غلام محمد نے روپوش ہونے کا مشورہ دیا۔ اُنہیں فرمایا:

"پوشیدگی میں عمر گزارنی مشکل ہے۔ قضائے الٰہی پر میں راضی ہوں۔ حاکمِ وقت میرے بیانات سُنے گا اور تحقیقات بھی کرے گا۔ یوں ہی تُسکا ہت پر مجھے پھانسی نہیں دے دے گا۔ آپ مجھے باہر نکلنے سے منع نہ فرمائیں۔"[1]

---

[1] سوانح حیات مولوی غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ والے ص ۶۱

چنانچہ بر سرِ عام نقل و حرکت کرنے لگے اور گرفتار ہو گئے۔ عدالتی کاروائی کے بعد رہائی عمل میں آئی مگر نقل و حرکت اور وعظ گوئی پر پابندی لگادی گئی۔

۱۲۸۸ھ/۷۲-۱۸۷۱ء میں حج کا فریضہ ادا کیا۔ مدینہ منورہ میں شاہ عبدالغنی (م ۱۲۹۶ھ) بن ابوسعید مجددی کے درسِ حدیث میں شرکت کی اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا غلام رسول مسلکاً اہل حدیث تھے۔ ایک بار اُن سے کسی نے دریافت کیا کہ مقلد اور غیر مقلد کے بارے میں اُن کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا:

"یہ سمجھ کی بات ہے۔ اور ہے بھی بڑی موٹی بات۔ مثال اِس کی یوں ہے کہ ایک تالاب سے چار نالیاں نکلتی ہیں جو شخص کسی نالی سے پانی پئے گا وہ تالاب ہی کا پانی ہو گا اور اگر کوئی شک والی طبیعت والا براہِ راست تالاب سے پانی پئے گا تو وہ بھی اسی تالاب کا پانی ہے۔ یہی حال مقلد اور غیر مقلد کا ہے۔ صرف یہ ذہن میں رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے سامنے کسی کے قول و عمل کی وقعت نہیں اور یہی ائمہ مجتہدین کا فرمان بھی ہے۔"[۱]

مولانا غلام رسول ۶۳ سال کی عمر میں ۱۲۹۱ھ/۷۴-۱۸۷ء میں قلعہ میہاں سنگھ میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ مولانا مرحوم سے ایک دنیا نے استفادہ کیا۔ بیس پچیس طلبہ ہمیشہ اُن کے پاس رہتے تھے جن کی ضروریات خورد و نوش وہ خود ہی پوری کرتے تھے۔ اُن کے مندرجہ ذیل مستفیدین نے بڑا نام پیدا کیا ہے:

۱۔ حافظ ولی اللہ لاہوری

۲۔ مولانا عبدالعزیز (بانی انجمن حمایت اسلام۔ لاہور)

---

[۱] سوانح حیات ص ۶۷

۳۔ مولانا غلام حسین ساکن ساہو والا (سیالکوٹ)

۴۔ مولانا احمد علی ساکن کوٹ بھوانی داس (گوجرانوالہ)

۵۔ مولانا علاء الدین ساکن گوجرانوالہ

مولانا غلام رسول سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔ ان میں سے بعض کئی بار شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ قصہ حضرت بلال رض (منظوم۔ پنجابی)

۲۔ حُلیہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ قصہ سسّی پنّوں (منظوم)

۴۔ سی حرفی

۵۔ مجموعہ نماز (بامعنی پنجابی)

۶۔ تفسیر سورۂ فاتحہ

۷۔ پنج باب (پنجابی نثر) مسائلِ فقہ پر پکّی روٹی کے انداز پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

۸۔ پکّی روٹی [۱]

۹۔ فتاویٰ مولوی غلام رسول (فارسی)

۱۰۔ رسالہ تراویح (فارسی)

---

[۱] بعض اہلِ تحقیق کے خیال میں "پکّی روٹی" اُن کی تالیف نہیں ہے۔ یہ کتاب اُن کی طرف منسوب ہو گئی ہے اور اس نسبت کا سبب یہ ہے کہ کتاب کے آخر میں اُن کی نظم ع

دلا غافل نہ ہو یک دم یہ دنیا چھوڑ جانا ہے

طبع ہوتی رہی ہے۔ جو اس غلط فہمی کا سبب بنی ہے۔ مگر "پکّی روٹی" کا مصنّف کون ہے؟ اہلِ تحقیق، تلاش و جستجو میں ہیں۔

مولانا غلام رسول نے اصلاح عوام کے لئے پنجابی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا۔ اگرچہ موصوف فارسی میں بھی لکھتے تھے۔ اُن کی بعض تالیفات اور مکتوبات فارسی میں ہیں۔ اُنہوں نے پنجابی نظم و نثر میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

غلام رسول توگیروی

خواجہ غلام رسول بن خواجہ سلطان محمود ۱۲۳۰ھ/ ۱۵-۱۸۱۴ء میں بونگہ محمود لنگاہ نزد بہاول نگر میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور ابتدائی فارسی کتب حافظ محمد عظمت اللہ (خلیفہ شیخ محمد فاضل نیکوکارہ) سے پڑھیں۔ ۱۲۴۵ھ/ ۳۰-۱۸۲۹ء میں "مہار" تشریف لے گئے۔ مولانا نور الدین اور مولانا محمد عمر تونسوی سے علوم درسیہ کی تحصیل کی۔ مولانا محمد کامل بہاول پوری اور مولانا غلام رسول بہاول پوری کے نام بھی اُن کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ چیلاواہن کے حافظ محمد افضل اور مولانا جان محمد (ساکن موضع مہتہ جھیڈو) سے بھی استفادۂ علمی کیا۔ لاہور میں خلیفہ حمید الدین لاہوری کے زیر تربیت رہے، اور مدرسہ مولوی محمد حیات دہلی میں مولانا عبد الرحمان پنجابی سے اکتسابِ فیض کر کے سندِ فضیلت حاصل کی۔

چشتی سلسلہ میں شاہ محمد سلیمان تونسویؒ سے بیعت ہوئے اور توگیرہ (تحصیل و ضلع بہاول نگر) کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ وہیں ۱۲۸۴ھ/ ۶۸-۱۸۶۷ء میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں [1]۔

---

[1] الیواقیت المہریہ ص ۸۹-۹۰، و تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۳۱۵-۳۱۶

غلام رسول بہاول پوری

مولانا غلام رسول بہاول پوری تیرہویں صدی کے دوسرے ثلث میں بہاول پور میں پیدا ہوئے۔ وہ چغتائی نسل کی شاخ پل سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بچپن میں علم حاصل نہ کر سکے۔ بعد میں کہروڑ پکا تحصیل لودھراں میں مولوی محمد شریف سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ مولوی محمد شریف بلند پایہ عالمِ دین اور معروف مدّرس تھے اور اُن کا مدرسہ مرجع طلبہ تھا۔ مولانا غلام رسول نے علمی زندگی کا آغاز امرتسر میں تدریس سے کیا۔ کچھ عرصہ بعد واپس بہاول پور آئے اور چرچ آف انگلینڈ مشن کے سکول میں السنۂ شرقیہ کے اُستاد مقرر ہو گئے اور تاحیات اسی سکول سے وابستہ رہے۔

ملازمت سے جو وقت فارغ بچتا مطالعہ کتب میں صرف کر دیتے تھے۔ اُنھوں نے اسلامیات، طب اور فلسفہ کی نایاب کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ۲۶ر شوال ۱۲۹۷ھ / یکم اکتوبر ۱۸۸۰ء کو معمولی اثاث البیت چھوڑ کر فوت ہوئے۔[1] محمد عزیز الرحمان عزیزؔ نے قطعۂ تاریخ کہا ع

والدِ ماجد ز دارِ فنا	رخت رحلت بہ بست وا اسفا
او غلام رسول پاکت بود	بہ طفیل رسول، بخش او را
خانہ خالی شد از بزرگِ جواں	رفت «شیریں سخن ادیب» از ما[2]

۱۲۹۷ھ

---

[1] ذکرِ کرام ص ۱۴۰ - ۱۴۵

[2] تذکرہ شعرائے پنجاب ص ۲۴۴

مرحوم نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے ایک لڑکا منشی کریم بخش اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ دوسری بیوی کے بطن سے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ محمد عبدالرحمان (م ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ / ۲۰/ فروری ۱۹۳۸ء)

۲۔ محمد عزیز الرحمان عزیز

۳۔ محمد خلیل الرحمان مؤلف "الخلیل" (سوانح حیات نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام)

غلام رسول شائقؔ

مولانا غلام رسول شائقؔ بن شیخ احمد بن میاں مشرف بن میاں مخدوم بن میاں معصوم قصبہ رسول نگر ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضؓ (م ۲۴ھ) سے جا ملتا ہے۔ اُن کے خاندان میں علم و فضل کئی پشتوں سے چلا آرہا تھا۔ مولانا شیخ احمد اپنے علاقے کے ایک بڑے عالم تھے۔ ۱۲۴۳ھ/۲۸-۱۸۲۷ء میں فوت ہوئے۔ مولانا غلام رسول شائقؔ نے "عالمٌ فاضلٌ فائقٌ" سے سالِ وفات نکالا ہے۔

مولانا غلام رسول شائقؔ علوم دینیہ کے جیّد عالم تھے اور رسول نگر میں مفتی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ خانوادۂ قادریہ نوشاہیہ میں مولانا سیّد قل احمد نوشاہی سے بیعت تھے اور اُن ہی سے اجازتِ بیعت حاصل کی تھی۔

مولانا غلام رسول شائقؔ ۱۳۰۰ھ/۸۳-۱۸۸۲ء میں فوت ہوئے اور قصبہ رسول نگر میں دفنائے گئے۔ وفات سے ایک دن پہلے خود حسبِ ذیل تاریخ کہی[1] ع

الٰہی از کرم پیدا کنی خلق!
فتعطوا الرزق فضلٌ غیر عدلٍ
چو با فضلت شدم محتاج گفتم
کہ۔ یا اللہ کرمنا بفضلٍ

۱۳۰۰ھ

---

[1] شریف التواریخ (مسودہ)

نیز "صاحبِ عزّت و توقیر" سے بھی سالِ رحلت برآمد ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے مولوی محمد الدین اور مولوی نور الدین تھے جو اچھے خوشنویسوں میں شمار ہوتے تھے۔

مولانا شائقؔ عربی و فارسی میں شعر کہتے تھے۔ انہوں نے "محمود نامہ" کے طرز پر ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں "شائق نامہ" نظم کیا تھا[۱]۔ اس کے علاوہ ان کی تین بیاضیں ملتی ہیں جو نہایت خوبصورت انداز میں لکھی گئی ہیں۔ مولانا شرافت نوشاہی ان بیاضوں کے متعلق لکھتے ہیں:

> "یہ تینوں بیاضیں مولانا شائقؔ رسول نگری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں کافی مقدار میں علمی سرمایہ جمع کیا ہے۔ تقریباً ایک سو ستر کتابوں سے زیادہ کا ان میں انتخاب درج کیا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوّف، طب، لغت، عروض، تاریخ، عملیات، صرف، نحو، منطق، ادب، معانی، مناظرہ اور مناقب وغیرہ کے مضامین زیبِ قرطاس کئے ہیں[۲]۔"

۱ے فہرست مخطوطاتِ شیرانی جلد اول ص ۱۴۷

۲ے شریف التواریخ (مسودہ)

غلام رسول گجراتی (وھابی نجدی دیوبندی)

"انہی" ضلع گجرات کا ایک گاؤں ہے جس کی شہرت کا سبب استاذ العلماء مولانا غلام رسول کی ذاتِ والا صفات ہے۔ اُن کے مفصّل حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہیں۔

اُنہوں نے مولانا سلطان احمد کے مدرسہ موضع نو تھہ (ضلع اٹک) میں تعلیم حاصل کی۔ معقولات میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ روایت ہے کہ اُن کی درس گاہ سے فارغ شدہ طلبہ جب دورہ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند جاتے تھے تو دارالعلوم دیوبند کے مدرّسین ان طلبہ کے امتحان کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے "انہی" کا نام ہی اُن کی قابلیّت اور اہلیّت کی ضمانت ہوتا تھا۔[1]

مولانا غلام رسول نے ترجمۂ قرآن مولانا حسین علیؒ سے پڑھا تھا اور سلسلۂ نقشبندیہ میں اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

۱۳۵۱ھ / ۳۳-۱۹۳۲ء میں وفات پائی۔ اُن سے ایک عالم نے فیض اُٹھایا۔ زیرِ نظر "تذکرہ" میں اُن کے نامور شاگردوں کے حالات موجود ہیں۔

۱؎ سوانح حضرت مولانا حسین علی ص ۵۷

مفتی غلام سرور لاہوری

مفتی غلام سرور بن مفتی غلام محمد بن مفتی رحیم اللہ قریشی ۱۲۴۴ھ / ۲۹-۱۸۲۸ء میں کوچہ کوٹھی مفتیاں میں پیدا ہوئے۔ ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔

اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مفتی غلام محمد (م ۱۲۷۶ھ) سے حاصل کی۔ اُن ہی سے فنِ طب سیکھا پھر مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور علوم متداولہ کی تحصیل کی۔

مفتی صاحب نے عملی زندگی کا آغاز ملازمت سے کیا۔ ابتدا میں سردار بھگوان سنگھ (آنریری مجسٹریٹ لاہور و جاگیردار فتح گڑھ چوڑیاں) کی جائیداد کے منتظم رہے۔ پھر رائے بہادر کنہیا لال[1] ایگزیکٹو انجنیئر لاہور کے دفتر میں بطور منشی ملازم ہوئے[2]۔ لیکن جلد ہی ملازمت ترک کر کے ہمہ تن علم و ادب کی گیسو آرائی میں مصروف ہو گئے اور ساری

---

[1] کنہیا لال (م ۱۳۰۶ھ) مفتی غلام سرور کے شاگردوں میں سے تھا۔ اس کی زندگی کا زیادہ حصہ لاہور میں گزرا۔ تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتا تھا۔ اس کی کئی کتابیں ہیں جن میں ظفر نامۂ رنجیت سنگھ، تاریخ پنجاب اور تاریخ لاہور بہت معروف ہیں۔ فارسی اور اُردو میں شعر کہتا تھا اور ہندی تخلص کرتا تھا۔

مفتی صاحب کا قدردان تھا۔ اُن کی کتابوں کے آخر میں کنہیا لال ہندی کے قطعاتِ تاریخ ملتے ہیں۔ مولوی فیروز الدین نے لکھا ہے کہ "(مفتی صاحب نے) کئی کتابیں تصنیف کیں جو لالہ کنہیا لال کے نام سے شائع ہوئیں اور اُن پر بیش قرار معاوضے ملے"

(جہادِ زندگی ص ۱۲۰)

[2] جہادِ زندگی ص ۱۲۰

زندگی اسی گلستان کے گل بوٹے سنوارنے میں گزار دی۔

مفتی صاحب شگفتہ مزاج، ملنسار اور عبادت گزار صوفی تھے۔ سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت تھے۔ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء میں ارضِ حجاز میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) سے چشتی سلسلے میں تعلق پیدا کیا۔ مگر اُنہیں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی ذات و خدمات سے از حد دلچسپی تھی۔

مفتی صاحب کی طبیعت میں استغنا اور قناعت پائی جاتی تھی۔ حکامِ وقت سے دور رہتے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو ادنیٰ کوشش سے "شمس العلماء" کا خطاب حاصل کر سکتے تھے مگر اُنہوں نے علم و ادب کی خدمت ان خواہشات سے بے نیاز ہو کر کی۔ سر سید احمد خان (م ۱۳۱۵ھ) کے متجددانہ خیالات سے اختلاف کرتے تھے۔ ۱۸۸۴ء/۲-۱۳۰۱ھ میں سر سید احمد خان "زندہ دلانِ پنجاب" کا تعاون حاصل کرنے پنجاب آئے۔ لاہور میں ڈپٹی برکت علی اُن کے دوست تھے، اُن ہی کے ہاں قیام تھا۔ ڈپٹی برکت علی نے معززین لاہور کو اپنے ہاں مدعو کیا تاکہ سر سید احمد خان اُن سے اپنے دل کی بات کہیں اور علی گڑھ کالج کے لئے اُن کا تعاون حاصل کریں۔ ان معززین میں مفتی صاحب بھی شامل تھے۔ سر سید احمد خان غائبانہ طور پر اُن سے متعارف تھے۔ ملاقات پر خوشی کا اظہار کیا اور کوئی کام اُن کے ذمے کرنا چاہا۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ میں گوشہ نشین آدمی ہوں تصنیف و تالیف میرا شغل ہے۔ اُنہوں نے اپنے گرد جو افراد اکٹھے کئے ہیں وہی ان کے مقاصد کے لئے موزوں ہیں۔ نیز جماعتی اتحاد کے لئے عقائد کی ہم آہنگی بھی ضروری ہے۔ سر سید اُن کا یہ جواب سُن کر خاموش ہو گئے۔

جون ۱۸۹۰ء/۱۳۰۷ھ میں اپنے برادر زادہ مفتی جلال الدین بن مفتی سید محمد کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد ہیضہ میں مبتلا ہو گئے اور سفر میں ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ/۱۴ اگست ۱۸۹۰ء کو وفات پائی۔ مولانا غلام دستگیر

قصوری اُن کے رفیقِ سفر تھے۔ اُنہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور میدانِ بدر کے قریب بیر بالا حسانی میں دفن کئے گئے۔[1]

روضۂ زیارتِ نبویؐ کے بارے میں اُنہوں نے کہا تھا ع

ابھی سرور نے کی ہے سرورِ عالم کی پابوسی

۱۳۰۷ھ

یہی مصرعہ اُن کے لئے مصرعۂ تاریخِ وفات ہے۔

مفتی صاحب بلند پایہ عالم، مورّخ، تذکرہ نگار، تاریخ گو اور شاعر تھے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

تاریخ، تذکرہ اور مناقب

۱۔ خزینۃ الاصفیاء (فارسی، تالیف مابین ۱۲۸۰ھ و ۱۲۸۵ھ)

۲۔ حدیقۃ الاولیاء (اُردو، تالیف ۱۲۹۲ھ)

۳۔ مدینۃ الاولیاء (اُردو)

۴۔ بہارستانِ تاریخ (گلزارِ شاہی) ہندوستان کی عام تاریخ (اُردو، تالیف ۱۲۹۰ھ)

۵۔ تاریخ مخزنِ پنجاب (اُردو، تالیف ۱۲۸۵ھ)

۶۔ مناقب غوثیہ (اُردو، تالیف ۱۲۷۷ھ) شیخ محمد صادق شہبانی کی فارسی تالیف کا ترجمہ

اخلاقیات

۷۔ مخزنِ حکمت (اُردو، تالیف ۱۲۸۸ھ، نظرِ ثانی ۱۲۹۶ھ)

---

[1] ذکرِ جمیل ص ۱۰۳

۸۔ تحفۃ الابرار۔ منظوم اُردو ترجمہ پند نامہ عطّار

۹۔ گلشنِ سروری۔ (منظوم اُردو۔ تالیف ۱۲۸۹ھ)

۱۰۔ تحفۂ سروری (″ ۔ تالیف ۱۲۹۷ھ)

۱۱۔ اخلاقِ سروری (اُردو نثر۔ تالیف ۱۲۸۸ھ)

دواوین

۱۲۔ دیوانِ نعت سروری (اُردو و فارسی مطبوعہ ۱۲۹۰ھ)

۱۳۔ دیوان حمدِ ایزدی

۱۴۔ دیوانِ سروری (مطبوعہ ۱۲۸۹ھ)

۱۵۔ کلیات نعتِ سروری

مادہ ہائے تاریخ

۱۶۔ گنجینہ سروری (گنجِ تاریخ) تالیف ۱۲۸۴ھ

۱۷۔ چمن بے نظیر

انشاء

۱۸۔ انشائے یادگارِ اصغری

لُغت

۱۹۔ لغاتِ سروری (زبدۃ اللغات) پانچ برس کی محنت کے بعد ۱۲۹۲ھ میں مکمل ہوئی۔

۲۰۔ جامع اللغات

متفرق

۲۱۔ احوال الآخرت (پنجابی منظوم)

مفتی صاحب کی اولاد میں پانچ فرزند اور ایک صاحبزادی تھیں[1]۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مفتی غلام حیدر　　۲۔ مفتی غلام صفدر

۳۔ مفتی غلام اکبر　　۴۔ مفتی محمد انور

۵۔ مفتی غلام اصغر۔ ۱۲ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اُن کی یاد میں "انشائے یادگارِ اصغری" تالیف ہوئی تھی۔

---

[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۲۱

سیّد غلام شاہ شجاع آبادی (شیعہ رافضی اہل تشیع)

مولانا سیّد غلام شاہ بن سلطان علی نقوی تحصیل شجاع آباد کے ایک گاؤں شادی کچالہ میں ۱۲۸۹ھ/۷۳-۱۸۷۲ء کے حدود میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اہل سنّت کے مدارس میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ خاندان کے تمام افراد شیعہ مسلک رکھتے تھے مگر سیّد غلام شاہ اہلِ سنّت اساتذہ کے زیرِ اثر اپنے خاندان سے کٹ گئے اور سنّی عالم اور واعظ کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ بعد میں دوبارہ آبائی مسلک اختیار کر لیا۔ تبدیلی مسلک کے بارے میں جناب سیّد مرتضیٰ حسین فاضل صاحب نے لکھا ہے کہ مولانا سیّد غلام شاہ کے فرزند سیّد امیر حسین نقوی نے سیّد محمود الحسن نقوی (سیّد غلام شاہ صاحب کے چچازاد بھائی) کے زیرِ اثر آباؤ اجداد کا مسلک اختیار کیا تو مولانا سیّد غلام شاہ نے انہیں مناظرے کا چیلنج دیا۔ چنانچہ دونوں نقطہ ہائے نظر کے علماء نے مسئلہ فدک پر بحث و مباحثہ کیا۔ اس بحث و مباحثہ کے نتیجے میں سیّد غلام شاہ صاحب بھی اپنے بیٹے کی طرح شیعہ ہو گئے۔[۱]

مولانا سیّد غلام شاہ نے باقی ماندہ عمر شیعہ مسلک کی خدمت میں بسر کی ۱۳۵۴ھ/۳۶-۱۹۳۵ء میں فوت ہوئے۔

---

[۱] ملخص از مطلع انوار ص ۳۳۶-۳۳۷

غلام عباس ملتانی (شیعہ رافضی اہل تشیع)

مولانا سید غلام عباس بن نجف حسین رسول پور ضلع گوڑ گانوہ کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی کتابیں گھر پر پڑھیں۔ مولانا سید حامد حسین سے تکمیلِ علوم کی۔ استادِ محترم کے حکم پر تبلیغِ مسلک کی خاطر ملتان گئے۔ ملتان میں مسجد شاہ گردیز کے قریب سکونت اختیار کی اور تعلیم مسائل و جمعہ کا سلسلہ شروع کیا۔

۱۳۰۸ھ/۹۱-۱۸۹۰ء میں حیدر آباد دکن کے سرکاری کالج میں بطورِ استاد تعینات ہوئے چودہ سال بعد حیدر آباد سے حج و زیارات کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں انہوں نے افاضلِ عراق سے اجازت حاصل کی۔ ۱۷ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ کو آیت اللہ شیخ محمد تقی النجفی الاصفہانی بن محمد باقر نے انہیں اجازہ دیا جس پر مرزا محمد ہاشم، شیخ محمد مہدی نجفی اور آقای رازی کی مہریں ثبت ہیں۔ دوسرا اجازت نامہ آیۃ اللہ حجۃ الاسلام مرزا محمد حسن شیرازی نے عنایت کیا۔ محرم ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء کو واپس وطن آئے اور اسی سال ۱۵ محرم کو داعیِ اجل کا پیغام آگیا۔[1]

مولانا غلام عباس ملتانی کی اولاد میں سید حیدر عباس صاحب ملتان میں مقیم ہیں۔

---

[1] ملخص از مطلع انوار ص ۳۲۷

خواجہ غلام فرید

خواجہ غلام فرید بن خواجہ خدا بخش بن میاں احمد علی بن قاضی محمد عاقل ماہ ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ[1]/ ۱۸۴۵ء میں چاچڑاں میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خانوادے میں علم و ادب کی روایت کئی نسلوں سے چلی آ رہی تھی۔ خواجہ غلام فرید ابھی آٹھ سال کے تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا۔ خواجہ غلام فرید کے بڑے بھائی خواجہ غلام فخرالدین سجادہ نشین ہوئے۔ خواجہ صاحب کی عمر بارہ سال کے لگ بھگ تھی کہ والدہ ماجدہ بھی انتقال کر گئیں۔

خواجہ غلام فرید کی پرورش اُن کے برادرِ بزرگ خواجہ غلام فخرالدین نے کی۔ اُنہوں نے خواجہ صاحب کی پرورش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا بعد میں نواب صادق محمد خان (والئی بہاول پور) نے اُن کی تعلیم و تربیت کی۔

خواجہ غلام فرید نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور سوا تیرہ سال کی عمر تک مصروفِ تعلیم رہے۔ اپنے برادرِ بزرگ خواجہ غلام فخرالدین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپنے مرشد کے بارے میں کہتے ہیں:

پشماں فخرالدین مٹھل دیاں تن من کیتا چکنا چور
گھول گھتاں ہیں فخرِ جہاں توں جنت حور قصور

۱۲۸۸ھ/۷۲-۱۸۷۱ء میں خواجہ غلام فخرالدین کی وفات پر مسند نشین ہوئے۔ مسند نشینی کے وقت نواب صادق محمد خان رابع نے چاچڑاں جا کر اُن کی دستار بندی کی اور خلعت

---

[1] تذکرہ نگاروں نے اُن کی تاریخ ولادت میں اختلاف کیا ہے۔ "مناقب فریدی" میں ذی قعدہ ۱۲۶۱ھ اور "پنجابی شاعراں دا تذکرہ" میں رمضان ۱۲۶۱ھ میں لکھا گیا ہے۔

پیش کی۔ نواب صاحب خود خواجہ غلام فرید کے بے پناہ عقیدت مند تھے۔

خواجہ صاحب وسیع المطالعہ اور وسیع المشرب بزرگ تھے اور اُن کی گفتگو میں اکثر علمی نکات ہوتے تھے۔ تاریخ کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ تاریخی مقامات کی سیر اور اُن کے بارے میں معلومات یکجا کرنا اُن کا دل پسند شوق تھا۔ علم انساب کے ماہر تھے۔ جب کبھی اُن کے سامنے کسی بزرگ کا ذکر ہوتا تو فوراً اُن کا نسب نامہ بیان کر دیتے تھے۔

شریعتِ حقہّ پر سختی سے کاربند تھے۔ ہندوانہ رسوم اور غیر شرعی اعمال سے نفرت تھی۔ عورتوں کی بے حجابی اور مردوں سے اُن کا بے باکانہ اختلاط پسند نہیں کرتے تھے۔ سابق ریاست بہاول پور میں بھنگ کا بہت رواج تھا اُنہوں نے بعض بھنگ خوروں کا سوشل بائیکاٹ کیا۔ حلوت پسند، کم گو اور کم خور بزرگ تھے۔ نظافت پسند، سادہ طبیعت اور جود وسخا میں بے مثال تھے۔ چشتیہ مسلک کے مطابق قوالی کے شائق تھے۔ آخری زندگی میں قادری سلسلے کے اذکار و اشغال اُن پر غالب تھے۔

۱۲۹۲ھ/۷۵-۱۸۷۴ء میں فریضۂ حج ادا کیا اور ساٹھ سال کی عمر میں ۶ ربیع الاولیٰ ۱۳۱۹ھ/ ۲۳ جون ۱۹۰۱ء کو فوت ہوئے۔ کوٹ مٹھن میں مدفون ہوئے۔ قطعۂ تاریخ وفات یہ ہے:

مرشد شاہِ ما غلام فرید	الذی کان راضیًا برضاہ
شاہ ملکِ طریقت و عرفاں	صاحب العز والبہا والجاہ!
نامیٔ غیر مثبت واحد	ذکرہ لا الہ الا اللہ
اعتقادش بدل خلائق را	وصفہ فی اللسان والافواہ
ترکِ دُنیا نمود و رحلت کرد	غمنا بالفراق وامغاہ
روح والاش چوں صعود نمود	سر من کان فی السماء بلقاہ
ہر مقامے کہ بود طے فرمود	قد علا قدرہ وما اعلاہ

جائگاہش بجوارِ رحمت باد جعل اللہ جنت" مثواہ
سالِ ترحیل او عزیز بگفت
جائے مثوی لۂ و طاب ثراہ[1]

۱۳۱۹ھ

خواجہ غلام فرید سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ فوائدِ فریدیہ۔ (توحید اور دوسرے اعتقادی مسائل)

۲۔ دیوانِ فرید (اردو)

۳۔ دیوانِ فرید (پنجابی)

اُن کے ملفوظات مولانا رکن الدین نے "ارشاداتِ فریدی" کے نام سے مرتب کئے ہیں۔ خواجہ صاحب پنجابی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ اُن کا کلام وارداتِ عشق اور مسائلِ تصوّف سے لبریز ہے۔ اُن کی منظومات کے تراجم اُردو کے علاوہ مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

خواجہ صاحب نے "ٹوبہ ترادا" (چولستان) میں ایک عرصہ قیام کیا تھا اور اسی علاقے کی ایک دوشیزہ سے شادی کی تھی۔ اُن کی اولاد میں ایک دختر اور ایک فرزند خواجہ محمد بخش نازکؔ تھے۔ خواجہ نازکؔ اُن کے جانشین ہوئے۔

---

[1] گوہر شب چراغ بحوالہ "خواجہ غلام فرید"، ص ۸۴

غلام قادر بھیروی

مولانا عبدالقادر (معروف بہ غلام قادر) بن غلام حیدر بھیرہ ضلع سرگودہا کے ایک دیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام قادر کے والدِ ماجد غلام حیدر صاحبِ علم اور دیندار انسان تھے۔ اُنھوں نے اپنے صاحبزادے کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ دی۔

مولانا غلام قادر نے ابتدائی درسی کتب مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا احمد الدین بگوی سے پڑھیں۔ کچھ عرصہ بعد دہلی کا رُخ کیا اور مفتی صدر الدین آزردہ (م ۱۲۸۵ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

۱۸۵۷ء/۱۲۷۳ھ کی جنگِ آزادی کے فوراً بعد لاہور آئے اور "اونچی مسجد اندرون بھاٹی گیٹ" میں فرائضِ خطابت و وعظ انجام دینے لگے۔ بعد میں "بیگم شاہی مسجد" کی متولیہ بائی جیواں نے اُن کی خدمات اپنی مسجد کے لئے حاصل کر لیں۔ اُنھیں اپنا متبنیٰ بنایا اور مسجد کی تولیت بھی اُن کے سپرد کر دی۔ مؤلف "تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور"، کا قیاس ہے کہ مولانا غلام قادر ۱۸۷۲ء/۸۹-۱۲۸۸ھ سے پہلے اس مسجد میں تشریف لے آئے تھے۔[۱]

مولانا غلام قادر ۱۸۷۹ء/۹۷-۱۲۹۶ھ میں اورینٹل کالج لاہور سے بحیثیت مدرس دوم (عربی) منسلک ہوئے اور ۱۸۸۱ء/۹۹-۱۲۹۸ھ میں الگ ہوئے۔[۲] اس کے بعد مدرسہ نعمانیہ لاہور

---

[۱] تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور ص ۲۲۴-۲۲۵

[۲] تاریخ اورینٹل کالج ص ۲۱۱

میں درس و تدریس کرتے رہے۔

مولانا غلام قادر ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ / ۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء کو فوت ہوئے اور بیگم شاہی مسجد کے جوار میں دفنائے گئے۔ مولانا محمد عالم آسی امرتسری نے "منبع فیض ربِ جلیل" سے سالِ وفات نکالا ہے۔

مولانا غلام قادر بلند پایہ مدرس تھے۔ مولانا عبدالحئی رائے بریلوی نے لکھا ہے:

"لم یکن لہ نظیر فی پنجاب فی کثرۃ الدرس والافادہ"[1]

جناب حکیم احمد شجاع مرحوم نے "بھاٹی گیٹ لاہور" کے گرد و نواح میں رہائش پذیر علماء و فضلاء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"عربی اور فارسی کے علوم میں اُن (مولانا غلام قادر) کو وہ دستگاہ حاصل تھی کہ بڑے بڑے عالم و فاضل اُن کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے تھے۔ میرے والد (حکیم شجاع الدین احمد مرحوم) جو اپنی زندگی کے ابتدائی زمانے میں دہلی میں قاضی القضاۃ ہند صدر الصدور مفتی صدر الدین سے اکتسابِ علم کر چکے تھے۔ عربی زبان کے فاضلِ اجل ہونے کے باوجود اپنی عربی اور فارسی زبان کی تصنیفات مولانا غلام قادر ہی کو دکھاتے اور ان سے اصلاح لیتے تھے۔ مجھے اپنے بچپن میں اُن کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور میں نے اکثر دیکھا کہ وہ درسِ قرآن دیتے وقت بھُنے ہوئے چنے اور منقّیٰ چباتے رہتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اسی پر اُن کی خوراک کا دار و مدار ہے۔ ہاں میں نے یہ بھی دیکھا کہ اُن کے درس و تدریس کا سلسلہ ان ہی لوگوں تک محدود رہے جو علم و فضل میں منتہائے کمال کو پہنچ چکے تھے۔ بچوں کو

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۳۴۹

درسِ قرآن دینے کے لئے اُن کے ایک شاگرد اور مُرید تھے جو قاضی جی کہلاتے تھے۔ اس فقیر گوشہ نشین کو میں نے اس زمانے میں دیکھا جب مجھ میں اُن کے علم وفضل کو پرکھنے کی استعداد نہ تھی۔ پھر بھی مجھے فخر ہے کہ اِس مردِ حق آگاہ نے مجھے آغازِ کلام اللہ کے وقت بسم اللہ پڑھائی۔[1]

مولانا غلام قادر متشدّد حنفی تھے۔ انھوں نے اپنی مسجد میں حسبِ ذیل کتبہ لگوایا ہوا تھا:

"باتفاق انجمن حنفیہ وحکمِ شرع قرار پایا کہ کوئی وہابی، رافضی، نیچری، مرزائی مسجد ہذا میں نہ آئے اور خلافِ مذہب حنفی کوئی بات نہ کرے۔

فقیر غلام قادر عفی عنہ متولّی بیگم شاہی مسجد

کتبہ: عبدالحمید خوشنویس

اگر اُن کی مسجد میں کوئی اہل حدیث نماز پڑھ لیتا تو نہ صرف وہ مسجد کا فرش دھلاتے بلکہ بعض اوقات مسجد کا فرش اکھڑوا دیتے اور نیا فرش لگواتے تھے۔

مولانا غلام قادر سلسلہ چشتیہ میں خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے بیعت تھے۔ اور اُن سے مجازِ بیعت تھے۔ مولانا مرحوم کی حسبِ ذیل تصنیفات ملتی ہیں:[2]

۱۔ اسلام کی گیارہ کتابیں
۲۔ نمازِ حضوری
۳۔ نمازِ ضروری
۴۔ ختماتِ خواجگان
۵۔ حقیقت انوارِ محمدیہ
۶۔ شمس الحنفیہ بجواب نور الحنفیہ

---

[1] لاہور کا چیلسی۔ نقوش شمارہ نمبر ۱۰۴ ص ۲۲

[2] تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت ص ۲۳۰-۲۳۱

۷۔ جوہرِ ایمانی ۸۔ نورِ ربّانی فی مدح محبوب السبحانی

۹۔ عکازہ در صلوٰۃ الجنازہ

۱۰۔ شوارقِ صمدیہ ترجمہ بوارق محمدیہ فی رجم الشیاطین النجدیہ (تالیف: مولانا فضل رسول بدایونی)

۱۱۔ فاتحہ خوانی ۱۲۔ شمس الضحیٰ فی مدح خیر الوریٰ

مولانا غلام قادر کی اولاد میں دو صاحبزادے (مولانا رفیع الدین اور مولانا زین العابدین) اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

غلام قادر پنجن آبادی

مولانا غلام قادر سابق ریاست بہاول پور کے ایک بزرگ عالم تھے۔ اُنہوں نے مولانا اللہ بخش بہاول نگری کے ہمراہ حصولِ تعلیم کے لئے وسطِ ہند کا سفر کیا۔ علومِ دینیہ کی تحصیل کے بعد پنجن آباد آ گئے اور ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ رجب ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء تک تشنگانِ علوم دینی کی پیاس بجھا رہا تھا۔[1]

مولانا غلام قادر نے نہ صرف مسلمانوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا بلکہ اُن کی معاشی بہبود کے لئے بھی کوشاں رہے۔ مفلوک الحال غریب مسلمانوں کو، جو قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ مالی امداد دے کر اُنہیں اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔

مولانا غلام قادر کے مفصل حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہیں۔ محمد پور سنساراں ضلع بہاول نگر میں مدفون ہیں۔

---

[1] ذکرِ کرام ص ۲۱

غلام محمد قادری لاہوری

مولانا حافظ غلام محمد قادری المعروف بہ امام گاموں بن حافظ محمد صدیق بن حافظ محمد حنیف بن محمد لطیف ایک صاحبِ علم خانوادے کے گلِ سرسبد تھے۔ اُن کے دادا حافظ محمد حنیف کابل سے ترکِ سکونت کر کے پنجاب آئے اور مستقل طور پر لاہور میں اقامت گزین ہو گئے۔ حافظ محمد حنیف جیّد عالم تھے مگر اس خاندان کی شہرت مولانا حافظ محمد صدیق (م ۱۱۹۳ھ) سے ہوئی۔ حافظ محمد صدیق قابل مدرّس، جیّد عالم اور صاحبِ تصنیف و تالیف تھے۔ اُن کی علمی یادگاریں آج بھی قابلِ توجّہ ہیں۔

مولانا حافظ غلام محمد علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سکھاشاہی میں لاہور کی اکثر مساجد بارود خانوں اور گھوڑوں کے اصطبلوں کے طور پر استعمال ہوتی رہی تھیں مگر مسجد وزیر خان مولانا غلام محمد کے سبب سکھوں کی دستبرد سے محفوظ رہی۔ اُن کے علم و نظر کے پیشِ نظر اہلِ لاہور اُنہیں عزّت و احترام سے دیکھتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی ان کا احترام کرتا تھا۔ جملہ تذکرہ نگار اُن کے علم و نظر کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں[1]۔

مولانا غلام محمد نیک طینت اور نیک دل بزرگ تھے۔ اہل اللہ کی مجالس میں بیٹھتے اور درویشوں کی خدمت میں لُطف محسوس کرتے تھے۔ بہت اچھے خوشنویس تھے۔ کتابت سے جو کچھ حاصل ہوتا۔ درویشوں اور غرباء میں تقسیم کر دیتے تھے۔ سیّد عبداللہ شاہ قادری بلوچ کے مرید تھے۔

---

[1] رک: حدائق الحنفیہ، حدیقۃ الاولیاء، و تاریخ لاہور وغیرہ

اُن کے دم قدم سے مسجد وزیر خان کا مدرسہ تشنگانِ علم کا مرجع تھا۔ وہ اپنے طلبہ کی ضروریات کا بہت خیال رکھتے تھے اور اُن کے دُکھ درد میں شریک رہتے تھے۔ آخر دم تک مسجد وزیر خان کی امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ اُن کا وعظ پُرتاثیر ہوتا تھا۔ ۱۲۴۴ھ/۲۹-۱۸۲۸ء میں فوت ہوئے[۱] اور مسجد وزیر خان کے باہر جنوب کی طرف دفنائے گئے۔

مولانا غلام محمد صاحبِ تصانیف تھے۔ اُن کی مندرجہ ذیل کتابیں معروف ہیں۔

۱۔ شمس التوحید

۲۔ گنجِ مخفی (منظوم)

مولانا غلام محمد فارسی زبان میں شعر کہتے تھے اور غریبؔ تخلّص کرتے تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی تالیف "حدیقۃ الاولیاء" (تصنیف: ۱۲۹۲ھ) میں لکھا ہے:

"اُن کے عاشقانہ ابیات اب تک زبان زدِ خلق ہیں"[۲]

"گنجِ مخفی" سے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

گنجِ مخفی ست در تو اے دلدار — بے خبر زاں نشستہ چوں مار

خبر شرط است می کنم بشنو — پنبہ از گوش خویش بیروں آر

چیست آں پنبہ خوابِ غفلتِ تو — باش ازیں خواب جانِ من بیدار

گر تو بیدار باشی اے جانم — پیش تو من عجب کنم گفتار

۱۔ بعض تذکرہ نگاروں نے تاریخ وفات ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ لکھی ہے مگر خاندانی ریکارڈ میں ۱۲۴۴ھ درج ہے۔ (حدیقۃ الاولیاء۔ ضمیمہ ثالث)

۲۔ حدیقۃ الاولیاء ص ۲۶۴

گوش جان کن شنو حدیث از من

تا شوی ہمچوں گل تو خوشبو دار

اپنے عقائد اور تخلّص کے بارے میں رقمطراز ہیں:

اے غریب ابن حافظ صدیق — از دل و جاں غلام ہر چار

سُنّی و قادری و حنفی ام — از روافض خوارجی بیزار

گر تو پرسی کہ اسم جسم چیست — تو غلام محمد پندار

در تخلّص غریب پنداری — گر بخوانی تو نظمِ من اے یار

بہ حقیقت اگر نظر بکنی — نہ تخلص نہ اسم و جسم شمار

مفتی غلام محمد لاہوری

مفتی غلام محمد بن مفتی رحیم اللہ بن مفتی رحمت اللہ بن مفتی محمد نقی حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ) کی اولاد میں سے تھے۔ اُن کے اجداد میں سے مخدوم مفتی محمد قریشی معروف بہ میاں کلاں (م ۸۹۱ھ) کو سلطان بہلول لودھی (م ۸۹۴ھ) نے لاہور کا مفتی مقرّر کیا اور وہ ملتان سے لاہور آ گئے۔[۱] اُنہوں نے اندرون موچی دروازہ اپنی رہائش کے لئے ایک حویلی تعمیر کی اور ایک محلّہ آباد کیا۔ اس خانوادے کے حوالے سے "کوٹلی مفتیاں" کے نام سے مشہور ہوا۔

مفتی شیخ محمد قریشی کی اولاد میں علم و افتاء کی روایت قائم رہی اور ہر دَور میں جیّد علماء پیدا ہوتے رہے۔ مفتی غلام محمد علومِ مروّجہ پر عبور رکھتے تھے۔ بالفاظ مولوی رحمان علی "جامع علوم و فنون"[۲] تھے۔ تعلیم و تدریس اور مریضوں کے علاج معالجہ میں مصروف رہتے تھے۔ کتابتِ قرآن سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے تھے۔

مفتی غلام محمد نے اپنے والدِ ماجد سے اکتسابِ فیض کیا اور مولانا غلام رسول لاہوری سے علمی و دینی استفادہ کیا تھا۔

۹ ربیع الاوّل ۱۲۷۶ھ/ ۶ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو فوت ہوئے۔ "خورشید دینِ محمد" ۱۲۷۶ھ سے سالِ وفات نکلتا ہے۔

مفتی غلام محمد مرحوم کی اولاد میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں نے علمی دنیا

---

[۱] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۲۰

[۲] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۶

میں خوب نام پیدا کیا۔

۱۔ مفتی سید محمد لاہوری ـــــ صاحبِ علم و عمل تھے۔ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ ابھی کوٹ مٹھن (سندھ) میں تھے کہ دارِ فانی سے دار البقا کو سدھارے خلاصۃ المدارج، فقہ محمدی اور مخزن الفرائض اُن کی تالیفات ہیں۔

۲۔ حافظ غلام احمد (م ۱۲۹۰ھ)

۳۔ مفتی غلام سرور لاہوری (م ۱۳۰۷ھ)[۱]

---

[۱] ان کا مفصل ترجمہ کتاب میں شامل ہے۔

غلام محمد بگوی

مفتی غلام محمد بگوی بن مولانا غلام محی الدین بگوی ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹-۴۰ء میں بگہ میں پیدا ہوئے۔ علومِ متداولہ کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی۔

حج بیت اللہ کے موقع پر حضرت شاہ عبدالغنی (م ۱۲۹۶ھ) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور سلسلۂ نقشبندیہ میں منسلک ہوئے۔ ان کی رحلت پر خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے وابستہ ہوئے۔ حضرت فقیر محمد تیراہی سے بغایتِ خاطر تعلق تھا۔ چنانچہ صاحبزادہ باولی شریف ضلع گجرات والے فرمایا کرتے تھے کہ:

"بابا جی نے جو کچھ آپ کو دیا کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آیا۔"[1]

مولانا احمد الدین بگوی کی علیحدگی پر ۱۸۶۹ء/ ۱۲۸۶ھ میں شاہی مسجد لاہور کے امام مقرر ہوئے۔[2] موصوف بہت بڑے عالم اور واعظ تھے۔ اُس دور کی اکثر کتابوں پر ان کی تقریظیں اور فتاویٰ پر تصدیقی دستخط ملتے ہیں۔ لاہور کی معاشرتی اور علمی زندگی میں ان کا نمایاں مقام تھا۔

۱۴ر جمادی الاخریٰ ۱۳۱۸ھ/ ۳۰ر ستمبر سنہ ۱۹۰۰ء کو واصل بحق ہوئے۔ مادۂ تاریخ

بجھا ہے پنجاب کا چراغ آہ اب

۱۳۱۸ھ

ہے۔ قبرستان میانی صاحب میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

مفتی غلام محمد بگوی مرحوم کی تحریرات میں سے اکثر فتاویٰ انجمن مستشار العلماء لاہور نے

---

[1] حدائق الحنفیہ ص ۴۸۷

[2] بادشاہی مسجد لاہور ص ۳۲

"فتاویٰ صابریہ" کے نام سے شائع کیے ہیں۔

اُن کے دو نامور صاحبزادے مولوی محمد رفیق بگوی (م ۱۳۳۳ھ / ۱۵-۱۹۱۴ء) خطیب جامع مسجد بگہ اور مولانا محمد شفیق بگوی تھے۔

غلام محمد چکوالی

مولانا غلام محمد بن غلام رسول ۱۲۸۲ھ/۶۶-۱۸۶۵ء میں چکوال ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ اُنھوں نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کی۔ بعد میں مولانا برہان الدین چکوالی سے استفادہ کیا۔ تکمیلِ علم کے لئے سہارنپور کا سفر کیا اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری جیسے فضلائے روزگار کے نام ملتے ہیں۔

درس و تدریس میں زندگی بسر کی۔ وسیع المطالعہ عالم تھے۔ اہلِ علم نے بکثرت اُن سے استفادہ کیا۔ ۱۳۲۵ھ/۸-۱۹۰۷ء میں فوت ہوئے۔[۱]

مولانا غلام محمد چکوالی کی قلمی یادگاروں میں حسبِ ذیل معروف ہیں:

۱۔ شرح متنِ متین (نحو)
۲۔ حاشیہ علی حاشیۃ القاضی مبارک (منطق)

۱؎ نزہت الخواطر ج ۸ ص ۳۵۰

غلام محمد دین پوری (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا ابوالسراج غلام محمد بن سردار حاجی نور محمد خان بن سردار محمد چراغ خان ضلع جھنگ کے اکیانہ بلوچ قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۵۱ھ/۳۶-۱۸۳۵ء میں موضع عالمے خان شرقی ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔

سردار حاجی نور محمد خان ایک دیندار اور درویش صفت انسان تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں تمام کاروبار اپنے بڑے صاحبزادے سردار محمد اسماعیل کے سپرد کردیا تھا اور خود اہل اللہ کی محفلوں میں وقت گزارتے تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے دور دراز کے سفر بھی کئے۔ فریضۂ حج کی بجاآوری کے بعد مستقل طور پر ارضِ حجاز میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ ۱۲۵۸ھ/۴۳-۱۸۴۲ء میں افرادِ کنبہ کو لے کر بارادۂ ہجرت چل پڑے۔ راستے میں بستی "ٹبی کوراٹیاں" پہنچے تو اچانک بیمار ہو گئے اور چند دن بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

خاندان کے سربراہ سردار حاجی نور محمد خان کی اچانک وفات کے سبب یہ خاندان "ٹبی کوراٹیاں" میں رہ پڑا۔ مولانا غلام محمد کی والدہ ماجدہ نے محنت مزدوری کر کے یتیم بچوں کی پرورش کی۔

مولانا غلام محمد نے بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مولانا فقیر اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور شرح جامی تک کتبِ درسیہ پڑھیں۔ اس کے بعد ذاتی مطالعے سے قرآن و سنّت میں درک حاصل کی۔

مولانا غلام محمد "ٹبی کوراٹیاں" میں مقیم تھے کہ انہوں نے اپنی بڑی بہن کا رشتہ بلوچ قبیلے سے باہر ایک کمہار سے کر دیا۔ ٹبی کوراٹیاں کے بلوچوں نے اسے اپنی ہتک

خیال کیا اور موقع پاکر کمہار مذکور کو قتل کر دیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کمہار مذکور کے شیر خوار بچے (مولانا غلام محمد کے بھانجے) کو بھی بھوکا پیاسا رکھ کر مار ڈالا۔ اس سانحہ کے بعد مولانا غلام محمد نے ٹبی کورائیاں کی سکونت ترک کر دی اور بستی گھوٹیہ (علاقہ خانپور) آ گئے۔ آخر میں ۱۸۷۶ء/۱۲۹۳ھ کے لگ بھگ "دین پور" آ گئے جو اُن کے دم قدم سے نہ صرف آباد ہوا بلکہ اسم با مسمّٰی ہو گیا۔

مولانا غلام محمد نے سلسلہ قادریہ میں مولانا محمد صدیق بھرچونڈوی (م ۱۳۰۸ھ) سے بیعت کی تھی۔ تقریباً ۲۸ سال اُن کی صحبت میں رہے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ مولانا غلام محمد عابد و زاہد بزرگ تھے اور حلقۂ صوفیا میں مقام بلند رکھتے تھے۔ خواجہ غلام فریدؒ کو اُن سے تعلقِ خاطر تھا۔ مولانا غلام محمدؒ کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ:

> "اکثر چاچڑاں شریف سے باہر جاتے ہوئے دین پور شریف سے متصل سڑک پر سے آپ (خواجہ غلام فریدؒ) کا گزر ہوتا۔ آپ پالکی پر سوار ہوتے لیکن جوں ہی دین پور شریف کی حدود کے قریب آتے سواری سے اُتر جاتے اور تھوڑی دور پیدل چل کر آگے جا کر سوار ہوتے"[1]

مولانا غلام محمد کو علمائے دیوبند سے خصوصی لگاؤ تھا۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے دین پور میں ابتدائی تعلیم پائی تھی۔ ۱۹۱۱ء/۱۳۲۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کے تعارف کے لئے مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) حافظ محمد احمد (م ۱۳۴۰ھ) اور مولانا عبیداللہ سندھی نے سندھ کا دورہ کیا۔ یہ وفد دورانِ سفر میں دین پور میں ٹھہرا۔ واپسی پر مولانا غلام محمد وفد کے ساتھ کراچی تک گئے۔ اپریل ۱۹۱۲ء/۱۳۳۰ھ میں اُنہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی خصوصی دعوت پر دارالعلوم دیوبند کے جلسۂ دستار بندی میں شرکت کی۔ اس موقع پر

---

[1] یدِ بیضا ص ۹۳

اُنہوں نے اکابرِ دیوبند سے خصوصی ملاقاتیں کیں۔ دیوبند سے واپسی پر فرمایا کرتے تھے:

"ہم پہلے دیوبند کو مولویوں کا ایک مرکز خیال کرتے تھے مگر وہاں جاکر ہم نے بے شمار عام لوگوں پر انوارِ الٰہی کی بارش برستی دیکھی ہے۔ خواص کی تو کچھ بات ہی اور تھی۔"[۱]

مولانا غلام محمد نے "تحریکِ ریشمی رومال" میں حصّہ لیا اور گرفتار ہوئے[۲] مولانا عبدالقادر دین پوری کے ہمراہ جالندھر میں چھ ماہ نظر بند رہے۔

مولانا غلام محمد نے ۱۹۲۲ء/۱۳۴۰ھ میں اپنے مرشد حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی اور سید محمد راشد رح (مرشد حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی) کے نام پر دین پور میں "مدرسہ صدیقیہ راشدیہ" قائم کیا جو آج تک علمی و دینی خدمات میں سرگرم ہے۔ اس مدرسہ میں مولانا عبدالقادر دین پوری، مولانا عبداللہ لغاری (شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی) مولانا غلام صدیق حاجی پوری، مولانا عبدالرزاق اور مولانا عبداللہ درخواستی جیسے علماء و مدرسین نے تعلیم و تدریس کی ہے۔

۱۹۲۳ء/۱۳۴۱ھ میں فریضۂ حج ادا کیا۔ مولانا غلام محمد نے وجع المفاصل کے عارضے میں ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ/۲۴ مارچ ۱۹۳۶ء کو وفات پائی۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دین پور میں دفنائے گئے۔

مولانا سید محمد زمان نیازی ہمدانی نے قطعۂ تاریخ وفات کہا۔ جس کے آخری دو شعر یہ ہیں ع

۱۔ ید بیضا ص ۱۰۷

۲۔ تفصیل کے لئے "ید بیضا"، "تحریکِ شیخ الہند" اور "نقش حیات"

ہر کہ رفت از دارِ دُنیا باز ناید ہیچ گاہ !
بے اثر است گرچہ نالہ ہر کسے صبح و مسا
اے نیازی ! طبعِ من از بہرِ تاریخش بگفت
"قبلہ اربابِ معنی پیشوائے اتقیاء"[لہ]

۱۳۵۴ھ

مولانا غلام محمد دین پوری سے خلقِ کثیر نے استفادہ کیا۔ اُن کے بارِ خلافت کو حسبِ ذیل بزرگوں نے اٹھایا:

۱۔ مولانا حسین احمد مدنی

۲۔ مولانا احمد علی لاہوری

۳۔ مولانا عبدالہادی دین پوری

مولانا غلام محمد نے دو شادیاں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اولاد دی مگر سلسلۂ نسل تین صاحبزادوں اور تین صاحبزادیوں سے چلا۔ ان میں سے پہلی اہلیہ سے دو صاحبزادے مولانا عبدالہادی اور میاں رشید احمد ہیں۔ دوسری اہلیہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی دختر تھیں۔ اُن سے ایک صاحبزادے میاں ظہیر الحق پیدا ہوئے۔

لہ ید بیضا ص ۱۹۷

غلام محمد گھوٹوی

مولانا غلام محمد گھوٹویؒ راجپوت کنگ برادری کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۸۸۶ء / ۰۴-۱۳۰۳ھ میں گجرات کے نواحی قصبے گرالی میں پیدا ہوئے۔ خاندان کی گزر بسر کھیتی باڑی پر تھی۔ انہوں نے قصبہ مگھووال کے پرائمری سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد چکوڑی (ضلع گجرات) میں مولانا محمد چراغ سے فارسی اور صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ اُن کے خاندان والوں کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے آبائی پیشہ کو اپنا لیں اور گھر سے باہر مسجدوں اور مکتبوں میں نہ پڑے رہیں مگر اُن کی لگن تھی کہ وہ خاندان والوں کو بتائے بغیر چکوڑی سے گھوٹہ (ضلع ملتان) منتقل ہو گئے اور مولانا حافظ محمد جمال گھوٹوی کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔ کافیہ ابن حاجب سے لے کر قطبی اور میبذی تک کتابیں اُن سے پڑھیں۔ بعد میں اُستاد محترم گھوٹوی کے ارشاد پر مولانا سیّد غلام حسین کی خدمت میں موضع تیلیری (ضلع مظفر گڑھ) حاضر ہوئے۔ کچھ عرصہ یہاں رہ کر موضع چکی (ضلع اٹک) میں مولانا محمد زمان کے پاس پہنچے۔ یہاں بھی زیادہ عرصہ مقیم نہ رہے اور مدرسہ نعمانیہ لاہور میں داخل ہو گئے۔ حافظ غلام احمد حافظ آبادیؒ کی نگرانی میں طبیعات اور ریاضی کی تکمیل کی۔ یہاں سے مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) سے استفادہ کے لیے کانپور گئے دو سال اُن سے ادبِ عربی اور معقولات کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اُن کی وفات پر مولانا فضل حق رامپوری (م ۱۳۵۸ھ) کے درس میں شریک رہے۔ صحاح ستہ اور کتبِ طب مولانا وزیر حسن رامپوری سے پڑھیں۔

فارغ التحصیل ہوئے تو مدرسہ عالیہ رامپور میں مدرّس ہو گئے۔ تین سال کے بعد مولانا حافظ محمد جمال گھوٹوی نے انہیں گھوٹہ بلا لیا اور وہ یہاں آ گئے۔ بیس سال گھوٹہ

اُن کے علم و فضل کی بدولت مرجع طلبہ رہا۔ گھوٹہ میں آنے کے تیرہ سال بعد وطن مالوف گئے۔ اہلِ خاندان نے بہت کوشش کی کہ وہ "گمرالی" آجائیں مگر انہوں نے یہ کہہ کر گمرالی میں سکونت اختیار نہ کی کہ جس گاؤں کی سکونت اللہ کی راہ میں ترک کردی تھی۔ اب وہاں قیام موزوں نہیں۔

سابق ریاست بہاول پور میں جامعہ عباسیہ بہاول پور (حال اسلامیہ یونیورسٹی) کی بنیاد رکھی گئی تو اس کی کرسی صدارت کے لیے نواب بہاول پور کی نگاہ مولانا غلام محمد گھوٹوی پر پڑی چنانچہ ۲۵ رجون ۱۹۲۵ء/ ۳ر ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ کو انہوں نے بحیثیت "شیخ الجامعہ" جامعہ عباسیہ، ریاست کی ملازمت اختیار کی۔ تقریباً بائیس سال اسی عہدۂ جلیلہ پر فائز رہ کر ۲۸ر فروری ۱۹۴۷ء / ۷ر ربیع الآخری ۱۳۶۶ھ کو سبکدوش ہوئے۔

مولانا غلام محمد اپنے علم و فضل کی بنا پر علماء کے ہر طبقے میں عزّت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ علمائے دیوبند سے اُن کے اچھے روابط تھے اور اُن سے خط و کتابت رکھتے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ بمبئی سے جہاز میں سوار ہونا تھا۔ راستے میں دیوبند گئے اور مولانا محمود حسن سے ملے۔ سماعِ موتیٰ کے مسئلہ پر دونوں بزرگوں کا اختلاف تھا مگر مولانا محمود حسن نے بھرپور اپنایت کا اظہار کیا۔

فتنۂ قادیانیت کے تعاقب میں نہایت سرگرم تھے۔ اہلِ سنت مناظرین کے حوصلے بڑھاتے تھے۔ مشہور مقدّمہ بہاول پور میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

مولانا غلام محمد سیاسی طور پر ابتداءً انڈین نیشنل کانگرس سے وابستہ تھے اور ملتان ڈویژن کے صدر تھے بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور تحریکِ پاکستان کے لیے دامے، درمے، قدمے، سخنے کام کیا۔

مولانا گھوٹوی ابتدائی زمانۂ تعلیم میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے دامنِ الفت سے وابستہ ہو گئے تھے۔ مولانا محمد چراغ چکوڑوی پیر صاحب کے ارادت مند تھے اور پیر مہر علی شاہ مرحوم سیال شریف جاتے ہوئے چکوڑی میں قیام کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک سفر میں پیر صاحب نے مولانا غلام محمد کے بارے میں کلماتِ تحسین کہے کہ "طالب علم ہونہار دکھائی دیتا ہے"۔ چنانچہ مولانا، پیر صاحب سے بیعت ہوئے۔

مولانا غلام محمد ۸ مارچ ۱۹۴۸ء / ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ کو بہاول پور میں فوت ہوئے اور قبرستان ملوک شاہ میں دفنائے گئے۔ لواحقین میں دو صاحبزادے مولانا عبدالحئی چشتی اور مولانا حافظ غلام احمد ہیں:

مولانا گھوٹوی کا حلقۂ تلامذہ بہت وسیع ہے۔ کم و بیش پینتالیس سال تعلیم و تدریس سے وابستہ رہے۔ سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا ہوگا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا مہر محمد اچھروی مدرس مدرسہ فتحیہ اچھرہ
۲۔ مولانا محمد ذاکر بانی جامعہ محمدی شریف۔ جھنگ
۳۔ علامہ رحمت اللہ ارشد بہاول پوری
۴۔ پیر ولایت شاہ گجراتی
۵۔ مولانا محمد اسماعیل سجادہ نشین موسیٰ زئی شریف
۶۔ مولانا عبدالرزاق سجادہ نشین نچر پور
۷۔ مولانا حافظ محمد شفیع مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۸۔ مفتی محمد امین بہاول پور

غلام محمد جلوانوی

مولانا غلام محمد بن میاں محمد فاضل راجپوت سدیانہ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۹۳ء/ ۱۳۱۰-۱۱ھ کے لگ بھگ چک نمبر ۱۹۱-گ۔ب مخدوماں ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ ساتویں جماعت میں پڑھتے تھے کہ سید شیر محمد شاہ گیلانی رح (متوطن فتح پور گوگیرہ، ضلع ساہیوال) کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور اٹھارہ برس تک ان کی خدمت میں رہے۔ علوم دینیہ کی تحصیل ان ہی سے کی۔

مولانا غلام محمد جلوانوی، قصبہ جلوانہ ضلع فیصل آباد میں مقیم رہے اور اصلاح معاشرہ و تبلیغ دین میں مصروف رہے۔ موصوف ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کے زبردست مدّاح تھے اور اُن ہی کے انداز پر صوفیانہ خیالات رکھتے تھے۔ مولانا غلام محمد تریسٹھ سال کی عمر میں ۴ر شوال ۱۳۷۵ھ/ ۱۵ر مئی ۱۹۵۶ء کو جلوانہ ضلع فیصل آباد میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ اُن کی اولاد میں چار صاحبزادے۔ محمد انوار حسین، محمد نیاز حسین، محمد افتخار حسین اور محمد اعجاز حسین ہیں۔

مولانا غلام محمد مرحوم کی حسب ذیل تصنیفات معلوم ہو سکی ہیں۔

۱۔ اسرار المقطعات و رموز المتشابہات
۲۔ تحقیق العارفین فی حقیقت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
۳۔ رسالہ نور الایمان فی علم الفرقان
۴۔ نورِ ولایت
۵۔ دیوانِ عشق
۶۔ پیامِ جلوی
۷۔ مدیحۃ النبی (نعت بزبان فارسی)
۸۔ وصالِ باکمال سیّد شیر محمد شاہ گیلانی
۹۔ کمالِ جلوی

۱۰۔ رمز الوحدت (پنجابی منظوم)

۱۱۔ وصال نامہ (سیّد قطب علی شاہ)

۱۲۔ تعلیم توحید و دقیق علوم

۱۳۔ الاسرار الالٰہیہ من الفتوحات المکیہ

مولانا غلام محمد کے ملفوظات "اسرار التوحید المعروف بہ ملفوظاتِ جلوی" کے نام سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔

غلام محمد ترنّم

مولانا غلام محمد ترنم بن عبدالعزیز ۱۹۰۰ء/۱۸-۱۳۱۷ھ میں امرتسر کے ایک غریب کشمیری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم مولانا عبدالرحیم (م ۱۳۳۵ھ)[1] اور مفتی عبدالصمد کاشمیری (م ۱۳۳۶ھ) سے حاصل کی۔ اس کے بعد قالین بافی اور شالوں پر گل کاری کے فن سیکھے اور کئی سال اس پیشہ سے وابستہ رہے۔ تحصیلِ علم کا طبعی شوق انہیں جناب محمد حسین عرشی[2] کے پاس لے گیا۔ عرشی صاحب نے اپنے علمی مشاغل کے پیشِ نظر اُنہیں حکیم فیروزالدین فیروز طغرائی (م ۱۳۴۹ھ) کے پاس پہنچا دیا۔ حکیم طغرائی سے شعر و شاعری میں اصلاح کے ساتھ منشی فاضل کا نصاب پڑھ کر امتحان میں بیٹھے اور کامیابی حاصل کی۔ اگلے سال ادیب فاضل کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ حکیم طغرائی کے فیضِ صحبت نے اُنہیں "ترنم" بنایا اس سے پہلے "اصغر" تخلص کرتے تھے۔

ادب و شعر کے راستے دینیات کی طرف متوجہ ہوئے۔ مولانا محمد عالم آسی (۱۳۶۳ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مولانا آسی سے اپنے تعلقات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میرے اور حضرت آسی کے تعلقات غلام (ترنم) اور آقا (آسی) کے تھے اور وہ ازراہِ کرم میرے پاس کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں غیر حاضر تھا تو وہ یہ شعر لکھ کر رکھ گئے ؎

---

[1] مولانا عبدالرحیم خالصہ کالج امرتسر میں زبان و ادبیاتِ عربی کے پروفیسر تھے اور مولانا ترنم کے بہنوئی تھے [2] مدیر "البیان"، "بلاغ" امرتسر

چوں غریب درد مندے بدارت رسیدہ باشد
چہ قدر تپیدہ باشد چو ترا ندیدہ باشد

چند دن بعد دوبارہ تشریف لائے اور میں پھر بھی نہ مل سکا تو وہ یہ شعر لکھ کر ڈال گئے ع

طریق ترنم الاشعار صعبٌ
طویل فی طویل فی طویل [1]

فنِ طب کی کتابیں حکیم حاجی محمد علی (گوجرانوالہ) حکیم محبوب عالم اور حکیم فتح چند سے پڑھیں۔ لاہور کے نامور طبیب حکیم شہزادہ غلام محمد سے اصولِ مطب سیکھے۔[2]

مولانا کا ذریعہ معاش پہلے تو قالین بافی تھا بعد میں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ مسلم ہائی سکول شریف پورہ امرتسر میں دینیات کے مدرس تھے اور فارغ اوقات میں مطب کرتے تھے۔ دینی و تبلیغی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور اس راہ میں ایثار و قربانی میں کبھی پیچھے نہ رہتے تھے۔ ہال بازار امرتسر میں السنۂ شرقیہ کی تعلیم کے لیے ایک ادارہ "جامعہ اسلامیہ" کی بنیاد رکھی۔ جامعہ میں خود کم ہی پڑھاتے تھے۔ دوسرے مدرسین کی مستقل خدمات حاصل کی ہوئی تھیں۔ جامعہ امرتسر کے نوجوانوں میں عربی و فارسی زبانوں کا ذوق پیدا کیا۔

امرتسر میں مولانا ترنم کی شہرت ایک مدرس اور خطیب کی تھی۔ عوام میں خاصے مقبول تھے۔ مولانا ظفر علی خان امرتسر گئے تو اُن کے بارے میں کہا ع

ترنم چاند ہے اس شہر میں علم اور حکمت کا
درخشاں اس کے ہالے ہیں مسلمانانِ امرتسر [3]

---

[1] مکتوب بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری ماہنامہ "فیض الاسلام" (راولپنڈی) بابت جنوری ۱۹۶۰ء [2] مولانا غلام محمد ترنم ص ۲۰ [3] چمنستان ص ۵۴

برصغیر کی تقسیم کے بعد لاہور آ گئے۔ یہاں اُن کی دینی و تبلیغی سرگرمیاں اور بڑھ گئیں۔ جامع مسجد سول سیکرٹریٹ میں جمعہ کا خطبہ دیتے تھے جو رحلتِ آخرت سے چھ ماہ پہلے تک جاری رہا۔ مولانا ترنّم نے جب خطبہ جمعہ شروع کیا تو یہ مسجد محض ایک جھونپڑا تھی۔ اُن کی کوششوں سے موجودہ رفیع الشان عمارت تعمیر ہوئی۔

سکرٹریٹ کے باغیچے میں انگریزی دور کی یادگار سنگِ مرمر کی ایک صلیب تھی۔ سکرٹریٹ میں داخل ہوتے ہی اس پر نظر پڑتی تھی۔ مولانا ترنّم نے ایک خطبے میں مطالبہ کیا کہ صلیب کو باغیچے سے ہٹا دیا جائے۔ گورنر پنجاب اور چیف سیکرٹری کو توجّہ دلائی گئی مگر "روایتی دفتریت" کے باعث صلیب نہ ہٹائی گئی۔ دوسرے جمعہ کو مولانا نے اعلان کر دیا کہ اگر آئندہ جمعہ تک یہ صلیب نہ ہٹی تو میں خود کدال لے کر سیاہ دِل انگریز کی یہ یادگار ہمیشہ کے لیے زمین بوس کر دوں گا۔ اُن کے اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ مقرّرہ میعاد سے پہلے انگریزی دور کی یہ یادگار ختم ہو گئی۔

مولانا ترنّم تحریکِ پاکستان کے سرگرم ہم نواؤں میں سے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد انہوں نے پاکستان کے بنیادی مقصد اسلامی نظامِ حیات کے احیاء کے لئے کام شروع کیا۔ جمعیت العلمائے پاکستان کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ پہلے صوبہ پنجاب کے صدر تھے بعد میں کل پاکستان تنظیم کے نائب صدر چُنے گئے۔ وہ جمعیۃ کے ذہین اور معاملہ فہم لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

سماجی سرگرمیوں میں حصّہ لینے کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے فیلو تھے۔ آل پاکستان ایورویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کے روحِ رواں تھے۔

مولانا ترنّم نقشبندی سلسلہ طریقت میں پیر جماعت علی شاہ علی پوری سے بیعت تھے۔ اس کے علاوہ سیّد علی حسین شاہ چشتی نظامی سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا۔

مولانا ترنم ذیابیطس کے مریض تھے اسی بیماری میں ۱۷ محرم ۱۳۷۹ھ/۲۴ جولائی ۱۹۵۹ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے۔ پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے حسب ذیل قطعات تاریخ کہے[1]

غلام محمد ہوئے آہ فوت — وفات اُن کی ہے ایک عالم کی موت
جو تاریخ مطلوب نامیؔ اہے تو — "ہوا فوت عذب البیان ہے" کہو

۱۳۷۹ھ

غلام محمد کی نامی وفات — ترنم پہ اک خط تنسیخ ہے
"غلام محمد طبیب اجل — جہاں سے گئے" آہ تاریخ ہے

۱۳۷۹ھ

ملک نصر اللہ خان عزیزؔ مرحوم نے ان کی رحلت پر حسب ذیل تعزیتی شذرہ لکھا جس میں اُن کے سیرت و کردار پر عمدہ طریقے سے روشنی ڈالی ہے:

"مولانا غلام محمد ترنم سے پہلی مرتبہ امرتسر میں تعارف ہوا تھا۔ وہ اسم بامسمّٰی اور اپنے تخلص کا عملی نمونہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر انہیں فخر تھا اور بڑے شیوا بیان واعظ تھے۔

پاکستان آنے کے بعد بھی اُن کے دینی اور ملی مشاغل میں فرق واقع نہ ہوا۔ دستورِ اسلامی کے حامی تھے اور سیکرٹریٹ کی مسجد کے خطیب ہونے کے باوجود اسی مسجد کے منبر سے اُس وقت تک حق بات کہتے تھے جب کہ وقت کی حکومتیں اس بات کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

مسلک کے اعتبار سے بریلوی تھے مگر مرنجاں مرنج اور مسلکی اختلافات

---

[1] ماہنامہ "فیض الاسلام"، راولپنڈی بابت جنوری ۱۹۶۰ء

کو خوش طبعی اور بذلہ سنجی سے ٹال جاتے تھے۔ قادیانی ایجی ٹیشن میں سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند رہے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد بھی اُن کے دم خم میں فرق نہیں آیا تھا۔ ہر فن مولا تھے۔ واعظ، مدرّس، سیاسی کارکن، خطیب، طبیب، عالم، عامی سب کچھ تھے جس محفل میں بیٹھتے، اسے کشتِ زعفران بنا دیتے۔ اللہ تعالےٰ اُن کی مغفرت فرمائے، اُن کی خطاؤں سے درگزر اور اُن کی نیکیوں کا اجر جزیل عطا فرمائے آمین۔"[1]

مولانا آترنم کی حسب ذیل کتابیں معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ دستورِ پاکستان

چالیس صفحات کا یہ مقالہ مرحوم نے صدر جمعیت علمائے پاکستان صوبہ پنجاب کی حیثیت سے جمعیت کی سالانہ کانفرنس منعقدہ ۱۰/۱۱/۱۲ دسمبر ۱۹۵۰ء میں پڑھا تھا۔ بعد میں کتابی صورت میں طبع ہوا۔

۲۔ مقدمہ و حواشی "بطلِ حریت"۔ مشہور انگریز مصنف تھامس کارلائل کے لیکچروں کے ترجمہ پر مقدمہ اور حواشی تحریر کئے ہیں۔ حواشی میں کارلائل کی غلط فہمیوں پر گرفت کی ہے۔

۳۔ الجہاد

۴۔ غذائی چارٹ

ان کے علاوہ متفرق مضامین اور نعتیہ کلام یادگار ہے۔ بطور نمونہ کلام چند نعتیہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

کیا کہے گا دلِ ناداں تجھے سودا کیا ہے!
وہ اگر پوچھ لیں تجھ سے کہ تمنا کیا ہے

---

[1] بحوالہ ماہنامہ "فیض الاسلام" راولپنڈی بابت جنوری ۱۹۶۰ء

دل کشی پھولوں میں، تاروں میں، بہاروں میں نہیں
ماسوا آپ کے اس دہر میں اچھا کیا ہے!
نہ تصور میں یہ قدرت، نہ تخیّل میں یہ تاب
کیا کہیں چہرۂ پُرنور کا نقشہ کیا ہے
اِک ترنّم ہی نہیں جلوۂ حیرت کا اسیر
ہر کوئی سوچ رہا ہے تیرا جلوہ کیا ہے

قاضی غلام محمد جھنڈیالی

قاضی غلام محمد بن قاضی علی محمد بن قاضی محمد سعید بن حافظ نور محمد ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء کے لگ بھگ موضع "جھنڈیال" ضلع اٹک کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت عباسؓ بن علی بن ابی طالب سے ملتا ہے۔ سات سال کے تھے کہ والد قاضی علی محمد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ ماجدہ کی توجہ سے علومِ دینی کی تحصیل کی۔ قرآن مجید (ناظرہ) گھر پر پڑھ کر مولانا فضلِ حق ساکن بکھوال ضلع اٹک کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور اُن سے فارسی نظم و نثر اور عربی دستور و قواعد کی تحصیل کی۔ اس کے بعد مختلف درسگاہوں میں اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ موضع نوتھہ ضلع اٹک میں مولانا غلام رسول عرف "انہی والا بابا" سے بھی استفادہ کیا۔

زمانۂ تعلیم ہی سے تدریسی ذوق رکھتے تھے جن دنوں درسِ نظامی کی آخری کتابیں پڑھتے تھے۔ مبتدی طلبہ کو درس دیتے اور اشکالات کے حل میں مدد دیتے تھے۔ فارغ التحصیل ہوئے تو آبائی گاؤں میں "مدرسہ منبع العلوم" کی بنیاد رکھی اور خود پڑھا ہوا، دوسروں تک پہنچانے لگے۔ جھنڈیال جیسی چھوٹی بستی حلقۂ علماء میں دور دور تک مشہور ہو گئی۔ ایک مختصر سے وقفے کے علاوہ تمام عمر "مدرسہ منبع العلوم" میں تشنگانِ علوم کی پیاس بجھاتے رہے۔ ۱۱ر شوال ۱۳۳۴ھ/۱۱ر اگست ۱۹۱۶ء تا ۱۱ر ربیع الاولیٰ ۱۳۳۵ھ / ۵ر جنوری ۱۹۱۷ء کا زمانہ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں بحیثیت مدرس گزارا تھا۔

کھیتی باڑی اور طبابت کی آمدنی پر گزر بسر تھی امامت و خطابت اور مدرسہ کا اہتمام و تدریس فی سبیل اللہ کرتے تھے۔ کچھ عرصہ ڈسٹرکٹ بورڈ اٹک کی طرف سے میرج انسپکٹر (MARRIAGE INSPECTOR) بھی رہے تھے۔

مولانا قاضی غلام محمد اپنے علاقے کے بلند پایہ عالم تھے۔ مذہبی مسائل میں اُن

ہی سے راہنمائی حاصل کی جاتی تھی۔ کتبِ فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے فتاویٰ پر دارالعلوم دیوبند کے مفتی کے تائیدی دستخط ملتے ہیں۔ علمائے دیوبند سے عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ بدعات اور مشرکانہ عقائد سے سخت متنفر تھے اور احیائے سنّت کی تڑپ رکھتے تھے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی تھی۔ مہمان نواز بُردبار اور ہنس مُکھ شخصیت کے مالک تھے۔ طویل علالت کے بعد ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ / ۲۹ر ستمبر ۱۹۶۶ئہ کو جھنڈیال میں فوت ہوئے۔ وہیں عام قبرستان میں مدفون ہیں۔

مولانا قاضی غلام محمد کی قلمی یادگاروں میں سے "مجموعہ فتاویٰ" ہے جو تین جلدوں میں مرتّب ہے۔ تاحال زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ فارسی، اُردو اور پنجابی میں شعر کہتے تھے اور "غلام" یا "غلام محمد" تخلّص کرتے تھے۔ اُن کی اکثر منظومات دلچسپ ہیں اور زبان پر قدرتِ کامل کا نمونہ ہیں۔

فارسی زبان کے قواعد کی تدریس میں بطورِ خاص دلچسپی لیتے تھے۔ ایک نظم میں ماضی مطلق سے فعل مضارع بناتے وقت جن حروف کا ایک دوسرے سے ردوبدل ہوتا ہے۔ اُن کی تفصیل بیان کی ہے۔ تاریخ گوئی سے دلچسپی تھی اور کئی اہم مواقع پر قطعاتِ تاریخ کہے۔ مولانا احمد خاں میردیؒ کی رحلت پر طویل مرثیہ لکھا جس کے چند اشعار مولانا میردیؒ کے تذکرہ میں نقل کئے گئے ہیں۔ مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

من گرچہ کمتراز ہمہ اولادِ آدمم　　　فخرم ہمیں بس است غلامِ محمدم

مولانا مرحوم کے چار صاحبزادے ہیں اور اوّل الذکر تین اپنے حلقۂ اثر میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۔ مولانا حافظ محمد عبدالحق

۲۔ مولانا محمد سیف الرحمان

۳۔ مولانا حافظ محمد ظہور الحق

۴۔ مولانا منشی محمد فیض عالم۔ عین عالم شباب میں انتقال کر گئے۔

☆☆☆☆☆

غلام محمود پیلانوی

مولانا غلام محمود بن نور رنگ بن محمد باقر ۱۲۸۲ھ/۶۶-۱۸۶۵ء میں وانڈھ محمد حسان ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ مقامی مکتب میں حافظ محمد مرزا سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مولانا سلطان محمود بندیالوی اور مولانا فیض محمد (ساکن شاہ جمال۔ ملتان) سے صرف و نحو کی تکمیل کی۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں زیر تعلیم رہے اور مولانا غلام احمد حافظ آبادی سے اکتساب فیض کیا۔ کچھ عرصہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے استفادہ کیا آخر میں دار العلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا۔ مولانا محمود حسنؒ کے شاگردوں میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ ذہانت و فطانت اور تبحر علمی کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھے۔ مولانا غلام محمود، مولانا انور شاہ کے ہم درسوں میں تھے۔ اور ذہین ترین طلبہ میں شمار ہوتے تھے تاہم شاہ صاحب کی وسعتِ مطالعہ اور علمی مقام کے معترف تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ:

"دورانِ درس ایک مرتبہ ہمارے استاد صاحب تقریر کر رہے تھے اور اس موضوع پر بطور خاص میری معلومات کا پورے دیوبند میں چرچا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کی اس موضوع پر چنداں شہرت نہ تھی۔ چنانچہ استاد صاحب نے اپنی تقریر درمیان میں روک کر شاگردوں سے رائے طلب کی ...... میں جی میں بہت خوش ہوا کہ آج میں انور شاہ صاحب کے مقابلے میں بہت بہتر تقریر کروں گا چنانچہ میں نے عرض کیا کہ پہلے شاہ صاحب اپنے دلائل بیان کر لیں تو میں بعد میں عرض کروں گا۔

استاد کے حکم سے شاہ صاحب نے تقریر شروع کی..... میرے

ذخیرہ علمی میں جو سب سے قوی اور قیمتی دلیل تھی، جس کے بارے میں مجھے ناز تھا کہ میری ہی ذہنی فتوحات کی وہاں تک رسائی ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز خاص اُسی دلیل سے کیا اور پھر آیندہ ہر دلیل اس سے بڑھ چڑھ کر پیش کی..... مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا اور میں شاہ صاحب کے علمی تبحر سے مبہوت ہوکر رہ گیا اور مجھے یقین ہوگیا کہ خزانۂ قدس کے لدُنی سرچشمے تک شاہ صاحب کا ذہنی رابطہ ہے ورنہ کسب و کوشش سے اس مقام ارفع تک رسائی ممکن نہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی نے کسی بادشاہ کے بارے میں لکھا تھا اور وہ مصرعہ حضرت کاشمیری پر اس طرح چسپاں ہوتا ہے جیسے درحقیقت اُن ہی کے لیے سات صدی قبل لکھا گیا ہو ؎

محل نور تجلیست رائی انور شاہ[1]

۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور بیلاں (ضلع میانوالی) میں تدریس شروع کی۔ پانچ سال بعد لکھڈ ضلع اٹک تشریف لے گئے۔ تین سال وہاں رہے، اس کے بعد چکی (ضلع اٹک) ہنڑہال (ضلع ملتان) اور وطنِ مالوف کے مدارس میں آٹھ نو سال تدریس کی۔ اس کے بعد دوبارہ بیلاں آ گئے اور دارالعلوم محمودیہ میں مصروفِ تدریس رہے۔

مولانا غلام محمود، پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے بیعت تھے اور پیر موصوف سے تعلقِ خاطر رکھتے تھے۔ موصوف وسیع النظر اور صاحبِ مطالعہ عالم دین تھے۔ درسِ نظامی کے جملہ فنون پر گہری نظر رکھتے تھے، اُن کی تصنیفات میں تحقیق و تدقیق کے

---

[1] ہوالمعظم ص ۲۶۱-۲۶۲

اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔

۲۳ ر رمضان ۱۳۶۷ھ / یکم اگست ۱۹۴۸ء کو فوت ہوئے۔ مولانا محمد حسین شوق (فاضل مدرسہ امینیہ دہلی) اُن کے جانشین ہیں۔ مولانا غلام محمود کی چند تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ نجم الرحمان نجم الرحمن لرجم حزب الشیطان فی تحقیق علم غیب نبی آخرالزمان صلوات اللہ علیہ فی کل حین و آن

۲۔ ارمغانِ شاداں (فارسی قواعد)

۳۔ تحفہ سلیمانیہ ــ "تکملہ حاشیہ عبدالغفور علی شرح الجامی" پر حاشیہ ہے۔

مولانا غلام محمود سے سینکڑوں اہلِ علم نے استفادہ کیا۔ اُن کے معروف ترین تلامذہ میں مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی، پیر کرم شاہ بھیروی اور خواجہ غلام سدیدالدین مرولوی کے نام آتے ہیں۔

غلام محی الدین بگوی

غلام محی الدین بگوی بن حافظ نور حیات ماہ محرم ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء میں موضع بگہ نزد بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت عکرمہؓ بن عمرو بن ہشام سے ملتا ہے۔ ان کے اجداد میں سے مولانا عبدالرحمان بن صالح آٹھویں صدی میں پنجاب میں وارد ہوئے۔ مولانا عبدالرحمان کی اولاد میں سے مولانا محمد ہاشم گیارہویں صدی میں دریائے جہلم کے کنارے موضع بگہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

مولانا محمد ہاشم کے دو صاحبزادے ـ مولانا محمد صالح اور مولانا محمد یوسف تھے اوّل الذکر کی اولاد نے قصبہ جھاوریاں اور شاہ پور کو مسکن بنایا اور مؤخر الذکر کے اخلاف نے آبائی گاؤں میں حلقۂ اصلاح و ارشاد قائم رکھا۔ مولانا محمد یوسف کے جانشین مولانا میرداد بگوی اور ان کے صاحبزادے حافظ نور محمد بگوی اپنے وقت کے جیّد عالم، متبع سنّت اور رسوم غیر شرعیہ کے شدید مخالف تھے۔ حافظ نور محمد کے جانشین حافظ محمد شفا المعروف بہ شاہ زندہ (م ۱۲۲۰ھ) تھے۔

مولانا غلام محی الدین بن حافظ نور حیات ان ہی حافظ محمد شفا کے پوتے تھے۔ انہوں نے حافظ حسن سے قرآن مجید پڑھا۔ نہایت ذہین و ذکی تھے۔ ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء میں اپنے برادرِ خورد مولانا احمد الدین کو ساتھ لے کر حصولِ علم کے لئے دہلی کا سفر کیا۔ علم حدیث کی تحصیل شاہ محمد اسحاق (م ۱۲۶۲ھ) سے کی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ)

لہ حدائق الحنفیہ اور تذکرہ علمائے ہند میں سالِ ولادت ۱۲۰۳ھ لکھا ہے مگر صاحب ترجمہ کے پوتے مولانا ظہور احمد بگوی مرحوم نے "تذکرہ مشائخ بگہ" میں خاندانی روایات اور دستاویزات کی روشنی میں سالِ ولادت ۱۲۱۰ھ بتایا ہے ۱۲

سے علومِ حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔ شاہ صاحب نے اُنہیں نصیحت کی تھی:

"ان شاء اللہ آپ سے بڑا فیض ہوگا۔ جب وطن جاؤ تو کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں میں تفرقہ پیدا ہو۔"

قیامِ دہلی کے زمانہ میں شاہ غلام علی نقشبندی مجددی (م سنہ ۱۲۴۰ھ) سے بیعت ہوئے۔ علومِ دینیہ کی تحصیل کے بعد وطن آئے۔ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو چکا تھا اور سکھوں کا زمانۂ اقتدار تھا۔ ان کی شہرت سن کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وزیر فقیر عزیز الدین (م سنہ ۱۲۶۰ھ) بگہ گئے اور اُنہیں بگہ سے لاہور منتقل ہونے پر آمادہ کیا۔ موصوف لاہور آگئے اور بازار حکیماں کی "لال مسجد" میں مسندِ درس سجائی۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد نے اُن سے استفادہ کیا۔ قریب تیس۳۰ سال انہوں نے فرائضِ تدریس انجام دیے۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا احمد الدین بھی اُن کے ساتھ مصروفِ تدریس رہے۔

بگوی خاندان کی یہ درس گاہ پنجاب میں ولی اللہی مکتبِ فکر کی اشاعت کا ذریعہ بنی۔ اس درس گاہ سے فیض اٹھانے والوں میں حافظ ولی اللہ لاہوری، مولانا غلام رسول قلعوی، مولانا شاہ محمد فیروز پوری اور مولانا نور الدین چکوڑوی کے نام نمایاں ہیں۔

زندگی کے آخری سالوں میں بگہ آگئے اور چودہ۱۴ سال مرض استسقا میں مبتلا رہ کر ۲۰ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ/۲۲ جون سنہ ۱۸۵۷ء کو وفات پائی۔ "خورشیدِ عالم" کے الفاظ سے سالِ وفات نکلتا ہے۔ بگہ میں دفنائے گئے۔

مولانا غلام محی الدین کے دو صاحبزادوں، مولانا غلام محمد بگوی اور مولانا عبد العزیز بگوی نے خاندانی روایات کو قائم رکھا۔

☆☆☆☆☆

غلام محی الدین قصوری

مولانا غلام محی الدین قصوری بن شیخ غلام مصطفیٰ ابن شیخ غلام مرتضیٰ ۱۲۰۲ھ/۸۸-۱۷۸۷ء کے لگ بھگ قصور میں پیدا ہوئے۔ نسبی لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے اجداد میں سے مولانا عبدالملک عہدِ شاہجہان میں سندھ سے قصور آئے تھے[1] اِن ہی عبدالملک کے پوتے شیخ غلام مرتضیٰ مولانا غلام محی الدین کے دادا تھے۔

مولانا شیخ غلام مرتضیٰ بلند پایہ عالم دین تھے۔ احمد شاہ ابدالی جب پنجاب آیا تو اُس نے جن مقامی علماء سے مذہبی مسائل میں مشورہ کیا اُن میں مولانا غلام مرتضیٰ شامل تھے۔ پنجاب میں سکھا شاہی سے تنگ آکر پشاور ہجرت کر گئے تھے۔ ۱۲۰۰ھ/۸۵-۱۷ء میں وفات پائی۔

مولانا شیخ غلام مصطفیٰ بھی اپنی خاندانی روایات کے امین تھے۔ مولانا غلام محی الدین کی عمر ایک سال تھی کہ اُن کے والد شیخ غلام مصطفیٰ کا انتقال ہوگیا۔ اُن کے چچا مولانا محمد قصوریؒ نے اُن کی پرورش کی۔ اُن سے علومِ متداولہ کی تحصیل کی۔ اُن کے دوسرے اساتذہ میں ایک نام "مولانا باب اللہ" کا ملتا ہے[2]

مولانا غلام محی الدین نے اپنے عمِ محترم محمد قصوری کے ہاتھ پر قادری سلسلے میں بیعت کی اور اُن کے خلیفہ ہوئے۔ نوجوانی ہی میں اُن کی ذات مرجع خلائق ہوگئی تھی۔

---

[1] انوارِ محی الدین ص ۱۵

[2] ایضاً ص ۴۳

مولانا قصوری کے بعض اعزّہ بانس بریلی میں رہائش رکھتے تھے۔ اُن سے ملنے بانس بریلی گئے اور واپسی پر دہلی میں شاہ غلام علی رحؒ (م ۱۲۴۰ھ) کی زیارت کے لئے رُک گئے۔ اُن کی محفل میں بیٹھے مگر سلسلۂ ارادت قائم نہ کیا۔ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں اُن کے اوّلین مرشد مولانا محمد قصوری نے رحلت فرمائی تو دوبارہ مولانا شاہ غلام علی کی خدمت میں حاضر ہو کر نقشبندی مجددی طریقہ میں تجدیدِ بیعت کی اور مسلسل گیارہ ماہ ان کے ہاں مقیم رہے۔ ۲۷ رمضان ۱۲۳۳ھ/ ۳۱ جولائی ۱۸۱۸ء کو مولانا شاہ غلام علی نے اُنہیں اپنا خلیفہ مجاز بنایا اور ایک ماہ بعد خرقۂ خلافت عنایت کیا۔ اُنہوں نے تحریری خلافت نامہ میں مولانا غلام محی الدین قصوری کو "جامع کمالات فضائلِ ظاہر و باطن"[۱] کا لقب دیا ہے۔ ۱۲۳۷ھ/۲۲-۱۸۲۱ء میں اُن کا دہلی جانا معلوم ہوتا ہے۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں تزکیۂ نفس اور ریاضت و عبادت کے ساتھ ساتھ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۴۱ھ) سے سندِ حدیث حاصل کی۔

مولانا غلام محی الدین نے قصور میں دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ مولانا شاہ غلام علی (۱۲۴۰ھ) کی رحلت کے بعد تیس سال مسندِ دعوت و ارشاد پر فائز رہے۔ اُن سے خلقِ کثیر نے استفادہ کیا تھا۔ اپنے ارادت مندوں کی اصلاح و تربیت کے لئے سال میں ایک دو بار پنجاب کے اکثر اضلاع کا دورہ کرتے تھے۔ اُن کی گفتگو صوفیانہ شطحیات سے مکمل طور پر پاک ہوتی تھی۔ اتباعِ شریعت ہر حال میں پیشِ نظر رکھتے تھے۔

مولانا غلام محی الدین ۱۲ ذی قعدہ ۱۲۷۰ھ/۱۶ اگست ۱۸۵۴ء کو فوت ہوئے اور قصور میں دفنائے گئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے:[۲]

آں شاہ والا غلام محی الدین　　　　مرشدِ دین، رہبرِ ہر خاص و عام

۱؎ ملفوظاتِ شریفہ ص ۵۳

۲؎ حدیقۃ الاولیاء ص ۱۴۲

داد ساقی ازدل در دوست اُو ‏ ‏ ‏ ‏ از شرابِ معرفت پُر کردہ جام
چوں بہ دُنیا آمد آں مردِ سخی ‏ ‏ ‏ ‏ بخشش آمد سال تولیدش تمام
۱۲۰۲ھ

مرشد حق متقی ہم گفتہ ام ‏ ‏ ‏ ‏ نیز گہ دستم رقم شیخ الکرام
۱۲۰۲ھ ‏ ‏ ‏ ‏ ۱۲۰۲ھ

ہست خورشیدِ معلّٰی رحلتش ‏ ‏ ‏ ‏ ذات حقانی است ہم ایک نام!
۱۲۷۰ھ

فیضِ فقر است و دگر شیخِ رفیع ‏ ‏ ‏ ‏ سالِ وصل آں فقیر نیک نام
۱۲۷۰ھ ‏ ‏ ‏ ‏ ۱۲۷۰ھ

کن بیاں تاریخ منظورِ جمال ‏ ‏ ‏ ‏ ہم بخواں ابر سخاوت والسلام
۱۲۷۰ھ ‏ ‏ ‏ ‏ ۱۲۷۰ھ

مولانا غلام محی الدین کی اولاد میں ایک صاحبزادے حافظ عبدالرسول اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

سلسلۂ طریقت میں اُن کے خلفاء کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا غلام نبی للّٰہی
۲۔ مولانا غلام مرتضیٰ بیربلوی
۳۔ مولانا حافظ نورالدین چکوڑوی
۴۔ مولانا غلام دستگیر قصوری
۵۔ مولانا حافظ عبدالرسول قصوری (فرزند و جانشین)
۶۔ مولانا محمد صالح کنجاہی

مولانا غلام محی الدین نے عوام کی اصلاح و ہدایت کے ساتھ ساتھ تصنیفی و

تالیفی خدمات انجام دیں۔ اُنھوں نے ایک عمدہ اور قیمتی کتب خانہ فراہم کیا تھا جس کا معتد بہ حصّہ دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔ اُس کا بچا کھچا حصّہ کتب خانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد میں محفوظ ہے۔ موصوف کی حسبِ ذیل کتابیں ملتی ہیں۔ ان میں اوّل الذکر تین مطبوعہ ہیں۔

۱۔ تحفۂ رسولیہ (فارسی۔ منظوم) مناقب و معجزات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ ملفوظات شریف (فارسی۔ نثر) شاہ غلام علی (م ۱۲۴۰ھ) کے ملفوظات۔

۳۔ خطبات حضوری۔ مجموعہ خطبات عیدین و جمعہ

۴۔ رسالہ علم المیراث (عربی۔ نثر)۔ نسخۂ خطی مخزونہ کتب خانہ گنج بخش اسلام آباد

۵۔ زاد الحاج (پنجابی۔ منظوم) نسخۂ خطی مخزونہ ذخیرہ شیرانی۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور و نسخۂ دیگر کتب خانہ سید محمد طیب ہمدانی۔ قصور

۶۔ رسالۂ نظامیہ (فارسی منظوم) مسئلہ وحدت الوجود پر لکھا گیا ہے۔ نسخۂ خطی مخزونہ کتب خانہ مولوی محمد شفیع لاہور و نسخۂ دیگر کتب خانہ سیّد محمد طیّب ہمدانی۔ قصور

۷۔ سلالۃ المروۃ فی تجویز اسماء المشہورہ (فارسی۔ نثر) مولانا محمد خرم علی بلهوری کی تردید میں ہے جس میں غلام محی الدین، عبدالرسول اور عبدالنبی نام رکھنے کا جواز پیش کیا گیا ہے۔ نسخۂ خطی مخزونہ کتب خانہ گنج بخش۔ اسلام آباد

۸۔ حُلیہ مبارک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ نسخۂ خطی ذخیرہ شیرانی پنجاب یونیورسٹی لاہور

۹۔ دیوانِ حضوری (فارسی و پنجابی)

۱۰۔ اسرار الحقیقت مخزونہ کتب خانہ موسیٰ زئی شریف۔ ڈیرہ اسماعیل خان[۵۱]

۱۱۔ بیاض ـــــ مخزونہ کتب خانہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لاہور

---

[۵۱] کتاب خانہ ہای پاکستان ص ۱۷۷

[۵۲] فہرست مخطوطاتِ شفیع ص ۱۹۷

۱۲۔ مکتوبات ۔ مولانا غلام محی الدین قصوری کے مکتوبات کا اچھا خاصا ذخیرہ ملتا ہے۔ شاہ غلام علی دہلوی اور دیگر احباب کے نام مکتوبات کا مجموعہ اُنہوں نے "مکاتیبِ طیبہ" کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اُن کے خلفار مولانا غلام نبی للہی، مولانا محمد صالح کنجاہی اور مولانا غلام محمد کے نام قابلِ ذکر مکتوبات ملتے ہیں۔

پیر سیّد غلام محی الدین گولڑوی

پیر سید غلام محی الدین بن پیر سیّد مہر علی شاہ دسمبر ۱۸۹۱ء / ۱۳۰۹ھ میں پیدا ہوئے والدین کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ تربیت و تعلیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ اُنہوں نے قاری عبدالرحمان جونپوری سے قرأت و تجوید کی مشق کی اور جامعہ غوثیہ گولڑہ میں مولانا محمد غازیؒ سے علوم مروّجہ کی تحصیل کی۔ پیر سیّد مہر علی شاہ اُن کی تعلیم کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک خط میں اُنہیں تاکید کرتے ہیں:

"سب گھروں اور مہمانوں کی خبر گیری رکھنا۔ جمعہ و جماعت کا التزام رہے اپنے استاد صاحب کا حسبِ ہدایت خیال رکھنا۔ اُن کی ضروریات کو قبل از وقت مہیا رکھنا۔ اُن کی صحت کا خیال چاہیئے نہ صرف اپنے سبق اور مطلب کا۔ ایسا ہی جناب قاری صاحب کی خبر گیری رکھو یعنی کوئی وطنی ناتراشیدہ حسبِ عادت اہل وطن پیش آنے نہ پاوے"[1]

گولڑہ بستی کے قریب سے ریلوے لائن گزرتی ہے اور جنکشن ہونے کی وجہ سے کافی گاڑیاں آتی جاتی ہیں۔ آج سے ستّر اسّی سال پہلے بچوں کے لیے ریلوے انجن میں وہی دلچسپی تھی جو آج جمبو جیٹ میں ہو سکتی ہے۔ پیر صاحب اپنے ہم جولیوں کے ساتھ وقت گزارنے ریلوے سٹیشن آجاتے تھے۔ "ریلوے انجن" کی دلچسپی اُن پر اس قدر حاوی ہوگئی کہ گھر میں ریلوے سگنل کی طرح کا ایک سگنل نصب کر دیا۔ سیّد پیر مہر علی شاہؒ نے اُن کی دلچسپی دیکھتے ہوئے انہیں "بابو جی" کہا اور پھر یہی خطاب،

---

[1] مہر منیر ص ۳۶۳

نام کی جگہ حاصل کر گیا۔ ایک دفعہ کسی دوست نے ان سے "ریلوے انجن" سے لگاؤ کا سبب دریافت کیا تو اُسے جواب دیا:

"مجھے اس کی چار ادائیں بہت پسند ہیں:

ایک تو اس کا حوصلہ کہ جتنی زیادہ آگ ڈالو اُتنا ہی زیادہ تیز چلتا ہے۔ دوسرے اس کی وفا کہ اس کے ساتھ خواہ فرسٹ کلاس کا ڈبہ لگا دو یا مال گاڑی کا چھکڑا۔ جہاں خود جائے گا اپنے ساتھیوں کو بھی وہیں لے جائے گا۔ تیسرے ایثار کہ خود جلتا ہے مگر دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے یعنی منزلِ مقصود پر لے جاتا ہے اور چوتھے استقامت کہ اپنی متعینہ راہ (لائن) پر ہی چلتا ہے۔ بے راہ روی اختیار نہیں کرتا۔"[۱]

پیر سید مہر علی شاہؒ کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی اور اُنھوں نے اجازتِ بیعت و خلافت سے سرفراز کیا۔ ابتدا میں اُن کی زندگی میں لوگوں کو مرید نہیں بناتے تھے مگر پیر سید مہر علی شاہؒ کی تاکید پر بیعت لینے لگے۔

کئی بار ارضِ حجاز گئے اور حج کی سعادت حاصل کی۔ اس کے علاوہ افغانستان ترکی اور مشرقِ وسطیٰ کے اکثر ممالک کی سیاحت کی۔ وہاں کے روحانی خانوادوں سے رابطہ قائم کیا اور اولیائے کبار کے مقابر پر حاضری دی۔

پیر صاحب مخیّر، منکسر مزاج اور ملنسار بزرگ تھے۔ ۲۲ر جون ۱۹۷۴ء/یکم جمادی الآخر ۱۳۹۴ھ کو کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں فوت ہوئے۔ گولڑہ میں اپنے والدِ ماجد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

اُنھوں نے اپنی زندگی میں سلسلہ چشتیہ کی ترویج و اشاعت میں بھرپور کام کیا۔

---

[۱] ایضاً ص ۳۶۶-۳۶۷

جامعہ غوثیہ گولڑہ کی تعمیر و ترقی پر پوری توجہ دی۔ کتب خانہ میں قیمتی اور نادر کتابوں کا اضافہ کیا اور پیر سید مہر علی شاہ کی تصنیفات کی اشاعت کا انتظام کیا۔

پیر صاحب مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے۔ شاہ غلام معین الدین صاحب اور شاہ عبدالحق صاحب ہیں۔ اوّل الذکر صاحبِ سجادہ ہیں۔

غلام محی الدین احمد مکھڈی

مولانا غلام محی الدین احمد بن میاں محمد بن حافظ محمد محسن کے آباؤ اجداد موضع "بھوہا محرم خان" تحصیل تلہ گنگ ضلع اٹک سے مکھڈ منتقل ہوئے تھے۔ وہیں غلام محی الدین احمد اندازاً ۱۲۷۵ھ/ ۵۹-۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے اور دادا حافظ محمد محسن نے ان کی تربیت کی۔ مولوی محمد قاسم (ساکن بہٹو نزد فتح جنگ ضلع اٹک)، مولوی نور شید لنگڑیالی، حافظ عبد القدوس چھاچھی اور مولانا خان محمد مرجانی سے علوم درسیہ کی تحصیل کی۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے تعلق بیعت وارادت رکھتے تھے۔ ۱۲۹۵ھ میں اُن کے نانا خواجہ زین الدین مکھڈی کا انتقال ہوا تو خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے اُن کی دستار بندی کی۔ خواجہ تونسویؒ نے بھی اُنہیں اپنا خلیفہ نامزد کیا اور بیعت کی اجازت دی۔ ۱۲۹۹ھ میں خواجہ تونسویؒ کی معیت میں فریضۂ حج ادا کیا۔

غلام محی الدین احمد کی زندگی میں "مدرسہ مولوی صاحب" (محمد علی مکھڈی) کی رونق میں اضافہ ہوا۔ تشنگانِ علومِ دینیہ دُور و نزدیک سے مکھڈ آتے اور اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ وہ خود مدرسہ کے مہتمم اور صدر مدرس تھے۔ اُنہوں نے مولانا محمد علی مکھڈی کے ذخیرۂ کُتب میں معتد بہ اضافہ کیا۔ مدرسہ سے الگ عمارت تعمیر کرائی اور کتابوں کو ترتیب سے الماریوں میں رکھوایا۔

ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء کو وفات پائی اور مکھڈ میں تدفین عمل میں آئی۔[1] اُن کے پس ماندگان میں تین صاحبزادے تھے۔

---

[1] تذکرۃ الصدیقین ص ۸۵-۹۴ (ملخص)

۱۔ غلام زین الدین

۲۔ احمد الدین

۳۔ محمد الدین مؤلف "تذکرۃ الصدیقین"

☆☆☆☆☆

حافظ غلام مرتضیٰ

حافظ غلام مرتضیٰ بن حافظ حمّاد بن مولانا حسام الدین چیلاواہن (حاصل پور) ضلع ملتان میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے مولانا خدا بخش ملتانی ثم خیر پوری اور مولانا محمد موسیٰ ملتانی کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا خدا بخش اُن کی ذہانت اور جذب و شوق کی وجہ سے اُن پر خصوصی نگاہِ شفقت رکھتے تھے۔

فارغ التحصیل ہو کر اپنی بستی "چیلاواہن" میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ بعدیں ترکِ سکونت کر کے سابق ریاست بہاولپور میں آ گئے اور خیر پور کے نواح میں ایک نئی بستی کی بنیاد رکھی۔ اس کا نام بھی "چیلاواہن" مشہور ہوا۔

برادرِ بزرگ مولانا حافظ غلام حسینؒ (خلیفہ خواجہ نور محمد مہارویؒ) سے بیعت کی اور اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

۳۰، ذی الحجہ ۱۲۵۴ھ/ ۱۶، مارچ ۱۸۳۹ء کو وفات پائی۔[1] ان کے چند اہم شاگرد یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد اکمل (فرزند)
۲۔ مولانا محمد افضل (فرزند)
۳۔ مولانا حافظ نور جہانیاں
۴۔ مولانا غلام فخرالدین

---

[1] سہ ماہی "الزبیر" (۳) بابت اگست ۱۹۶۱ء

غلام مرتضیٰ نقشبندی

مولانا غلام مرتضیٰ نقشبندی موضع بھینی ضلع شیخوپورہ میں ۱۸۱۳ء/۱۲۲۸ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ بعد میں ترکِ سکونت کر کے موضع قلعہ لال سنگھ تحصیل شرقپور آ گئے اور اس نسبت سے "غلام مرتضیٰ قلعہ والے" مشہور ہوئے۔

مولانا غلام مرتضیٰ نے ابتدائی تعلیم بہاول پور میں حاصل کی۔ چوہنگ (ضلع قصور) کے مولانا بدر الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور علوم مروّجہ کی تحصیل کی۔ جید عالم اور ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ دینی خدمات کی بجا آوری کے ساتھ کھیتی باڑی کرتے تھے۔

۱۸۵۵ء/۷۲-۱۲۷۱ھ میں عثمان گنج بیرون شیرانوالہ دروازہ لاہور آ گئے۔ ایک خانقاہ قائم کی اور اپنی جائیداد خانقاہ کے اخراجات کے لئے وقف کر دی۔ چند سال بعد خانقاہ کے ساتھ دینی مدرسہ شروع کیا اور خود ہی تدریس کرتے تھے۔

۲۱ر فروری ۱۹۰۳ء/ ۲۳ر ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ کو فوت ہوئے۔ عثمان گنج میں مدفون ہوئے۔

اُن کے خلفاء میں پیر نور محمد (فرزند) مہر محمد صوبادم ۱۳۶۵ھ) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

غلام مرتضیٰ بیربلوی

مولانا غلام مرتضیٰ بن محمد اسلم ۱۲۵۱ھ/۳۶-۱۸۳۵ء میں ضلع سرگودہا کے گاؤں بیربل شریف میں پیدا ہوئے۔ خاندان میں علمی و دینی روایت چلی آرہی تھی۔ مولانا محمد اسلم عالم و فاضل شخص تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں صاحبزادے کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

مولانا غلام مرتضیٰ نے لڑکپن میں قرآن مجید حفظ کیا۔ تیرہ سال کے تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا۔ حصولِ علم کے لیے مختلف مقامات پر مقیم رہے مگر کہیں بھی جمعیتِ خاطر حاصل نہ ہوئی۔ آخر للّٰہ شریف ضلع جہلم میں مولانا غلام نبی للّٰہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔

مولانا غلام محی الدین قصوری سے شرفِ بیعت رکھتے تھے اور اُن کے خلفائے مجاز میں شامل تھے۔ اُنہیں کتابوں سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ رات گئے تک مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ ایک اچھا کتب خانہ فراہم کیا تھا جس میں تفسیر و حدیث، اور تصوّف کا عمدہ ذخیرہ جمع ہوگیا تھا۔ بیربل شریف اُن کے دم قدم سے طلبۂ دین و عرفان کا مرکز بن گیا تھا۔

آخری عمر میں مرضِ فالج میں مبتلا ہوئے۔ ایک پہلو بالکل بے حس ہوگیا تھا مگر کوئی نماز قضا نہ ہونے دی۔ ۱۵ رجب ۱۳۲۱ھ/۷ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو وفات پائی اور اپنی تعمیر کردہ مسجد کے جنوبی جانب مدفون ہوئے۔

مولانا غلام مرتضیٰ فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے بے شمار فتاویٰ لکھے جو تا حال مرتب نہیں ہوسکے۔ اُن کے قلم سے حسبِ ذیل اہم کتابیں نکلی ہیں:

۱۔ رسالہ مختصر نزہت الناظرین مع شرح روض الریاحین
۲۔ تحفہ العارفین وہدیۃ السالکین
۳۔ تذکرۃ المحصنات۔
۴۔ رسائل در فضائل رمضان وعیدین
۵۔ مصباح الدجیٰ اور اس کی شرح شمس الضحیٰ (علم حدیث)

مولانا مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے تھے:
۱۔ خواجہ احمد سعید (جانشین)
۲۔ خواجہ محمد سعید
۳۔ مولانا غلام رسول

مولانا مرحوم کے ارادت مندوں کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔ اُن کے خلفائے مجاز میں سید احمد حسن سرہندی اور مولانا محمد سلیم دہلوی کے نام نمایاں ہیں۔

غلام مرشد

مولانا غلام مرشد دسمبر ۱۸۹۵ء/ ۱۳۱۳ھ[1] میں انگہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدِ ماجد، حضرت اللہ بخش تونسویؒ کے ارادت مند تھے اور دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔

مولانا غلام مرشد نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور علومِ دینیہ کی تحصیل میں مصروف ہو گئے۔ اپنی تعلیمی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اکتوبر ۱۹۱۱ء سے اگست ۱۹۱۴ء تک (کا زمانہ) درسِ نظامی اور مولوی فاضل کے نصاب میں مہارت پیدا کرنے کے لئے گزرا جو پنجاب یونیورسٹی کا اس وقت مروّجہ سلیبس تھا۔ اس کی تکمیل کے لئے میں نے کام کیا۔ جس کی تدریس کا فرض یونیورسٹی نے اورینٹل کالج کے سُپرد کیا ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور دارالعلوم نعمانیہ ہند کے صدر مدرّس (پرنسپل) مولانا غلام رسول صاحب گجراتی اور مدرسہ حمیدیہ کے پرنسپل مولینا محمد ذاکر صاحب بگوی اور مفتی عبداللہ ٹونکی کی خاص توجّہ اور التفات سے دونوں کام پایۂ تکمیل کو متوقع عزت کے ساتھ پورے ہوئے اور فاضلیت کی سندیں حاصل کیں اور ۱۵-۱۹۱۴ء کو دورۂ حدیث کی سند حاصل کرنے کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ اُس وقت وہاں کے صدر مدرّس شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے .... وہ دورۂ حدیث

---

[1] انٹرویو مولانا غلام مرشد مرحوم ماہنامہ فکر و نظر (اسلام آباد) جنوری۔ فروری ۱۹۷۸ء ص ۲

کے قابلِ اعتماد تلامذہ سے انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کی بیعت لیتے تھے۔ جس کا شرف خاکسار کو بھی حاصل ہوا۔ سالانہ امتحان میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہ صرف فرسٹ رہا بلکہ ایک ریکارڈ قائم کر دیا۔

یہ مستند ترین سندیں حاصل کرنے کے بعد اجمیر شریف، میں جو نظام حیدر آباد (دکن) نے دار العلوم قائم کیا۔ اور جس کے وائس چانسلر نظام دکن کی طرف سے مولانا انوار اللہ مدار المہام امور دینیہ تھے اور پرنسپل مولانا معین الدین تھے .... میں نے دو سال وہاں رہ کر عقلیات کے نصاب کو مکمل کیا اور سالانہ امتحان میں فرسٹ آیا۔ اور ممتحنِ اعلیٰ ابو البرکات ٹونکی نے میرے پرچے پر یہ سنہری حروف رقم فرمائے کہ اگر امتحان کا قانون مقرر کئے ہوئے نمبروں سے زیادہ نمبر کی اجازت دیتا تو میں اس طالب علم کو بجائے سو نمبروں کے ایک سو دس نمبر دیتا۔[۱]

مولانا غلام مرشد نے سندات فضیلت حاصل کر کے درس و تدریس کا شغل اپنایا۔ دار العلوم خانقاہ سیال شریف ضلع سرگودھا اور موضع سور کی تحصیل خوشاب (ضلع سرگودھا) میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

موضع سور کی کے زمانہ قیام میں خلیفہ شجاع الدین کی ترغیب پر آل انڈیا مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کی اور لاہور چلے آئے۔ دار العلوم نعمانیہ ہند کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ لاہور میں انہوں نے علمی و دینی کاموں کے پہلو بہ پہلو سیاسی سرگرمیوں میں کھُل کر حصّہ لیا۔ جمعیت علمائے ہند کی شاخ پنجاب کے صدر رہے۔ تحریکِ خلافت کے

---

[۱] نقوش (لاہور)۔ جنوری ۱۹۷۹ء

زمانے میں بھرپور کام کیا۔ پنجاب خلافت کمیٹی کے صدر مولانا عبدالقادر قصوری تھے اور مولانا غلام مرشد ورکنگ کمیٹی کے رُکن تھے۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو (نائب صدر خلافت کمیٹی پنجاب) گرفتار ہوئے تو مولانا غلام مرشد کو اُن کی جگہ نائب صدر بنایا گیا۔

تحریکِ خلافت کے زمانہ میں یہ بحث زوروں پر تھی کہ مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے اُس کا "قریشی النسب" ہونا بنیادی شرط ہے۔ ترکی کا خلیفہ چونکہ قریشی نہیں ہے اس لئے تحریکِ خلافت جس خلافت کو بچانے کے لئے کوشاں ہے وہ سرے سے "خلافت" ہی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں "الائمہ من القریش" (حدیث) سے استدلال کیا جاتا تھا۔ مولانا عبدالقادر قصوری اور ڈاکٹر علامہ اقبال کی تجویز پر مولانا غلام مرشد نے بھاٹی دروازہ (لاہور) کے باہر ایک جلسۂ عام میں تقریر کی۔ اُنہوں نے حدیث "الائمہ من القریش" کو درایتاً اور روایتاً غیر صحیح قرار دیا۔ اُن کی تقریر لاہور کے اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کی۔ اُن کی اس تقریر سے کافی ہلچل پیدا ہوئی۔

مولانا غلام مرشد کا اندازِ فکر دارالعلوم نعمانیہ ہند کی عام فضا سے مختلف تھا تاہم دارالعلوم کی انتظامیہ اُن کے علمی تبحر کے پیشِ نظر اُنہیں برداشت کرتی چلی آرہی تھی۔ ۱۹۲۶ء میں برِصغیر کے بعض مسلمان راہنماؤں نے سعودی عرب کی مبیّنہ قبہ شکنی کے پیشِ نظر انتہائی اقدامات شروع کئے اور مسلمانوں کو سفرِ حج سے روکنے لگے۔ پنجاب میں مولانا ظفر علی خان نے اس رویّے کی مذمت کی اور اپنے اخبار میں سعودی حکومت کا دفاع کیا۔ اُنہوں نے اِسی سلسلے میں مقبرہ جہانگیر لاہور کے صحن میں ایک جلسے کا اہتمام کیا جس میں مولانا غلام مرشد نے خطاب کیا اور قبّوں کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی اور مسلمانوں کو انتہائی قدم اُٹھانے سے روکا۔ مولانا مرحوم کی یہ تقریر دارالعلوم نعمانیہ ہند کے کارپردازوں کو پسند نہ آئی اور وہ دارالعلوم سے الگ ہو گئے۔ مولانا اس دور کی

یادوں میں لکھتے ہیں :

"دارالعلوم نعمانیہ ہند کی انتظامیہ کی طرف سے اس تقریر کی تردید کرنے کو کہا گیا۔ خاکسار نے خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے نوٹس کی پُشت پر لکھ دیا۔ آپ میرا استعفاء منظور فرمائیں۔ چنانچہ استعفاء منظور ہو گیا اور میں طلبہ کو ساتھ لے کر بھاٹی دروازہ کی اُونچی مسجد میں آ گیا۔ بھاٹی دروازے کے مخیّر لوگوں نے ان کے لئے کتابیں مہیّا کر دیں اور ان کے قیام اور طعام کا بھی بندوبست کر دیا۔ جنہیں یہاں باقاعدہ درس دیا گیا۔ جو کورس رہ گیا تھا اس کو مکمّل کرنے کے لئے یہاں درس دیا گیا۔"[۵۱]

مولانا غلام مرشد کی دینی خدمات میں اُن کے "درسِ قرآن" کو اہم مقام حاصل ہے۔ ۱۹۲۰ء میں اُنہوں نے مسجد کناری بازار میں نماز فجر کے بعد درسِ قرآن دینا شروع کیا۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اُن کے اندازِ درس کے بارے میں رقمطراز ہیں :

"مولوی غلام مرشد کا طرزِ بیان دورانِ درس قرآن زیادہ تر بطور محقق پروفیسر ہی رہا۔ میں باقاعدہ حاضر ہوتا اور دیگر احباب بھی جن میں خصوصیت سے پروفیسر محمد دین تاثیر، ڈاکٹر نذیر، مولوی محمد بخش مسلم و سید عبداللہ و دیگر حضرات ضرور باقاعدگی سے شامل ہوتے اور اکثر اوقات اہلِ لاہور سے مختلف جماعتوں کے لوگ شامل ہو کر بعض سوال بھی کرتے اور علمی بحث کا دائرہ وسیع ہو جاتا مگر مولوی صاحب نہایت عمدگی سے علمی رنگ میں ہر ایک کی تسلّی کرتے۔"[۵۲]

---

۵۱ نقوش (لاہور)، جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۳۱۳

۵۲ بادشاہی مسجد ص ۳۹

بعد میں بھاٹی دروازے کی اونچی مسجد میں بھی نمازِ مغرب کے بعد مولانا غلام مرشد کا درسِ قرآن شروع ہوا۔ ۱۹۲۷ء میں علامہ اقبال کے ایماء پر انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور نے اُنہیں بادشاہی مسجد لاہور کی خطابت کے لئے چُنا۔ بادشاہی مسجد کے خطیب ہو جانے پر اُنہوں نے کناری بازار کی مسجد کے بجائے سُنہری مسجد میں درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔

مولانا غلام مرشد نے مسلسل تقریباً ۳۸ سال بادشاہی مسجد میں خطبہ جمعہ و عیدین دیا۔ اُنہوں نے آخری خطبہ جمعہ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء کے جمعۃ الوداع میں دیا۔ تاہم اس کے بعد بھی درسِ قرآن دیتے رہے۔

مولانا غلام مرشد معقولات میں خاص قابلیت رکھتے تھے۔ بعض اوقات اپنی معقولات پسندی کے پیشِ نظر دینی مسائل میں منفرد نقطۂ نگاہ اختیار کر لیتے تھے جس سے حلقۂ علماء میں اُن کی شدید مخالفت ہوتی تھی۔

آخری زندگی میں مولانا نے عوامی زندگی تقریباً ختم کر دی تھی۔ تاہم اُن کے عقیدت مند برابر استفادہ کرتے رہے۔ مولانا غلام مرشد سے متفرق مضامین یادگار ہیں۔ ۴ر ستمبر ۱۹۷۹ء/ ۱۲ر شوال ۱۳۹۹ھ کی صبح تین بجے لاہور میں فوت ہوئے اور حسبِ وصیت اپنے وطنِ مالوف انگہ میں سپردِ خاک کئے گئے۔

سیّد غلام مصطفٰے نوشاہی

سیّد غلام مصطفٰے بن حافظ سیّد محمد شاہ بن سیّد محمد امین، خانوادہ نوشاہی کے فرزند تھے۔
۲۷ر جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ھ/ ۱۸ر فروری ۱۸۹۰ء کو ساہن پال ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ فارسی درسیات کی تحصیل اپنے والد بزرگوار سے کی۔ بارہ سال کی عمر میں پرائمری سکول پنڈی کالو ضلع گجرات میں داخل ہوئے۔ تین سال میں پرائمری تعلیم مکمل کر لی اور شیخ احمد حنفی (م ۱۳۲۸ھ) ساکن دھیر یکاں ضلع گجرات کے درس میں شامل ہوئے۔ صرف و نحو، منطق اور فقہ کی تحصیل وہیں سے کی۔ حافظ عالم الدین (ساکن اگرویہ) سے علم تجوید کی مشق کی۔ قاضی محمد امین فاروقی (م ۲۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۸ھ) سے بھی چندے تعلیم پائی۔

اپنے والد ماجد سے سلسلہ قادریہ نوشاہیہ میں بیعت کی اور اُن کی رحلت کے بعد سجادہ کو رونق بخشی، عربی فارسی، اُردو اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ اور "نوشاہی" تخلّص کرتے تھے۔

۱۸ر شوال ۱۳۸۴ھ/ ۲۱ر فروری ۱۹۶۵ء کو واصل بحق ہوئے اور ساہن پال کے گورستانِ نوشاہیہ میں مدفون ہوئے۔ مرحوم کی مندرجہ ذیل تالیفات کے خطی نسخے کتب خانۂ نوشاہیہ ساہن پال میں محفوظ ہیں[۱]۔

۱۔ ترجمہ کریما (پنجابی نثر)
۲۔ ترجمہ نام حق (")
۳۔ ترجمہ پندنامہ — شیخ عطار (پنجابی نثر)
۴۔ ترجمہ گلستان

---

[۱] تذکرہ نوشہ گنج بخش ص ۱۷۸-۱۷۹

۵۔ فیض محمد شاہی المعروف انوار نوشاہی، (دس جلدیں)

۶۔ تفسیر نوشاہی (سورۃ مزمل)

۷۔ خطباتِ نوشاہی

۸۔ مکتوباتِ نوشاہی

۹۔ رقعاتِ نوشاہی

۱۰۔ دیوانِ نوشاہی

۱۱۔ پنج گنج نوشاہی

۱۲۔ نوشاہی نامہ

۱۳۔ رسالہ رفع سبابہ

۱۴۔ رسالہ طاعون

۱۵۔ رسالہ الخواص۔ شجرۂ طریقت ہے اور مشائخ سلسلہ کے مختصر حالات ہیں۔

۱۶۔ مجالسِ نوشاہی (ضیاء العارفین) مرتبہ شریف احمد شرافت نوشاہی۔

۱۷۔ ملفوظاتِ نوشاہی (کنز المعرفت) ۴ جلدیں مرتبہ شریف احمد شرافت نوشاہی۔

۱۸۔ معمولاتِ نوشاہی (ہدایۃ السالکین) مرتبہ " " "

۱۹۔ ملفوظاتِ نوشاہی (کنز الفوائد) مرتبہ بشارت نوشاہی

۲۰۔ عیون التواریخ

۲۱۔ نصائح ضروری (منظوم)

مرحوم کے دو لڑکے ہوئے:

۱۔ سیّد ابوالظفر شریف احمد شرافت نوشاہی مؤلف "شریف التواریخ"

۲۔ سیّد ابوالرضا بشیر احمد بشارت نوشاہی (م ۱۳۸۱ھ)

☆☆☆

غلام مصطفٰے امرجانی (وهابی نجدی دیوبندی)

مولانا غلام مصطفٰے ابن مولانا خان محمد محدث بن میاں دولا تقریباً ۱۹۰۵ء/ ۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا خان محمد بلند پایہ محدث تھے اور پورے علاقہ میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

مولانا غلام مصطفٰے نے ابتدائی کتابیں مولانا عبدالرحمان ساکن جانگلہ (ضلع اٹک) اور مولانا غلام نبی کرسالی سے پڑھیں۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور اور مدرسہ لطیفیہ علی گڑھ میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ ۱۹۲۸ء/ ۱۳۴۶ھ میں مولوی فاضل کا امتحان دیا۔ اور یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ چھ سال بعد منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۸ء/ ۱۳۵۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور مولانا حسین احمد مدنی سے حدیث پڑھی۔ امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور دارالعلوم کی طرف سے حدیث کی چند کتابیں بطور انعام حاصل کیں۔

فارغ التحصیل ہو کر مرجان آ گئے اور یہیں تدریس میں مصروف رہے۔ البتہ آخری زندگی میں "مدرسہ محمدیہ" قلعہ دیدار سنگھ اور "دارالعلوم تعلیم القرآن" راولپنڈی میں فرائضِ تدریس انجام دیئے۔ درسِ نظامی کی سب ہی کتابیں پڑھاتے تھے تاہم ادب کی کتابیں ہر سال زیرِ تدریس رہتی تھی اور عموماً طلبہ میں "شیخ الادب" مشہور تھے۔

اشاعتِ حدیث اور تردیدِ شرک و بدعت میں کوشاں رہے۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ سے وابستہ تھے اور جمعیت کے نائب صدر تھے۔ مولانا حسین علی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔

۲۹ جنوری ۱۹۷۷ء/ ۸ صفر ۱۳۹۷ھ کو مرجان میں وفات پائی۔ دوسرے دن مولانا غلام اللہ خان نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور گاؤں کے قبرستان میں دفنائے گئے۔ مولانا غلام مصطفٰے مرحوم سے حسبِ ذیل دو کتابیں بھی یادگار ہیں۔

۱۔ اصلاح الاخوان

۲۔ وصایا فی المزایا (غیر مطبوعہ)

مولانا مرحوم کے دو صاحبزادے حافظ عبدالرشید اور حافظ عبدالرحیم ہیں جو "مدرسہ عربیہ تعلیم الدین" بھیرہ میں خدماتِ تدریس انجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

غلام نبی سوہدروی (وھابی نجدی اهل حدیث)

مولانا غلام نبی بن حبیب اللہ کے آباؤ اجداد موضع پانڈے ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ وہ سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ میں ۲۳ رمضان ۱۲۶۳ھ/ ۴ ستمبر ۱۸۴۷ء کو پیدا ہوئے[1] ککے زئی برادری کے چشم و چراغ تھے۔

مولانا غلام نبی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، مزید تعلیم کے لیے پنجاب کے مختلف شہروں وزیر آباد، جلالپور، سیالکوٹ اور امرتسر میں مقیم رہے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا قادر بخش وزیر آبادی، عبدالباقی جلالپوری اور مولانا غلام مرتضیٰ سیالکوٹی کے نام ملتے ہیں۔ آخر الذکر سے اُنہوں نے حاشیہ خیالی، مطول، توضیح و تلویح، تفسیر بیضاوی اور حدیث کا درس لیا تھا۔ اُنہیں حافظ محمد لکھوی (م ۱۳۱۱ھ) اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے اجازتِ حدیث حاصل تھی۔

مولانا عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ) کے صحبت یافتہ لوگوں میں سے تھے۔ اُن کے زیرِ اثر تقلید ترک کی اور اہل حدیث مسلک اختیار کیا۔ سوہدرہ میں اپنے مسلک کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہے اور ایک حد تک کامیاب ہوئے۔ اُن کا زیادہ وقت وعظ و تذکیر میں گذرتا تھا۔ باقاعدہ تدریس نہ کرتے تھے تاہم جو طالب علم کتاب لے کر آجاتا اُسے مایوس نہ کرتے تھے اور اُس کی خواہش کے مطابق سبق پڑھا دیتے تھے۔

۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء میں فریضۂ حج ادا کیا اور ایک سو سال سے زائد عمر پاکر فوت

---

[1] ہفت روزہ "اہل حدیث" (امرتسر) بابت ۱۱ اپریل ۱۹۱۹ء۔ صاحبِ "نزہت الخواطر" نے اُن کے والد کا نام "محبوب عالم" اور سالِ ولادت ۱۲۶۵ھ لکھا ہے۔ (جلد ۸، ص ۳۵۰)

ہوئے اُن۔ کے دو بیٹے مولانا عبدالحمید اور مولانا عبدالحکیم تھے جنہوں نے والد کی زندگی میں وفات پائی۔

مرحوم سے پنجابی نظم میں مندرجہ ذیل رسائل ورکار ہیں:

۱۔ تحفۃ الوالدین

۲۔ تحفۃ المعجزات فی تاکید الصلوٰۃ

۳۔ تحفۃ العجلاء المعروف بہ نصیحت النسار

غلام نبی للٰہی نقشبندی

مولانا غلام نبی بن قاضی حسن دین للہ شریف ضلع جہلم میں ۱۲۳۴ھ/ ۱۹-۱۸۱۸ء میں ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ قاضی حسن دین اپنے وقت کے اچھے عالم تھے۔ مولانا غلام نبی نے اپنے والد سے صرف و نحو پڑھی۔ بعض دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔ طلبِ علم کے لیے پشاور کا سفر کیا اور مولانا محمد احسن معروف بہ حافظ دراز دم (۱۲۶۳ھ) سے علومِ مروّجہ کی تکمیل کی اور سندِ فراغ حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر للہ شریف میں مسندِ تدریس کو رونق بخشی۔ عموماً اسی ۸۰ نوّے ۹۰ طلبہ استفادہ کرنے کے لیے ہر وقت حاضر رہتے تھے ان میں مبتدی بھی ہوتے اور منتہی بھی۔ مولانا موصوف سب کو ایک سے جذبہ و شوق سے پڑھاتے تھے۔

مولانا غلام محی الدین قصوری سے نقشبندی سلسلے میں مجاز تھے۔ نرم خو، خوش خلق اور خندہ جبیں شخصیت کے مالک تھے۔ قرآن مجید نہایت اہتمام اور ترتیل سے پڑھتے تھے۔ مولانا غلام محی الدین قصوری کے زیر تربیت تھے کہ قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ چھ ماہ میں قرآن مجید یاد کر لیا۔

۲۱ ربیع الاوّل ۱۳۰۶ھ/ ۲۵ نومبر ۱۸۸۸ء کو فوت ہوئے اور للہ شریف میں دفنائے گئے۔ نمازِ جنازہ مولانا غلام مرتضیٰ بیربلوی نے پڑھائی تھی۔ مرحوم سے سینکڑوں افراد نے فیض اٹھایا۔ ان کے چند فیض یافتہ (جنہیں خلافت و اجازت بھی حاصل ہے) افراد یہ ہیں:

۱۔ مولانا دوست محمد (جانشین۔ م ۱۳۱۷ھ)

۲۔ مولانا غلام مرتضیٰ بیربلوی

۳۔ مولانا غلام حسن ساکن ڈھڈیاں

مولانا غلام نبی سے کوئی تالیف یادگار نہیں البتہ اُن کے مریدِ صادق مولانا محمد حسن مؤلف "حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ" نے یکم محرم تا ۱۵ ر رجب ۱۳۰۰ھ کے ملفوظات مرتب کئے ہیں تاہم اُن کی یادگاروں میں سے ایک اہم یادگار اُن کا جمع کردہ ذخیرۂ کتب ہے جس میں "اسلامیات" کا وقیع حصہ ہے۔

غلام لیٰسین

مولانا غلام لیٰسین وان بھچراں ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک غریب خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی کتب میانوالی اور سرگودہا کے مدارسِ عربیہ میں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے اور سندِ فراغ حاصل کی۔

۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۲ء چار سال بھوپال کے ایک مدرسہ میں ملازمت کی۔ وہاں سے واپس وطن آئے اور مدرسہ مظفریہ وان بھچراں میں درس و تدریس کرنے لگے۔ یہ زمانہ اُن کے علمی شباب کا تھا۔ سینکڑوں فقہی جزئیات اُن کے نوکِ زبان تھیں۔ منطق و فلسفہ کے فنون میں اس قدر مشہور ہوئے کہ دُور دراز سے طلبہ استفادہ کے لئے آتے تھے۔

مدرسہ مظفریہ سے مستعفی ہو کر اپنے گھر کے نزدیک مسجد میں درس جاری کیا مگر بڑے مدارس کے منتظمین اُن کو اپنے ہاں لے جاتے اور اس طرح گاؤں کا سلسلۂ تدریس منقطع ہو جاتا تھا۔ آخری دنوں میں مدرسہ سراج العلوم سرگودھا میں پڑھا رہے تھے کہ ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ/۱۸ مارچ ۱۹۶۰ء کو داعی اجل کا بلاوا آ گیا۔

مرحوم نے تین لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا خلیل الرحمان

۲۔ مولانا رشید احمد

۳۔ مولانا بشیر احمد

☆☆☆☆☆

غوث بخش اوچی

مولانا غوث بخش بن محمد بخش بن خدا بخش کی ولادت اوچ شریف میں ہوئی۔ وہ نسبًا حضرت معروف کرخی (م ۲۰۰ ھ) کے اخلاف میں سے تھے۔ اُن کے باپ، دادا سلسلۂ نظامیہ چشتیہ سے منسلک تھے۔ اُن کے دادا خدا بخش، خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی (م ۱۱۴۲ھ) کے مرید تھے اور اُن کے والد ماجد، خواجہ فخر الدین دہلوی (۱۱۹۹ھ) سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔

خاندان کے اکثر افراد طبابت پیشہ تھے چنانچہ انھوں نے بھی فنِ طب میں مہارت حاصل کی۔ دینیات، فلسفہ اور طب میں اُن کی خاصی شہرت تھی۔ مولانا گل محمد احمد پوری اُن کے بھانجے تھے۔ اوچ کے گیلانی اور بخاری خانوادے اُن کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نواب بہاول خان ثالث اُن کے مرتبہ شناس تھے۔

مولانا غوث بخش اوچ شریف میں فوت ہوئے اور خانقاہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے احاطے میں ہمیشہ کی نیند سو رہے ہیں۔ اُن کی تالیفات میں سے "تحفۂ غوثیہ" دو جلدوں میں ملتی ہے جو ادویہ اور اُن کے خواص پر ایک عمدہ تالیف ہے۔ اس کتاب کا ایک خطی نسخہ نواب صاحب بہاول پور کے کتب خانے کی زینت ہے۔[1]

---

[1] اولیائے بہاول پور ص ۱۶۵-۱۶۶

فتح الدین آذبر

مولانا فتح الدین اذبر بن حکیم میاں غلام محمد ۱۲۱۱ھ/ ۱۸۷۰ء میں خوشاب ضلع سرگودھا میں متولّد ہوئے۔ وہ صحابی رسول حضرت اسید بن حضیر کی اولاد میں سے تھے۔

خوشاب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مسجد موراں لاہور میں دینی تعلیم حاصل کی۔ آخر میں حیدر آباد (دکن) جاکر مولانا انوار الحق کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا اور سندِ فراغ حاصل کی مولانا انوار الحق اُن کی قابلیت، ذہانت اور سعادت مندی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی صاحبزادی کا عقد نکاح اُن سے کر دیا۔

مولانا فتح الدین اذبر طب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ میر عثمان علی خان نظام حیدر آباد کے ابتدائی دور میں شاہی طبیب، اور قاضی القضاۃ تھے۔ دس سال ان مناصب جلیلہ پر فائز رہے بعد میں ایک ناخوشگوار واقعہ کے نتیجہ میں حیدر آباد سے وطنِ مالوف خوشاب آ گئے۔

۱۶ شوال ۱۳۵۶ھ/ ۱۲ جنوری ۱۹۳۶ء کو فوت ہوئے۔ مسجد حافظ خان محمد کے شمالی جانب چار دیواری میں اُن کی ابدی آرام گاہ ہے۔ مرحوم متبحر عالم، حق گو مبلّغ اور صاحبِ قلم تھے۔ جناب عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے اُن کی حسبِ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ مقدمہ تفسیر روح القرآن (مطبوعہ امرتسر ۱۳۲۳ھ)

۲۔ تفسیر روح القرآن فی تشریح آیات القرآن (مطبوعہ حیدرآباد)
صرف پہلے پارہ کی تفسیر ہے۔

۳۔ الوفعہ الاسلامیہ (مطبوعہ کانپور۔ ۱۳۵۱ھ)

۴۔ شرح ترکیب دیباچہ گلستان مع حواشی (مطبوعہ لاہور۔۱۲۲۶ھ)

۵۔ کتاب العطایا (میراث)

۶۔ خزینۃ المیراث (")

۷۔ نقشہ انوار الفرائض (")

۸۔ ترجمہ و حاشیہ دلائل الخیرات (اوراد)

۹۔ رسالہ مفتاح الدلائل (")

۱۰۔ قرار الانوار و مرادات الاسرار (عملیات)

۱۱۔ شجرہ ولایت الشہداء

۱۲۔ صفوۃ المصادر العربیہ معروف بہ صرف اذبریہ

۱۳۔ کتاب الصرف المعروف بہ صرف کبیر

مولانا فتح الدین اذبر سے بیسیوں افراد نے علمی استفادہ کیا۔ اُن کے نامور طلبہ میں مولانا غلام مرشد سابق خطیب شاہی مسجد لاہور کا نام بہت نمایاں ہے۔

فتح محمد

(وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا فتح محمد بن ملک حسن خان بن حامد خان کے آباؤ اجداد صوبہ سرحد سے موضع "وہوا" ضلع ڈیرہ غازیخان منتقل ہو گئے تھے۔ وہیں ۱۲۸۰ھ/ ۶۴-۱۸۶۳ء میں مولانا فتح محمد پیدا ہوئے۔ "وہوا" میں تحصیلِ علم کے مواقع نہ تھے اس لئے بارہ سال کی عمر میں طلبِ علم کے لیے سفر اختیار کیا اور تونسہ شریف میں قیام پذیر ہوئے۔ تونسہ میں خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے سالانہ عرس پر ضلع اٹک اور علاقہ ہزارہ کے زائرین جاتے تھے۔ ان سے مولانا فتح محمد کو ان علاقوں کی درسگاہوں کے بارے میں معلوم ہوا چنانچہ کھڈ، پنڈی گھیپ اور ہزارہ میں چندے قیام کر کے اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ انھوں نے مولانا احمد سکندرپوری معروف بہ فاضل ہزاروی سے بھی استفادہ کیا تھا۔[1]

تزکیہ و تربیت کے لیے سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ سراج الدین (موسیٰ زئی شریف) سے بیعت کی تھی۔ عملی زندگی کا آغاز تجارت سے کیا۔ فن جراحی و طب میں بھی مہارت حاصل تھی بعد میں یہی فنون ذریعۂ روزگار بنے۔ تدریس و تعلّم کا شغل بطور شوق اپنا رکھا تھا۔ بدعات اور رسوم شرکیہ کے استیصال میں کوشاں رہتے تھے۔

یکم صفر ۱۳۶۱ھ/ ۱۸ فروری ۱۹۴۲ء کو انتقال ہوا۔ نمازِ جنازہ مولانا احمد علی لاہوری نے پڑھائی۔ بوقتِ رحلت تین لڑکے اور تین لڑکیاں بقیدِ حیات تھیں۔ صاحبزادوں میں سب سے بڑے مولانا بشیر احمد پسروری تھے۔ ان سے چھوٹے قاری مولانا احمد اللہ (فاضل مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور) ہیں اور سب سے چھوٹے حمد اللہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

---

[1] شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور ان کے خلفاء ص ۲۲۶

فتح محمد اچھروی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا ابوالسنۃ تاق فتح محمد بن میاں امام دین اچھرہ (لاہور) کے رہنے والے تھے۔ بچپن میں چیچک میں مبتلا ہوئے اور نورِ بصارت سے محروم ہو گئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور علوم دینیہ کی تحصیل کی۔

مولانا فتح محمد زندگی بھر دین حقہ کی تبلیغ و ترویج میں مشغول رہے۔ اچھرہ کی مسجد میں ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی جو اُن کے نام کی مناسبت سے "جامعہ فتحیہ" مشہور ہے۔ یہ مدرسہ اُن کی تدریس سے خاصا مشہور ہوا۔

معاصر علمائے اہلسنت سے اُن کے اچھے مراسم تھے۔ میاں شیر محمد شرقپوری اور سائیں توکل شاہ انبالوی (م ۱۳۱۵ھ) سے تعلق خاطر رکھتے تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ عبدالرسول قصوری سے بیعت تھے اور اُن کے خلیفۂ مجاز بھی تھے۔

۲۹ شوال ۱۳۲۵ھ / ۱۸ اگست ۱۷۱۹ء کو وفات پائی۔ لوحِ مزار پر مولانا اصغر علی روحی کے حسب ذیل اشعار کندہ ہیں:

امام حافظاں، فتح محمد — کہ در عشقِ پیمبر بود یکتا
احب الصالحین وکان منہم — نفاق القوم صدقا اجمعینا
ولم بات الھوا مادام حیا — لیوم یجعل الولدان شیبا
صدائے ارجعی در گوش اُفتاد — بعد قرب حق شُد مسند آرا
بسالِ عزمِ خلدش گفت روحی — بجنت رفت و باحق باد مولا

۱۳۲۵ھ

مولانا مرحوم سے چند رسائل یادگار ہیں جن میں "صلوٰۃ القرآن بہ متابعت حبیب الرحمان" زیادہ مشہور ہے جو مولوی عبداللہ چکڑالوی کی تردید میں لکھا گیا تھا۔

فتح محمد بہاول نگری

مولانا فتح محمد بن سجاول خان بن تبریز خان موضع جلیب کے (بہاول نگر) کے باشندے تھے۔ ۱۳۰۴ھ/۸۷-۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مولانا سلطان محمود حصاری، مولانا سلطان محمود افغانی اور مولانا سلطان محمود (مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی) سے علمی استفادہ کیا۔ مدرسہ معینیہ اجمیر میں مولانا معین الدین اجمیری (م ۱۳۵۹ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ سندِ حدیث مولانا عبدالعلی محدث، (مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی) سے ۲۴ر ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ کو حاصل کی۔

مولانا فتح محمد نے پنجاب کے مختلف مقامات پر تدریس کے فرائض انجام دیئے صادق گنج ضلع بہاول نگر میں ایک عرصہ مقیم رہے اس کے بعد جموں وچیل (ضلع ساہیوال) گھمنڈ پور (ضلع بہاول نگر) اور بہاول نگر میں دینی و تبلیغی کام کیا۔ غالباً ۱۳۶۰ھ میں مدرسہ مفتاح العلوم بہاول نگر کی بنیاد رکھی جو اُن کی نگرانی اور تدریس میں تیزی سے ترقی کر رہا تھا کہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۶۹ء/۳۰ر رمضان ۱۳۸۹ھ کو پیغامِ اجل آگیا۔

مولانا فتح محمد صوفی منش عالم دین تھے، خواجہ عبدالحلیم چشتی (خلیفہ مولانا غلام رسول تونگیروی) سے بیعت تھے اور اُن کی جانب سے مجازِ بیعت تھے۔

مولانا فتح محمد اچھا شعری ذوق رکھتے تھے۔ اور خود فارسی، عربی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ اُن سے ایک تصنیف "ادب در وحدتِ وجود و وحدتِ شہود" یادگار ہے جو تاحال زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔

فریدالدین

مولانا فریدالدین بن احمدالدین بن امیر حمزہ اندازاً ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں موضع بھوئی گاڑ ضلع اٹک کے ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت محمد بن حنفیہ کے واسطے سے حضرت علی المرتضیٰ رض سے ملتا ہے۔

قرآن مجید اور ابتدائی درسی کتابیں برادرِ بزرگ مولانا محب النبی سے پڑھیں، بعض کتابیں مثلاً حمداللہ شرح سلم العلوم والدِ ماجد سے پڑھیں۔ تکمیلِ تعلیم کے لیے مولانا مشتاق حسین کانپوری (م) بن مولانا احمد حسن کانپوری کی خدمت میں کانپور حاضر ہوئے۔ مولانا مشتاق حسین کانپوری، کانپور سے جامعہ نعیمیہ مراد آباد اور وہاں سے میرٹھ منتقل ہوئے تو مولانا فریدالدین بھی اپنے استاد کے ہمراہ مراد آباد اور میرٹھ چلے گئے۔ واپس وطن آکر کتبِ حدیث برادرِ بزرگ سے پڑھیں اور اُن ہی سے سندِ حدیث حاصل کی۔

تقریباً ۱۳۵۰ھ/۳۲-۱۹۳۱ء میں علومِ متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہوگئے اور بچاروالا (ضلع فیصل آباد) کے ایک دینی مدرسہ میں اعزازی طور پر تدریس کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ بعد وطن مالوف بھوئی گاڑ آ گئے۔ اُن کے اندازِ تدریس اور تبحرِ علمی کے پیشِ نظر اکثر مدارسِ دینیہ کے کارپردازوں کی خواہش رہتی تھی کہ وہ اُن کے مدارس کی مسند کو رونق بخشیں چنانچہ جامعہ غوثیہ گولڑہ، جامعہ محمدیہ بھیرہ، جامعہ رضویہ وار برٹن، دارالعلوم کھڈ، دارالعلوم ترگ شریف اور دارالعلوم لالہ موسیٰ میں پڑھاتے رہے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ سیاسی تحریکوں سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ وہ مزاجاً مدرّس تھے اور تقریباً بیالیس سال تدریس کی۔ سبق ہمیشہ باقاعدہ مطالعہ کے بعد پڑھاتے تھے اور طلبہ کو اس امر کی تلقین کرتے تھے کہ سبق پڑھنے کے لیے باقاعدہ تیاری کر کے آیا کریں۔

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ جلسوں میں تقاریر کیں۔ جلوسوں کی قیادت کی اور اس راہ میں سنّتِ یوسفی بھی ادا کی۔

۷ر شوال ۱۳۹۲ھ/۱۴ر نومبر ۱۹۷۲ء کو صبح آٹھ بجے دل کا شدید دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اگلے دن بھوٹی گاڑ میں دفنائے گئے[1]

مولانا حسن الدین ہاشمی (استاد جامعہ اسلامیہ۔ بہاولپور) مرحوم کے فرزندِ ارجمند ہیں۔

---

[1] ملخص از "ضیائے حرم" بابت نومبر ۱۹۷۳ء

فضل الٰہی حضروی

مولانا فضل الٰہی بن مہر علی شاہ اندازاً ۱۲۴۰ھ/۲۵-۱۸۲۴ء میں اگرور ضلع کوہستان میں پیدا ہوئے۔ مولانا فضل الٰہی کے بچپن میں اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا۔ اُن کے زمانۂ تعلیم کے بارے میں اطلاعات میّسر نہیں ہیں۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ تکمیلِ علم کے بعد حضرو ضلع اٹک آ گئے تھے۔

مولانا فضل الٰہی نے حضرو میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اُن کا زیادہ وقت طلبہ کو پڑھانے، مطالعہ کرنے اور ریاضت و عبادت میں گزرتا تھا۔ حافظ عبدالغفور سواتی (م ۱۲۹۳ھ) سے تعلقِ بیعت رکھتے تھے۔ مولانا فضل الٰہی متواضع منکسر المزاج اور ہر دلعزیز عالم تھے۔ طلبہ اور مساکین کی امداد کرنے میں راحت و مسرّت محسوس کرتے تھے۔ ۶ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ/ ۱۰ جون ۱۹۲۴ء کو بمرض طاعون فوت ہوئے۔ نمازِ جنازہ اُن کے فرزند مولانا خدا بخش مرحوم نے پڑھائی تھی۔ جنازے کے شرکا میں مولانا حسین علی ساکن واں بچھراں نمایاں عالم تھے۔ مولانا فضل الٰہی حضرو میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ قبر پر حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کندہ ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

پیرِ ما شمعِ ہدایت بود عارف باکمال
طالبانِ راہِ خدا را راہنمائے بے مثال
در ورع در زہد و تقویٰ گوئے سبقت بُردہ بود
ای خدا در روزِ حشرت دہ او را جاہ و جلال

برزبانِ پیرو برنا ایں خبر مشہور شُد
قطبِ عالم شمع یزداں کرداز دُنیا رِحال
ایں قدر محسوس شداز انتقالت ای ولی!
رفت از دنیائے دوں آں چشمۂ آبِ زلال
گفت ہاتف ازرقم درگوشِ واحدؔ ایں سخن!
رفت از دارِ فنا آں صاحب طیب خصال

۱۳۴۲ھ

مولانا فضل الٰہی مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے تھے۔

۱۔ مولانا میاں خدا بخش ۲۔ مولانا عبدالرحمان فاضل دیوبند

۳۔ مولانا میاں محمد اکبر۔ والد ماجد مولانا فضل الٰہی کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔

فضل الٰہی وزیر آبادی

(وهابی نجدی اهل حديث)

مولانا فضل الٰہی بن میراں بخش بن رجب دین بن نور محمد قریشی ۲۷ر رمضان ۱۲۹۹ھ/ ۱۲ر اگست ۱۸۸۲ء کو وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ مشن ہائی سکول وزیر آباد سے میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا اور مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا۔ عربی اور فارسی کی بعض کتابیں اُن کے درس میں پڑھیں۔

عملی زندگی کا آغاز محکمہ ریلوے میں ملازمت سے کیا۔ ایک سال کام کیا ہوگا کہ ۱۹۰۳ء/ ۲۱-۱۳۲۰ھ میں سرحد پار مجاہدین کے امیر مولانا عبدالکریم سے ملاقات کی اور اُن کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی۔ امیر عبدالکریم نے انہیں برِ صغیر کے لئے اپنا خلیفہ نامزد کیا اور یہاں سے آدمی اور سرمایہ فراہم کرنا اُن کے فرائض میں داخل تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے یہ کام محنت، رازداری اور تندہی کے ساتھ کیا۔ مجاہدین کی اعانت کے الزام میں ۷ر نومبر ۱۹۱۵ء/ ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ کو گرفتار کئے گئے اور جالندھر جیل میں محبوس رہے اُن پر مقدمہ چلا مگر "جرم" ثابت نہ ہو سکا۔ جنگِ عظیم اول کے خاتمے پر رہا ہوئے۔ تاہم تین سال کے لئے وزیر آباد میں نظر بند کر دیئے گئے۔ حالات بگڑتے جا رہے تھے اور انگریزی حکومت سرحد پار مجاہدین کے ہمدردوں پر مقدمات قائم کر رہی تھی اس لئے مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی ۱۷ر اگست ۱۹۲۰ء/ ۲ر ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو ہجرت کر کے یاغستان چلے گئے۔

۱۹۳۹ء/ ۵۸-۱۳۵۷ھ میں اپنا نام "عبدالرزاق کابلی" ظاہر کر کے بمبئی کے راستے سے حج کا سفر کیا اور ارضِ حجاز سے واپسی پر برِ صغیر کے چیدہ چیدہ راہنماؤں سے ملے۔ مرشد آباد اور مونگیر میں کافی عرصہ مقیم رہے۔ اکابرِ مسلم لیگ، اور قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ سے

کئی ملاقاتیں کیں اور تحریکِ پاکستان میں کام کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد جہادِ کشمیر میں اُنہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت حصّہ لیا لیکن اچانک جنگ بندی کے اعلان سے دل برداشتہ ہو گئے اور اسی صدمے سے ۵ رمئی ۱۹۵۱ء / ۲۸ رجب ۱۳۷۰ھ کو جہلم میں وفات پائی۔
"غلطی ہائے عدیم المثالِ جہاں" اور "مسئلہ کشمیر" اُن کے رشحاتِ قلم میں سے ہیں۔

فضل علی قریشی

(وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا فضل علی قریشی بن فرزند علی قریشی ۱۲۷۰ھ/ ۵۳-۱۸۵۲ء میں داؤد خیل میں پیدا ہوئے۔ مولانا قمر الدین سے کتب درسیہ کی تحصیل کی اور دورۂ حدیث مولانا احمد علی محدث سہارن پوری (م ۱۲۹۷ھ) سے پڑھا۔

بھائیوں کے ساتھ داؤد خیل سے ترکِ سکونت کر کے ضلع مظفر گڑھ آئے اور حکومت سے کچھ رقبہ لے کر کاشتکاری شروع کی۔ ان کی کوششوں سے جنگل ہی لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں نہیں بدلا بلکہ "مسکین پور" کے نام سے ایک بستی آباد ہو گئی۔

مولانا فضل علی قریشی نے ابتداء میں مولانا سید لعل شاہ ساکن دندہ شاہ بلاول سے بیعت کی۔ ان کے وصال کے بعد موسیٰ زئی شریف گئے اور خواجہ سراج الدین (م ۲۶ ربیع الاوّل ۱۳۳۳ھ) کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی۔ موصوف اچھے خوشنویس تھے، خواجہ سراج الدین مرحوم کی خط و کتابت اُن ہی کے ذمے تھی۔

علمائے دیوبند کی خدماتِ دینیہ کے قدردان تھے۔ ایک دفعہ دیوبند گئے تو مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ) قاری محمد طیب اور دوسرے اکابرِ دیوبند نے عزت و احترام کا سلوک کیا۔ دیوبند سے دہلی آئے اور مفتی کفایت اللہ (م ۱۳۷۲ھ) کے مدرسہ امینیہ تشریف لے گئے۔ فرقِ باطلہ کے خلاف، علمائے دیوبند کا ساتھ دیا۔ ایک بار سید عطاء اللہ شاہ بخاری بغرضِ تقریر قادیان جا رہے تھے۔ وہ مولانا فضل علی کو باصرار ساتھ لے گئے چنانچہ قادیان میں اُن ہی کی صدارت میں خانہ زادِ نبوت کے بخیے ادھیڑے گئے۔

مولانا فضل علی کا ذریعہ معاش کاشتکاری تھا۔ خود ہل چلاتے اور فارغ اوقات میں اصلاح و ارشاد کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مہمان نواز، ایثار پیشہ اور متواضع بزرگ تھے۔ کوئی مہمان بے وقت آجاتا تو اپنا کھانا بھجوا دیتے اور خود صبر و شکر کر لیتے

ہے۔[1] موصوف کو تمباکو سے نفرت تھی اور ان کی توجہ کاملہ کا اثر تھا کہ بیعت ہونے والا شخص اگر تمباکو پینے یا کھانے کا عادی ہوتا تو وہ اس بُری عادت سے توبہ کر لیتا تھا۔[2]

یکم رمضان ۱۳۵۴ھ/ ۲۸ نومبر ۱۹۳۵ء کو مسکین پور میں واصل بحق ہوئے اور وہیں مزار ہے۔ مرحوم کے ۶۷ خلفائے عظام کی فہرست جناب محمد عبدالمالک صدیقی نے مرتب کی ہے[3] ان میں سے مندرجہ ذیل نے علمی و دینی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

۱۔ مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ

۲۔ مولانا محمد عبدالمالک صدیقی ساکن احمد پور شرقیہ

۳۔ مولانا حسین علی قریشی (مسکین پور)

۴۔ مولانا محمد عبداللہ مرحوم (بیلی شریف)

۵۔ خواجہ محمد سعید قریشی (م ۱۳۶۳ھ)

مولانا فضل علی کے پسماندگان میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

---

[1] تجلیات ص ۲۲

[2] تحفۂ زاہدیہ ص ۲۸

[3] تجلیات ص ۳۶ - ۳۸

فضل میراں (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا فضلِ میراں ٹبی غوث پور تحصیل و ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔[1] پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل تھے۔ ترکِ موالات کے زمانے میں آزاد مسلم ہائی سکول گجرات قائم کیا گیا جس کے کرتا دھرتا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (م ۱۳۸۱ھ) تھے آزاد مسلم سکول میں مدرس رہے تھے۔ اُن کے رفقائے کار میں مولانا نصر اللہ خان عزیزؔ اور ملک حسن علی جامعی صاحب شامل ہیں۔

مولانا فضلِ میراں، حضرت شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) کی تالیفات پر گہری نظر رکھتے تھے متذکرۃ الصدر بزرگ اُن سے حجۃ اللہ البالغہ کا درس لیتے تھے۔[2] مولانا موصوف کے حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہو سکے۔

اُنہوں نے علامہ سید عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی کی تالیف "انسان کامل" کا اُردو ترجمہ کیا تھا جو پہلی بار ملک محمد الدین مدیر "صوفی" نے شائع کیا تھا بعد میں نفیس اکیڈمی کراچی نے شائع کیا۔

ایک روایت کے مطابق انہوں نے شاہ ولی اللہ کے مشہور رسالہ "ہمعات" کا ترجمہ بھی کیا تھا۔

---

[1] دیباچہ "انسانِ کامل"

[2] مکتوب پروفیسر محمد سرور بنام راقم الحروف۔

فقیر اللہ نوشابی ثم مدراسی (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا فقیر اللہ[1] بن فتح دین بن عبداللہ موضع کھٹہ مصرال تحصیل نوشاب میں ۱۲۸۰ھ / ۶۴-۱۸۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے برادرِ بزرگ مولانا محمد سے حاصل کی۔ مولانا محمد، سید نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے۔ اس کے بعد مولانا فقیر اللہ نے حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور مولانا عبدالجبار امرتسری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آخر میں موصوف اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی چلے گئے۔ سید نذیر حسین دہلوی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ استادِ گرامی مولانا دہلوی کے حکم پر بنگلور تشریف لے گئے۔ بنگلور میں انہوں نے "مدرسہ نصرت الاسلام" کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کی۔ کچھ عرصہ بعد مدراس تشریف لے گئے۔ اور باقی عمر وہیں گزار دی اس لئے "مدراسی" مشہور ہو گئے۔ مدراس میں انہوں نے "مدرسہ احیاء الاسلام" جاری کیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ تحریکِ مجاہدین کے لئے مدراس سے رقوم بھجواتے تھے۔

مولانا فقیر اللہ ۹، شوال ۱۳۴۱ھ / ۲۵، مئی ۱۹۲۳ء کو فوت ہوئے[2] اور بنگلور میں سپردِ خاک کئے گئے۔

مولانا فقیر اللہ نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی اہلیہ پنجاب کی تھیں۔ جن سے دو صاحبزادے (مولانا عبداللہ اور حافظ احمد سعید) اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ ایک صاحبزادی کا عقد نکاح مولانا نجم الدین ڈھریالوی اور دوسری کا مولانا حافظ محمد گوندلوی سے ہوا۔

---

[1] ابتداء میں نام "فقیر محمد" تھا جسے فقیر اللہ سے بدل دیا۔

[2] سیرتِ ثنائی ص ۳۷۳ (حاشیہ)۔ صاحب نزہت الخواطر نے سالِ وفات ۱۳۳۴ھ / ۱۶-۱۹۱۵ء لکھا ہے۔ (جلد ۸، ص ۳۶۵)

مولانا فقیر اللہ نے دوسری شادی مدراس میں مولانا محمد اسماعیل مدراسی کی ہمشیرہ سے کی جن سے دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے مولانا عطاء اللہ سلفی پیدا ہوئے۔[1]

مولانا فقیر اللہ سے حسب ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ القول المصدوق فی اثبات التشہد للمسبوق

۲۔ التبری من افتراء المفتری

۳۔ الموعظۃ الحسنۃ فی خطبۃ الجمعۃ بکل لسان من الالسنۃ

۴۔ رسالہ فی اثبات الجہر بالفاتحہ فی صلوٰۃ الجنازہ

---

[1] سیرت ثنائی ص ۳۷۳ (حاشیہ)

فقیر اللہ نیازی

مولانا فقیر اللہ نیازی بن مولانا غلام محمد نیازی ۱۸۹۲ء/۱۰-۹-۱۳۰۹ھ میں قلعہ سوبھا سنگھ ضلع سیالکوٹ کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام محمد نیازی جیّد عالم اور سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ کے اہم فرد تھے۔ اُنہیں خواجہ سچیار نوشاہیؒ سے ارادت و محبت تھی۔

مولانا فقیر محمد نیازی کی رسمِ بسم اللہ خواجہ سچیار نوشاہی نے ادا کی۔ اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ محترم سے حاصل کی۔ بعد میں مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں، مدرسہ نعمانیہ لاہور اور مدرسہ منظرالاسلام بریلی میں "درسِ نظامی" کا نصاب مکمل کیا۔ پچیس سال کی عمر میں دستارِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا فقیر محمد نیازی، پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری کے ارادت مند تھے اور اُن کی تبلیغی و دینی مساعی میں تعاون کرتے تھے۔ تحریکِ خلافت میں اُنہوں نے اپنے مرشدِ گرامی کی ہدایت پر عمل کیا۔ اسی طرح فتنۂ ارتداد کے زمانے میں دعوت و تبلیغ کا کام کیا۔ تحریکِ مسجد شہید گنج میں پیر سید جماعت علی شاہ کے پہلو بہ پہلو رہے۔ اِس راہ میں اُنہوں نے خندہ پیشانی سے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد سیالکوٹ میں مقیم رہے اور علمی و دینی کام کرتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور جیل گئے۔ راولپنڈی اور سیالکوٹ کی جیلوں میں رہے۔ ۱۴ر اگست ۱۹۶۲ء/۱۳ر ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو ستّر سال کی عمر میں فوت ہوئے اور قبرستان شہیداں سیالکوٹ میں مدفون ہوئے۔

خواجہ فقیر محمد چوروی

خواجہ فقیر محمد بن نور محمد بن فیض اللہ تیراہی بن خان محمد کا سلسلۂ نسب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی سے ملتا ہے۔ اُن کی تاریخِ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ البتہ اُن کی ولادت خواجہ فیض اللہ تیراہی (م ۸ ربیع الاول ۱۲۴۵ھ) کی زندگی میں تیرٹی شریف نزد تیراہ میں ہوئی تھی۔[۱] اس اعتبار سے موصوف ۱۲۴۵ھ سے پہلے پیدا ہوئے۔

خواجہ فقیر محمد نے علومِ دینیہ کی تحصیل والدِ ماجد سے کی اور اُن ہی کے ہاتھ پر سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی۔ بیس سال کی عمر میں خرقۂ خلافت سے نوازے گئے اور اپنے برادرِ اصغر خواجہ دین محمد کے ساتھ اندرونِ پنجاب کا اصلاحی و تبلیغی سفر کیا۔ دو ماہ کے اس سفر میں اُنہوں نے ضلع گجرات اور ضلع سیالکوٹ میں رشد و ہدایت کی روشنی عام کی۔

خواجہ فقیر محمد کے ذریعہ سلسلۂ نقشبندیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اُن سے ایک دنیا نے استفادہ کیا۔ جب کسی شخص کو حلقۂ ارادت میں داخل کرتے تو اُسے "دوست" کہہ کر پکارتے اور بوقتِ بیعت ایسے اشعار پڑھتے، جن میں تعلق باللہ اور حبِ رسول ﷺ پر زور ہوتا تھا۔ بعض مواقع پر یہ شعر پڑھتے:

ہر دم خدا را یاد کن، دلہائے غمگین شاد کن!
بلبل صفت فریاد کن، مشغول شو در ذکر ہُو

غافلی کفر است پنہاں در وجودِ آدمی
ایں چنیں کافر شدن را حاجتِ زنار نیست

کبھی کبھی جذب و کیف میں پڑھا کرتے تھے:

ہر چہ در کائنات می بینم ۔۔۔ ہمہ را نورِ ذات می بینم
من کہ در ذاتِ او شدم فانی ۔۔۔ کے بسوئے صفات می بینم

۲۹ محرم ۱۳۱۵ھ[1] / ۵ جولائی ۱۸۹۷ء کو چورہ شریف میں فوت ہوئے اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ "غفرلہٗ" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔ اُن کے معروف خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوری
۲۔ سیّد جماعت علی شاہ ثانی لاثانی
۳۔ صاحبزادہ غلام محی الدین بن مولانا محمد خان عالم (باؤلی شریف)
۴۔ حافظ عبدالکریم (راولپنڈی)
۵۔ مولانا غلام محمد بگوی
۶۔ مولانا محمد حسین پسروری
۷۔ خواجہ احمد بنی چوروی (صاحبزادہ)

---

[1] انوارِ تیراہی میں غلطی سے ۱۳۱۶ھ لکھا گیا ہے ص ۸۷

فقیر محمد جہلمی

مولانا فقیر محمد جہلمی بن حافظ محمد سفارش ۱۲۶۰ھ/۴۴-۱۸۴۳ء میں بمقام "چتن" (ضلع جہلم) پیدا ہوئے۔ پانچ چھ سال کی عمر میں گاؤں کی مسجد میں قرآن مجید پڑھنے کے لئے بٹھائے گئے۔ ختم قرآن کے بعد میاں قطب الدین (ساکن ٹاہلیانوالہ) سے فارسی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا نور محمد[1] (ساکن کھائی کوٹلی۔ ضلع جہلم) سے صرف و نحو، فقہ اور دیگر علوم کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد راولپنڈی گئے جہاں مولانا عبدالکریم شاہپوری اور مولانا محمد حسن دیفروزوالا ضلع گوجرانوالہ سے منطق کی تحصیل کی۔

۱۲۷۶ھ/۶۰-۱۸۵۹ء میں دہلی کا سفر اختیار کیا اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے درس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے منطق و فلسفہ پڑھانے سے معذرت کر دی اور انہیں مولانا محمد شاہ مؤلف "مدار الحق" کے سپرد کیا۔ چند دن بعد مولانا مفتی صدر الدین آزردہ (م ۱۲۸۵ھ) کے ہاں چلے گئے اور ڈیڑھ سال اُن کی خدمت میں رہ کر علمی و دینی استفادہ کیا۔ اواخر ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۱ء میں واپس وطن آگئے۔ یہاں سے لاہور جا کر مولانا کرم الٰہی (م ۱۲۸۲ھ) سے علومِ متداولہ کی تکمیل کی۔

لاہور کے زمانۂ قیام میں فنِ خوشنویسی میں مہارت حاصل کی۔ مرزا امام ویردی ایرانی (متوطن حویلی میاں خان۔ لاہور) اور اُن کے شاگرد صوفی غلام محی الدین سے استفادہ کیا۔ میر احمد حسین دہلوی سے بھی فن کے رموز سیکھے تھے۔ مطبع ناظر خیر اللہ خان کابلی میں کتابت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۲۸۳-۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں مطبع آفتابِ پنجاب لاہور میں قانونی کتب کی کتابت اور

---

[1] شاگرد مولانا رحمت اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

رسالہ "انوار الشمس" کی ادارت پر مامور ہوئے۔ مارچ ۱۸۷۵ء/۱۲۹۲ھ میں اخبار "آفتابِ پنجاب" کے مدیر مقرر ہوئے اور ۱۸۸۴ء کے وسط تک فرائضِ ادارت انجام دیئے۔

۳ر اکتوبر ۱۸۸۴ء/ ۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ سے اپنے لختِ جگر "محمد سراج الدین خان مرحوم" کے نام پر جہلم میں "مطبع سراج المطابع" کی بنیاد رکھی اور ۵ر جنوری ۱۸۸۵ء/۱۸ر ربیع الاولیٰ ۱۳۰۲ھ سے ہفت روزہ "سراج الاخبار" جاری کیا۔

محمد دین فوقؔ نے "سراج الاخبار" کے مضامین کے بارے میں لکھا ہے:

"سراج الاخبار میں جو نظمیں چھپتی ہیں وہ بالعموم عامیانہ اور غیر مستند ہوتی ہیں اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی صاحب کو خود شاعری کا مذاق نہیں ہے۔ اخبار میں شیعہ، اہلِ حدیث اور احمدی صاحبان کے خلاف اکثر مضامین چھپا کرتے ہیں اور یہ شاید اس لئے کہ مولوی صاحب کے مذہبی مذاق سے اُن کے ناظرین واقف ہیں اور وہ اُن ہی کے مذاق کے مضامین بھیجا کرتے ہیں"[۱]

مولانا فقیر محمد جہلمی زمانہ طالب علمی میں مولانا حافظ ولی اللہ لاہوری سے متعارف ہوئے اور اُن کے زیرِ اثر تردیدِ عیسائیت کا ذوق پیدا ہوا۔ اخبار "کوہ نور" (لاہور) اور اخبار "منشور محمدی" (بنگلور) میں اُن کے مضامین طبع ہوتے تھے۔

اُن سے حسبِ ذیل تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ حدائق الحنفیہ
۲۔ رسالہ آفتابِ محمدی
۳۔ عمدۃ الابحاث فی وقوع طلقات الثلاث

---

[۱] اخبار نویسوں کے حالات ص ۶۱

۴۔ السیف الصارم لمنکرشان الامام الاعظم

۵۔ زبدۃ الاقاویل فی ترجیح القرآن علی الاناجیل

۶۔ ترجمہ تصدیق المسیح

اِن کتابوں کے علاوہ مولانا ولی اللہ لاہوری کی حسبِ ذیل تحریرات پر حواشی لکھے ہیں:

۱۔ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان

۲۔ ابحاثِ ضروری

۳۔ مباحثہ دینی

مولانا فقیر محمد جہلمی مصروف علمی اور دینی زندگی گزار کر ۱۳۶۵ھ/۱۹۱۶ء کو فوت ہوئے۔[۱]

---

[۱] ماہنامہ "نقوش" "آپ بیتی نمبر" ص ۱۴۸۱

فقیر محمد نقشبندی

مولانا فقیر محمد بن خواجہ غلام حسن نقشبندی موضع ڈگر سوہاگ (سواگ) میں پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی کتب درسیہ مولانا گل حسن (خلیفہ خواجہ غلام حسن نقشبندی) سے پڑھیں۔ مولانا عبدالکریم جامپوری، مولانا فتح محمد (ریتڑہ والا)، مولانا جان محمد پیلانوی، مولانا احمد یار، حافظ محمد رمضان، مولوی فضلِ حق (کرڑی شموزئی)، مولانا حامداللہ گھوٹوی اور مولانا مریداحمد (ساکن بیبل) کے نام اُن کے اساتذہ میں ملتے ہیں۔

مولانا فقیر محمد مطالعہ کے بہت شوقین تھے۔ فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے اپنے والدِ ماجد سے مجازِ بیعت تھے۔

مولانا موصوف "صرع" کی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بہت علاج کیا گیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ اپنے والدِ ماجد کی زندگی میں صرع کے دورہ میں تالاب میں گر کر ۱۳ ربیع الاولیٰ ۱۳۴۶ھ / ۱۰ ستمبر ۱۹۲۷ء کو وفات پائی۔ چاہ تھل کے مقام پر مدفون ہوئے۔ مولوی عبدالرسول نے قطعۂ تاریخ کہا۔ چند اشعار یہ ہیں:

دریغا صاحبِ اعزاز و علا رفت — زدنیا صاحبِ صدق و صفا رفت

. . . . — . . . .

. . . . — . . . .

حکیم عبدالرسول این خبر بشنید — پئے تاریخ گفتن مصلحت دید

بگفتا از غمِ این صدمۂ سخت — ولی و عالمِ کامل جواں بخت [1]

۱۳۴۶ھ

---

[1] فیوضاتِ حسنیہ ص ۳۰۲

فیروز الدین

مولوی فیروز الدین لاہوری بن جان محمد بن میاں امام بخش بن جیوے خان، اگست ۱۸۶۴ء/۸۱-۱۲۸۰ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ راجپوت برادری کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے جدامجد جیوے خان مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ایک عہدے دار تھے اور آبائی گاؤں نیاز بیگ سے نقل مکانی کر کے لاہور آ گئے تھے۔ جیوے خان کے پوتے جان محمد نے علم دین حاصل کیا۔ لاہور کے اچھے پڑھے لکھے لوگوں میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ جب مہاراجہ شیر سنگھ کو فارسی پڑھانے کے لیے اُستاد کی ضرورت محسوس ہوئی تو مہاراجہ کی نظر مولوی جان محمد پر پڑی سردار بخشیش سنگھ کے علاوہ بعض دوسرے نوجوان سکھ سردار اُن کے شاگرد تھے۔

مولوی فیروز الدین کے نانا مولوی نجم الدین "اندرون دروازہ شیرانوالہ محلہ نوگھرا کے بازار میں ایک چھوٹی سی مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرتے تھے"[1]

اس خاندانی پس منظر میں مولوی فیروز الدین کی تعلیم شروع ہوئی۔ ابتدا والدِ ماجد سے کی مگر ابھی آٹھ نو سال سے زیادہ عمر نہ تھی کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ فارسی درسیات کا کافی حصہ برادرِ بزرگ مولوی فتح الدین اور چچا خلیفہ نبی بخش سے پڑھا۔ ۱۸۷۸ء/۱۲۹۵ھ میں اورئینٹل کالج لاہور کی جماعت "منشی عالم" میں داخلہ لیا اور فارسی زبان و ادب کی تحصیل کی۔

مولوی صاحب کو دورِ طالب علمی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ ان کے شوق کو دیکھتے ہوئے مسٹر ولیم۔ ریل ڈائریکٹر تعلیمات نے اُنہیں تصنیف و تالیف کے ساتھ اشاعت و طباعت کی طرف توجہ دلائی۔ اُنہوں نے چارٹوں اور درسی کتابوں کی طباعت و اشاعت شروع کی۔ فیروز پرنٹنگ پریس کے نام سے چھاپہ خانہ قائم کیا۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں اس قدر ترقی دی کہ آج اُن

---

[1] جہادِ زندگی ص ۳۴

کا خاندان ملک کے امیر ترین خانوادوں میں شمار ہوتا ہے۔ ۱۹۴۴ء میں انہوں نے دو لاکھ کی رقم سے "فیروز سنز ٹرسٹ" کے نام سے ایک وقف قائم کیا جس کے زیرِ اہتمام پشاور، لاہور اور کراچی میں خیراتی شفاخانے کام کر رہے ہیں۔

مولوی صاحب نادر شاہ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد جشنِ استقلال میں شرکت کے لئے افغانستان گئے۔ ۱۹۳۰ء میں زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے۔ اُن کے والد کو فقراء و صوفیاء سے بہت عقیدت تھی اور یہ عقیدت و ارادت انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ پہلے حضرت احمد علی کابلی سے بیعت ہوئے۔ اُن کی رحلت کے بعد ایک پٹھان مولوی عبداللہ صاحب سے تعلقِ بیعت استوار کیا مگر اُن کی بیعت کرنا ایک فعلِ عبث ثابت ہوا۔[1] آخر کار خواجہ اللہ بخش تونسویؒ سے رشتۂ ارادت قائم کیا۔

مولوی صاحب اشاعتی سرگرمیوں میں مصروف ۲ اپریل ۱۹۴۹ء/۲ رجمادی الاخری ۱۳۶۸ھ کو فوت ہوئے اور مزار حضرت علی ہجویریؒ کے قریب دفنائے گئے۔

مولوی صاحب نے اپنی خود نوشت "جہادِ زندگی" میں حسبِ ذیل کتابوں کو اپنی تالیفات میں شمار کیا ہے۔ ان میں سے بعض کتابوں پر محکمۂ تعلیم نے گراں قدر انعامات سے اُن کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

۱۔ بیان المطلوب ترجمہ کشف المحجوب[2]۔

۲۔ اُردو ترجمہ کشف الاسرار (منسوب بہ حضرت علی ہجویریؒ)

۳۔ تاریخ دربارِ دہلی (۱۹۰۳ء)

---

[1] جہادِ زندگی ص ۱۶۳

[2] جناب محمد نصر اللہ خان نے اس ترجمے کو اپنے والد گرامی مولانا رحمت علی خان سامی کی کاوش قرار دیا ہے۔ (مولانا رحمت علی خان سامی مرحوم ص ۹)

۴۔ یادگارِ سعدی

۵۔ فیروز اللغات (اُردو۔ اُردو)

۶۔ فیروز اللغات (فارسی۔ اُردو)

۷۔ تاریخ دربارِ اسلام

۸۔ اُردو ترجمہ قرآن و تفسیر "تسہیل القرآن"[۱]

۹۔ الہام منظوم ترجمہ مثنوی مولانا روم

مولوی صاحب اپنی تالیفات کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"کشف المحجوب اور کشف الاسرار کے ترجمے اور فیروز اللغات اُردو و فارسی کی تدوین کے علاوہ میں نے اور بھی بہت سی علمی، ادبی، درسی اور مذہبی کتب تصنیف و تالیف کیں جن میں تاریخ دربارِ اسلام اور مثنوی مولانا روم کا منظوم ترجمہ قابلِ ذکر ہے۔ تاریخ دربارِ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے لے کر خلفائے راشدین تک کے مبسوط حالات نہایت تفتیش و تفحص کے بعد درج کئے گئے ہیں۔ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے جس کی مجموعی ضخامت ایک ہزار صفحات ہے۔ ایک عالم نے اس کتاب کی بڑی قدر افزائی کی۔ اسی طرح مثنوی مولانا روم کے ترجمے نے بھی (جس کا نام الہام منظوم ہے) علمی ادبی حلقوں سے کما حقہ، خراجِ عقیدت وصول کیا[۲]۔ میری تمام تصانیف کا

---

[۱] جناب محمد نصر اللہ خان نے اسے بھی اپنے والد گرامی مولانا رحمت علی خان ساحی کی کاوش قرار دیا ہے۔ (مولانا رحمت علی خان ساحی مرحوم ص ۹)

[۲] جناب سیماب اکبر آبادی (م ۱۳۷۱ھ) "الہام منظوم" کے بارے میں ساغر نظامی کو لکھتے ہیں:

"آج بے حد متالم ہوں۔ الہام منظوم کا پہلا دفتر لاہور سے وصول ہوا ہے اس کے سرِ صفحہ

حجم پچاس ہزار صفحات کے لگ بھگ ہوگا۔[1]

مولوی صاحب نے سرسید احمد خان کی اصلاحی تحریک میں اپنے اخبارات کے ذریعے حصّہ لیا۔ پہلے "پنجاب پنچ" اور پھر "مشیرِ ہند" کے نام سے اخبار جاری کیے۔ تحریکِ آزادی میں اُن کے انگریزی اخبار "ایسٹرن ٹائمز" نے اہم کردار ادا کیا۔ اُنہوں نے ایک علمی و ادبی مجلہ "تعلیم و تربیت" بھی جاری کیا جسے ۱۹۴۱ء میں تمام حصّتاً بچّوں کے لیے وقف کر دیا جو بچّوں کے اُردو رسائل میں منفرد حیثیت کا مالک ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پر مرتبہ مولوی فیروزالدین لکھا ہوا ہے۔ گویا اس خواب کی تعبیر ہے جو آغازِ کار میں مجھے اور آپ کو نظر آگیا تھا۔ لیکن پھر بھی مولوی صاحب کی اس سرمایہ دارانہ خود غرضی نے مجھے بہت ملول کیا۔"

(روح مکاتیب ص ۱۹۲ - ۱۹۴)

اس پر ساغر نظامی صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "یہ شدید غلط بیانی اور تاریخی حق تلفی ہے۔ ساتوں دفتر کا ترجمہ صرف مولانا سیماب نے تنہا کیا ہے۔"

[1] جہادِ زندگی ص ۷۴ - ۷۵

فیض الحسن جہلمی

مولانا فیض الحسن بن مولانا محمد حسن فیضی ۲۷ رجمادی الاولی ۱۳۰۰ھ / ۶ اپریل ۱۸۸۳ء کو "بہلیں" میں پیدا ہوئے۔ علوم مروجہ کی تحصیل اپنے فاضل اور جید والد محترم سے کی۔ ۱۹۰۷ء / ۱۳۲۵ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اپنے والد ماجد کی طرح جامعہ نعمانیہ لاہور میں مدرس رہے۔

شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور فیضؔ تخلص کرتے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح (م ۱۵۰ھ) کی منقبت میں ایک قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:[1]

کیف اثنیت جل من الثناء ۔۔۔ ل فی وصف حجی العلماء!

جل عما نقول فیہ کما جل ۔۔۔ با وصافہ عن النظراء

امامنا بل امام کل امام ۔۔۔ ورکن قصر الشریعۃ الغراء

حیوٰۃ دین ابو حنیفۃ حیز ۔۔۔ المکرمات وسند الاصفیاء

کان واللّٰہ روضۃ الدین فی ۔۔۔ الغبراء اغصانہ علی الخضراء

قمر الفلک آفل کل یوم ۔۔۔ ولذاک السکون وسط سماء

لابہ آفتہ اطحاق وان لا ۔۔۔ یبصر الفضل مقلۃ عمیاء

تم النظم ایہا الفیض استغفر ۔۔۔ لما قد جنیت من انحطاء

مولانا فیض الحسن تصنیف و تالیف کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ منشی محبوب عالم مدیر "پیسہ اخبار" کے شائع کردہ انسائیکلو پیڈیا کے مدیروں میں شامل تھے۔ انہوں

---

[1] انتخاب مناقب سلیمانیہ ص ۱۹۷-۱۹۸ بحوالہ تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۳۹۳

نے عربی کی متعدد کتابوں کو اُردو کا جامہ پہنایا۔ اُن کے چند تراجم یہ ہیں

۱۔ علم الکلام (امام غزالیؒ)

۲۔ تجرید الاحادیث (امام عبدالرؤف منادی)

۳۔ حدائق الاخبار (محمد صادق فرغانی)

۴۔ سیرت محمد عربی (ٹالسٹائی)

جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ/نومبر ۱۹۲۸ء کو وفات پائی اور آبائی گاؤں بھیں میں مدفون ہوئے۔

قائم الدین عباسی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا قائم الدین عباسی قصبہ محمد پور دیوان ضلع ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے مولانا حبیب اللہ گمانوی سے اکتساب فیض کیا تھا۔ دورۂ حدیث کی تکمیل نہ کر سکے تھے مگر خداداد قابلیت و ذہانت سے علوم مروجہ خصوصاً فقہ و حدیث میں بلند مقام رکھتے تھے۔

مولانا عباسی نے تحریکِ ختم نبوت (۱۹۵۳ء) میں بہت کام کیا تھا۔ اس کے بعد موضع جتوئی ضلع مظفر گڑھ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ مولانا دوست محمد قریشی کی ترغیب و تشویق پر تنظیم اہل سنت میں شامل ہوئے اور تنظیم کے پلیٹ فارم پر سرگرم تبلیغ رہے۔ فن تقریر میں ان کی سلاست و فصاحت ضرب المثل تھی۔ اصلاح معاشرہ اُن کی تقریروں کا اہم موضوع ہوتا تھا۔

مولانا عباسی ایک ماہ بیمار رہ کر ۱۹۷۴ء کے آغاز (۱۳۹۴ھ) میں جتوئی ضلع مظفر گڑھ میں فوت ہوئے۔ مولانا منظور احمد عباسی نے اُن کی تعمیر کردہ مسجد اور مدرسہ کا انتظام سنبھالا۔[1]

[1] ملخص از کشف الحقیقت ص ۲۹۲-۲۹۳

حافظ سیّد قل احمد نوشاہی

حافظ سیّد قل احمد نوشاہی بن حکیم سیّد الٰہی بخش ۱۲۱۲ھ/۹۸-۱۷۹۷ء میں ساہن پال ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ خانوادۂ نوشاہ گنج بخشؒ کے ممتاز افراد میں سے تھے۔ اُنہوں نے علوم متداولہ کی تحصیل اپنے جد امجد حافظ سیّد نور اللہ (م ۱۲۲۹ھ) اور اپنے والد بزرگوار سے کی نیز اپنے چچا زاد بھائی مولانا سیّد غلام قادر بن سیّد عبداللہ نوشاہی اور مولانا محمد غوث (چکریاں والا) سے بھی استفادۂ دینی کیا۔

خالصہ حکومت کی جانب سے روزینہ مقرر تھا اور کچھ زمین بصیغہ "دھرم ارتھ" ملی تھی۔ چوہتر سال کی عمر میں ۲۳ ربیع الاخریٰ ۱۲۸۶ھ/۲ اگست ۱۸۶۹ء کو ساہن پال میں فوت ہوئے اُن کے دو صاحبزادے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا سیّد محمد امین مختار السالکین (م ۱۳۱۰ھ)

۲۔ مولانا سیّد محمد شفیع (م ۱۳۱۱ھ)

حافظ سیّد قل احمد سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں۔ مولانا شرافت نوشاہی صاحب نے جدید تحقیقی اصولوں کے مطابق ترتیب وتدوین کی ہے۔

۱۔ بستان الاوراد	۲۔ ثمرات الافکار
۳۔ وسائط العلوم	۴۔ مخزن الاعمال
۵۔ مصباح العلاج	۶۔ لغاتِ نوشاہی
۷۔ تبیان القرآن	۸۔ مکتوبات

پیر قلندر شاہ لاہوری

پیر قلندر شاہ بن پیر کرم شاہ (المعروف بہ میںتا شاہ) بن پیر ابوالفتح (المعروف بہ شاہ جیو) ۱۱۸۵ھ/ ۷۲-۱۷۷۱ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں سلسلۂ اصلاح وارشاد اور خدمتِ دین کئی پشتوں سے چلی آ رہی ہے۔

۱۱۹۶ھ/ ۸۲-۱۷۸۱ء میں اُن کے والدِ ماجد اپنے اہل وعیال کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے تھے۔ پانچ سال کے بعد وطن واپس آ رہے تھے کہ شاہجہانپور کے نزدیک ۱۲۰۱ھ/ ۸۷-۱۷۸۶ء میں قزاقوں سے مڈ بھیڑ ہو گئی جس میں پیر کرم شاہ کام آ گئے۔

پیر کرم شاہ کے پس ماندگان وطن آنے کے بجائے بانس بریلی چلے گئے جہاں ۱۲۰۴ھ/ ۹۰-۱۷۸۹ء تک رہے۔ پیر قلندر شاہ نے اِس زمانے میں حصولِ فیض کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ شیخ بدرالدین رہتکی ثم لکھنوی (م ۱۲۰۵ھ) کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی۔ اُن کی رحلت پر اُن کا مسقّف مقبرہ بنوایا۔ لکھنؤ سے ردولی، الٰہ آباد اور محمد آباد بنارس کے سفر کئے اور تکمیلِ تعلیم کی۔

پیر قلندر شاہ ۱۲۱۰ھ/ ۹۶-۱۷۹۵ء میں واپس لاہور آ گئے۔ شعبان ۱۲۳۶ھ/ ۱۸۲۰ء میں موضع رتہ پیراں ضلع شیخوپورہ میں اراضی خریدی اور وہیں منتقل ہو گئے۔ وہیں ۲ر رمضان ۱۲۴۸ھ/ ۱۷ر فروری ۱۸۳۳ء کو فوت ہوئے۔

پیر قلندر شاہ اپنے وقت کے کامل سہروردی بزرگ اور بڑے اہلِ دل مصنف تھے۔ ان کے حسبِ ذیل رسائل ملتے ہیں۔[۱]

۱۔ فہرست مخطوطاتِ فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور ص ۹۱-۹۷

۱۔ بیانِ حق (فارسی)، نجم الدین النسفی (م ۵۳۷ھ) کے رسالہ موسومہ "العقائد النسفیہ" کی منظوم شرح ہے۔

۲۔ حلیہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فارسی۔ منظوم)

۳۔ حلیہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ہندی۔ منظوم)

۴۔ معراج القبول (فارسی۔ منظوم)

پیر قلندر شاہ کی اکثر منظومات "قصائد قلندری" میں طبع ہو چکی ہیں۔

سیّد قلندر علی گیلانی سہروردی

سیّد ابوالفیض قلندر علی نسبًا گیلانی اور مشربًا سہروردی تھے۔ وہ موضع کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ گھر کا ماحول مذہبی اور علمی تھا۔ ابتدائی تعلیم والدِ ماجد سے پائی۔ ابھی آٹھ سال کے تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے نامساعد حالات میں تعلیم جاری رکھی۔ مڈل کا امتحان پاس کر کے دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ بریلی میں مولانا احمد رضا خان بریلوی سے استفادہ کیا۔ مدرسہ منظر اسلام میں تقریبًا اڑھائی سال مقیم رہے۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا شیر محمد شرقپوری سے بھی استفادہ کیا۔ حیات گڑھ (گجرات) کے بزرگ مولانا غلام محمد سہروردی سے بیعت تھے اور اُن کی طرف سے بیعتِ طریقت کے مجاز بھی۔

سیّد قلندر علی گیلانی جامع مسجد شاہ ابوالمعالیؒ لاہور کے خطیب تھے۔ کئی سال یہاں خطابت اور درس و تدریس کی خدمات انجام دینے کے بعد مسجد چودہریاں قلعہ گوجر سنگھ میں منتقل ہوئے۔ اُن کی تقریر دلنشین اور مؤثر ہوتی تھی۔ معمولات میں سنتِ نبوی کا خاص خیال رکھتے تھے۔

۲۷ صفر ۱۳۷۷ھ / ۱۰ ستمبر ۱۹۵۸ء کو قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں فوت ہوئے۔ میّت ہنجروال (لاہور سے سات میل دُور ملتان روڈ پر ایک گاؤں) لائی گئی اور تدفین عمل میں آئی۔

گیلانی مرحوم نے حسبِ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ سیّاحِ لامکان   ۲۔ جمالِ رسول

۳۔ موعظۃ للمتقین
۴۔ صحیفہ غوثیہ
۵۔ دعوت الحنفیہ
۶۔ حلیۃ النبی
۷۔ لباس التقویٰ
۸۔ رسالہ علم غیب
۹۔ الفخر فخری
۱۰۔ قمیص یوسفی
۱۱۔ تذکرہ سُہروردیہ
۱۲۔ تعارف سُہروردیہ
۱۳۔ جمالِ الٰہی
۱۴۔ میلاد الرسول
۱۵۔ پردۂ نسواں

قمر الزمان بلند شہری (شیعہ رافضی اھل تشیع)

مولانا سید قمر الزمان بن سید محمد رفیع رضوی سبزواری چھولس ضلع بلند شہر (بھارت) کے باشندے تھے۔ وہیں ۱۹۰۷ء/۱۳۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۱۹ء کے لگ بھگ مدرسہ عربیہ منصبیہ میرٹھ میں داخل ہوئے۔ مولانا یوسف حسین صاحب اور مولانا سبطِ حسین صاحب سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد امروہہ جاکر حاجی مرتضیٰ حسین صاحب (والد گرامی جناب یوسف حسین صاحب) سے درس لیا۔ وہاں سے سلطان المدارس لکھنؤ گئے اور علومِ مروجہ کی تکمیل کر کے "صدر الافاضل" کی سند لی۔ حکیم منّے آغا صاحب سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۹ء/۴۸-۱۳۴۷ھ میں میرٹھ آئے اور مطب و تدریس کا شغل شروع کیا۔ ۱۹۳۵ء/۵۴-۱۳۵۳ھ سے تقسیمِ ہند تک مادرِ علمی مدرسہ عربیہ منصبیہ میں درس دیا۔

مولانا قمر الزمان تقسیمِ ہند کے بعد لاہور آ گئے اور دیال سنگھ کالج میں اسلامیات کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ انہوں نے لاہور میں علمی مذاکرات اور تحریکوں کو زندگی بخشی۔ انہوں نے اپنی محنت اور خداداد صلاحیتوں سے ایک مختصر سا حلقہ قائم کر لیا تھا۔ جامعہ امامیہ میں درس دیتے تھے اور اہلِ علم کے قدردان تھے۔

۲۹ رجب ۱۳۷۹ھ/۲۹ جنوری ۱۹۶۰ء کو آنت پھٹ جانے سے فوت ہوئے۔[1] مرحوم منطق و فلسفہ میں انتہائی کمال رکھتے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں

---

[1] مطلع انوار ص ۳۶۱-۳۶۲

گاہے ماہے شعر بھی کہتے تھے۔ مولانا سیّد مرتضیٰ حسین فاضلؔ نے اُن کی حسبِ ذیل کتابوں کی اطلاع دی ہے:

۱۔ رازِ قدرت
۲۔ الحکمۃ الطالعہ شرح شمس البازغہ
۳۔ ترجمہ جامع المسائل (فقہ)

محمد کرم الدین دبیر

مولانا محمد کرم الدین دبیر ۱۸۵۲ء/ ۷۰-۱۲۶۹ھ کے لگ بھگ بھیں ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کر کے لاہور اور امرتسر کے اساتذۂ وقت سے استفادہ کیا۔ کچھ عرصہ مولانا احمد علی سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) کے حلقۂ درس میں شریک رہے۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد چند سال وطن مالوف میں مشغولِ تدریس رہے۔ مولانا فقیر محمد جہلمی مؤلف "حدائق الحنفیہ" سے دوستانہ روابط رکھتے تھے۔ اُن کے ایماء پر ہفت روزہ "سراج الاخبار" کے مدیر ہو گئے۔

مولانا دبیر مناظرانہ مزاج رکھتے تھے اور مناظرین کی جملہ خوبیوں۔ طلاقتِ لسانی، حاضر جوابی، منطقیت اور مضبوطِ قوتِ یادداشت سے بدرجہ اتم بہرہ مند تھے۔ یوں تو انہوں نے اہل تشیع، اہل حدیث اور قادیانی حضرات سب ہی سے مباحثے کئے تھے مگر اُن کا اصل ہدف قادیانیت تھی۔ انہوں نے "سراج الاخبار" میں قادیانیت پر خوب لکھا اور جلسوں میں مرزا غلام احمد قادیانی کو بھرپور تنقید کا نشانہ بنایا۔ مرزا صاحب کے معتقدین نے اُن پر یکے بعد دیگرے مقدمے قائم کئے۔

پہلا مقدمہ ۴ر نومبر ۱۹۰۲ء کو اور دوسرا مقدمہ ۲۹ر جون ۱۹۰۳ء کو حکیم فضل دین بھیروی کی جانب سے گورداس پور میں دائر کیا گیا۔ ان دونوں مقدمات میں باعزت طور پر بری ہوئے۔ تیسرا مقدمہ، شیخ یعقوب علی تراب مدیر اخبار "الحکم" نے مولانا دبیر اور مولانا فقیر محمد جہلمی کے خلاف دائر کیا جس میں مدعا علیہما کو ۴۵ روپے جرمانہ ہوا۔

مولانا دبیر نے بھی مرزا قادیانی اور حکیم فضل دین بھیروی کے خلاف مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کی تضحیک اور اُن کی شہرت کو نقصان پہنچانے کی بنیاد پر مقدمہ دائر کیا جو

اس بنا پر خارج ہوگیا کہ بیوہ اور نابالغ بیٹے کی موجودگی میں عم زاد بھائی کو ایسا استغاثہ دائر کرنے کا قانونی حق حاصل نہیں ہے۔

مولانا دبیرؔ نے دوسرا استغاثہ ان ہر دو صاحبان کے خلاف ازالہ حیثیتِ عرفی دائر کیا کیونکہ مرزا صاحب نے اپنی تالیف "مواہب الرحمان" میں انہیں کذاب اور لئیم جیسے "خطابات" سے نوازا تھا۔ اس مقدمہ میں مرزا صاحب کو پانچ صد روپے جرمانہ یا بعدم ادائیگی جرمانہ چھ ماہ قید اور ناشر "مواہب الرحمان" حکیم فضل دین بھیروی کو دو سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کا حکم ہوا۔ مگر اپیل پر انگریز سیشن جج نے اُن کو اس لیے بری کر دیا کہ مستغیث مولانا کرم دین نے اپنی "واضح" اور "ثابت شدہ" فریب دہی کی وجہ سے اپنے آپ کو مرزا صاحب کے ریمارکس کا مستحق بنا دیا تھا۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے "حسام الحرمین" میں علمائے دیوبند کی تکفیر کی۔ اس کتاب کی تائید میں مولانا حشمت علی خان لکھنوی نے "الصوارم الهندیہ" مرتب کی جس میں مولانا دبیرؔ کا فتویٰ موجود ہے[1]۔ مولانا مرحوم کے فرزند قاضی مظہر حسین صاحب کا بیان ہے کہ بعد میں حقیقتِ حال معلوم ہونے پر اُن کے خیالات میں تبدیلی آگئی تھی۔[2]

مولانا دبیرؔ کو پیر جماعت علی شاہ علی پوری سے عقیدت تھی۔ اپنی تالیف "آفتابِ ہدایت" کا انتساب پیر جماعت علی شاہ صاحب کے نام کیا تھا اور پیر صاحب نے اُن کی مناظرانہ مساعی کی تعریف کرتے ہوئے انہیں "غازیٔ اسلام" قرار دیا تھا۔

---

[1] الصوارم الهندیہ ص ۱۱۰ - ۱۱۱، ہدایت المسلمین (تالیف میاں محمد بخش قادریؒ) کی منظوم تقریظ میں بھی یہی رنگ موجود ہے۔

[2] آفتابِ ہدایت ص ۲۰ - ۲۱

مولانا دبیر ۸ر شعبان ۱۳۶۵ھ/۱۷ر جولائی ۱۹۴۶ء کو حافظ آباد میں مکان کی چھت گرنے سے جاں بحق ہوئے۔ میت بھیں لائی گئی اور وہاں مدفون ہوئے۔ مرحوم کے فرزند قاضی مظہر حسین صاحب دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا دبیر سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ آفتابِ ہدایت (رد رفض و بدعت)

۲۔ تازیانۂ عبرت (قادیانی حضرات کی طرف سے دائر کردہ مقدمات کی روداد)

۳۔ مناظراتِ ثلاثہ

۴۔ صداقت مذہبِ نعمانی

۵۔ السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسول

مولانا مرحوم فارسی اور اُردو میں شعر کہتے تھے اور دبیر تخلص کرتے تھے۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی رحلت پر حسبِ ذیل مرثیہ کہا[1] ع

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین
بر وفاتِ پیر ما شاہنشہِ دنیا و دین
شد غروب آں مہرِ عالمتاب شد گیتی سیاہ
بر فلک گریاں ملائک، جن و انس بر زمین
رخت بستہ زیں سرا چوں رفت در دارالسلام
گفت رضواں خیر مقدم فادخلوہا خالدین
حور و غلماں صف کشیدہ منتظرِ بہرِ جمال
طالبِ دیدار ارواحِ عبادالصالحین

---

[1] مہر منیر ص ۴۴۳

جسم شد محجوب از ما لیک روحِ پاکِ او
ہر زماں نگرانِ حالِ طالبانِ صادقین
باشد از بہرِ مریداں حضرتِ اقدس دبیرؔ
روزِ محشر مثلِ جدِّ خود شفیع المذنبین[1]

❋

[1] مولانا دبیرؔ نے اس مرثیہ کے علاوہ "تازیانۂ عبرت" میں بھی پیر صاحب مرحوم سے محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے تاہم پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگار کے بیان کے مطابق وہ پیر صاحب کے مرید نہیں تھے۔ دیکھئے: مہر منیر ص ۲۵۵

محمد کلیم اللہ مچھیانوی

محمد کلیم اللہ مچھیانوی بن غلام قادر بن حافظ محمد حیات بن جیون کی ولادت تیرہویں صدی ہجری کے ربع اوّل میں بمقام گاکھڑہ ضلع گجرات ہوئی۔ اُن کا نسبی تعلق وڑائچ برادری سے تھا اور علم و فکر کی روایت اُن کے خاندان میں ایک صدی سے چلی آرہی تھی۔ اُن کے دادا حافظ محمد حیات صاحب ایک مدرّس تھے اور کافیہ ابن حاجب پر اُن کا حاشیہ یادگار ہے۔ ان کے علمی تبحر کا اندازہ اس حاشیہ سے ہوتا ہے۔[1]

محمد کلیم اللہ کے والد مولوی غلام قادر (م ۱۲۹۲ھ) اپنے وقت کے جید عالم اور کامل طبیب تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں باریابی کا اعزاز رکھتے تھے۔[2]

محمد کلیم اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کی۔ اس کے بعد مولوی محمد اسماعیل ساکن خنوانی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اُن کے اساتذہ میں مولوی بدرالدین ساکن گوگیلی، مولوی شاہنواز خان ساکن بھروکی، حافظ نورالدین چکوڑوی (م ۱۳۰۲ھ) اور مولوی سیّد احمد شاہ دیوالوی (م ۱۳۰۲ھ) کے نام بھی ملتے ہیں۔

تحصیلِ علوم سے فارغ ہو گئے تو ۱۸۵۲ء/۶۹-۱۲۶۸ھ میں گاکھڑہ سے ترکِ سکونت کر کے مچھیانہ ضلع گجرات میں اقامت پذیر ہو گئے۔ یہاں درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔

---

[1] نسخہ خطی در کتب خانہ احمد حسین احمد قریشی گجرات

[2] تذکرہ علمائے احناف (خطی)، بحوالہ اورینٹل کالج میگزین بابت ستمبر۔ دسمبر ۱۹۷۱ء

موصوف کو معقولات بالخصوص منطق سے گہری دلچسپی تھی۔ قریشی احمد حسین احمد قلعداری کی روایت ہے:

"کہا جاتا ہے، علمائے ہند بالخصوص علمائے فرنگی محل نے بطور طعن کہا کہ اہلِ پنجاب معقولات کا درک نہیں رکھتے۔ مولوی کلیم اللہ صاحب نے فرنگی محل، دہلی اور گرد و نواح کا سفر اختیار کیا۔ وہاں کے علماء سے مناظرے کیے اور اپنا لوہا منوایا۔ میرے والد بزرگوار علامہ مولوی محمد عبدالکریم فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب مرتے دم تک اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ میں نے پنجاب کی آبرو رکھ لی۔"[1]

مولوی محمد کلیم اللہ خدماتِ دینیہ انجام دیتے ہوئے ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں فوت ہوئے اور چھپیانہ ضلع گجرات میں دفنائے گئے۔

مرحوم سے کئی کتابیں یادگار ہیں جن کے خطی نسخے احمد حسین احمد قریشی قلعداری کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے "تذکرہ علمائے احناف" بوجہ اہمیت کا مستحق ہے۔

یہ تذکرہ تیرہویں صدی کے آخری عشرہ میں لکھا گیا ہے۔ تذکرہ میں مؤخر ترین سنِ وفات ۱۲۹۲ھ ملتا ہے جس سے واضح ہے کہ یہ تذکرہ ۱۲۹۳ھ یا اس کے کچھ بعد مکمل ہو گیا تھا۔ مولوی فقیر محمد جہلمی کا متداول تذکرہ "حدائق الحنفیہ" ۱۲۹۷ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا اس اعتبار سے "تذکرہ علمائے احناف" کو تقدمِ زمانی حاصل ہے۔

❋

---

[1] اورینٹل کالج میگزین بابت ستمبر، دسمبر ۱۹۷۱ء، ص ۱۲۵

گل محمد احمد پوری

خواجہ گل محمد بن حکیم اللہ رکھا بن مولوی محمد بخش ۱۱۶۹ھ/۵۶-۱۷۵۵ء میں اوچ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ معروف کرخی (م ۲۰۰ھ) سے جاملتا ہے۔ اُن کے اجداد میں سے شیخ ظہیر الدین عہدِ شاہجہان میں ملتان آگئے تھے، اور شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔

مولوی محمد بخش اوچی خواجہ فخر الدین دہلوی سے نسبتِ بیعت رکھتے تھے۔ خواجہ گل محمد کے والد حکیم اللہ رکھا بلند پایہ عالم اور حاذق طبیب تھے۔ نواب صادق محمد خان ثالث نے جو اُن کے قدردان تھے اور مدّاح، اُنہیں اوچ سے بلاکر احمد پور شرقیہ میں قیام کی پیش کش کی۔ اس طرح خواجہ گل محمد کا خاندان اوچ سے احمد پور شرقیہ منتقل ہو گیا۔

خواجہ گل محمد نے طب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ دینی تعلیم صاحبِ "تحفہ غوثیہ"، مولانا غوث بخش اور دوسرے علماء سے پائی۔ قاضی محمد عاقل رح کے مدرسہ کوٹ مٹھن میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ ایک روایت کے مطابق حافظ محمد جمال ملتانی رح کے سامنے بھی زانوئے تلمّذ تہہ کیا تھا۔

خواجہ گل محمد، قاضی محمد عاقل کے مرید باصفا اور خلیفہ تھے۔ احمد پور شرقیہ میں ایک خانقاہ اور دینی درس گاہ کے بانی تھے۔ تلقین وارشاد کے ساتھ فنِ طب کے ذریعے بھی عوام کی خدمت کرتے تھے۔

۱۲۴۳ھ/ ۲۸-۱۸۲۷ء میں احمد پور شرقیہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ اُن کے دو صاحبزادے خواجہ محمود بخش اور خواجہ محمد بخش تھے۔ اوّل الذکر سجادہ نشین ہوئے۔

خواجہ گل محمد کے علمی آثار میں سید محمد المعروف میر خورد بن سید کمال الدین کی تالیف "سیر الاولیا" کا تکملہ ہے جس میں دیگر سلاسل کے مشائخ عظام کے علاوہ سلسلۂ نظامیہ فخریہ کے بزرگانِ کرام، خصوصاً اپنے مرشد گرامی قاضی محمد عاقل کے خانوادے کے حالات اور اُن کے ملفوظات یکجا کیے ہیں۔

خواجہ گل محمد احمد پوری کے ایک خلیفہ میاں محمد شریف تھے جو قصبہ خان بیلہ (بہاول پور) میں مدفون ہیں۔

لال حسین اختر (وہابی نجدی دیوبندی)

مولانا لال حسین اختر ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں دھرم کوٹ رندھاوا کے رہنے والے تھے۔ تحریک خلافت کے زمانے میں اورنیٹل کالج لاہور میں زیر تعلیم تھے۔ تحریک عدم تعاون کا آغاز ہوا تو اورنیٹل کالج کو خیرباد کہہ دیا اور اپنے وطن جاکر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے۔ خلافت کمیٹی بٹالہ سے منسلک ہوکر سارے ضلع کا دورہ کیا اور پوری قوت سے خلافت کے اغراض و مقاصد کی تبلیغ کی۔ آخر حکومت کے خلاف منافرت پھیلانے کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے۔ اور چند سرسری پیشیوں کے بعد ایک سال قید کی سزا سُنادی گئی۔ یہ قید انہوں نے گورداسپور جیل میں کاٹی۔ قید سے رہا ہوئے تو سوامی شردھانند کی بھڑکائی ہوئی منافرت کی آگ نے اُن کی توجہ جذب کرلی اور شُدھی کے مقابلے میں تبلیغ اسلام کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

آریہ سماجیوں کے خلاف کام کرتے ہوئے انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور سے متعارف ہوئے اور انجمن کی کوششوں سے متاثر ہوکر اس سے وابستہ ہو گئے۔ خود لکھتے ہیں:

> "مجھے لاہوری مرزائیوں کے چند مبلغ ملے۔ اُنہوں نے میرے سامنے اپنی جماعت کے تبلیغی کارناموں کو نہایت ہی مبالغہ سے بیان کیا اور مرزا صاحب آنجہانی کی خدماتِ اسلامی کے بڑھ چڑھ کر افسانے سنائے اور کہا کہ ہماری جماعت کے وہی عقائد ہیں جو اہلِ سنت والجماعت کے ہیں۔ مرزا صاحب مُدعی نبوت نہیں تھے۔ جن لوگوں نے مرزا صاحب کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کیا ہے۔ انہوں نے مرزا صاحب کے متعلق جھوٹ بولا

ہے اور بہتان طرازی وافترا پردازی سے کام لیا ہے ...... چونکہ مرزائی مذہب کے متعلق میرا مطالعہ صفر کے برابر تھا اس لئے میں تبلیغِ اسلام کے نام پر اُن کے دامِ تزویر میں پھنس گیا اور مرزا صاحب کی مجددیت و مہدویت کا پھندا اپنے گلے میں ڈال دیا۔[1]

انجمن احمدیہ سے منسلک ہو کر انجمن کے تبلیغی کالج میں داخل ہوئے۔ سنسکرت پڑھی اور ویدوں کا مطالعہ کیا۔ کالج سے فارغ ہوئے تو تبلیغی کام کرنے لگے۔ انجمن کے حلقے میں انہیں کافی اہمیت حاصل ہو گئی۔ اخبار "پیغامِ صلح" کے مدیر اور احمدیہ ایسوسی ایشن کے سیکرٹری کے ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ آٹھ سال انجمن احمدیہ سے وابستہ رہنے کے بعد یکم جنوری ۱۹۳۲ء/ ۱۳۵۰ھ کو انجمن کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا جو ۲۶ر جنوری کو منظور ہو گیا۔ انجمن احمدیہ سے ترکِ تعلق کے بعد انہوں نے "ترکِ مرزائیت" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں قادیانیت پر سیر حاصل تنقید ہے۔

ترکِ قادیانیت کے بعد اہل سنّت وجماعت کے مسلک کے مطابق تبلیغ شروع کی۔ اس مقصد کے لئے ایک ماہنامہ "تائید الاسلام" (لاہور) جاری کیا جو اُن کی ادارت میں کچھ عرصہ چھپتا رہا۔

قیامِ پاکستان کے بعد اُن کی تمام توجہ قادیانیت کی طرف رہی۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلّغ اور مناظر تھے۔ مولانا لال حسین اختر نے تحریکِ ختم نبوت (۱۹۵۳ء) میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔

لال حسین اختر دینی خدمات انجام دیتے ہوئے ۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ/ ۱۱ر جولائی ۱۹۷۲ء میں فوت ہوئے۔

---

[1] ترکِ مرزائیت ص ۶-۷۔

قاری لطف اللہ (وھابی نجدی دیوبندی)

قاری لطف اللہ بن مفتی فقیر اللہ جنوری ۱۹۲۱ء/۱۳۳۸ھ میں رائے پور ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک معروف دینی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے والد ماجد مفتی فقیر اللہ مدرسہ رشیدیہ رائے پور میں صدر المدرسین کے منصب پر فائز تھے۔ خاندان کے اکثر مرد ہی نہیں خواتین بھی قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد ابتدائی درسی کتب اپنے والد ماجد اور مولانا عبدالعزیز رائے پوری سے پڑھیں۔ متوسطات مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں مولانا خیر محمد جالندھری کی نگرانی میں پڑھیں۔ یہاں سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور گئے اور ایک سال مولانا عبداللطیف، مولانا عبدالرحمان کامل پوری اور مولانا اسعد اللہ سے استفادہ کیا۔ یہاں سے دارالعلوم دیوبند گئے۔ دیوبند میں مولانا دوست محمد قریشی اُن کے ہم سبق تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی دارالعلوم کی اندرونی کشمکش کے باعث اپنے ساتھیوں سمیت دارالعلوم دیوبند سے قطع تعلق کر کے ڈابھیل چلے گئے۔ قاری لطف اللہ صاحب بھی ڈابھیل گئے۔ مولانا عثمانی کے علاوہ مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا محمد یوسف بنوری کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو ایک سال مدرسہ رائے پور میں ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔ بعد میں مدرسہ خیر المدارس جالندھر سے بطور مبلّغ وابستہ ہو گئے۔ بستی غزان جالندھر میں خطبہ جمعہ دیتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جالندھر سے ریاست کپور تھلہ کے تاریخی قصبہ سلطان پور لودھی منتقل ہو گئے اور انجمن تعلیم القرآن کے زیر اہتمام تبلیغ و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ انجمن تعلیم القرآن کا قائم کردہ مدرسہ ریاست کپور تھلہ میں مثالی درسگاہ تھی۔ انجمن کے کارکنوں میں محمد صدیق مستری مرحوم، چوہدری فتح محمد خان اور چوہدری فضل محمد وکیل کے نام بہت نمایاں تھے۔

سلطان پور لودھی سے مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی (م ۷۶ ۱۳ھ) کے ایماء پر لدھیانہ منتقل ہو گئے۔ مولانا لدھیانوی کے زیر اثر سیاست میں حصّہ لینا شروع کیا اور مجلس احرار اسلام کے ساتھ تعاون کرنے لگے۔ لدھیانہ کے بعد فیروز پور چھاؤنی اور منڈی یزمان ضلع بہاول پور میں بھی فرائضِ خطابت انجام دیئے۔

پاکستان قائم ہوا تو چک ۱۹۵ صادق آباد میں قیام تھا۔ یہاں سے اپنے والد محترم کے ہمراہ مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی (بہاول نگر) منتقل ہو گئے۔ جب ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء میں مدرسہ رشیدیہ رائے پور کی تجدید ساہیوال میں ہوئی تو اس کی ترقی میں قاری لطف اللہ نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اس زمانے میں خود عارف والا میں مقیم تھے۔ یہاں سے کمالیہ منتقل ہوئے اور "مدرسہ نعمانیہ" کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ کی ترقی کے لیے کوشاں تھے مگر عمر نے وفا نہ کی۔ ۳ اکتوبر ۱۹۵۶ء/۲۷ صفر ۱۳۷۶ھ کو بورے والا سے وہاڑی جاتے ہوئے لاری کے حادثے میں جل کر شہید ہوئے۔ میت ساہیوال لائی گئی اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ مولینا غلام دستگیر نامی مرحوم نے قطعۂ تاریخ وفات کہا ہے:

ہوئے ہیں فوت اس دنیائے فانی سے وہ لطف اللہ
کہ ردِّ رفض و بدعت میں تھی تقریر انتخاب ان کی
جو سوچا نامی حامد نے، ہاتف سے ندا آئی
شہیدِ سوختہ تاریخ کہدیے حجاب اُن کی[1]

۱۳۹۰ — ۱۴ = ۱۳۷۶ھ

قاری لطف اللہ مرحوم تنظیم اہلِ سنّت پاکستان کے راہنماؤں میں سے تھے۔ اُن کی رحلت سے "تنظیم" کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ مرحوم نڈر، بے باک اور حق گو مقرر تھے۔

---

[1] ہفت روزہ "دعوت" (لاہور) شمارہ بابت ۱۹ نومبر ۱۹۵۶ء

اُن کی تقاریر اکثر حکومتِ وقت کو ناگوار گذرتیں اور اُنہیں نظر بند یا زبان بند کر دیا جاتا تھا۔ ایک مقدمہ کے سلسلے ہی میں وہاڑی جا رہے تھے کہ پیغامِ اجل آ گیا۔

سیّد لعل شاہ ہمدانی

حضرت سیّد لعل شاہ ہمدانی کے اجداد میں سے سیّد بلاول شاہ، ہجرت کرکے موضع "دندہ" (ضلع اٹک) آئے تھے۔ اُن ہی کے نام پر یہ گاؤں "دندہ شاہ بلاول" مشہور ہوا۔ سیّد لعل شاہ یہیں پیدا ہوئے۔ مولانا احمد دین انگوی (خلیفہ حاجی دوست محمد قندھاری) سے دس سال کے عرصے میں علومِ متداولہ کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہوئے تو اُستادِ گرامی کی نگرانی میں تدریس شروع کی۔

حاجی دوست محمد قندھاری کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا اور اُن سے اکتسابِ فیض کیا۔ حاجی صاحب کی وفات کے بعد خواجہ محمد عثمان سے تجدیدِ بیعت کی اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ ۷، شعبان ۱۳۱۳ھ / ۲۳، جنوری ۱۸۹۶ء کو دندہ شاہ بلاول میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔

صاحبِ "فوائدِ عثمانی" نے اُن کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے "عالم فاضل، صالح، متقی، دائم الذکر والفکر، صاحبِ استغراق و صاحبِ حلم و خلق و صاحبِ سخاوت و صاحبِ توکّل"[۱]

---

[۱] فوائدِ عثمانی ص ۱۵۴

حکیم سیّد مبارک علی ہمدانی

حکیم سیّد مبارک علی بن سیّد عبدالحق کوٹ مراد خان (قصور) کے ہمدانی سادات سے تعلّق رکھتے ہیں۔ ۷ ر رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ/۲۳ر مارچ ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سیّد عبدالحق محدّث اور سیّد امانت علی سے حاصل کی۔ حاجی عبدالرحمان (خلیفۂ مجاز میاں شیر محمد شرقپوری رح)، مولانا روشن دین (سابق صدر مدرّس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری دہلی) اور مولانا محمد دین خوشابی کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔ اورینٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل، منشی فاضل اور ادیب فاضل کی اسناد حاصل کیں۔ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے او۔ ٹی کی پیشہ ورانہ تربیت حاصل کی۔

فنِ طب سے لگاؤ تھا اور طبیہ کالج لاہور کے فارغ التحصیل تھے۔ کافی عرصہ گورنمنٹ ہائی سکول اور اسلامیہ ہائی سکول قصور میں السنۂ شرقیہ کے استاد رہے۔ بعد میں ملازمت سے مستعفی ہو کر مطب کھولا۔ قصور کے بااثر افراد میں سے تھے۔ تیس سال میونسپل کمیٹی قصور کے رُکن رہے۔ ہر جمعہ وعظ و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اصلاحِ معاشرہ اور تبلیغِ حق میں مصروف رہتے تھے۔ فتنہ قادیانیت کی تردید میں جری اور سراپا عمل تھے۔

۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ/۱۰ر جنوری ۱۹۵۳ء کو فوت ہوئے۔ اُن کے صاحبزادے سیّد محمد طیّب شاہ ہمدانی قصوری خاندانی روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔[1]

حکیم صاحب سے حسبِ ذیل تالیفات یادگار ہیں:

---

[1] ہم اور ہمارے اسلاف ص ۳۹۱-۳۹۵

۱۔ سیّد البشر
۲۔ ذکرِ خیر (سوانح حیات سیّد عبدالحق محدّث قصوری)
۳۔ مرزائے قادیانی
۴۔ تفسیر نوادر (غیر مطبوعہ)
۵۔ حاشیہ نام حق (//)
۶۔ ترجمہ اُردو مینۃ اللبیب (//)
۷۔ خطبات (۱۹۲۵ء تا ۱۹۵۳ء) (//)
۸۔ رسالہ وراثت (منظوم) (//)

محب النبی

مولانا محب النبی بن مولانا احمد الدین بن امیر حمزہ ۱۳۱۴ھ/۹۷-۱۸۹۶ء میں ضلع اٹک کے گاؤں بھوئی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی مکتبی تعلیم والد ماجد مولانا احمد الدین سے حاصل کی جو علاقے کے معروف عالم تھے۔ صرف و نحو کی بعض کتابیں مولانا نواب علی ہزاروی سے پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیئے دہلی گئے۔ مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں زیر تعلیم رہے۔ آخر میں مدرسہ معینیہ اجمیر میں مولانا مشتاق احمد کانپوری سے استفادہ کے لئے حاضر ہوئے۔ اُن سے تصریح، شرح چغمنی اور صدرا کے اسباق پڑھے۔

اُنہوں نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اُن سے شیخ اکبر ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کی فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم کا درس لیا۔

مولانا محب النبی فارغ التحصیل ہوئے تو درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ پنجاب کی جن معروف درس گاہوں میں مدرس رہے۔ اُن میں دار العلوم غوثیہ گولڑہ شریف، جامعہ نظامیہ وزیرآباد، جامعہ محمدی جھنگ اور جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی شامل ہیں۔

۲۱ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ/ ۲۲ مارچ ۱۹۷۶ء کو فوت ہوئے۔ موضع بھوئی میں دفنائے گئے۔[۱]

---

۱ الیواقیت المہریہ ص ۱۰۵ و تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۴۱۶-۴۱۸

محبوب عالم

مولانا محبوب عالم بن مولوی اللہ دین موضع فیروز والا ضلع گوجرانوالہ کے ایک غریب خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۱۸۶۳ء/۸۰-۱۲۷۹ھ میں اپنے ننھیال موضع بھروکی نزد وزیرآباد (ضلع گوجرانوالہ) میں پیدا ہوئے۔

محبوب عالم کے چچا مولوی احمد الدین بُرج اٹاری نزد لاہور میں مدرس تھے۔ اُنہوں نے اپنے چچا کی نگرانی میں برج اٹاری سے پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ مڈل کا امتحان قصور میں پاس کیا۔ جہاں اُن کے دوسرے چچا ماسٹر محمد الدین مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اسی زمانے میں مولوی محبوب عالم کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کا سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔ بعد میں اُنہوں نے پرائیویٹ طور پر پنجاب یونیورسٹی سے "منشی" اور "منشی عالم" کے امتحانات پاس کیے۔ "منشی" کے امتحان میں پورے صوبے میں اوّل آئے اور انعام و اکرام سے نوازے گئے۔

ماسٹر محمد الدین ایک ماہوار رسالہ "کلیدِ امتحان مڈل و انٹرنس" نکالتے تھے۔ اُنہوں نے اپنی دوسری مصروفیات کے پیشِ نظر اسے مولوی محبوب عالم اور اُن کے بھائی منشی عبدالعزیز کے حوالے کر دیا۔ مولوی صاحب نے رسالہ کا انتظام و انصرام سنبھالا اور لاہور میں مطبع خادم التعلیم قائم کیا۔ لاہور میں دو سال رہ کر گوجرانوالہ آ گئے۔ یہاں بھی کاروبار نہ چل سکا تو اپنے گاؤں "فیروز والا" میں منتقل ہو گئے۔

مولوی محبوب عالم نے "کلیدِ امتحان مڈل و انٹرنس" کی ادارت اور انتظام سے اخبار نویسی کی دُنیا میں قدم رکھا اور اس کے بعد مختلف رسائل اور اخبارات جاری کیے۔ ۱۸۸۸ء/ ۰۶-۱۳۰۵ھ میں فیروز والا سے اخبار "ہمت" جاری کیا۔ جس کی پیشانی "ہمتِ مرداں مددِ خدا"

ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہفت روزہ "سکول ماسٹر" شروع کیا۔ لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ عوام کو ایک سستے اخبار کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے "ہمت" کو "پیسہ اخبار" میں تبدیل کر دیا اور ایک مہینے کے اندر اندر کاروبار فیروز والا سے گوجرانوالہ منتقل کر لیا۔ "پیسہ اخبار" اپنی ارزاں قیمت اور دلچسپ مضامین کی بدولت بہت جلد ایک اہم اور مقبول اخبار بن گیا۔

مولوی محبوب عالم نے گوجرانوالہ سے ہی زراعت کی ترقی اور زمینداروں کی راہنمائی کے لئے ایک رسالہ "زمیندار و باغبان و عطار" جاری کیا جو پنجاب میں اپنی قسم کا اوّلین رسالہ تھا۔

۱۸۸۹ء/۰۷-۱۳۰۶ھ میں مولوی محبوب عالم نے "پیسہ اخبار" کو لاہور منتقل کیا۔ گوجرانوالہ کے زمانۂ اشاعت میں "پیسہ اخبار" کانگریس کا ہمنوا تھا۔ لاہور میں بھی کچھ عرصہ کانگریس کی حمایت کرتا رہا۔ بعد میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے کوشاں رہا۔ ۲ مئی ۱۸۹۹ء/۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ ہفت روزہ "پیسہ اخبار" بند ہوا۔ دوبارہ ۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ میں جاری ہوا۔

مولوی صاحب نے اُردو اخبار کے ساتھ انگریزی اخبار ہفت روزہ "" ۱۸۹۵ء/۱۳۱۳ھ میں جاری کیا جو دو سال بہار دکھا کر مرجھا گیا۔

مولوی صاحب نے مئی تا دسمبر ۱۹۰۰ء/۱۳۱۸ھ میں یورپ کا سفر کیا اور یورپی ممالک کی زندگی کا مشاہدہ کیا۔ مولوی صاحب ایک کامیاب صحافی تھے۔ اُنہوں نے متذکرۃ الصدر رسائل اور اخباروں کے علاوہ مندرجہ ذیل رسائل بھی جاری کئے۔

۱۔ انتخابِ لاجواب (اجرا: ۱۸۹۵ء)
۲۔ بچوں کا اخبار (اجرا: ۱۹۰۲ء)
۳۔ شریف بی بیاں (اجرا: ۱۹۱۰ء)

مولوی صاحب کئی زبانیں جانتے تھے۔ اُردو، فارسی اور عربی کے علاوہ فرانسیسی، ترکی اور روسی سے واقف تھے۔ مطالعہ کا بے پناہ شوق تھا۔ ایک عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ جس میں بیس ۲۰ ہزار سے زائد کتابیں تھیں۔ موصوف ۲۷ر مئی ۱۹۳۲ء/۲۱ر محرم ۱۳۵۱ھ کو فوت ہوئے۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا:[1]

سحر گاہاں بہ گورستان رفتم!
دراں گورے پُر از انوار دیدم
ز ہاتف سالِ تاریخش شنیدم
معلّیٰ تربتِ محبوبِ عالم

۱۳۵۱ھ

مولوی محبوب عالم کامیاب مترجم اور اہلِ قلم تھے۔ اُن کی قلمی یادگاروں میں "سفرنامۂ یورپ" معروف ہے۔ اُنھوں نے ابتدائے عمر میں شعروشاعری بھی کی تھی اور مسافر تخلص کرتے تھے۔ بعد میں صحافت کی مصروفیات میں یہ ذوق دب کر رہ گیا۔

[1] سرودِ رفتہ ص ۲۲۰

محبوب عالم گجراتی

مولانا محبوب عالم موضع سیدا تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے باشندے تھے۔ اُنہوں نے علومِ دینیہ کی تحصیل کے لیے وسطِ ہند کا سفر کیا اور فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ اسلامیہ کرنال میں مدرّس ہو گئے۔

خواجہ توکل شاہ انبالوی (م ۱۳۱۵ھ) سے بیعت ہوئے اور تین ماہ بعد ملازمت سے مستعفی ہو کر انبالہ آ گئے۔ اُن کے انبالہ آجانے سے "مدرسہ توکلیہ" جاری ہوا۔ گیارہ برس انبالہ میں مقیم رہے اور خواجہ توکل شاہ (م ۱۳۱۵ھ) سے خلافت حاصل کی۔[1] انبالہ سے اپنے آبائی وطن آ گئے اور اپنے علم و عمل سے گجرات کے نواح میں دین کی اشاعت کی۔ ۲۱ رمضان ۱۳۳۵ھ / ۱۱ جولائی ۱۹۱۷ء کو وفات پائی۔ سیدا تحصیل پھالیہ میں دفنائے گئے۔ مولوی سلام اللہ شائق نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ؎[2]

چوں جناب مولوی محبوب عالم زندہ دِل!
شد روانہ جانبِ فردوس روحش شاد باد
عالم و فاضل، فقیہِ بے بدل، مدنی منش
عابد و زاہد، شریف و پارسا، نیکو نہاد!
بر مزارش ابرِ رحمت روز و شب باشد نزول
می کنم ہر دم دُعا از حضرت رب العباد

---

[1] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۴۵۹

[2] تذکرہ اولیائے گجرات ص ۸۶

از ہزارہ مولوی صاحب چراغ دین نوشت

جانبِ شائق کہ گوید سال آں عالی نژاد

از سرِ اندیشہ از افسوس گفتہ سالِ اُو

مولوی محبوب عالم دربہشت عدن باد

۱۳۳۳ھ + ۲ = ۱۳۳۵ھ

مولانا محبوب عالم مرحوم سے خواجہ توکل شاہ انبالوی (م ۱۳۱۵ھ) کی سوانح حیات "ذکرِ خیر" یادگار ہے۔

محبوب علی شاہ اٹکی (شیعہ رافضی اهل تشیع)

مولانا سید محبوب علی شاہ موضع سگھر ضلع اٹک کے باشندے تھے۔ اُنہوں نے مولانا محمد باقر سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد سلطان المدارس لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ وہاں مولانا محمد رضا سے بطورِ خاص اثر قبول کیا اور ہمیشہ اُن کا ذکر عزت و احترام سے کرتے رہے۔

مولانا سید محبوب علی شاہ نے عمرِ عزیز کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں گزارا۔ اٹک (کیمبلپور) پدھراڑ اور خوشاب کے مدارس میں تشنگانِ علوم کی پیاس بجھائی۔ خوشاب میں اُن کی یاد میں "مدرسہ جعفریہ" قائم ہوا۔ مولانا موصوف علم نحو و معانی میں لاثانی تھے۔ حلقہ طلبہ میں "سیبویہ وقت" مشہور تھے۔

مولانا موصوف وسیع النظر، خوش ذوق اور خوش تقریر تھے۔ عربی نظم و نثر پر کامل قدرت رکھتے تھے۔ درسِ نظامی کے علاوہ جامعہ ازہر کے نصاب سے بخوبی آگاہ تھے۔ عام طور پر طلبہ کو جامعہ ازہر کا نصاب ہی پڑھاتے تھے۔ کتابوں کے بے حد شائق تھے۔ تفسیر، حدیث اور نحو پر بہت اچھا ذخیرہ جمع کیا تھا۔

مولانا موصوف اپنے علم و فضل کے ساتھ ساتھ شہسواری اور نشانہ بازی میں یکتا تھے۔ اُنہوں نے اپنے معاصر اہلِ سنت علماء سے کئی مناظرے کئے۔ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء میں خوشاب میں فوت ہوئے اور اپنے گھر کے صحن میں دفنائے گئے۔[1]

مولانا مرحوم کی تالیفات میں "ہارونِ محمدی" اور "بخاری کا صحیح فیصلہ" چھپ کر تقسیم ہو چکی ہیں۔

---

[1] مطلع انوار ص ۳۸۸

محمد انوری (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد بن فتح الدین رائے کوٹ ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد ماجد مولوی فتح الدین، مولانا رشید احمد گنگوہی کے خادم تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں مولانا انور شاہ کاشمیری سے بطورِ خاص استفادہ کیا۔ اُن کے علم ونظر سے اس قدر متاثر تھے کہ "انوری" اپنے نام کا جزو بنا لیا۔

فارغ التحصیل ہو کر سکول میں مدرّس ہو گئے۔ ۱۹۴۴ء/۱۳۶۳ھ میں مولانا عبدالقادر رائے پوری سے سلسلۂ بیعت میں منسلک ہوئے۔ اُن کے ارشاد پر ملازمت سے الگ ہوئے قیامِ پاکستان کے بعد فیصل آباد ہجرت کر آئے اور محلہ سنت پورہ میں سکونت اختیار کی۔ اسی محلہ میں بریلوی مسلک کے بزرگ مولانا سردار احمد رہائش رکھتے تھے۔ دونوں حضرات میں اختلافِ مسلک کے باوجود کبھی الجھاؤ پیدا نہیں ہوا۔ اُن کا عمل مولانا انور شاہ کاشمیری کی وصیت پر تھا۔ اُن ہی کے الفاظ میں "حضرت شاہ صاحب دیوبند سے رخصت کرتے وقت وصایا کرتے تھے کہ کسی سے اُلجھو مت، مسائل متفق علیہا بیان کرنا اور اصولی باتیں عمدہ پیرائے میں بیان کرنا۔ ان شاء اللہ خلق اللہ مانوس ہو گی۔ پھر جب لوگوں کو مانوس کر لو گے پھر جو کہو مانیں گے۔"[1]

مولانا محمد انوری متقی، نیک نفس، سادہ دل اور شریف الطبع بزرگ تھے۔ اظہارِ حق میں بیباک تھے۔ اسلام کے مقابل فتنوں کی سرکوبی اور بیخ کنی میں سرگرم رہتے۔ قادیانیت کی تردید کا جذبہ مولانا انور شاہ کاشمیری سے ملا تھا۔ شہرۂ آفاق مقدمہ بہاول پور میں مولانا کاشمیری کے

---

[1] ماہنامہ "بیّنات" (کراچی) اکتوبر ۱۹۶۳ء ص ۱۱

[2] ایضاً ص ۱۳

دستِ راست، اور وکیل کی حیثیت سے کام کیا تھا اور پوری تفصیل کے ساتھ اس مقدمہ کی روداد مرتّب کی تھی جو تقسیمِ ہند کے حادثے میں ضائع ہو گئی۔[۱]

مولانا عبدالقادر رائے پوری سے خلافت حاصل کی تھی۔

۲۲ر جنوری ۱۹۷۰ء / ۱۴ر ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ کو فیصل آباد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

اُن سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ انوارِ انوری

۲۔ مکتوباتِ بزرگان

۳۔ الاحادیث المتبرکہ (اربعین شاہ ولی اللہ کی تشریح مع چہل احادیث)

بیسوں دینی و اصلاحی مضامین ان پر مستزاد ہیں۔

---

[۱] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ص ۱۹۶ (حاشیہ)

محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا محمد ابراہیم میر بن عمر دین سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ اپریل ۱۸۷۴ء/ ۱۲۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولانا ابوعبداللہ عبیداللہ غلام حسن اور بعض دوسرے علماء سے علوم مروّجہ کی تحصیل کی۔ مولانا غلام حسن نے حسب ذیل سند عنایت فرمائی تھی:

باسمہٖ سبحانہٗ حامداً و مصلیاً و مسلما

امّا بعد علامۂ فہیم مولوی حافظ محمد ابراہیم بارک اللہ فی عمرہ آمین۔ از اعزہ اصحاب و اخص احباب و ارشد ارباب ارادت کاتب الحروف است و در علوم عقلیہ و نقلیہ مہارت کما ینبغی بہم رسانیدہ و در اکثرے ازاں بل ہمہ آں نسبت تلمذ بایں ہیچ میرز درست داشتہ، و در زمان قصیر استفادہ فنونِ کثیر نمودہ مع ذالک کمال ذہین است و بمطالعہ و فہم سلیم مناسبت متین پیدا کردہ طبع نکتہ رس دارد و دلِ بے ہوس و بایں ہمہ باریاضات و مجاہدات و خلوص نیّت و حسن طویت موصوف است و از سعادت و رشد و اہلیت و شرم و حیا نصیبہ وافی و بہرہ کافی نصیب اوست ہذا ما اعلم واللہ حسیبہٗ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم الامین و علی آلہ الطیبین الطاہرین۔ آمین

حررہ افقر العباد الی اللہ

ابوعبداللہ عبیداللہ عفا اللہ عنہما جنیٗ

و استعملہ فیما یحب و یرضٰی آمین

اس کے علاوہ مولانا موصوف کو سیّد نذیر حسین محدث دہلوی نے بھی سند حدیث دی تھی۔

مولانا ابراہیم میر صاحب فارغ البال اور معاشی مسائل سے آزاد عالم دین تھے انہیں وراثت میں کافی زمین اور دوسری جائیداد ملی تھی۔ اس جائیداد کی آمدنی سے خوشحالی کی زندگی گزارتے تھے۔ انہوں نے نادر و نایاب کتابوں کا اچھا ذخیرہ بہم پہنچایا تھا۔

مولانا میر پنجاب کے اہل حدیث علماء کے سرخیل تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) کے رفقاء میں سے تھے اور اُن ہی کی طرح مناظرانہ ذوق رکھتے تھے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (قائم شدہ دسمبر ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ) کے بانیوں میں سے تھے۔ سیاسی طور پر جمعیت علمائے ہند سے وابستہ رہے۔ مگر متحدہ قومیت کے مسئلے پر جمعیت علمائے ہند سے الگ ہو گئے۔ جب مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ) نے جمعیت علمائے اسلام کی داغ بیل ڈالی۔ تو مولانا میر نے پیرانہ سالی کے باوجود اس کے لئے کام کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ سے دلچسپی رکھتے تھے اور ۱۹۱۸ء کے سالانہ اجلاس میں شریک ہوئے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ سے اُن کا تعلقِ خاطر پختہ ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ پاکستان وجود میں آیا۔

مولانا موصوف نے تعلیمی اور دینی انجمنوں کے پلیٹ فارم سے بھی بھرپور کام کیا ندوۃ العلماء لکھنؤ کے تاسیسی اجلاس میں شریک ہوئے تھے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی تنظیم و ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ سیالکوٹ میں انجمن تائید الاسلام کی بنیاد رکھی۔ جس کے تحت ایک ادارہ "مدرسۃ العلوم" قائم کیا۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۱ء/۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو سیالکوٹ کے چند اہلِ درد نے "انجمن اسلامیہ سیالکوٹ" کے نام سے ایک رفاہی سماجی انجمن بنائی۔ مولانا موصوف اس کے اولین اجلاس میں شامل ہوئے اور انجمن کے شعبہ تبلیغِ اسلام کے نگران رہے۔

مولانا محمد ابراہیم میر نے ساٹھ سال کی عمر میں یکم جولائی ۱۹۵۶ء/۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ کو وفات پائی اور سیالکوٹ میں سپردِ خاک کئے گئے۔ اُن سے کئی علمی و دینی کتابیں

یادگار ہیں۔ اُن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ تاریخ اہل حدیث

۲۔ شہادت القرآن

۳۔ سیرت المصطفےٰ (جلد اوّل ودوم)

۴۔ تفسیر الدر النظیم

اُن کی ادارت میں ماہنامہ "الہادی" (سیالکوٹ) ایک عرصہ تک طبع ہوتا رہا۔

محمد ابراہیم جگراںوی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد ابراہیم بن پیر محمد کا آبائی گاؤں سلیم پور رسد ھواں ضلع لدھیانہ تھا۔ وہ موضع بلندا تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی درسیات موضع بلندا میں پڑھیں مولانا محمد ساکن کوٹ بادل (ضلع جالندھر) سے درسِ نظامی کی متوسط کتابیں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۸ ربیع الاخری ۱۳۲۸ھ کو سندِ فضیلت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر چند ماہ دارالعلوم دیوبند میں فرائضِ تدریس انجام دیئے۔ وہاں سے بھاگل پور منتقل ہوئے اور دو سال وہاں درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ بھاگل پور سے دھرم کوٹ ضلع فیروز پور گئے اور چودہ سال قیام کے بعد جگراؤں ضلع لدھیانہ چلے گئے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کر کے میاں چنوں ضلع ملتان آ گئے اور آخر دم تک یہیں مقیم رہے۔ میاں چنوں میں انہوں نے اپنے معمول کے مطابق دینی مدرسہ قائم کیا۔ اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۹ ستمبر ۱۹۷۰ء / ۷ رجب ۱۳۹۰ھ کو اختلاجِ قلب سے وفات پائی اور اپنے قائم کردہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میاں چنوں کے احاطہ میں دفنائے گئے۔

مولانا محمد ابراہیم صوفی منش عالم تھے۔ انہوں نے زمانۂ طالب علمی میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) کے ہاتھ پر بیعتِ سلوک کی۔ ان کی رحلت پر مولانا حافظ محمد صالح جالندھری (خلیفہ حضرت گنگوہی) سے تجدیدِ بیعت کی۔ دنیا سے ان کے اٹھ جانے پر مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ سے استفادہ شروع کیا۔ آخر میں مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ (م ۱۳۸۲ھ) سے بیعت ہوئے اور ان کے مجازین میں شامل تھے۔ اجازتِ بیعت کا واقعہ مولانا محمد ابراہیم کے خلف الرشید مولانا رشید احمد نے ان الفاظ میں لکھا ہے:

"ایک شخص نے حضرت رائے پوری کو بیعت کے لئے عرض کیا۔ حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے کہا کہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب جگراونوی سے بیعت ہو جاؤ۔ اس پر آپ نے عرض کیا کہ مجھے تو بیعت لینے کی اجازت نہیں۔ حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم اجازت دیتے ہیں[1]"

مولانا محمد ابراہیم مرحوم نے کم و بیش ساٹھ سال تدریس کی اور سینکڑوں طالبانِ علم نے اُن سے استفادہ کیا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد عبداللہ دھرم کوٹی خلیفہ مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

۲۔ مولانا محمد عبداللہ سلیم پوری

۳۔ مولانا عبدالحکیم لدھیانوی

۴۔ مولانا عبدالعزیز (زرعی فارم۔ ساہیوال)

---

[1] ہفت روزہ "خدام الدین" (لاہور) بابت ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء ص ۱۴

حافظ محمد ابوالحسن سیالکوٹی (وھابی نجدی اھل حدیث)

حافظ محمد ابوالحسن (معروف بہ حافظ محمد ثانی) بن شہسوار موضع پنجگرائیں (ضلع سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ کھوکھر برادری کے چشم و چراغ تھے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد علوم مروّجہ کی تحصیل سیالکوٹ، لاہور اور امرتسر میں کی۔ میاں سید نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) سے اجازتِ حدیث حاصل کی۔

حافظ محمد ثانی فارغ التحصیل ہو کر آبائی گاؤں میں مقیم ہو گئے۔ وعظ و نصیحت کے ساتھ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری کیا۔ بلند پایہ اہل حدیث عالم تھے۔ ۸ محرم ۱۳۲۵ھ / ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء کو آبائی گاؤں میں وفات پائی۔[۱]

حافظ صاحب مرحوم کی حسبِ ذیل تصنیفات ملتی ہیں۔ تمام کتابیں اردو میں ہیں۔

۱۔ فیض الباری ترجمہ و شرح صحیح البخاری
۲۔ تلخیص الصحاح
۳۔ ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح
۴۔ اکمال ترجمہ اسماء الرجال مشکوٰۃ المصابیح
۵۔ فیض الستار ترجمہ کتاب الآثار امام محمد
۶۔ ترجمہ غنیۃ الطالبین
۷۔ خلاصۃ البراہین
۸۔ ترجمہ تیسیر الوصول (حصہ پنجم و ششم)

---

[۱] ہفت روزہ "اہل حدیث" (امرتسر) بابت ۹ اپریل ۱۹۲۰ء

۹ ۔ الکلام المبین فی اظہار تلبیسات المتقلدین عن رد فتح المبین

۱۰۔ الظفر المبین (حصہ دوم)

۱۱۔ تردید الجاہلین والمشرکین

۱۲۔ مناقب مرتضوی رضؓ (در شان حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ)

۱۳۔ خطبات التوحید

۱۴۔ فقہ محمدیہ

۱۵۔ انتفاع المرہون فی جواب کشف المرہون

۱۶۔ تجلی آسمانی برسر دجال قادیانی

محمد احمد سونی پتی! (شیعہ رافضی اہل تشیع)

سید محمد احمد بن سید علی جان بن سید محمد بن سید عمار علی ۱۹۰۱ء/۱۹-۱۳۱۸ھ میں سونی پت میں پیدا ہوئے۔ اس خانوادے کے جدِّ امجد سید نصر اللہ، عہدِ التمش (۶۰۷ھ-۶۳۳ھ) میں نیشا پور سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ سید نصر اللہ کو سرکار دربار میں قبولیت حاصل تھی۔ سلطان التمش کی صاحبزادی سلطانہ رضیہ کی آتالیقی کا شرف انہیں حاصل تھا۔ اس خانوادے کے کئی افراد نے علم و ادب کی دنیا میں نام حاصل کیا۔ مولانا سید عمار علی (م ۱۳۰۴ھ) بلند پایہ شیعہ عالم تھے۔ اسی طرح سید محمد (محمد احمد سونی پتی کے دادا) اصول فقہ و کلام میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ سید علی جان اگرچہ عالم تھے مگر دنیوی معاملات میں مصروف رہے اور سماجی کاموں میں لگے رہے۔

سید محمد احمد سونی پتی پانچ سال کے تھے کہ یتیم ہو گئے۔ اُن کی والدہ نے جائیداد کے انتظام کے ساتھ ساتھ فرزند کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا خیال رکھا۔ مولانا سید محمد احمد نے علومِ متداولہ کی تحصیل کی اور مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے سندِ فراغ حاصل کی۔

مولانا موصوف نے یو۔پی اور پنجاب میں تبلیغی دَورے کئے۔ آریہ سماجی مبلغوں کی دریدہ دہنی نے آگرہ اور گرد و نواح میں آگ لگا رکھی تھی۔ ان علاقوں میں اسلام کی حقانیت پر بیسیوں تقاریر کیں اور سادہ لوح دیہاتیوں کو آریہ سماجی پنڈتوں کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں سے بچایا۔

مولانا محمد احمد فعال عالم و مبلغ تھے۔ عراق و ایران کا سفر بھی کیا تھا۔ اُنہوں نے وعظ و تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف کی طرف بھی پوری توجہ دی۔ انہوں نے مدرسۃ الواعظین کے شعبۂ تصنیف و تالیف اور رسالہ "الواعظ" سے بھرپور تعاون کیا۔

تقسیم ہند کے بعد لاہور آ گئے بعد میں ملتان منتقل ہو گئے اور وہیں ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۸ء/۱۰ ربیع الآخر ۱۳۷۸ھ کو رحلت فرمائی[1] مرحوم کی قلمی یادگاروں میں حسب ذیل اہم ہیں:

۱۔ ختم نبوت

۲۔ شہادتِ عظمیٰ

۳۔ تفسیر قرآن مجید

---

[1] ملخص از مطلع انوار ص ۲۳۴ ۔ ۲۴۴

سیّد ابوالحسنات محمد احمد قادری

مولانا سید محمد احمد قادری بن سید دیدار علی شاہ ۱۳۱۴ھ/ ۹۷-۱۸۹۶ء میں ریاست الور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد سید دیدار علی شاہ معروف خطیب اور عالم دین تھے۔ مولانا ابوالحسنات نے الور کے مقامی مکتب میں حافظ عبدالحکیم اور حافظ عبدالغفور سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مرزا احمد بیگ سے اُردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ قرأت و تجوید کی مشق قاری قادر بخش الوری سے کی۔ درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ بعد میں مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ علم طب نواب حامی الدین احمد خان مراد آبادی سے حاصل کیا۔

مولانا ابوالحسنات نے حصولِ علم کے لئے طویل سفر کیے۔ بمبئی، جے پور، دہلی آگرہ، اجمیر، لاہور، ملتان، پشاور، بریلی، رام پور اور بدایون کے علمی مراکز کے علاوہ چھوٹے چھوٹے قصبوں میں گئے۔

علومِ دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو مسلمانانِ الور کی دینی راہنمائی کا منصب حاصل کیا۔ الور کی مسجد تریولیہ ہندوؤں نے شہید کر دی تھی۔ اس واقعہ سے مسلمانانِ الور میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا ابوالحسنات نے مسجد کی تعمیرِ نو کا عزم کیا۔ مسلمانانِ الور کی خواہش کو زبان دی۔ گرفتار ہوئے مگر اُن کی مساعی سے ریاستی خرچ پر مسجد از سرِ نو تعمیر کر دی گئی۔

۱۳۳۸-۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء میں الور سے آگرہ آ گئے اور مطب شروع کیا۔ اُن کے والدِ ماجد

لہ تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور ص ۳۱۷

لاہور آ گئے تھے اور مسجد وزیر خان میں خطبہ دیتے تھے۔ ۱۹۲۶ء/۴۵-۱۳۴۴ھ میں وہ مستعفی ہوئے تو مولانا ابوالحسنات اس منصب پر فائز ہوئے۔ انہوں نے مسجد وزیر خان کی خطابت کے ساتھ ساتھ چنگڑ محلّہ کی ایک ویران مسجد کو آباد کیا۔ اپنے والد اور برادرِ اصغر مولانا ابوالبرکات کے تعاون سے "دارالعلوم حزب الاحناف" کی بنیاد رکھی۔

مولانا ابوالحسنات تحریکِ پاکستان میں سرگرم رہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی جمعیت علمائے اسلام میں شامل رہے۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں "جمعیت علمائے اسلام" کا صدر چنا گیا۔

بریلوی نقطۂ نظر کے علماء نے ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء/۱۵، ۱۶، ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ کو ملتان میں ایک کانفرنس بلائی اور "جمعیت علمائے پاکستان" کے نام سے ایک نئی تنظیم قائم کی۔ مولانا ابوالحسنات کو اس نئی تنظیم کا صدر چنا گیا اور وہ آخر دم تک اس عہدے پر فائز رہے۔

مولانا ابوالحسنات نے قیام پاکستان کے بعد تحریک جہادِ کشمیر میں حصّہ لیا۔ چندہ جمع کیا۔ مجاہدین بھیجے اور خود بھی میدانِ جہاد میں اُتر گئے۔ اسی طرح ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ "مجلسِ عمل" کے وہی صدر تھے۔ گرفتار ہوئے اور کراچی، سکھر اور حیدر آباد کے قید خانوں میں ایک سال محبوس رہے۔ جیل میں بیمار ہوئے اور رہائی کے ایک سال بعد داعیٔ اجل کا پیغام آ گیا۔ ۲ شعبان ۱۳۸۰ھ/۲۰ جنوری ۱۹۶۱ء کو ساڑھے بارہ بجے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ حضرت علی ہجویری کے احاطۂ مزار میں دفنائے گئے۔

مولانا ابوالحسنات نے اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اُن سے مجازِ بیعت تھے۔ اُن کے علاوہ سیّد علی حسین شاہ کچھوچھویؒ سے بھی اجازتِ بیعت حاصل تھی۔

مولانا ابوالحسنات کی مندرجہ ذیل کتابیں طبع ہوئی ہیں:

۱۔ تفسیر الحسنات ۔ ۲۔ اوراقِ غم
۳۔ صبحِ نور ۔ ۴۔ الناصح
۵۔ طیب الوردہ شرح قصیدۃ البُردہ (اُردو) ۔ ۶۔ مسدس حافظ
۷۔ مخمسِ حافظ ۔ ۸۔ دیوانِ حافظ
۹۔ ترجمہ کشف المحجوب ۔ ۱۰۔ شمیمِ رسالت
۱۱۔ اظہار الاسلام ۔ ۱۲۔ فرشتۂ رحمت

مولانا ابوالحسنات اُردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور حافظ تخلص کرتے تھے۔ اُن کا مجموعہ کلام طبع ہو چکا ہے۔

مولانا ابوالحسنات کی اولاد میں چار لڑکے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ مولانا سیّد امین الحسنات خلیل احمد قادری (خطیب مسجد وزیر خان لاہور) دینی حلقوں میں معروف ہیں۔

محمد ادریس کاندہلوی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد ادریس بن حافظ محمد اسماعیل بن محمد اسحاق کاندہلہ ضلع مظفر نگر (یو۔پی) کے ایک بلند پایہ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مفتی الٰہی بخش کاندہلوی (م ۱۲۴۵ھ) مؤلف تکملہ "مثنوی معنوی" اس خاندان کے جدِ امجد تھے۔ اُن کے والد حافظ محمد اسماعیل صاحب جیّد عالمِ دین اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے مُرید تھے۔

مولانا محمد ادریس ۱۲ر ربیع الآخر ۱۳۱۷ھ / ۲۰ر اگست ۱۸۹۹ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے جہاں اُن کے والدِ ماجد بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ موصوف والد ماجد کی طرف سے صدیقی اور والدہ کی طرف سے فاروقی النسب تھے۔

مولانا محمد ادریس نے نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ابتدائی دینی تعلیم مولانا اشرف علی تھانوی کے زیرِ نگرانی خانقاہ تھانہ بھون کے مدرسہ اشرفیہ میں حاصل کی۔ یہاں انہیں مولانا عبداللہ گنگوہی مؤلف "تیسیر المنطق" سے استفادہ کا موقع ملا۔ بعد میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور تشریف لے گئے۔ مولانا خلیل احمد سہارن پوری، مولانا ثابت علی اور حافظ عبداللطیف جیسے اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ ۱۹ برس کی عمر میں سندِ فراغ حاصل کی۔ آخر میں دار العلوم دیوبند کے دورۂ حدیث میں شرکت کی۔

۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء میں مدرسہ امینیہ دہلی سے منسلک ہوئے۔ ایک سال کی تدریس کے بعد مہتمم دار العلوم دیوبند کی پیش کش پر دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۳۴۶ھ تک (تقریباً ۸ سال) بحیثیت مدرسِ عربی کام کیا۔ یہاں سے علیحدگی کے بعد حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔

حیدر آباد میں نو سال مقیم رہے اور ہمہ تن تصنیف و تالیف میں منہمک رہے دوبارہ ۱۳۵۵ھ میں بحیثیت شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند تشریف لائے۔ جب انہیں

دارالعلوم دیوبند آنے کی دعوت ملی۔ اُس وقت حیدر آباد میں اڑھائی سو روپے سے زیادہ مشاہرہ پاتے تھے اور دیوبند میں صرف ستّر روپے ماہانہ کی پیشکش تھی۔ احباب اور اہلِ خانہ نے دیوبند جانے کی شدید مخالفت کی مگر انہوں نے مادرِ علمی کی دعوت پر لبیک کہا۔

۱۹۴۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے الگ ہو کر پاکستان آ گئے اور جامعہ عباسیہ بہاول پور (حال جامعہ اسلامیہ بہاول پور) میں بطور شیخ الجامعہ تعینات ہوئے۔ دو سال بہاول پور میں قیام رہا ہوگا کہ مولانا مفتی محمد حسن نے جامعہ اشرفیہ لاہور کی داغ بیل ڈالی۔ مفتی صاحب قابل اساتذہ کی تلاش میں تھے۔ مفتی صاحب سے تعلقِ خاطر کے سبب جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں لاہور تشریف لائے تو مفتی محمد حسن صاحب کی نگاہِ انتخاب نے اُنہیں جامعہ اشرفیہ کے لیے چُن لیا۔ چنانچہ ۶ اگست ۱۹۵۱ء کو لاہور آ گئے۔

روایت ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے مولانا سے فرمایا "میں آپ کو پراٹھا اور پلاؤ چھوڑ کر سوکھی روٹی کی دعوت دیتا ہوں" مولانا نے بلا تامّل جواب دیا "حضرت! خدمت دین کی خاطر مجھے منظور ہے" مولانا محمد ادریس کو اس امر کا خیال تھا کہ جامعہ عباسیہ سے وابستگی کی صورت میں شاید خدمتِ دین کا حق ادا نہ ہو سکے اس لیے اُن تمام مادی منافع سے قطع نظر کر کے لاہور آئے جو سرکاری ملازمت سے وابستہ تھے۔ جامعہ اشرفیہ سے آخری دم تک وابستہ رہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جس تنخواہ پر ۱۹۵۱ء میں جامعہ تشریف لائے تھے آخر تک وہی لیتے رہے۔ مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ نے اُن کی تنخواہ میں اضافہ کی پیشکش کی مگر اُنھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اُن کی زندگی گذر رہی ہے اور تنخواہ میں اضافے کی ضرورت نہیں۔

ترپّن [۵۳] برس کی تدریسی اور علمی زندگی کے بعد ۸ رجب ۱۳۹۴ھ / ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء کو لاہور میں وفات پائی۔ دوسرے روز اُن کے صاحبزادے مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی

نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور شادمان کالونی کے قبرستان میں دفنائے گئے۔ اُن کی رحلت حلقۂ علماء میں شدت سے محسوس کی گئی۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی نے پُردرد مرثیے کہے۔ مولانا محمد احمد تھانوی نے "استاذ العلماء علامہ محمد ادریس کاندہلوی" سے سالِ وفات نکالا ہے۔

۱۹۷۴ء

مولانا محمد ادریس کاندہلوی بلند پایہ مصنّف تھے۔ اُنہوں نے تفسیر، حدیث اور علمِ کلام کے موضوع پر بیش قیمت کتابیں تحریر کی ہیں۔ اس کے علاوہ عیسائیت اور قادیانیت کی تردید میں قابلِ قدر کام کیا ہے۔

مولانا مرحوم نے ۱۲ سال کی عمر میں "مقاماتِ حریری" کی عربی شرح لکھی اور وفات سے پندرہ روز پہلے تک اُن کا قلم چلتا رہا۔ اُن کی تصنیفات و تالیفات ایک سَو کے لگ بھگ ہیں۔ جن کا تفصیلی جائزہ ایک کتاب کا موضوع ہے۔ ذیل میں اُن کی اہم تصنیفات کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

تفسیر

۱۔ الفتح السماوی بتوضیح تفسیر البیضاوی (عربی۔ غیر مطبوعہ)

۲۔ معارف القرآن — اُردو۔ ۲۳ پاروں کی مکمّل تفسیر ہے۔ باقی سات پاروں کے مشکل مباحث کا حل لکھ سکے تھے۔

۳۔ دلائل الفرقان علی مذہب النعمان (عربی۔ مطبوعہ)

۴۔ شرائطِ مفسّر و مترجم (اردو۔ ")

۵۔ اعجاز القرآن (" ۔ ")

حدیث

۶۔ التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی۔ مطبوعہ)

یہ شرح علمی نقطۂ نظر سے اتنی ٹھوس اور بلند پایہ ہے کہ علمائے ہند و پاک کے علاوہ بلادِ عرب کے علماء و فضلاء نے اس کی تعریف کی۔ پہلی بار دمشق سے طبع ہوئی تھی۔

۷۔ مقدمہ الحدیث (عربی۔ غیر مطبوعہ)

۸۔ منحۃ الحدیث فی شرح الفیۃ الحدیث (" ۔ ")

۹۔ کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ (اردو۔ مطبوعہ)

۱۰۔ القول المحکم (" ۔ ")

۱۱۔ لطائف الحکم فی اسرار نزولِ عیسٰی بن مریم (" ۔ ")

۱۲۔ الدین القیم (" ۔ ")

۱۳۔ احسن البیان فی مسئلہ الکفر والایمان (" ۔ ")

۱۴۔ نہایۃ الادراک فی حقیقت التوحید والاشراک (" ۔ ")

۱۵۔ فتح الغفور شرح منظومۃ القبور (" ۔ ")

سیرت و سوانح

۱۶۔ سیرت المصطفٰی۔ چار جلدیں (اردو۔ مطبوعہ)

۱۷۔ خلافتِ راشدہ (" ۔ ")

عقائد و کلام

۱۸۔ عقائدِ اسلام (اردو۔ مطبوعہ)

۱۹۔ علم الکلام (" ۔ ")

۲۰۔ اسلام اور نصرانیت (" ۔ ")

مولانا مرحوم کو حضرت سید انور شاہ کاشمیری سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور ان کے زیرِ اثر قادیانیت کی تردید میں سرگرم رہے۔ دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ تدریس میں

انھوں نے قادیانی نبوّت کے دجل وفریب کا پردہ چاک کرنے میں قدمے، قلمے اور سخنے کام کیا، مرحوم کے ایک رفیق مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم نے لکھا ہے:

"اسی زمانے میں اکابر دار العلوم کے ایک وفد نے جس کی قیادت استاد محترم حضرت شاہ صاحب فرمارہے تھے۔ عام مسلمانوں میں قادیانی دجل و فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ملک کا دورہ کرنا تجویز کیا۔ اس دورے میں ہم تینوں (مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس اور مولانا بدر عالم میرٹھی) کو حضرت کا ہمسفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اسی زمانہ میں یہ طے ہوا کہ ہر سال ایک جلسہ خود قادیان میں کیا جائے جس میں مرزا صاحب کے اوہام باطلہ کی تردید خود اُن کے مرکز میں جا کر کی جائے ان جلسوں میں بھی حضرات اکابر کے ارشاد کے مطابق ہم تینوں کو شریک رہنے کا موقع ملا۔

فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو اُن سے مناظرے کے لیے دار العلوم دیو بند کی طرف سے مولانا سید مرتضیٰ احسن کی سرکردگی میں ہم تینوں رفیقِ سفر رہے۔ خود حضرت شاہ صاحب اور علامہ شبیر احمد عثمانی بھی پہنچ گئے۔ تین روز یہ تاریخی مناظرہ جاری رہا۔

حضرت شاہ صاحب کی خاص توجہ اور کوشش نے چند سال میں ایسا کر دیا تھا کہ علمی اعتبار سے مرزا صاحب اور قادیانیت نے دم توڑ دیا اور یہ لوگ مناظرے، مباہلے کا نام چھوڑ کر زیرِ زمین سازشوں میں مصروف ہو گئے"[1]

---

[1] ماہنامہ "البلاغ" (کراچی) شمارہ اکتوبر ۱۹۷۴ء ص ۲۱

اسی طرح عیسائیت کی تردید میں اُنہوں نے قابلِ قدر تصنیفی سرمایہ یادگار چھوڑا ہے مولانا مرحوم نے بلا کا حافظہ پایا تھا۔ اُنہیں علوم و کتب کا پورا استحضار تھا۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا اور بالفاظ جناب احسان دانش صاحب مشاعری کا ندھلے کے لوگوں کا حصہ ہے چنانچہ مولانا محمد ادریس صاحب بھی عربی اور فارسی میں بلا تکلف شعر کہتے تھے"[1]

مولانا لاہور کے زمانۂ قیام میں ۱۹۶۱ء سے جامع مسجد نیلا گنبد میں خطبۂ جمعہ دیتے تھے۔ سینکڑوں تشنگان علم دُور دُور سے آکر مستفید ہوتے تھے، اُن کے مواعظ حق گوئی و حق شناسی کا مرقع ہوتے تھے" اُن کی حق گوئی اور حق نگاری مٹی کے الفاظ کو کندن کی جھنکار دے رہی تھی۔ اُن کے فکر کی بلندی اور گفتگو کی ملائمت تو د۔ بخود اپنی شیرینی سے دلوں کو متاثر کرتی چلی جاتی تھی۔ اُن کی سیدھی سادھی زبان کا لہجہ صداقت میں شرابور اور فقروں کے تاثراتی سلمہ ستارے سے پٹے دکھائی دیتے تھے۔ جب وہ معاشرے کی کج روی کو درد و کرب سے بیان کرتے تو اُن کا آہنگ مرثیہ کا پیرہن اختیار کر لیتا جس سے ان کا ہر سانس دلوں کے بند دروازوں پر دستک دیتا محسوس ہوتا تھا"[2]

پاکستان میں اسلامی دستور کے نفاذ میں علماء نے جو مساعی کی مولانا مرحوم اس میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۷۴ء میں کچھ عرصہ کے لیے "اسلامی نظریاتی کونسل" کے رُکن رہے۔

مولانا مرحوم نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی، امراء و حکام سے زندگی بھر کنارہ کش رہے۔ آج کی دُنیا میں جب دولت ہی سب کچھ سمجھی جاتی ہے۔ مرحوم صرف ایک عمدہ کتب خانہ اور بیش قیمت مسوّدات چھوڑ کر رخصت ہوئے

---

[1] ماہنامہ "الرشید" (ساہیوال) دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۵۰۲

[2] ایضاً ص ۵۰۴

تھے۔

مولانا مرحوم کے صاحبزادے اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے علمی ودینی خدمات
میں کوشاں ہیں۔

محمد اسماعیل دیوبندی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد اسماعیل بن میاں سلطان علی ریاست کپور تھلہ میں پیدا ہوئے۔ میاں سلطان علی، مسلکِ اہل حدیث پر عامل تھے اور نامور عالم ومناظر تھے۔ مولانا محمد اسماعیل نے ابتدائی دینی تعلیم گھر پر حاصل کی اور مقامی سکول میں نوشت و خواند سیکھی۔

لڑکپن میں مسلکِ تشیع کی طرف مائل ہو گئے۔ والدین نے سختی کی مگر وہ اپنے مسلک پر قائم رہے۔ دینی تعلیم کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ دارالعلوم میں اُنھوں نے اپنے اساتذہ سے مختلف نزاعی مسائل پر بحث ومناظرہ شروع کیا تو دارالعلوم سے نکال دیئے گئے۔ تاہم "دیوبندی" اُن کے نام کا لاحقہ بن گیا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد ساہیوال آ گئے اور مسجد جعفریہ میں خطابت و امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔ مناظرانہ ذوق کے پیشِ نظر علمائے اہلسنّت سے اُن کی ٹھنی رہتی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد ساہیوال سے گوجرہ منتقل ہو گئے۔ گوجرہ میں چند سال گزار کر فیصل آباد میں سکونت اختیار کی اور "درس قائم آلِ محمد" کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ پنجاب میں شیعہ مدارس میں سرفہرست ہے۔

۱۴ر جون ۱۹۷۶ء/۱۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ کو سکھے کی سے خانقاہ ڈوگراں جا رہے تھے کہ راستے میں کار کے حادثے میں فوت ہوئے۔ میّت فیصل آباد لائی گئی۔ علّامہ مرزا یوسف حسین صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور فیصل آباد

میں دفنائے گئے۔

مولانا محمد اسماعیل سے مناظرانہ تحریریں یادگار ہیں جو اُن کے اخبار "صداقت" (گوجرہ) میں طبع ہوتی رہی تھیں۔

محمد اسماعیل سلفی (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا محمد اسماعیل سلفی بن محمد ابراہیم موضع ڈھونیکی تحصیل وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ میں ۱۹۰۱ء/۱۹-۱۳۱۸ھ میں متولّد ہوئے۔ اُن کے والدِ ماجد اپنے وقت کے معروف خوشنویسوں میں سے تھے۔ ایک عرصہ مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ) کا رسالہ "اشاعت السنہ" لکھتے رہے۔ مولانا عبدالرحمان محدث مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) کی تالیف "تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی" اُن کے قلمِ معجز رقم کی یادگار ہے۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی نے تعلیم کا آغاز اپنے والدِ ماجد سے کیا۔ اُن سے ابتدائی نوشت وخواند سیکھ کر مدرسہ نصرت الاسلام گوجرانوالہ میں داخل ہوئے۔ مولانا عمرالدین اور مولانا تاج الدین کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔ مولانا حافظ عبدالمنّان محدّث وزیرآبادی سے متونِ نحو اور صحاح ستّہ کا درس لیا۔ اُسی زمانے میں حافظ عبدالمنّان محدّث کے صاحبزادے مولوی عبدالستار سے سننِ نسائی کا چوتھائی حصّہ پڑھا۔ یہاں سے دہلی گئے اور دارالکتاب والسنہ دہلی (صدر) میں مولانا عبدالرب اور مولانا عبدالرحمان ولایتی سے اکتسابِ فیض کیا۔ اُن سے اجازت وسندِ حدیث حاصل کی۔ وطن واپس آکر مولانا حافظ عبدالمنّان محدّث سے بھی سندِ حدیث لی۔ کچھ عرصہ مولانا عبداللہ غازی پوری سے بھی استفادہ کیا تھا۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی نے مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مولانا محمد حسین ہزاروی سے معانی وفقہ اور مدرسہ نعمانیہ (امرتسر) میں مفتی محمد حسن سے منطق کے کچھ اسباق پڑھے۔ امرتسر میں مولانا محمد عالم آسی سے فنِ طب سیکھا۔ کچھ عرصہ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

سے کے ہاں زیرِ تعلیم رہے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے اُن کا قیام گوجرانوالہ میں تجویز کیا تو محلہ حاجی پورہ میں اقامت گزین ہو گئے۔ مولانا علاء الدین کے انتقال پر "جامع اہلِ حدیث" کے خطیب مقرر ہوئے اور تا دمِ آخر یہ فریضۂ دین انجام دیا۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی بلند پایہ اہلِ حدیث عالم تھے۔ اور اپنے حلقے میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اُنہوں نے "مدرسہ محمدیہ" گوجرانوالہ کی بنیاد رکھی جو دین و علم کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

استخلاصِ وطن کی جدوجہد میں دو بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور تیسری بار ختمِ نبوت کی تحریک (۱۹۵۳ء) میں سنتِ یوسفی ادا کی۔

مولانا سلفی ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ / ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء کو گوجرانوالہ میں فوت ہوئے۔

مولانا سلفیؒ سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی ۲۔ اسلامی حکومت کا مختصر خاکہ
۳۔ امام بخاریؒ کا مسلک ۴۔ زیارۃ القبور
۵۔ مسئلہ حیات النبیؐ ۶۔ جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث
۷۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ۸۔ ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح (غیر مطبوعہ۔ ناکمل)

متذکرۃ الصدر تالیفات کے علاوہ ہفت روزہ "الاعتصام" (گوجرانوالہ / لاہور) اور ماہنامہ "رحیق" (لاہور) میں اُن کے مضامین منتشر ہیں۔

محمد اشرف فاروقی نوشاہی

مولانا محمد اشرف فاروقی بن میاں اعز الدین میاں معصوم بن علم الدین کے آبا و اجداد موضع چک بھارا کے رہنے والے تھے وہاں سے اُن کے بزرگ ترکِ سکونت کرکے موضع پانڈو کے ضلع گوجرانوالہ میں آئے۔

مولانا محمد اشرف فاروقی النسب تھے اور اُن کے خاندان میں کئی علماء و فضلاء اور شعراء پیدا ہوئے۔ مولانا غلام شائق اِسی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا محمد اشرف کے والد ماجد میاں اعز الدین (المعروف بہ عزّت دین) اچھے طبیب اور عالم تھے۔ اُن کی مہر کا سجع یہ تھا:

"اعز الدین منوّر در جہاں است"

مولانا محمد اشرف ۱۱۵۵ھ/۴۲-۱۷۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والدِ گرامی اور جدِ بزرگوار سے مروّجہ انداز کے مطابق تعلیم حاصل کی۔ بیعتِ طریقت شیخ ضیاء اللہ (ساکن جا لکے چیمہ ضلع سیالکوٹ) سے کی تھی۔

سکھ گردی میں مولانا محمد اشرف کا آبائی گاؤں محفوظ نہ تھا اس لئے ترکِ سکونت کرکے قصبہ منچر چھٹہ چلے گئے۔ چوہدری غلام محمد خود مختار حاکم تھا۔ اُس نے مولانا محمد اشرف کی قدر و منزلت کی۔ قاضی اور مفتی کے منصب پر فائز تھے۔ آخر میں رنجیت سنگھ کے باپ مہان سنگھ نے چوہدری غلام محمد کو شکست دے کر چھٹوں کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم کردی۔ چوہدری غلام محمد سکھوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مولانا محمد اشرف موضع کالے والا ضلع گوجرانوالہ میں منتقل ہو گئے۔ ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں فوت ہوئے۔

مولانا محمد اشرف خانوادہ قادریہ نوشاہیہ کے بزرگ سیّد حافظ نوراللہ نوشاہی کے معاصر تھے۔ دونوں حضرات میں انس و محبت کے مراسم تھے اور ایک دوسرے کتب خانوں سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔ مولانا محمد اشرف فارسی، اُردو اور پنجابی زبان میں شعر کہتے تھے، اُن کی چند اہم تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ مثنوی کنز الرحمت (فارسی) حاجی نوشہ گنج بخش (م ۱۰۶۴ھ) اور اُن کی اولاد و خلفاء کے حالات و کرامات بیان کئے گئے ہیں۔ کنز الرحمت کو مولوی حبیب اللہ نعمانی نے پنجابی نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ اصل اور ترجمہ دونوں شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ مثنوی یوسف و زلیخا (فارسی)

۳۔ مصباح الطب (فارسی منظوم)

۴۔ مناقب نوشاہی (پنجابی)

۵۔ فقرنامہ (〃)

ان کے علاوہ اُنہوں نے پنجابی زبان میں متعدد قصّوں کو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔

مولانا محمد اشرف نوشاہی کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔ مثنوی "کنز الرحمت" کے آخر میں اپنے مرشد طریقت کے بارے میں لکھتے ہیں[1]:

ہر کہ او مسلک عقل و خرد آگاہ بود ۔۔۔ از دل و جان بندہ حضرت ضیاء اللہ بود
میرسد از یک نظر در بارگاہِ ایزدی ۔۔۔ ہر کہ را لطف عمیمش رہنمائے راہ بود
ساغر لطفش چناں مخمور کردہ عالمے ۔۔۔ چشم ہر مخلوق مست از بادۂ نوشاہ بود
نیست فردا آفتاب حشر را تابش برو ۔۔۔ ہر کہ ابر سر ز دات پاک او سایہ بود
اشرف از کمتر غلامانش ہمیں دارد اُمید ۔۔۔ کہ بہ عتبہ رحمتش گہ گہ سگِ در گہ بود

---

[1] کنز الرحمت ص ۱۶۶

قاضی فضل حق مرحوم کو ایک قلمی بیاض میں اُن کی فارسی، اُردو اور پنجابی نظموں کا مجموعہ ملا تھا۔ انہوں نے صرف اُردو حصّے کا انتخاب اپنے مضمون میں درج کیا ہے[۱]۔
مولانا محمد اشرف کی اولاد میں دو صاحبزادے مولانا حکیم مل احمد اور مولانا حکیم محمد کے نام ملتے ہیں۔

[۱] ضمیمہ "پنجاب میں اُردو" ص ۳۸۹ - ۳۹۲

حکیم محمد اشرف سندھو (وھابی نجدی اھل حدیث)

حکیم محمد اشرف سندھو ضلع لاہور کے معروف گاؤں سندھو کلاں کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۷ دسمبر ۱۸۹۷ء/۲۲ رجب ۱۳۱۵ھ کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے مڈل کا امتحان پاس کر کے دینی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ مولانا عبداللہ روپڑی اور حافظ محمد حسین روپڑی سے استفادہ کیا۔ فنِ طب کی باقاعدہ تحصیل کی اور یہی ذریعہ معاش تھا۔

اپنے گاؤں میں جامع مسجد اہل حدیث تعمیر کی اور زندگی بھر فرائضِ امامت و خطابت انجام دیئے۔ موضع سندھو کلاں کی زیادہ تر آبادی سکھوں پر مشتمل تھی۔ اُن پر اسلام کی حقانیت واضح کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اُن کی مذہبی کتب کا بھی مطالعہ کیا جائے چنانچہ حکیم صاحب نے محنت سے گورمکھی زبان سیکھی۔ سکھوں کی مذہبی کتابوں کا براہِ راست مطالعہ کیا اور زبان و قلم سے اُنہیں دعوتِ اسلام پیش کی۔ اُن کی تبلیغی مساعی سے موضع سندھو اور گردو نواح کے کئی سکھوں نے اسلام قبول کیا۔

فتق کے عارضے میں ۲۱ اگست ۱۹۶۴ء/۱۲ ربیع الآخر ۱۳۸۴ھ کو میو ہسپتال لاہور میں فوت ہوئے۔

حکیم محمد اشرف نے دعوت و تبلیغ کے نقطۂ نظر سے مندرجہ ذیل کتابیں اور رسائل قلمبند کئے:

۱۔ رسالہ بے نمازاں
۲۔ بحرا دیوی
۳۔ پیغامِ جیلانی
۴۔ فرقۂ وجودیہ کی اصلیت اور پہچان
۵۔ گیانی جی کیوں مسلمان ہوئے؟
۶۔ نانک کا پیغام

۷۔ نانک کی ہرداس

۸۔ الشہاب الثاقب

۹۔ نتائج التقلید

۱۰۔ مقام اہل حدیث

۱۱۔ عقیدہ حیات النبی

۱۲۔ مقیاسِ حقیقت بجواب مقیاسِ حنفیت

۱۳۔ البشریٰ لسعادۃ الدارین (عربی)

۱۴۔ رکعات قیام رمضان

۱۵۔ اکمل البیان

۱۶۔ حقیقت نما

۱۷۔ تاریخ التقلید (غیر مطبوعہ)

۱۸۔ رسول اللہ کی نماز۔ پیرانِ پیر کے عمل و قلم سے (غیر مطبوعہ)

حافظ محمد افضل

حافظ محمد افضل بن مولانا غلام مرتضیٰ چیلاواہن ضلع بہاول پور میں ۱۵ر شعبان ۱۲۶۶ھ / ۲۶ر جون ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ کسی نے اُن تاریخ ولادت "شب برات زادہ شد" سے نکالی ہے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد والدِ ماجد سے اکتسابِ فیض کیا۔ خواجہ خدا بخش خیر پوری سے بھی استفادہ کیا۔ حافظ محمد افضل اور اُن کے بھائی حافظ محمد اکمل نے اُن سے رسالہ توفیقیہ اور مطوّل کے اسباق پڑھے تھے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو والدِ ماجد کی نگرانی میں تعلیم و تدریس شروع کی۔ فقہ میں خصوصی مہارت بہم پہنچائی تھی۔ اُن کے مدرسہ میں علومِ ظاہری کے ساتھ سلوک و طریقت کے جویا بھی رہتے تھے۔

حافظ محمد افضل ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ھ / ۲۹ر دسمبر ۱۸۹۱ء کو فوت ہوئے۔ "مبارک خاتمہ" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔ نیز تاریخِ وصال یہ ہے:

۱۳۰۹ھ

تاریخِ وصالش جستجو کردم ز عقل
بامر اندوہ گفتہ صد دریغ

۱۳۰۹ھ

حافظ مرحوم سے سینکڑوں افراد نے فیض پایا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا اللہ بخش
۲۔ مولانا حافظ محمد
۳۔ مولانا عبداللہ جامی بہاولپوری
۴۔ حافظ جمال الدین گھوٹوی
۵۔ مولانا سلطان محمود
۶۔ حافظ حمّاد ثانی

محمد اکبر شاہ بخاری (شیعہ رافضی اھل تشیع)

مولانا سید محمد اکبر شاہ سگھر ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۳۳۳ھ/۱۵-۱۹۱۴ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان میں علمی روایت چند پشتوں سے چلی آرہی تھی۔ اُن کے بڑے بھائی مولانا محبوب علی شاہ بخاری ممتاز شیعہ عالم تھے۔

مولانا سید محمد اکبر شاہ نے سلطان المدارس لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ مولانا سید محمد رضا اور مولانا سید محمد باقر کے تلمذ پر فخر کرتے تھے۔ مولانا سید محمد اکبر شاہ ایک عرصے تک وعظ و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آخر میں نور پور شاہاں نزد راولپنڈی میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہیں ۱۹۶۸ء/۱۳۸۸ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔[1]

---

[1] مطلع انوار ص ۴۲۹-۴۳۰

حافظ محمد اکمل

حافظ محمد اکمل بن حافظ غلام مرتضیٰ بن مولانا حمّاد ۱۲۳۰ھ/۱۵-۱۸۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ علومِ متداولہ کی تحصیل والد یا جد حافظ غلام مرتضیٰ اور مولانا خدا بخش خیرپوری سے کی۔ حافظِ قرآن اور عالمِ اجل تھے۔ پوری زندگی درس و تدریس اور ہدایت و ارشاد میں بسر کی۔ اپنے بڑے بھائی حافظ محمد افضل کے ساتھ ایک ہی درسگاہ میں درس دیتے تھے۔ متوسطات کی تعلیم حافظ محمد اکمل اور درسِ نظامی کی آخری کتب حافظ محمد افضل پڑھاتے تھے۔

حافظ محمد اکمل کو فنِ میراث پر کامل عبور حاصل تھا اور اس فن کے مشکل مسائل کو انگلیوں پر حل کر دیتے تھے۔

موصوف اپنے بڑے بھائی سے چار سال چھوٹے تھے اور اُن کی رحلت کے بعد چار سال زندہ رہے۔ مرض الموت میں وفات سے ایک دن پہلے فرمایا کہ آج میری عمر بھائی کی عمر کے برابر ہو گئی ہے۔ ۱۳۱۳ھ/ ۹۶-۱۸۹۵ء میں وفات پائی[1] اور چیلاواہن (ضلع بہاولپور) میں مدفون ہوئے۔

---

[1] سہ ماہی "الزبیر" (۲) بابت اگست ۱۹۶۱ء

محمد الدین لاہوری

مولانا محمد الدین ۳ رجمادی الاولیٰ ۱۲۶۷ھ/۶ رمارچ ۱۸۵۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئے اُنھوں نے سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم مروجہ کی تکمیل کی اور وعظ و تدریس کا شغل اختیار کیا۔[1] پھر اورینٹل کالج میں داخل ہوئے۔ ۱۸۷۰ء میں مولوی، کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۷۱ء میں انٹرنس اور منشی عالم، ۱۸۷۲ء میں مولوی عالم اور ۱۸۷۴ء میں مولوی فاضل و منشی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔

اگست ۱۸۷۳ء میں اورینٹل کالج میں فارسی کے مدرّس دوم مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۳ء میں ایم۔او۔ایل کی سند حاصل کی۔ ۱۸۸۷ء میں مدرّس دوم کے ساتھ اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے[2] مولانا محمد الدین زیادہ تر گورنمنٹ کالج لاہور کی ایف۔ اے اور بی۔ اے کی جماعتوں کو عربی اور فارسی پڑھاتے تھے۔ ۲۶ رنومبر ۱۸۹۸ء/۱۲ ررجب ۱۳۱۶ھ کو بعارضہ بخار دن کے بارہ بجے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

مولانا محمد الدین خلیق، ملنسار اور سادہ مزاج تھے۔ اُن کی اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی۔ اُن کی حسب ذیل کتابیں ملتی ہیں:[3]

۱۔ روضۃ الادبار۔ عرب، شعراء، ادباء، علماء و فضلاء و حکماء کا تذکرہ

---

[1] سراج الاخبار (جہلم) بابت ۲۸ رنومبر ۱۸۹۸ء

[2] تاریخ اورینٹل کالج ص ۱۳۳

[3] اول الذکر گیارہ کتابوں کا ذکر "سراج الاخبار" (جہلم) کے تعزیتی نوٹ میں ہے۔ آخر الذکر تین کتابوں کے نام "اورینٹل کالج کے اساتذہ کا تحقیقی ادبی اور درسی سرمایہ" میں ملتے ہیں۔

۲۔ تبیان الصنائع

۳۔ تفسیر فتح العظیم

۴۔ تاریخ ایام الجاہلیۃ

۵۔ قلائد الذہب، فی فوائد الادب (عربی)

۶۔ مختصر السیر فی احوال سید البشر المعروف بہ گلستانِ محمدی

۷۔ حل اللغات الف لیلہ (فارسی)

۸۔ شرع محمدی (متعلق مسائل میراث و معاملات)

۹۔ رسالہ علم منطق

۱۰۔ تعلیقات مقاماتِ بدیعی

۱۱۔ روضۃ الابرار

۱۲۔ مخزن الفوائد

۱۳۔ منتخباتِ اخلاق ناصری

۱۴۔ میزان الاخلاق

خواجہ محمد الدین سیالوی

خواجہ محمد الدین بن خواجہ شمس الدین سیالوی ۱۲۵۳ھ/۳۸-۱۸۳۷ء میں سیال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی فارسی درسیات والدِ ماجد سے پڑھیں۔ بعد میں مولوی سلیمان نامی ایک مدرس سے علومِ دینیہ پڑھنے شروع کئے۔ اعلیٰ تعلیم خواجہ معظم الدین مرولوی سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ مولانا فتح محمد ساکن سلیانہ ضلع جھنگ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

خواجہ شمس الدین سیالوی کی رحلت، پر اُن کے علمی و روحانی جانشین ہوئے۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی نے خرقۂ خلافت پہنایا۔ انہوں نے اپنے والدِ ماجد کی علمی و دینی اور اصلاحی خدمات جاری رکھیں۔ سیال کی درسگاہ نے اُن کی نگرانی میں خوب ترقی کی۔

خواجہ محمد الدین نے ۲ر رجب ۱۳۲۷ھ/۲۰ر جولائی ۱۹۰۹ء کو جان، جانِ آفرین کے سپرد کی اور سیال میں اپنے والدِ گرامی کے پہلو میں دفنائے گئے۔ "رہبرِ چشتیاں محمد دین" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

خواجہ محمد الدین کے چار فرزند تھے۔

۱۔ صاحبزادہ محمد امین

۲۔ صاحبزادہ محمد ضیاء الدین (جانشین)

۳۔ صاحبزادہ محمد عبداللہ

۴۔ صاحبزادہ محمد سعد اللہ

خواجہ محمد الدین سیالویؒ کے حالاتِ زندگی اور ملفوظات غلام دستگیر بیخود جالندھری نے "محبوبِ سیال" اور "برکاتِ سیال" کے نام سے جمع کئے ہیں۔

محمد الدین اعوان

ملک محمد الدین اعوان، مہوٹہ کلاں ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ ۹ اگست ۱۸۸۱ء/۱۳ رمضان ۱۲۹۸ھ کو پیدا ہوئے۔ بچپن میں والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا اور گاؤں مہوٹہ کلاں دریائے چناب کی طغیانی کی نذر ہو گیا تھا۔ جلالپور اور چکوال کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کی۔ مڈل کے بعد اپریل ۱۸۹۶ء/۱۳۱۳ھ میں اسلامیہ ہائی سکول لاہور میں داخل ہوئے۔ زمانۂ طالب علمی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ شعر بھی کہتے تھے۔ بی۔ اے میں پڑھتے تھے کہ رنجیت سنگھ اور امیر عبدالرحمان خان والئی افغانستان کی سوانح عمریاں لکھیں۔ محمد الدین فوق کے بقول اُن کی ایک تحریر سے معلوم ہوا کہ اُنہوں نے یہ دونوں کتابیں صرف تین دن میں لکھی تھیں[۱]۔

۱۸۹۹ء/۱۷-۱۳۱۶ھ میں بغرضِ معاش پٹواری ہو گئے۔ ملازمت کو اپنے مزاج کے خلاف دیکھتے ہوئے تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ جلالپور میں تین سال پشمینہ اور اُدویہ کا کاروبار کیا لیکن خسارہ اُٹھا کر کنارہ کش ہو گئے۔ جلالپور سے لاہور گئے اور اپنے ذوقِ تحریر کے لئے رسالہ "جلوہ نور" جاری کیا جو صرف تین ماہ چل سکا۔ اگست ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ میں قسمت آزمائی کے لئے کچھ عرصہ کشمیر میں گزارا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ کشمیر سے واپس جلالپور آئے اور سید غلام حیدر علی جلالپوری کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔

ملک محمد الدین نے کچھ عرصہ اخبار "ہندوستان" (لاہور) کا اہتمام و انصرام کیا۔

---

[۱] اخبار نویسوں کے حالات ص ۶۲ - ۶۳

جنوری ۱۹۰۹ء/۱۳۲۶ھ میں اپنے پیر و مرشد کی یاد میں رسالہ "صوفی"، (منڈی بہاءالدین) جاری کیا۔ جسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ برصغیر کے معروف اور مقبول قلمکاروں نے اپنی تحریروں سے "صوفی" کو سرفراز کیا اور قارئین نے خوب حوصلے بڑھائے۔ رسالہ صوفی میں بطورِ خاص پیر سید غلام حیدر علی جلالپوری کے ملفوظات طبع ہوتے تھے۔

ملک محمدالدین نے رسالے کے ساتھ کتابوں کی اشاعت کا کام شروع کیا۔ اور وہ علاقے کے امیر لوگوں میں شمار ہونے لگے۔ منڈی بہاءالدین میں "صوفی منزل" کے نام سے اُن کی کوٹھی بن گئی۔ سیشن کورٹ کے اسیسر بنے۔ دنیوی امارت کے ساتھ علمی و دینی میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ "صوفی" کی ادارت اُن کا ایک اہم کارنامہ تھا۔ تاہم اُن سے چند کتابیں بھی یادگار ہیں جن میں سے حسبِ ذیل نمایاں ہیں۔

۱۔ ذکرِ حبیب (پیر غلام حیدر علی شاہ جلالپوری کے حالات، ملفوظات اور کرامات کا تذکرہ)

۲۔ خاتونِ جنّت (سیرت الزہرا)

ملک محمدالدین نے صاحبزادہ پیر فضل شاہ جلالپوری کے ہمراہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں فریضۂ حج ادا کیا تھا۔

محمد امام غزالی

ابوالمحمود محمد امام غزالی بن حکیم حافظ محمد میر عالم کے آباؤ اجداد موضع سبز پیر نزد حسن ابدال ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ اُن کے پردادا ترکِ سکونت کر کے ٹمن ضلع اٹک میں آباد ہوئے۔ وہیں مولانا محمد امام غزالی ۱۸۸۸ء/۰۶-۰۵-۱۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔

ابھی دو سال عمر تھی کہ والدِ بزرگوار حکیم حافظ محمد میر عالم کا انتقال ہو گیا۔ والدہ ماجدہ نے چھ سات کی عمر میں اُنہیں مدرسہ نعمانیہ لاہور بھیجدیا۔ کچھ عرصہ لاہور میں رہ کر واپس گاؤں آ گئے۔ مختلف اوقات میں ضلع اٹک کے متقدر اساتذہ مولانا غلام محی الدین مکھڈی، مولانا قطب الدین غورغشتوی اور مولانا عبدالرحمان (پنڈی سرال والے) سے استفادہ کیا۔ درسِ نظامی کی متوسط کتابیں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور مسلسل چھ سال دارالعلوم میں زیرِ تعلیم رہے۔ دورہ حدیث شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے پڑھا۔

فارغ التحصیل ہو کر مسجد باغباناں ٹمن میں "مدرسہ اسلامیہ عربیہ" کی بنیاد رکھی اور درسِ نظامی کی تعلیم شروع کی۔ مولانا محمد امام غزالی اُن علماء میں سے تھے جنہوں نے تحصیل تلہ گنگ ضلع اٹک میں دینی علوم کو عام کیا۔ موصوف اپنے وسیع حلقۂ تلامذہ کے لحاظ سے تحصیل بھر کے اُستاد سمجھے جاتے ہیں۔ پچاس سالہ دورِ تدریس میں اُن سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا۔ اُن کے معروف ترین تلامذہ میں مولانا گل شیر شہید کا نام بہت نمایاں ہے۔

مولانا محمد امام غزالی بنیادی طور پر مدرس تھے۔ انہوں نے سیاسی تحریکوں میں بہت کم حصہ لیا البتہ تحریکِ خلافت کے زمانے میں اُنھوں نے بھرپور کام کیا۔ خلافت کمیٹی راولپنڈی ڈویژن کے صدر تھے۔ ملتان خورد کے مقام پر ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی تھی۔ جس میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بطورِ خاص شریک ہوئے تھے۔

مولانا صاحبِ مطالعہ اور کتاب دوست شخصیت تھے۔ انہوں نے تفسیر و حدیث، فقہ، تاریخ اور لغت کے موضوعات پر بہت اچھا ذخیرہ جمع کیا تھا جو اُن کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

مولانا غزآلی درویش منش اور فقیر صفت انسان تھے۔ نہایت سادہ زندگی گذاری۔ خواجہ احمد میروئیؒ سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔ علاقے کے کئی امراء نے مستقل مالی امداد کی پیشکش کی مگر انہوں نے قبول نہ کی۔ ادبی ذوق بہت عُمدہ تھا۔ عربی و فارسی میں شعر بھی کہتے تھے مگر کبھی محفوظ نہ کیے۔ "غزالی" لفظ کو جزوِ نام بنانے کے بارے میں اُن کا یہ شعر زبان زدِ عام و خاص ہے کہ ؎

سمیت الغزالی للتبرک

وما فیہ تماثیل الغزالی

۷۲ سال کی عمر میں درس و تدریس کا کام خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے کہ زبان کے سرطان میں مبتلا ہو گئے۔ بغرضِ علاج لاہور گئے، میو ہسپتال میں آپریشن کرایا۔ چند ماہ افاقہ رہا۔ آخر اسی مرض میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۰ء/ ۲۰ ربیع الاُخریٰ ۱۳۸۵ھ کو وفات پائی۔

مولانا محمد امام غزآلی کی تحریرات میں سے کوئی تحریر شائع نہیں ہو سکی۔ اُن کے مسودات میں سے حسبِ ذیل محفوظ ہیں۔

۱۔ حواشی صحاح ستہ

۲۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی

۳۔ حاشیہ تفسیر جلالین

۴۔ ارشاد سیدالابرار بحرمت الزکوٰۃ علی آلِ الاطہار

مولانا مرحوم کے تین فرزند ہیں، جو علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۔ حکیم حافظ محمود الحسن خان۔ ٹمن میں طبابت کرتے ہیں۔

۲۔ حافظ نور الحسن خان۔ پروفیسر اورینٹل کالج لاہور۔

۳۔ حافظ ضیاء الدین احمد۔ اُستاد السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی سکول ٹمن

سید محمد امین مختار نوشاہی

سید محمد امین مختار السالکین بن حافظ سید قل احمد بن حکیم سید الٰہی بخش ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۴۱ھ/ یکم جولائی ۱۸۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب صرف چھ واسطوں سے حضرت نوشہ گنج بخش رح (م ۱۰۶۴ھ) سے ملتا ہے۔ انہوں نے علومِ دینیہ کی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور مولانا سید غلام قادر بن سید عبداللہ نوشاہی سے پائی۔ صاحبِ حال بزرگ تھے۔ اپنے والد سے سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ میں بیعت تھے اور خلافتِ مجاز کا شرف حاصل تھا۔

۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۰ھ/ ۷ جنوری ۱۸۹۳ء کو ساہن پال میں جان، جانِ آفرین کو دی۔ وہیں مزار ہے۔ اُن کی علمی یادگاروں میں سے "وظیفہ امینیہ" ملتا ہے۔

نرینہ اولاد میں تین صاحبزادے تھے۔

۱۔ مولانا حافظ سید روح اللہ (م ۱۶ صفر ۱۲۹۴ھ)

۲۔ حافظ سید فاضل شاہ (م ۱۲ صفر ۱۳۳۷ھ)

۳۔ حافظ سید محمد شاہ نیک اختر (م ۲۲ محرم ۱۳۳۷ھ) سجادہ نشین[۱]

۱؎ تذکرہ نوشہ گنج بخش ص ۱۷۳-۱۷۴

خواجہ محمد امین مستالوی

خواجہ محمد امین بن شیخ احمد جی موضع روپڑ علاقہ سواں (ضلع راولپنڈی) کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد ماجد شیخ احمد جی سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ نلدار نتھیا لوی کے خلیفہ تھے۔ عمر بھر اتباعِ شریعت اور ریاضت وعبادت میں مصروف رہے۔ حضرت شیخ احمد ۱۴ رشوال ۱۲۸۴ھ/۸ رفروری ۱۸۶۸ء کو روپڑ میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔

حضرت شیخ احمد جی کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ خواجہ فقیر محمد (م ۱۵ رشوال ۱۳۱۵ھ)

۲۔ خواجہ محمد حبیب اللہ (م ۱۹ رربیع الآخر ۱۳۲۵ھ)

۳۔ خواجہ محمد امین (م ۲ رشوال ۱۳۱۸ھ)

اوّل الذکر دونوں صاحبزادے روپڑ میں مقیم رہے۔ خواجہ محمد امین ترکِ سکونت کر کے "مستال"[1] آ گئے۔ وہ حافظِ قرآن، محدّث اور بلند پایہ صوفی تھے۔ سندِ اجازت حدیث حضرت قاری عبدالرحمان پانی پتی (م ۱۳۱۲ھ) سے حاصل کی تھی۔ تبرکاً سند نقل کی جاتی ہے۔

"بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہٖ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد می گوید بندہ عبدالرحمان بن محمد کہ مولوی محمد امین سلمہ القوی المتین ازیں بندہ اجازت روایتِ کتبِ حدیث وغیرہ

---

[1] راولپنڈی شہر کے شمال مغرب میں اڑھائی میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے جو پھیلتے ہوئے اسلام آباد کا حصّہ بنتا جا رہا ہے۔

خواستند اگرچہ من قابل این منصب نہ بودم، اما انجا حالمسئولہم می گویم کہ ایشاں را اجازت است کہ روایتِ کتبِ حدیث از بندہ بکنند و مواضع مغلقہ و مشتبہہ را از شروح و حواشی کتبِ حدیث اہل سنّت حل میکردہ باشد و در تصحیح الفاظ و تشخیصِ معانی مخالفتِ جمہور اہلِ سنت نہ کنند و از عقائد و اعمال اہلِ ہوا مجتنب بودہ اتباع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم را التزام باشند و خیر خواہی خدا و رسول و اہلِ اسلام شعار خود سازند۔ اللہ تعالیٰ معین باد و این حقیر اخذِ معقول و منقول و تحصیلِ سند از اساتذہ کثیر کردہ کہ اجل و افضلِ ایشان یگانہ آفاق حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب قدس سرہٗ ہستند و ایشان از جد مادری خود مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی اخذ سند کردند و ایشان از والد ماجد خود حضرت مولانا شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ الی آخر سند المشہورہ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

العبد المذنب عبدالرحمان

تحریر ۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ یوم الخمیس

مہر

۱۲۸۳
عبدالرحمان

خواجہ محمد امین ۲ شوال ۱۳۱۸ھ / ۲۳ جنوری ۱۹۰۱ء کو مستال میں فوت ہوئے اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ مرحوم کے فرزند ارجمند مولانا محمد عبدالعلی نے تاریخ وفات کہی ہے۔

یوم بود اربعا و دوم شوال!
سہ صد و یک ہزار و ہژدہ سنین

مرحوم سے حسبِ ذیل دو کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ زادالامین لاہل الیقین (فارسی۔ غیر مطبوعہ) تصوّف کے موضوع پر بصورت سوال و جواب عمدہ کتاب ہے۔ افسوس ہے کہ موت کے بے رحم ہاتھوں نے مؤلف مرحوم کو کتاب مکمّل نہ کرنے دی۔

۲۔ تحفۂ احمدیہ (پنجابی۔ منظوم) اس کتاب میں اپنے والدِ محترم اور شیخِ طریقت خواجہ شیخ احمد روہڑی کے شمائل، خوارقِ عادات اور کمالاتِ عالیہ نظم کیے ہیں۔

مرحوم کے دو صاحبزادے خواجہ عبدالحیی اور مولانا محمد عبدالعلی تھے۔ اوّل الذکر بغرضِ حج حجاز تشریف لے گئے اور مکّہ معظمہ میں بیمار ہو کر فوت ہوئے۔ ثانی الذکر مرحوم خواجہ محمد امین کے جانشین ہوئے۔

محمد انشاء اللہ خان

مولانا محمد انشاء اللہ خان بن مولوی محمد انعام اللہ ۲۰ راپریل ۱۸۷۰ء/۱۸ارمحرم ۱۲۸۷ھ کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ مولوی محمد انعام اللہ ضلع کرنال میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تھے اور سرسید احمد خان کے ساتھیوں میں سے تھے۔ انہیں سرسید احمد خان کے مذہبی اور سیاسی خیالات سے اتفاق نہ تھا مگر اُن کی تعلیمی مساعی کے مدّاح اور معترف تھے۔

مولانا محمد انشاء اللہ خان نے ابتدائی تعلیم گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ تیرہ سال کی عمر میں مڈل کا امتحان کرنال سے پاس کیا اور میٹرک گوجرانوالہ سے کی۔ اس اثنا میں اُن کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا تاہم اُنہوں نے مزید تعلیم کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ ۱۸۸۷ء/۱۳۰۴-۰۵ھ میں ایف۔ اے کا امتحان دیا جس میں ناکام ہوئے۔ اس کے بعد زمینداری میں مشغول ہو گئے۔

مولانا محمد انشاء اللہ خان کو مضمون نگاری کا شوق ابتدا سے تھا۔ ان کا پہلا اُردو مضمون ۱۸۹۵ء/۱۳-۱۳۱۲ھ میں "پیسہ اخبار" میں طبع ہوا۔ اسی زمانے میں انگریزی اخبار دی سن (THE SUN) میں لکھنا شروع کیا۔ اس کے بعد وکیل (امرتسر) میں چند مضامین لکھے اور اکتوبر ۱۸۹۵ء/۱۳۱۳ھ میں "وکیل" کے مدیر ہو گئے۔

۱۹۰۰ء/۱۳۱۸ھ میں "وکیل" (امرتسر) سے الگ ہوئے۔ ۴ر جنوری ۱۹۰۱ء/۱۳۱۸ھ کو لاہور سے ہفت روزہ "وطن" جاری کیا اور "حمیدیہ پریس" کے نام سے ایک مطبع قائم کیا۔ ۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ میں جنگِ روس و جاپان کے زمانے میں "وطن" کو روزنامہ بنایا لیکن دو تین ماہ بعد روزانہ ایڈیشن بند ہو گیا۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء/۱۳۲۹ھ میں دوبارہ روزنامہ

کیا۔ ۱۹۳۰ء/۹-۱۳۴۸ھ تک اخبار باقاعدگی سے طبع ہوتا رہا۔

مولانا انشاء اللہ خان نے تفسیر القرآن کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا تھا۔ جو ناقدردانی کے باعث دو سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔

مولانا محمد انشاء اللہ خان کی شہرت ایک صحافی کی حیثیت سے ہے مگر اُن کی علمی اور تصنیفی کوششوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم اسلامیہ اور عربی زبان و ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔

مولانا انشاء اللہ خان ۱۹۲۸ء/۷-۱۳۴۶ھ میں فوت ہوئے۔ اُن کی حسبِ ذیل کتابیں معروف ہیں:

۱۔ اُردو ترجمہ انجیل برناباس	۲۔ بست سالہ عہدِ حکومت سلطان عبدالحمید
۳۔ تاریخ خاندانِ عثمانیہ	۴۔ محارباتِ پلیونا
۵۔ محارباتِ تھسلی	۶۔ ٹرکی کی موجودہ حالت
۷۔ مظالمِ آرمینیا	۸۔ واقعاتِ روم
۹۔ تاریخ حجاز ریلوے	۱۰۔ ترجمہ مقدمہ ابن خلدون

سیّد محمد باقر چکڑالوی (شیعہ رافضی اھل تشیع)

مولانا سیّد محمد باقر بن گل محمد شاہ نقوی سادات سے تھے۔ اُن کا خاندان چکڑالہ ضلع میانوالی کے معزز و محترم خانوادوں میں سے ایک ہے۔ سیّد محمد باقر یکم رمضان ۱۲۹۹ھ/ ۱۷ جولائی ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے۔ پرائمری تعلیم کے بعد صرف و نحو اپنے بھائی سیّد طالب حسین شاہ اور والد بزرگوار سے پڑھی۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی کے فرزند محمد عیسے سے کافیہ، شرح جامی اور منطق کے بعض رسائل پڑھے۔ اس کے بعد ملتان گئے اور مولوی سیّد علی نقی سے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا شریف حسین جگراؤں کے ممتاز شیعہ عالم تھے۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اسباق لئے۔ کچھ عرصہ لکھنؤ میں بھی مقیم رہے۔ دینی علوم کی تکمیل کر کے واپس وطن آئے۔ ۱۹۰۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان اعزاز سے پاس کیا اور "طلائی تمغہ" کے مستحق قرار دیئے گئے۔ اس کے بعد منشی فاضل کی سند حاصل کی۔

۱۹۱۴ء میں وطن میں تعلیم و تدریس شروع کی۔ دس سال بعد چک-۳۸ کے اہل تشیع انہیں اپنے ہاں لے گئے۔ بیس برس تک اس علاقے کے شیعہ عوام کی اصلاح و تربیت میں مصروف رہے۔ ۱۹۴۴ء میں موضع بدھ رجبانہ ضلع جھنگ چلے گئے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۸ر صفر ۱۳۸۶ھ/ ۲۹ر مئی ۱۹۶۶ء کو بیمار ہوئے اور اپنی زمین واقع کھاڑو ضلع میانوالی چلے گئے۔ وہیں ۱۹ر صفر ۱۳۸۶ھ/ ۱۰ر جون ۱۹۶۶ء کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔[1]

---

[1] مطلع انوار ص ۴۴۲

مولانا سید محمد باقر بلند پایہ اور جید شیعہ عالم تھے۔ کتب درسی پر حیرت انگیز عبور رکھتے تھے۔ اُن سے سینکڑوں افراد نے اکتسابِ علم کیا۔ اُن کی اولاد میں تین فرزند۔ سید ناصر الدین حسین، سید ضیاء الدین حسین اور سید زین الدین حسین ہیں۔

محمد جان (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد جان موضع سموں (نزد واہ چھاؤنی) کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے مولانا قطب الدین غور غشتوی سے درسِ نظامی کی بعض کتابیں پڑھیں۔ مزید تعلیم کے لئے دہلی چلے گئے۔ مفتی کفایت اللہ دہلوی اور دوسرے اساتذۂ وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ طبیہ کالج دہلی میں فنِ طب کی تحصیل کی۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند گئے اور اساتذۂ دارالعلوم سے کچھ عرصہ اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا احمد علی لاہوری سے بیعت تھے اور اُن سے تفسیر قرآن پڑھی تھی۔ مولانا لاہوری ایک عرصہ واہ گاؤں کی مسجد میں مقیم رہے تھے اور یہیں انہوں نے قرآن مجید کا حاشیہ لکھنا شروع کیا تھا۔ ان دنوں مولانا محمد جان، مولانا لاہوری کے بہت قریب رہے تھے۔

مولانا محمد جان نے فارغ التحصیل ہو کر مطب سے آذوقۂ حیات حاصل کیا۔ اور حسبتہً للہ دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ نیک سیرت، متواضع اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔ اپنے علاقے میں معروف عالمِ دین اور طبیب تھے۔ ۱۰ رجب ۱۳۹۹ھ/۶ جون ۱۹۷۹ء کو فوت ہوئے اور اپنے آبائی گاؤں میں دفنائے گئے۔ مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے ہیں۔

حافظ محمد جمال ملتانی

مولانا حافظ محمد جمال بن محمد یوسف بن حافظ عبدالرشید تقریباً ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اساتذہ کے بارے میں تفصیلات نہیں مل سکیں۔ دورانِ طالب علمی میں ذہین اور محنتی طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ "دائرۃ الاصول" تک مروجہ نصاب کی تحصیل کی تھی کہ ریاضت و مجاہدۂ نفس میں مصروف ہو گئے[1]۔ حاضر جوابی اور طلاقتِ لسانی کی خوبیوں سے بدرجہ اتم بہرہ ور تھے۔ اُن سے مناظرہ و مباحثہ میں کسی دوسرے شخص کا بڑھ جانا ممکن نہ تھا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) اور مولانا جامی (م ۸۹۸ھ) کی تصنیفات پر عبور رکھتے تھے۔ مسئلہ وحدت الوجود پر گہری نظر تھی اور فصوص الحکم سے خصوصی دلچسپی تھی۔

حافظ محمد جمال نے ملتان میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ خود درس دیتے تھے۔ اُس زمانے میں یہ مدرسہ علم و فضل کا ایک اہم مرکز تھا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری نے اِس مدرسے میں دو سال تعلیم حاصل کی تھی[2]۔

خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت ہوئے اور اُن کی طرف سے اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے مرشد سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ سفر و حضر میں اُن کے ساتھ رہتے اور اُن کی مجالس سے فیض یاب ہوتے تھے۔ غیر شرعی رسوم کو سخت ناپسند کرتے تھے اور احکامِ شرعی کے اتباع کی تلقین کرتے تھے۔

---

[1] گلزارِ جمالیہ ص ۷-۸

[2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۵

بااخلاق اور خوش پوش بزرگ تھے۔ دستر خوان بہت وسیع تھا۔ انگشتری میں حدیث مسلم "ان اللہ جمیل و یحب الجمال" کے الفاظ کندہ تھے۔[1]

حافظ محمد جمال علم و عمل کی بے پناہ صلاحیتوں سے متصف تھے۔ ایک طرف علمی و روحانی طور پر اُن کا پایہ بلند تھا تو دوسری طرف شجاعت و تہور اور جہد و دغا میں اپنی مثال آپ تھے۔ پنجاب پر سکھوں کا تسلط ہوا تو مسلمانوں کو مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حافظ صاحب کی زندگی میں سکھوں نے ملتان پر حملے کیے۔ وہ ان حملوں کے روکنے میں والیان ملتان کے ساتھ تھے۔ ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء میں ملتان پر حملہ ہوا تو وہ ملتان سے باہر تھے۔ فوراً معرکہ میں حصہ لینے واپس آ گئے۔ تیر اندازی میں کافی مہارت رکھتے تھے اور اس فن کی تربیت دیتے تھے۔

حافظ صاحب ۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۶ھ/۲۹ مئی ۱۸۱۱ء کو فوت ہوئے کسی نے تاریخ وصال کہی ہے۔ ع

خرد ز سالِ وصالش چو جست و جوئے کرد
ندائے داد سروشم کہ یافت خوب وصال[2]
۱۲۲۶ھ

حافظ صاحب نے دو شادیاں کی تھیں لیکن لاولد رہے تاہم اُن کے روحانی فرزندوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اُن کے چند خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا خدا بخش ملتانی ثم خیرپوری

۲۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی

---

[1] گلزار جمالیہ ص ۱۷

[2] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۰۶

۳۔ مولانا زاہد شاہ

۴۔ مولانا غلام حسن ملتانی

۵۔ قاضی عیسیٰ خان پوری

۶۔ مولانا حامد

۷۔ صاحبزادہ غلام فرید

حافظ صاحب سے کوئی تصنیف یادگار نہیں البتہ اُن کے علم و فضل کے نقوش ملفوظات میں ملتے ہیں۔ ملفوظات کے اہم مجموعے یہ ہیں:

۱۔ خصائلِ رضیہ[۱] مرتّبہ مولانا عبدالعزیز پرہاروی

۲۔ انوارِ جمالیہ مرتّبہ مولانا غلام حسن ملتانی

۳۔ اسرار الکمالیہ مرتّبہ زاہد شاہ

---

[۱] اس کا فارسی اور اردو ترجمہ "انوارِ جمالیہ" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔

مفتی محمد حسن

(وھابی نجدی دیوبندی)

مفتی محمد حسن بن اللہ داد ضلع راولپنڈی کے ایک گاؤں کل پور (نزد گڑھی افغاناں) میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے ابتدائی کتابیں قاضی نور محمد سے موضع سنگ جانی (ضلع راولپنڈی) میں پڑھیں، صرف و نحو کی چند کتابیں قاضی گوہر دین سے پڑھیں اور رکھڈ گئے، منطق کی کتابیں مولوی محمد معصوم ساکن ڈھینڈہ (ضلع ہزارہ) سے پڑھ رہے تھے کہ وہ مدرس ہو کر مدرسہ غزنویہ امرتسر چلے گئے۔ مفتی محمد حسن نے درسِ نظامی کی تکمیل امرتسر میں مولوی محمد معصوم کے علاوہ مولانا عبدالجبار امرتسری (م ۱۳۳۱ھ)، مولانا نور احمد امرتسری (م ۱۳۴۸ھ) اور مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی (م ۱۳۵۲ھ) سے کی۔ جب مولانا تھانوی سے بیعت ہونے گئے تو اُنہوں نے دو شرائط عائد کیں۔ اوّلاً کسی قاری سے قرآنِ پاک کی مشق کریں اور ثانیاً کسی حنفی المسلک عالم سے حدیث پڑھیں چنانچہ ان شرائط کے مطابق قاری کریم بخش امرتسری سے قرآن مجید پڑھا اور دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں شریک ہوئے۔

تعلیم سے فارغ ہو کر امرتسر میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور اپنی قابلیت کی وجہ سے بہت جلد مدرسہ نعمانیہ کے صدر مدرس ہو گئے۔ "مسجد نور" امرتسر میں خطبہ جمعہ دیتے اور عموماً نمازِ فجر کے بعد قرآن کریم کا درس دیتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (م ۱۳۹۶ھ) اُن کے درسِ قرآن میں شریک ہوئے تو اپنے "تاثرات" کو یوں شعری جامہ پہنایا ع

یہ اعجوبہ بہ فیضِ فضل مولانا حسن دیکھا
کہ امرتسر ہم نے آج اک تھانہ بھون دیکھا
دیا وہ درسِ قرآنی کہ آنکھیں کھول دیں جس نے
معارف ہائے قرآنی کا دریا موجزن دیکھا

درس وتدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی بھی ایک مستقل ذمہ داری تھی، ملک کے اطراف وجوانب سے استفتاء آتے اور وہ پوری چھان بین اور تحقیق کے بعد جواب لکھتے تھے۔

رمضان ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء میں پہلی بار مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا کہ پہلے حکیم محمد مصطفیٰ بجنوری (خلیفہ مولانا تھانویؒ) سے تعلقِ اصلاح قائم کرو اور اُن سے خط وکتابت کرو۔ اُن کے ۲۵ خطوط کے تبادلے کے بعد جملہ خط وکتابت مجھے دکھاؤ۔ چنانچہ مفتی صاحب نے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حکیم محمد مصطفیٰ بجنوری سے مراسلت کی، دو سال میں خطوط کی تعداد پوری ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں اصلاح وتزکیہ کا ایک کورس پورا ہوگیا۔ مفتی صاحب نے تمام مراسلت مولانا تھانویؒ کو دکھائی تو انہوں نے ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ/۳ جولائی ۱۹۲۵ء کو سلاسلِ اربعہ میں بیعت لی۔ بعد میں خلافت سے سرفراز کیا۔ مولانا تھانویؒ کو اُن سے تعلقِ خاطر تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد مفتی محمد حسنؒ امرتسر سے لاہور آ گئے، مدرسہ نعمانیہ امرتسر کے تبادلے میں مول چند بلڈنگ (نیلا گنبد) کا ایک حصہ الاٹ ہوا۔ وہیں ۸ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ/ ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو مدرسہ امرتسر کی تجدید "جامعہ اشرفیہ" کے نام سے کی۔ "جامعہ اشرفیہ" جلد ہی معیاری دینی درسگاہ بن گئی اور اس کی وسیع عمارت کی ضرورت محسوس ہونے لگی، چنانچہ فیروز پور روڈ پر مدرسہ کی جدید عمارت کے لئے سو کنال اراضی خریدی گئی اور ۴ شعبان ۱۳۷۴ھ/۲۸ مارچ ۱۹۵۵ء کو نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ مفتی صاحب نے چُن چُن کر فاضل مدرسین اکھٹے کئے اور "جامعہ" کو ملک کی بہترین دینی درسگاہوں میں لا کھڑا کیا۔

مفتی صاحب دینی واصلاحی خدمات میں مصروف تھے کہ اُن کے پاؤں پر ایک پھوڑا ہوگیا جس نے رفتہ رفتہ ساری پنڈلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ٹانگ میں شدید تکلیف رہنے لگی آخر ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق ٹانگ کاٹ دی گئی۔ اس تمام تکلیف میں صابر وشاکر رہے اور کوئی کلمہ شکایت زبان پر نہ لائے۔ ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء/۲۰ شوال ۱۳۷۱ھ کو فالج

کا حملہ ہوا، دوا دارو سے افاقہ ہو گیا مگر چلنا پھرنا موقوف ہو گیا، طویل بیماری کے بعد ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ/ یکم جون ۱۹۶۱ء کو کراچی میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری (خلیفہ مولانا تھانوی) نے پڑھائی اور سوسائٹی کے قبرستان میں دفنائے گئے۔ قومی پریس نے اُن کی رحلت کو ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا۔ روزنامہ "کوہستان" نے اپنے تعزیتی اداریے میں مفتی صاحب کے سیرت و کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"آپ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اعظم اور اُن کے رنگ میں پوری طرح رنگے ہوئے تھے۔ تقویٰ اور احتیاط کا یہ عالم کہ ساری عمر کبھی اخبار نہیں پڑھا مبادا کوئی غلط بات (یا) تاثر ذہن میں قائم نہ ہو جائے۔ اور آپ کی دینداری اور پرہیزگاری کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی مجلس میں کبھی دُنیا کے چرچے اور دُنیا کی باتیں نہیں ہوئیں، ہمیشہ آخرت کا ذکر اور خدا کے دین کی باتوں کا چرچا رہتا منکرات سے اجتناب کی یہ کیفیت کہ آپ کی مجلس میں کبھی کوئی غیبت نہیں سُنی گئی۔ دین کی تبلیغ و اشاعت کا جذبہ و شوق اتنا کہ جوں ہی خود تحصیلِ علم سے کلی طور پر فراغت حاصل کی، امرتسر میں مسجد خیرالدین میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور آپ کی تبلیغ و تلقین نے ہر طبقہ اور ہر سطح کے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا۔"[1]

مفتی محمد حسنؒ کی رحلت پر کثرت سے تعزیتی نظمیں، قطعات اور مادہ ہائے تاریخ کہے گئے۔ جامعہ اشرفیہ کے ایک طالب علم نے قطعۂ تاریخ کہا ؏

وہ عالم وہ ہادیٔ دین متیں — جھکی جن کے آگے کہیں و مہیں
وہ جن سے ہے قائم پیامِ ازل — محبت، عقیدت، یہ حُسنِ یقیں

---

[1] بحوالہ "تذکرہ حسن" ص ۲۰۱ - ۲۰۲

زمانے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں — رہی منتظر جن کی خلدِ بریں
یہ پوچھا جو احباب نے کون تھے — کیا ہے جنہیں دفن زیرِ زمیں
صدا دی یہ ہاتف نے تاریخ پر — محمد حسن مفتی شرع و دیں

۱۳۸۰ھ

مفتی صاحب کے بیس خلفائے مجاز کے نام ملتے ہیں۔ جن میں پیر واعظ مولانا محمد یوسف مفتی محمد خلیل اور مولانا شمس الحق افغانی جیسے علماء شامل ہیں۔ مفتی صاحب کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور چھ صاحبزادے ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد عبید اللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
۲۔ حاجی ولی اللہ
۳۔ محمد عبد اللہ
۴۔ قاری مولانا عبد الرحمان نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ
۵۔ حاجی عبد الرحیم
۶۔ حاجی فضل الرحیم

محمد حسن فیضیؔ

ابوالفیض محمد حسن فیضیؔ بن نور حسین ضلع جہلم کے معروف گاؤں "بھیں" میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا قاضی عبدالحلیم (ساکن ڈھاب قاضیاں) کا نام ملتا ہے جو اُن کے ماموں تھے۔ موصوف ابوالفضل کرم الدین دبیرؔ کے چچازاد بھائی تھے۔

مولانا ابوالفیض کو عربی زبان وادب پر قدرتِ کاملہ حاصل تھی۔ عربی زبان میں بلاتکلّف لکھتے اور شعر کہتے تھے۔ اُن سے کئی قصائد یادگار ہیں جن میں سے بعض صنعتِ مہملہ میں ہیں۔ ملّا مبارک (م ۱۰۰۱ھ) کے بیٹے فیضیؔ (م ۱۰۰۴ھ) کی طرح زبان پر قدرتِ کاملہ کے پیشِ نظر اپنے لیے فیضیؔ کا تخلّص پسند کیا تھا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو انجمن نعمانیہ لاہور نے اپنے مدرسہ کے لیے اُن کی خدمات حاصل کرلیں۔ موصوف کے اہم کارناموں میں سے ایک مرزا غلام احمد قادیانی کا علمی تعاقب ہے۔ مرزا صاحب کو اپنی عربی دانی پر بڑا ناز تھا اور آئے دن علماء کو مقابلے کا چیلنج دیتے رہتے تھے۔ ۱۳ر فروری ۱۸۹۹ء کو مولانا فیضیؔ مسجد حکیم حسام الدین (سیالکوٹ) میں مرزا صاحب سے ملے اور صنعتِ مہملہ میں لکھا ہوا ایک قصیدہ مرزا صاحب کے سامنے رکھا تاکہ وہ اس قصیدے کے مطالب پر روشنی ڈالیں۔ مرزا صاحب اپنی ہمہ دانی کے باوجود نہ پڑھ سکے اور قصیدہ واپس کردیا۔ مولانا فیضیؔ نے ۹ر مئی ۱۸۹۹ء کو "سراج الاخبار"، (جہلم) میں ایک اشتہار دیا جس میں یہ واقعہ تفصیل سے درج کرکے لکھا:

> "اخیر پر میں مرزا صاحب کو اشتہار دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عقائد میں سچے ہوں تو آئیں۔ صدر جہلم میں کسی مقام پر مجھ سے مباحثہ کریں۔ میں حاضر

ہوں۔ تحریری کریں یا تقریری۔ اگر تحریر ہو تو نثر میں کریں یا نظم میں۔ عربی ہو یا فارسی یا اُردو۔ آیئے سُنیئے اور سنایئے۔"

مرزا صاحب کی طرف سے خاموشی رہی تو انہیں ایک مکتوب لکھا اور اپنے شائع کردہ اشتہار کی جانب توجہ دلائی۔ ۱۳؍اگست ۱۹۰۰ء کو یہ مکتوب بھی "سراج الاخبار" میں چھپا اس میں مولانا فیضی نے لکھا تھا:

"میں آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم و نثر لکھنے کو تیار ہوں۔ تاریخ کا تقرر آپ ہی کر دیجئے اور اطلاع کر دیجئے کہ میں آپ کے سامنے اپنے آپ کو حاضر کر دوں۔"

مگر جواب نہ آنا تھا نہ آیا۔ اسی عرصے میں مرزا صاحب پیر مہر علی شاہ صاحب کو چیلنج دے رہے تھے۔ پیر صاحب ۲۴؍اگست ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب سے زبانی مباحثے کے لئے بادشاہی مسجد لاہور پہنچ گئے۔ مرزا صاحب یہاں بھی نہ آئے۔ ۲۷؍اگست کو مرزا صاحب کی آمد سے کامل مایوسی کے بعد جلسہ ہوا اس میں مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مفتی عبداللہ ٹونکی کے ساتھ مولانا فیضی بھی شریک رہے۔ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ انہوں نے "در بارۂ غرضِ انعقادِ جلسہ و کاروائی مباحثہ ایک تحریر پڑھی جس کے آخر میں مولانا صاحب نے ایک پُرزور تقریر میں بالتفصیل یہ بھی بیان کیا کہ اس سے پہلے بھی دنیا میں مرزا جیسے بلکہ اُس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی، مسیح، مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اور اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔"[1]

---

[1] مہر منیر ص ۲۴۳۔ نیز تازیانہ عبرت ص ۵۴ دیکھئے۔

مولانا فیضیؒ ۱۸؍اکتوبر ۱۹۰۱ء / ۵؍رجب ۱۳۱۹ھ کو فوت ہوئے اور بھیں میں دفنائے گئے۔

مرزا صاحب نے اُن کی وفات کو اپنی صداقت کا نشان قرار دیا[1] کہ اُن کے مخالفین زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ خود مولانا ثناء اللہ امرتسری کی زندگی میں راہیٔ ملکِ عدم ہوئے اور اپنے کاذب ہونے کی گواہی دی۔

مولانا فیضیؒ سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ تفسیر سورۂ فاتحہ (صنعتِ مہملہ میں ہے جو طبع نہیں ہو سکی)

۲۔ روض الربیٰ فی حقیقتِ الربوا۔ ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا ہے اور غیر مسلموں سے سود لینے کو جائز قرار دیا ہے۔

۳۔ الفرائض الفیضیہ فی الفرائض والولاء والوصیۃ (عربی۔ منظوم)

مولانا فیضیؒ کے جانشین اُن کے قابل فرزند مولانا فیض الحسن فیضؔ ہوئے تھے۔

---

[1] حقیقت الوحی

سیّد محمد حسین شاہ علی پوری

حافظ سیّد محمد حسین شاہ بن امیر ملت پیر حافظ جماعت علی شاہ علی پوری، ۱۲۹۷ھ/ ۸۰-۱۸۷۹ء سے کچھ پہلے پیدا ہوئے۔ حافظ شہاب الدین سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مولانا عبدالرشید سے فارسی کتابیں۔ گلستان، بوستان وغیرہ پڑھیں اور ساتھ ہی مڈل کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد امرتسر میں مولانا حافظ نور احمد امرتسری سے استفادہ کیا۔ درسِ نظامی کی اکثر کتابیں پڑھ کر دہلی گئے۔ مدرسہ امینیہ دہلی میں مفتی کفایت اللہ سے درسِ حدیث لیا۔ قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر، عربی زبان کے اُستادِ کامل ڈپٹی نذیر احمد دہلوی سے پڑھا۔ مدرسہ امینیہ سے فارغ التحصیل ہوئے تو اُن کی دستار بندی مولانا محمود حسن نے کی۔ پیر سیّد اختر حسین صاحب لکھتے ہیں:

"مدرسہ امینیہ میں آپ نے دورۂ حدیث ختم کیا تو دستار بندی کے لئے حضرت مولانا مولوی محمود الحسن صاحب تشریف لائے تھے۔ آپ نے ایک ایک طالب علم کی دستار بندی کی اور سندیں عطا کیں حضرت صاحبزادہ صاحب فطری تواضع وانکسار کے مطابق سب سے پیچھے تھے۔ جب آپ کی باری آئی تو دستاریں ختم ہو چکی تھیں، مولانا محمود الحسن صاحب کو معلوم ہوا کہ اب کوئی دستار نہیں رہی تو انہوں نے اپنی ٹوپی اور دستار اتار کر صاحبزادہ صاحب کی دستار بندی کی اور آپ کی ذہانت وفطانت کی تحسین فرمائی۔ آپ کی سند پر اپنے دستخط ثبت کئے اور آپ کے لئے دعا فرمائی۔ (یہ دستار اور سند اب تک ہمارے پاس محفوظ ہے)۔"[۱]

دہلی کے دورانِ قیام میں طبیّہ کالج میں باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہو کر علی پور آئے اور مدرسہ نقشبندیہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ فتویٰ وہی لکھتے تھے اور اکثر تدریسی کام بھی کرتے تھے۔ کتاب دوست عالم تھے اُنہوں نے مدرسہ کے کتب خانے میں قیمتی اور نادر و نایاب کتابوں کا اضافہ کیا۔

سیّد محمد حسین شاہ، ابتدا میں مولانا فقیر محمد چوروی سے بیعت ہوئے۔ اُن کے وصال کے بعد اپنے والد ماجد سے تجدیدِ بیعت کی اور اُن کے جانشین و خلیفہ ہوئے۔ موصوف مخیّر، متواضع اور بُردبار عالم تھے۔ اتباعِ سنّت کا خاص خیال رکھتے تھے۔

آخری عمر میں موتیا بند کے شکار ہو گئے تھے۔ گوجرہ میں آپریشن ہوا۔ بینائی ٹھیک ہو گئی مگر اس کے بعد صحت خراب رہنے لگی۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء / ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۸۱ھ کو فوت ہوئے اور علی پور سیداں میں دفنائے گئے۔

مرحوم کی اولاد میں سیّد اختر حسین (جانشین)، سیّد انور حسین اور ایک صاحبزادی ہیں۔

سیّد مرحوم سے ایک تالیف "افضل الرسل" (سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) یادگار ہے۔ اس کے علاوہ ماہنامہ "انوار الصوفیہ" میں اُن کے کئی مقالات شائع ہوئے جو بصورت کتاب شائع نہیں ہوئے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۵۱ سیرت امیر ملّت ص ۶۷۳-۶۷۴

محمد حسین قصوری

مولانا محمد حسین بن میاں غلام احمد بن میاں احمد دین بن میاں نور محمد ۲ ر اکتوبر ۱۸۶۸ء/ ۱۴ رجب ۱۲۸۵ھ کو قصور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اجداد میں سے میاں نور محمد نواحی موضع مرالی سے قصور شہر میں آئے تھے۔ میاں نور محمد کے صاحبزادے میاں احمد دین مفتیٔ شہر کے منصب پر فائز تھے۔ انہوں نے کوچہ جھگیاں میں ایک مسجد تعمیر کروائی تھی جو آج تک "مسجد میاں احمد مرالی" کے نام سے معروف ہے۔

میاں احمد دین کے صاحبزادے اور مولانا محمد حسین کے والد ماجد میاں غلام احمد (م ۱۸۸۸ء/ ۶-۱۳۰۵ھ) امرتسر میں فارسی کے معلّم تھے۔

مولانا محمد حسین نے ابتدائی مکتبی تعلیم قصور میں حاصل کی۔ بعد میں والد ماجد کے ساتھ امرتسر میں رہے جہاں باقاعدہ تعلیم شروع کی۔ ایف۔ اے کا امتحان دیا تو اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا تاہم اُنہوں نے ۱۸۹۰ء/ ۱۳۰۷ھ میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ایم۔ اے (فلسفہ) میں داخلہ لیا مگر بعض مجبوریوں کے باعث یہ سلسلہ ترک کرنا پڑا۔ ایس۔ اے۔ وی کا پیشہ ورانہ امتحان پاس کر کے شعبۂ تعلیم سے منسلک ہو گئے۔

ابتداء میں دو سال ڈیرہ غازی خان میں رہے۔ وہاں سے قصور تبادلہ ہو گیا اور تقریباً دس سال یہاں فرائضِ منصبی ادا کئے۔ کچھ عرصہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۰۲ء/ ۱۷ ر رجب ۱۳۲۰ھ کو ایک ہندو کی اس شکایت پر سبکدوش کر دیئے گئے کہ وہ ثقلِ سماعت کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔

ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو اپنے مرشد پیر سیّد جماعت علی شاہ کے ارشاد

پر روہتک چلے گئے اور ڈسٹرکٹ جج کی کچہری میں "کلرک آف دی کورٹ" ہو گئے۔ چودہ سال روہتک میں قیام رہا۔ یہاں سے کرنال تبادلہ ہوا۔ آٹھ سال ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کرنال کی عدالت میں بحیثیت مترجم کام کیا۔ ۱۹۲۶ء میں پنشن حاصل کی اور مستقل طور پر وہیں مقیم ہو گئے۔ ۴ رشوال ۱۳۴۵ھ / ۷ر اپریل ۱۹۲۷ء کو وفات پائی۔ اگلے دن کرنال میں حضرت شاہ بو علی قلندر رح کے مزار کے قریب دفنائے گئے۔ مولانا غلام احمد اخگر امرتسری نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ کہا ؎

چوں محمد حسین مولانا	از پئے آخرت کمر بر بست!
روز چارم بُد از مہ شوال	رشتۂ زیں دارِ بے بقا بگست
بے گماں سالکِ طریقت بود	شاغلِ ذکرِ حق بحق پیوست
کلکِ اخگر نوشت سالِ وصال	کوکبِ سالکان بجنت رفت[۱]

۱۳۴۵ھ

مولانا محمد حسین قصوری جن دنوں بی۔ اے کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے، پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری لاہور گئے۔ مولانا قصوری نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پیر صاحب نے انہیں خلعتِ خلافت سے نوازا۔ حضرت فقیر محمد چوروی رح نے بھی دستارِ خلافت عنایت کی۔

مولانا قصوری کے فارغ اوقات تبلیغ و ارشاد میں گذرتے تھے۔ کئی کئی دن دیہات میں مقیم رہتے اور سادہ لوح دیہاتیوں کو اللہ اور اُس کے رسول ص کا پیغام سناتے۔ فتنۂ ارتداد کے زمانے میں اپنے مرشد پیر سید جماعت علی شاہ رح کے ساتھ مراد آباد، بریلی، آگرہ، ایٹہ اور فرخ آباد کے کامیاب دورے کئے۔ اُن کے کارناموں میں سے ایک

---

[۱] خزینۂ فیض قصوری ۳۵

"مسلم راجپوت ہائی سکول کلانور" کا قیام ہے۔ رہتک میں ایک ابتدائی مدرسہ "نصرت الاسلام" قائم کیا جو ایک عرصہ کام کرتا رہا۔

مولانا قصوری تعلیم و تبلیغ کے ساتھ مذہبی موضوعات پر مضامین لکھتے رہتے تھے۔ رسالہ "خدام الصوفیہ"، اور "صوفی"، (منڈی بہاء الدین) میں اُن کی نگارشات ملتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ اپنے ارادت مندوں اور احباب کو تبلیغی مکاتیب ارسال کرتے رہتے تھے مکاتیب کا کچھ حصہ "خزینۂ فیضِ قصوری" میں شامل کر دیا گیا ہے [1]

مولانا قصوری کی اولاد میں صاحبزادہ مولانا نور احمد حیات ہیں اور دینی و تبلیغی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔

---

[1] خزینۂ فیضِ قصوری ص ۱۵۱-۲۴۶

میاں محمد حسین نقشبندی

مولانا میاں محمد حسین بن کرم الٰہی بن حسن محمد بن برہان الدین ۹ محرم ۱۳۰۰ھ/۲۰ نومبر ۱۸۸۲ء کو موضع جھگیاں ناگرہ مضافات لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد میاں کرم الٰہی تقویٰ شعار بزرگ تھے اور حقوق العباد کا خاص خیال رکھتے تھے۔

میاں محمد حسین نے ابتدائی تعلیم ڈھولنواں کے پرائمری سکول میں حاصل کی۔ یہاں مشفق اُستاد مولوی گلاب دین سے خصوصی استفادہ کیا۔ اس کے بعد پیر عبدالغفار شاہ (امام مسجد تکیہ سادھواں) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے فارسی کتابیں پڑھیں۔ مولانا فتح محمد اچھروی سے تین سال علمی استفادہ کیا۔ اُن کی رحلت پر مولانا عبدالعزیز مزنگوی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور فقہ و تفسیر کا مطالعہ کیا۔

میاں محمد حسین نے فنِ خوشنویسی میں مولوی نورالدین مرحوم[1] سے استفادہ کیا تھا۔ میاں صاحب فارغ التحصیل ہوئے تو عملی زندگی کا آغاز بحیثیت مُنشی کیا۔ بیس سال اچھرہ کے بھٹوں میں منشی رہے اور اینٹوں کی آمد و خرچ کے حسابات رکھے مگر اس پیشے میں بھی اُن کی علمی لگن میں کوئی کمی نہ آئی۔ آخر اس شغل کو ترک کر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تادمِ زیست اسے جاری رکھا۔

میاں صاحب مولانا فتح محمد اچھروی سے تعلق بیعت رکھتے تھے۔ صوفیانہ اشغال اور تدریس سے جو وقت بچتا۔ کتب بینی میں صرف کرتے تھے۔ کتاب دوستی کا

---

[1] مولوی صاحب رسول نگر ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ صغر سنی میں لاہور آ گئے تھے تمام عمر یہیں بسر کی۔ اونچی مسجد پاڑ منڈی اندرون شاہ عالمی دروازہ میں رہتے تھے۔ فنِ کتابت گزر بسر کا ذریعہ تھا۔ تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں ۱۹۳۷ء میں فوت ہوئے۔

یہ عالم تھا کہ ضعیف العمری میں بعض نادر اور نایاب کتابوں کی قلمی نقول تیار کیں۔ گاہے ماہے پنجابی اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور گدا تخلص کرتے تھے۔

۲۸ دسمبر ۱۹۵۸ء / ۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ کو وفات پائی۔ حافظ خادم حسین خطیب جامع مائی لاڈو نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور موضع جھگیاں ناگرہ (لاہور) میں دفنائے گئے۔ پیر غلام دستگیر نامیؔ نے قطعاتِ تاریخ کہے۔ ایک قطعہ یہ ہے:

تھے نام محمد سے حسین ایک جو موسوم
دل جھکا تھا اللہ کے اذکار سے مشحون
مسجد ہی میں مشغولِ عبادت رہے تا عمر
جاں دے کے ہوئے گوشۂ مسجد میں وہ مدفون
نامیؔ نے کہی ہے بے سرانکاریہ تاریخ
"حاجی ہوئے مغفور"، سنو عالم محزون [۱]

۱-۱۳۷۹

میاں صاحب مرحوم کے تین فرزند ہیں:

۱۔ حکیم محمد اکرم
۲۔ حاجی محمد اعظم (خوشنویس)
۳۔ محمد عالم مختارِ حق۔ صاحبِ تصنیف و تالیف ہیں۔

---

[۱] نقوشِ جمیل ص ۲۵

مفتی محمد خلیل (وھابی نجدی دیوبندی)

مفتی محمد خلیل موضع چونترہ ضلع جہلم کے رہنے والے تھے۔ اُنہوں نے مولانا سلطان احمد گنجوی سے ابتدائی درسی کتابیں پڑھی تھیں۔ بعد میں ونده شاہ بلاول (ضلع اٹک) میں مولانا ولی اللہ (انہی والے) کے سامنے زانوائے تلمّذ تہہ کیا۔ آخر میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دورۂ حدیث پڑھ کر سندِ فضیلت حاصل کی۔

مفتی محمد خلیل فارغ التحصیل ہو کر دیوبند سے وطن آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ تدریس و تعلّم کے زمانے میں قرآن مجید حفظ کرنے کا خیال پیدا ہوا تو ایک سال میں قرآن مجید یاد کر لیا۔ ایک عرصہ مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ میں مدرس رہے۔ حدیث و فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اُن کا فتویٰ وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

۱۳۶۴-۶۵ھ/۱۹۴۵ء میں گوجرانوالہ میں فوت ہوئے۔ میّت اُن کے آبائی گاؤں منتقل کی گئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

مفتی محمد خلیل مرحوم کی تالیفات میں سے علامہ انور شاہ کاشمیری رح (م ۱۳۵۱ھ) کی ترمذی شریف کی امالی ہیں جو زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکیں۔

قاضی محمد دین بُدھوی

قاضی محمد دین بن قاضی سید رسول ضلع راولپنڈی کے گاؤں بُدھو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کر کے طلبِ علم کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ فتح جنگ ضلع اٹک میں کچھ عرصہ قیام کر کے مولانا فضلِ حق رامپوری (م ۱۳۵۹ھ) اور حکیم برکات احمد ٹونکی (م ۱۳۴۷ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی خاطر رامپور اور ٹونک کے سفر کیے، مجموعی طور پر سات سال وطنِ مالوف سے باہر رہے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو اپنے گاؤں میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ منطق و فلسفہ کی کتابوں پر گہری نظر تھی۔ حمداللہ شرح سُلم العلوم کی کئی کئی سطری عبارتیں نوکِ زبان تھیں اُن سے استفادہ کے لیے بخارا، کابل اور قندہار کے طلبہ "بُدھو" جیسے گاؤں میں آتے تھے جس کی آبادی چند سو نفوس پر مشتمل تھی۔ قاضی صاحب اُردو، پنجابی اور پشتو میں درس دیتے تھے۔ اُن کی تقریر دلنشین اور مؤثر ہوتی تھی، اشعار تحت اللفظ پڑھتے تھے مگر ایک ایک مصرعہ پر سامعین کو رُلا دیتے تھے۔

مولانا قاضی محمد دین کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ اکثر مدارسِ دینیہ کے منتظمین اپنے مدارس کی کامیابی اس میں خیال کرتے تھے کہ وہ اُن کے مدرسہ میں تشریف لے چلیں۔ چنانچہ امرتسر، کھڈ، ملتان (مدرسہ نعمانیہ) سیال شریف، وزیر آباد، بھیرہ، وڑچھا، شرق پور، بندیال ہری پور اور چکوال میں مقیم رہے۔ آخر میں آبائی گاؤں آ گئے تھے، وہیں ۲۵ فروری ۱۹۶۴ء/ ۱۱ شوال ۱۳۸۳ھ کو تقریباً اسّی سال کی عمر میں وفات پائی اور عام قبرستان میں دفنائے گئے۔

قاضی مرحوم سے ہزاروں افراد نے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ چند نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ محمد قمرالدین سیالوی

۲۔ مولانا بشیر احمد پسروری مرحوم

۳۔ پیر محمد کرم شاہ

۴۔ مولانا محمد عبدالحق بندیالوی

محمد ذاکر بگوی

مولانا محمد ذاکر بن مولانا عبدالعزیز بگوی ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ تاریخ "گل رنگین محمد ذاکر" ہے۔ والدِ ماجد نے اُن کی ولادت پر کہا ؎

ہاتفِ خدا آوازہ داد مذاکرہ کشادہ باد

کتبِ درسیہ اپنے والدِ ماجد سے پڑھیں اور سولہ سال کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ طبیہ کالج دہلی میں حاذق الملک حکیم عبدالمجید خان سے علم طب میں خصوصی استفادہ کیا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو لاہور میں عم محترم مولانا غلام محمد بگوی کے ہاں قیام پذیر ہوئے اُن سے تصوف کی بعض کتابیں پڑھیں۔ ایک رائے کے مطابق سلسلۂ نقشبندیہ کے اذکار و اشغال میں اُن کے اجازت یافتہ تھے۔

۱۳۱۱ھ/۹۴-۱۸۹۳ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے "مدرسہ حمیدیہ"[۱] میں صدر مدرّس مقرر ہوئے۔ نہایت قابل اور محنتی مدرّس تھے۔ بہت جلد اُن کی شہرتِ تدریس دُور دُور پھیل گئی اور طالبانِ علم پروانہ وار رجوع کرنے لگے۔

۱۳۲۲ھ/۰۴-۱۹۰۳ء میں حضرت خواجہ محمد دین سیالوی سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ اپنے مرشد سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ مولانا غلام دستگیر بیخود نے حضرت خواجہ محمد دین سیالوی کی حیات اور ملفوظات "برکاتِ سیال" کے نام سے مرتب کئے ہیں۔ وہ

---

[۱] انجمن حمایت اسلام لاہور نے ایک مدرسہ "تعلیم القرآن" کے نام سے قائم کیا تھا۔ جس کے مدرّسین میں قاضی خلیفہ حمید الدین (م ۱۸۸۷ء) بہت نامور ہیں۔ ان کی وفات کے بعد مدرسہ کا نام "مدرسہ حمیدیہ" پڑ گیا۔ ۱۹۱۱ء میں یہ مدرسہ انجمن کی خواہش پر بادشاہی مسجد سے منسلک ہوگیا۔

رقمطراز ہیں:

"ملفوظات زیادہ تر سید العاشقین حضرت مولانا محمد ذاکر بگوی کی روایات سے لکھے گئے ہیں۔ آپ کے اوقاتِ گرامی توحید و عشق اور اپنے پیرانِ عظام کے ذکر سے معمور تھے۔ حضرت اشرف الاولیاء خواجہ محمد دین سیالوی کے تو وہ نہ صرف مُرید تھے بلکہ مراد تھے۔"[1]

سلسلۂ چشتیہ میں مجازِ خلافت تھے۔ یہ خود صاحب نے اُن کے سیرت و کردار کے بارے میں لکھا ہے:

"حسن و جمال میں یکتا، نزاکت و لطافت میں منفرد تھے۔ علم و فضل میں کامل، شریعت و عشق سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ نہایت خوش مذاق و خوش مزاج تھے۔ دل ذکر و فکر سے معمور تھا۔ زبان اولیاء اللہ کے ذکر سے سرشار تھی۔ عامۃ الناس کو خدا اور رسول کے احکامات کا پابند بناتے تھے۔"[2]

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی صاحب نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"میں..... ۱۹۱۴ء، ۱۹۱۵ء کے سالوں میں..... اکثر ایک فرشتہ سیرت و صورت شخص کو مسجد کے دروازے کے قریب ہی بڑ کے درخت کے نیچے عام طور پر نماز میں اکثر مصروف دیکھا کرتا تھا۔ آپ کا اسمِ گرامی مولانا الحاج محمد ذاکر ہے..... آپ کو دیکھنا کسی بزرگ مقدس کا دیکھنا تھا۔ میں نے ایسا نورانی چہرہ آج تک نہیں دیکھا۔ آپ مولوی غلام محمد بگوی کے داماد بھی تھے۔"[3]

---

[1] برکاتِ سیال

[2] ایضاً

[3] بادشاہی مسجد لاہور ص ۲۵

۱۱ر ربیع الاوّل ۱۳۳۴ھ/۱۹ جنوری ۱۹۱۶ء کو لاہور میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ مسجد وزیر خان میں پڑھی گئی اور تابوت بھیرہ بھیجا گیا۔ جہاں خاندانِ بگہ کے قبرستان میں دفنائے گئے۔ مادۂ تاریخ ہے یہ:

ذاکر، ذکرِ نبی بود

محمد ذاکر جھنگوی

مولانا محمد ذاکر بن مولانا عبدالغفور ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں محمدی شریف ضلع جھنگ کے معروف دیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جد امجد "میاں محمدی" سلسلۂ سہروردیہ کے بلند پایہ بزرگ تھے اُن ہی کے نام پر "محمدی شریف" بستی کا نام ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے خاندان کے بزرگوں اور مولانا محمد حسین (مدرّس خانقاہ سیال شریف) سے حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ اُن کا خاندان سیال شریف کی خانقاہ سے وابستہ تھا۔ انہوں نے خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

مولانا محمد ذاکر دینی تحریکات میں بھرپور حصہ لیتے رہے۔ تحریکِ خلافت میں حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔ بعد میں مجلس احرار اسلام کی "تحریکِ کشمیر" میں کام کیا۔ وہ محمدی شریف سے ایک قافلہ لے کر کشمیر جانا چاہتے تھے کہ گرفتار ہوئے اور تین ماہ قید و بند میں گذارے۔

۱۹۳۱ء / ۱۳۵۰ھ میں ایک دینی مکتب قائم کیا جو ۱۰ر محرم ۱۳۵۲ھ / ۱۴ر مئی ۱۹۳۳ء کو جامعہ محمدی کی شکل اختیار کر گیا۔ زندگی کے آخری دم تک جامعہ کی ترقی میں کوشاں رہے مگر جامعہ سے کبھی کوئی مشاہرہ قبول نہ کیا۔ گزر بسر ذاتی زرعی زمین کی آمدنی پر تھی۔

تحریکِ پاکستان کے زمانے میں مسلم لیگ کے ہم نوا تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ہمہ تن جامعہ کی ترقی میں مصروف ہو گئے تاہم اپنے بلند مقام اور اعلیٰ سیرت و کردار کے پیشِ نظر ۱۹۵۱ء میں پنجاب اسمبلی کے رُکن بنے۔ دوبارہ ۱۹۶۴ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے رُکن چُنے گئے۔ تیسری بار ۱۹۷۰ء میں جمعیت علمائے پاکستان کے ٹکٹ پر

قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اسمبلی میں اُنہوں نے ہمیشہ حق و صداقت کی آواز بلند کی۔ جمعیت علمائے پاکستان کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے بعض ارکان برسرِ اقتدار جماعت میں شامل ہو گئے تھے۔ مولانا محمد ذاکر اُن باوقار افراد میں سے تھے جنہوں نے نامساعد حالات میں بھی اپنی ہمدردیاں تبدیل نہ کیں۔

مولانا محمد ذاکر نے زندگی کے آخری آٹھ سال بیماری میں گزارے، اعضاء میں رعشہ آگیا تھا اور آزادانہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا تھا تاہم یہ تمام عرصہ انہوں نے صبر و شکر سے گزارا۔ ۲، ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ/ ۲۵، نومبر ۱۹۷۶ء کو واصل بحق ہوئے۔

مرحوم معتدل مزاج اور صلح کل بزرگ تھے۔ فرقہ وارانہ اختلافات سے کوسوں دُور تھے۔ اُن کا وجود منافرت زدہ ماحول میں بسا غنیمت تھا۔

محمد رفیق دلاوری (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا ابوالقاسم محمد رفیق دلاوری اندازاً ۱۳۰۱ھ/۸۴-۱۸۸۳ء میں موضع دلاور تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔[1] مدرسہ نعمانیہ لاہور میں تعلیم پائی۔ بعد میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

دلاور سے تقریباً ترکِ سکونت کر کے لاہور آ گئے تھے اور علمی و تصنیفی کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ جنوری ۱۹۶۰ء/ ۱۳۷۹ھ میں لاہور میں فوت ہوئے۔ اُن سے حسبِ ذیل مفید اور بلند پایہ کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ سیرتِ کبریٰ (دو جلد)

۲۔ محسنِ اعلا (سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۔ آئمہ تلبیس (جھوٹے مدعیانِ نبوت کا تذکرہ) دو جلد

۴۔ عماد الدین (فقہ حنفی کے مطابق مسائل نماز)

۵۔ رکعات التراویح (بیس رکعات کی تائید)

۶۔ سیرت ذوالنورین

۷۔ شمائلِ کبریٰ

۸۔ سیّدہ فاطمہ

۹۔ توہماتِ فرنگ (غیر مطبوعہ)

ایک ماہنامہ "درویش" (لاہور) بھی اُن کی ادارت میں چھپتا رہا ہے۔

---

[1] "سیرتِ کبریٰ"، جلد دوم ص ۱۰۲۴ پر رقمطراز ہیں "موجودہ وقت میں کہ عمر ستّر سال سے متجاوز ہے" اور یہ تحریر ۱۳ر صفر ۱۳۷۱ھ کو لکھی گئی ہے۔

سیّد محمد زاہد شاہ ہمدانی

سیّد محمد زاہد ہمدانی سادات کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے اجداد میں سے حافظ سیّد محمد ہمدانی قصور وارد ہوئے تھے۔ خاندان میں علم و تقویٰ کی روایت تھی۔ حافظ سیّد محمد سے "فتاویٰ برہنہ" کی شرح یادگار ہے۔

سیّد محمد زاہد قصور میں پیدا ہوئے۔ حافظِ قرآن اور اہلِ سنّت کے متبحر عالم تھے۔ قاضیٔ لاہور، قاضی سعدالدین کے نائب تھے۔ علومِ دینیہ میں دستگاہ کے ساتھ خطِ نسخ کے ماہر تھے۔

سیّد منوّر شاہ بن سیّد رحمت اللہ سے قادری سلسلہ میں بیعت تھے۔ ۱۲۱۸ھ/ ۴-۱۸۰۳ء میں قصور میں فوت ہوئے اور ریلوے لائن قصور کے قریب دفنائے گئے طغیانی کے باعث یہ قبرستان معدوم ہو چکا ہے۔ مولانا نجم الدین نے اُن کی رحلت پر نظم لکھی، چند شعر یہ ہیں:

سیّد زاہد زہے روشن ضمیر — در ہدایت اوستادِ بے نظیر
عالمِ ربّانی و عامل بعلم — بحرِ معنی کانِ تقویٰ کوہِ حلم
حق پرست و حق پژوہ حق پسند — با تواضع پست و باہمت بلند
سالِ تاریخش چو در ابجد بجست — نجم دیں بس پُر معاصی دُر نہفت
ہاتفے فرخندہ طالع گفت نیک — در زبانِ عرب الرضوان علیک

۱۲۱۸ھ

مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے عنفوانِ شباب میں انتقال کر گئے تھے۔ دو صاحبزادوں سیّد کامل شاہ اور سیّد ہاشم کی اولاد قصور اور خیر پور ٹامیوالی میں مقیم ہے۔

مرحوم کی حسبِ ذیل تحریریں ملتی ہیں:

۱۔ تعلیقات علی عذاب القبر لشرح العقائد (خطی)

۲۔ احادیثِ قدسیہ (")

۳۔ مکتوبات (")

سید محمد زمان شاہ نیازی ہمدانی

سید محمد زمان شاہ بن سید محمود شاہ (معروف بہ بلاق شاہ) بن سید محمد شاہ بن سید ہاشم شاہ بن سید محمد زاہد ہمدانی اپنے ننھیال کھیم کرن میں ۱۲۷۲ھ/۵۶-۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان کئی نسلوں سے علم و تقویٰ کی سنہری روایات کا حامل تھا۔

سید محمد زمان شاہ کی ابتدائی زندگی اپنے آبائی گاؤں کوٹ مراد خان (قصور) میں گزری مولانا عبدالرسول نقشبندی سے تعلیم کا آغاز کیا پھر مولانا غلام محی الدین قصوری سے رشتہ تلمذ استوار کیا۔ مولانا غلام دستگیر سے کافیہ، شرح تہذیب اور کنز الدقائق کا درس لیا۔ بعد میں خیر پور ٹامیوالی منتقل ہو گئے۔ مولانا عبدالرحمان خیر پوری، مولانا قاری فضل حق اور مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی (م ۱۳۴۵ھ) سے استفادہ کیا اور درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی کو اُن سے تعلقِ خاطر تھا، جس کا اظہار اُن کے خطوط سے ہوتا ہے۔ ایک خط میں اپنے شاگرد کو لکھتے ہیں:

> "عرصہ کے بعد آپ نے بذریعہ عنایت نامہ یاد فرما کر مشکور فرمایا جزاکم اللہ تعالیٰ۔ بندہ کے دل میں آپ صاحبوں کی وہی محبت سابقہ باقی ہے۔ اگر گاہے آپ نے یاد فرمایا تو مسرت بہ محبت زائد ہوئی ورنہ اصلی محبت کامل ہے۔ واقعی کبھی کبھی ملاقات کو دل بھی چاہتا ہے مگر بظاہر حصولِ ملاقات، نہایت مستبعد بلکہ محال ہے[1]"

فنِ طب سے دلچسپی تھی، ابتداءً حکیم نظام الدین خیر پوری سے استفادہ کیا۔ کافی عرصہ

---

[1] ہم اور ہمارے اسلاف ۳۲۶

ملتان میں رہ کر حکیم نصیر الدین سے کتب طب پڑھیں آخر میں حکیم حافظ غلام مصطفےٰ اقصوری سے فنِ طب کی تکمیل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر ۲۷ دسمبر ۱۸۸۵ء کو نواب بہاولپور کے ذاتی سٹاف میں بھرتی ہوئے۔ یکم ستمبر ۱۸۹۴ء کو اپنی خدمات محکمہ عدالت میں بطور ریڈر منتقل کرالیں اور ترقی کرتے ہوئے چیف کورٹ ریاست بہاولپور کے ریڈر ہوئے۔

سید محمد زمان شاہ نے اپنے استادِ گرامی مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی اور مولانا غلام محمد دین پوری سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ بدعات و رسومات کے تدارک میں کوشاں رہتے تھے۔ جمعہ کو شہر میں وعظ کہتے جس میں اصلاح معاشرہ پر زور دیتے تھے۔ اُن کا وعظ سادہ اور مؤثر تھا۔ مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اُن کی خوشحالی ہمیشہ مدِ نظر رکھتے تھے۔ اس مقصد کے لیے سابق ریاست بہاولپور کو بعض مسوّداتِ قانون دیئے تھے۔

حق گو عالم تھے۔ اپنے اُستاد مولانا عبد الرحمان خیر پوری سے "طوافِ قبور" کے مسئلے پر اختلاف کیا۔ مولانا خیرپوری طوافِ قبور کے قائل تھے۔ دونوں کی تحریریں "کشف الستور عن طواف القبور" کے نام سے چھپ چکی ہیں۔ علمائے حرمین شریفین نے مولانا سید محمد زمان شاہ کی رائے کو واثق قرار دیا۔ فقہ حنفی پر اس قدر گہری نظر تھی کہ بہاولپور کی عدالتیں اُن کی رائے کو وزن دیتی تھیں۔ بعض اوقات عدالتوں کی طرف سے مقدمات کی مسلیں اُن کے پاس رائے کے لیے بھیجدی جاتی تھیں۔

۱۴ ر شعبان ۱۳۵۵ھ / ۱۰ ر نومبر ۱۹۳۶ء کو خیرپور میں واصل بحق ہوئے۔ سید غلام محی الدین شاہ ہمدانی اُن کے اکلوتے فرزند ہیں۔

مرحوم بلند پایہ عالم، حاذق طبیب اور صاحبِ ثروت ہی نہ تھے بلکہ اچھے شاعر بھی تھے۔ نیازیؔ تخلص کرتے تھے اُن کا کلام "صادق الاخبار" (بہاولپور) میں طبع ہوتا رہتا تھا۔ اُردو کے چند شعر بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں:

ہزاروں یاسمن قربان کروں میں ۔ ملے مجھ کو اگر خارِ مدینہ
ارم قربان ہے صدقے ہے جنّت بہت دلکش ہے گلزارِ مدینہ
بہت بے چین ہوں فرقت میں یارب ملادے مجھ کو غم خوارِ مدینہ
میرا سرمایۂ دانش ہے کافی! جنونِ عشق ہشیارِ مدینہ

اُن سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ دیوان (خطّی) ۲۔ تحفۃ الامیر (خطّی)
۳۔ الف لیلیٰ (" ۔ فارسی) ۴۔ رسالہ ابطالِ سرود
۵۔ عمدۃ المناقب (مناقب سیّد عبدالقادر جیلانی رح)

محمد سعید رواتی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد سعید بن مولانا محمد شفیع بن مولانا چراغ دین بن حافظ فضل الدین موضع روات تحصیل مری ضلع راولپنڈی میں ۱۸۷۸ء/۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اعوان برادری کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے جد اعلیٰ حافظ فضل الدین اعوان کاری سے ترکِ سکونت کر کے روات آئے تھے۔ مولانا چراغ الدین معروف طبیب اور عالمِ دین تھے اسی طرح مولانا محمد شفیع بھی کوہستانی علاقے میں حاذق طبیب مانے جاتے تھے۔

مولانا محمد سعید نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی، اس کے بعد موضع سر سیداں ضلع باغ (آزاد کشمیر) کے مولانا سید نیاز علی شاہ سے صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں، پرڈنہ کچیلی کے ایک عالم سے، جو "متنِ متین" کی تدریس کی وجہ سے معروف تھے اور طلبہ میں "مولانا متنِ متین" کے عُرف سے پکارے جاتے تھے۔ علمی استفادہ کیا۔ بفہ ضلع ہزارہ کے متعدد علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کچھ عرصہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے استفادہ کیا آخر میں دارالعلوم دیوبند گئے اور چھ سال میں علومِ مروجہ کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن سے دورۂ حدیث پڑھا اور دستارِ فضیلت حاصل کی۔ مولانا محمد سعید تحصیل مری میں پہلے شخص تھے جنہیں "فاضلِ دیوبند" ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو ریاست ٹونک میں ایک سال تدریس کی، اس کے بعد جلالپور ضلع جہلم چلے گئے، پیر غلام حیدر شاہ جلالپوری کے پوتوں ۔ پیر فضل شاہ، مہر شاہ، کرم شاہ اور محمود شاہ ۔ کے اتالیق تھے۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں پیر فضل شاہ مرحوم کے ہمراہ فریضۂ حج ادا کیا۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ارشاد پر ۱۹۱۴ء/۳۳-۱۳۳۲ھ میں جامع مسجد راولپنڈی

کی خطابت قبول کی اور مسلسل چودہ سال یہ فریضۂ انجام دیا۔ اس کے بعد تقریباً دو سال بھابڑا بازار راولپنڈی کی مسجد میں خطابت و امامت کے فرائض انجام دیئے۔ دینی خدمات کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ طبابت اور تجارت کا شغل رکھتے تھے۔

۲۷ر دسمبر ۱۹۲۷ء / ۳ر رجب ۱۳۴۶ھ کو مولانا محمد سعید کے والد ماجد مولانا محمد شفیع کا انتقال ہو چکا تھا اور اہالیانِ مری مولانا محمد سعید پر زور ڈال رہے تھے کہ وہ راولپنڈی سے مری آ جائیں چنانچہ ۱۹۳۰ء / ۴۹-۱۳۴۸ھ میں مولانا محمد سعید مری آ گئے اور مرکزی جامع مسجد حنفیہ مری میں خطیب مقرر ہوئے۔ تینتیس ۳۳ سال فرائضِ خطابت ادا کئے۔

مولانا محمد سعید کامیاب مدرس تھے۔ راولپنڈی کے زمانۂ قیام میں درسِ نظامی کی جملہ کتابیں پڑھاتے تھے اور تشنگانِ علم اُن سے استفادہ کرتے تھے۔ کوہستانی علاقے میں اُن کا فتویٰ حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا۔ موصوف اتباعِ سنت پر بہت زور دیتے تھے۔ اصلاحِ معاشرہ اور بدعات کے قلع قمع میں اُنہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی تھی۔ نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے۔ علمی و دینی خدمات میں مصروف ۶ر شوال ۱۳۸۴ھ / ۱۰ر فروری ۱۹۶۵ء کو بعوارضِ فوت ہوئے اور اپنی تعمیر کردہ مسجد کے پہلو میں دفنائے گئے۔

مولانا مرحوم کی اولاد میں پانچ صاحبزادے ہیں۔

۱۔ مولانا رضاء الرحمان (م ۱۳۸۱ھ)

۲۔ مولانا صدیق الرحمان فاضل دیوبند۔ خطیب جامع مسجد حنفیہ، مری

۳۔ ظہور الحق ۴۔ مختار الحق

۵۔ ممتاز الحق

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ

خواجہ محمد سلیمان تونسوی بن زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خان ۱۱۸۴ھ/۷۱-۱۷۷۰ء میں گڑگوجی ضلع لورالائی (بلوچستان) میں پیدا ہوئے۔ افغانوں کے جعفر خانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے والدِ بزرگوار کا انتقال اُن کی شیر خوارگی کے زمانے میں ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے والدۂ مکرّمہ کی نگرانی میں تربیت پائی۔ چار سال کی عمر میں اپنے ہم قبیلہ ملّا یوسف سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ اُن سے پندرہ پارے پڑھے۔ بعد میں ایک دوسرے عالمِ دین کی نگرانی میں قرآن مجید کی تکمیل کی۔

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد میاں حسن علی سے استفادہ کے لئے تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خان) آئے اور اُن سے فارسی زبان و ادب کے نصاب میں سے پندنامۂ عطّار گلستانِ سعدی، بوستانِ سعدی وغیرہ چند کتابیں پڑھیں۔ تونسہ سے موضع لانگھ (تونسہ سے پانچ کوس جانبِ مشرق ایک قصبہ) چلے گئے یہاں کے مولوی ولی محمد سے فارسی درسیات کی تکمیل کی۔

فارسی زبان و ادب کا مروجہ نصاب پڑھ کر کوٹ مٹھن تشریف لے گئے۔ جہاں قاضی محمد عاقلؒ (م ۱۲۲۹ھ) نے علم و نظر کی بزم سجا رکھی تھی۔ اُنہوں نے قاضی محمد عاقلؒ سے علمی و دینی استفادہ کیا۔ منطق میں "قطبی" تک درسِ نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ کوٹ مٹھن میں مقیم تھے کہ اُنہیں خواجہ نور محمد مہارویؒ (م ۱۲۰۵ھ) کے اوچ تشریف لانے کی خبر ملی۔ فوراً اُن کے حضور میں پہنچے اور بیعت ہوئے۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں وادیٔ تصوّف میں گامزن ہوئے۔ اُنہوں نے اپنے پیرِ طریقت سے آداب الطالبین، فقرات،

لوائح، عشرۂ کاملہ اور فصوص الحکم کا درس لیا۔

۱۱۹۹ھ/۸۵-۱۷۸۴ء میں خواجہ مہاروی کے حکم پر دہلی کا سفر کیا۔ سفر کے مقاصد میں اہم ترین مقصد شاہ فخر الدین دہلوی (م ۱۱۹۹ھ) سے استفادہ تھا۔ مگر ان کے دہلی پہنچنے سے پہلے شاہ صاحب وصال پا چکے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان نے اکیس سال کی عمر میں خلافت حاصل کی اور تونسہ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ یہیں ساٹھ سال تبلیغ و اشاعتِ دین میں مصروف رہے۔ اُنہوں نے تونسہ اور اس کے گرد و نواح میں کئی مدارس قائم کئے جن کے بارے میں مجمل معلومات ملتی ہیں۔[۱] تونسہ اُن کے دم قدم سے ایک عظیم دار العلوم بن گیا تھا۔ خواجہ تونسوی خود درس دیتے تھے۔ اپنے ارادت مندوں کو تصوف کی معروف کتابوں میں سے احیاء العلوم (امام غزالیؒ) اور فتوحاتِ مکیہ (ابن عربی) پڑھاتے تھے۔ موصوف قرآن و سنّت پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اُن کے ملفوظات میں اکثر قرآن و سنّت کے حوالے ملتے ہیں۔ فقہ حنفی پر عبور رکھتے تھے اور ضرورت مندوں کی راہنمائی کرتے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے ابتدائی زندگی غریب الوطنی میں بسر کی۔ حصولِ خلافت کے بعد تونسہ کو مستقل مستقر بنایا تو غربت و عُسرت کا دَور تھا۔ مگر جلد ہی دنیا بدل گئی۔ اُن کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی۔ دہلی سے مولوی حیات علی اور صاحبزادہ نظام الدین پسرِ کالے صاحب اپنی رُوحانی پیاس بجھانے اُن کے درِ دولت پر حاضر ہوئے۔ بلند پایہ اہلِ علم کے ساتھ ساتھ اہلِ جاہ و حشم بھی اُن کے آستانے پر حاضری دیتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔ شاہ شجاع (افغانستان) اُن کی خانقاہ میں عقیدت و احترام کے ساتھ حاضر ہوا۔ نوابانِ بہاولپور کو اُن سے ارادت مندانہ تعلق تھا۔ اہلِ دولت

---

[۱] تاریخ مشائخِ چشت ص ۶۲۰

کے رجوع کے باوجود خواجہ تونسویؒ کے استغنار کا وہی عالم رہا اور کبھی فارغ البالی کی زندگی گزارنے پر رضامند نہ ہوئے۔ اُن کے مزاج میں قناعت اور توکل کی صفات بدرجہ اتم تھیں۔

خواجہ تونسویؒ ۷ رصفر ۱۲۶۷ھ/۱۲ر دسمبر ۱۸۵۰ء کو فوت ہوئے۔[۱] نواب بہاولپور نے ستر ہزار روپے کی خطیر رقم خرچ کر کے مقبرہ بنوایا۔ مولوی حسین علی فتح پوری نے خواجہ تونسوی کا قطعۂ وصال کہا[۲]

سلیمانِ زماں رحلت چو فرمودہ
یکایک در جہاں ظلمت بیفزود
پئے سالِ وفاتش ہاتفِ غیب
بگفت "او آفتابِ چشتیاں بود"

۱۲۶۷ھ

خواجہ تونسویؒ کی اولاد میں دو صاحبزادے۔ خواجہ گل محمد اور خواجہ درویش محمد تھے۔ دونوں خواجہ صاحب کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ اس لئے اُن کے پوتے خواجہ اللہ بخشؒ تونسوی جانشین ہوئے۔

خواجہ تونسویؒ باسٹھ سال مسندِ ارشاد پر فائز رہے۔ ایک لاکھ سے زائد افراد نے اکتسابِ فیض کیا۔ انھوں نے کثرت سے خلافت و اجازت دی۔ اُن کے خلفاء میں سے کم و بیش ستر کے نام ملتے ہیں[۳]۔ چند اہم نام یہ ہیں:

---

[۱] مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخِ وفات ۹ رصفر لکھی ہے۔ (حدیقۃ الاولیاء ص ۱۱۲)

[۲] مناقب المحبوبین ص ۱۹۹۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۶۶۲

[۳] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۱۱

۱۔ مولانا محمد علی مکھڈی ۲۔ مولانا محمد علی خیرآبادی (م ۱۲۶۶ھ)
۳۔ مولانا نور جہانیاں بہاولپوری ۴۔ مولانا فاضل شاہ (گڑھی افغاناں)
۵۔ مولانا نور محمد نارووالہ ۶۔ مولانا امام الدین مؤلف "نافع السالکین"
۷۔ حاجی نجم الدین مؤلف "مناقب المحبوبین" ۸۔ مولانا شمس الدین سیالوی

خواجہ تونسوی سے کوئی تصنیف یادگار نہیں ہے تاہم اُن کے ملفوظات اور افادات اُن کے مریدوں نے یکجا کیے ہیں۔ چند اہم کتابیں یہ ہیں:

۱۔ مناقب المحبوبین ۔ حاجی نجم الدین (مطبوعہ)
۲۔ نافع السالکین ۔ مولانا امام الدین (")
۳۔ منتخب المناقب ۔ یار محمد ذوقی (غیر مطبوعہ)
۴۔ راحت العاشقین ۔ مولوی محمد (")

آخر الذکر دونوں غیر مطبوعہ کتابیں کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی، مکھڈ کی زینت ہیں۔[1]

[1] مجمل فہرست کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی

پیر محمد شاہ جیلانی

پیر محمد شاہ جیلانی، سادات گیلانی کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے اجداد میں سے سیّد محمد مکّی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے۔ پیر محمد شاہ علوم متداولہ میں مہارت رکھتے تھے۔ فنِ کیمیا کے ماہر تھے۔ جفر و نجوم، عملیات اور طبابت میں اُن کا مرتبہ بلند تھا۔

۷۷ سال کی عمر میں ۱۹ رمحرم ۱۳۳۰ھ/ ۹ رجنوری ۱۹۱۲ء کو فوت ہوئے۔ اُن کا مزار سنجر پور کے قریب ایک میل جانبِ شمال مشرق ہے۔ یہ بستی اُن کے نام سے منسوب "محمد آباد" ہے۔

پیر محمد شاہ جیلانی مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے حاجی سیّد احمد شاہ جیلانی، سیّد مبارک شاہ جیلانی اور سیّد امام شاہ جیلانی تھے۔ ان میں سے سیّد مبارک شاہ جیلانی اپنے والدِ گرامی کے علم و فضل کے امین تھے۔ انہوں نے محمد آباد میں "مبارک اُردو لائبریری" قائم کی جو پنجاب کے اچھے کتب خانوں میں سے ایک ہے۔ مولانا عبدالرشید نسیم (طالوت) نے اس کتب خانے کے بارے میں لکھا تھا:

> "اُردو ادب کا جس قدر ذخیرہ آپ کے پاس جمع ہے اتنا شاید ہی کسی فردِ واحد کے ذوق نے جمع کیا ہو"[1]

سیّد مبارک شاہ جیلانی ۲۱ رنومبر ۱۹۶۹ء/ ۱۰ ررمضان ۱۳۸۹ھ کو محمد آباد میں فوت ہوئے۔ آج کل اُن کے صاحبزادے سیّد انیس شاہ جیلانی "مبارک اُردو لائبریری" کے ذخیرے میں گراں قدر اضافے کر رہے ہیں۔

---

[1] بیاضِ مبارک ص ۱۰۱

حافظ سید محمد شاہ نیک اختر نوشاہی

خانوادہ نوشاہی کے چشم و چراغ حافظ سید محمد شاہ نیک اختر بن سید محمد امین ۱۲۸۱ھ/ ۶۵-۱۸۶۴ء میں متولد ہوئے۔ علومِ مروّجہ کی تحصیل اپنے والدِ ماجد، عم عالی قدر سید محمد شفیع (م ۱۳۱۱ھ) اور سید غلام قادر بن سید عبداللہ نوشاہی سے کی۔ فقہ، ادب اور طب کی کچھ کتابیں مولانا جمال الدین حنفی گاگھڑوی سے پڑھیں۔

والد ماجد سے بیعت تھے اور اُن کی وفات پر زینتِ سجادہ ہوئے۔ تبلیغ اور اصلاح و ارشاد میں زندگی گزاری البتہ تبلیغ میں خاصے متشدّد تھے۔

۵۶ سال کی عمر میں ۲۲، محرم ۱۳۳۷ھ/ ۲۹، اکتوبر ۱۹۱۸ء کو دُنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

حافظ سید محمد شاہ نیک اختر پاکیزہ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ اُن کی حسبِ ذیل تحریریں خطی نسخوں کی صورت میں کتب خانہ نوشاہیہ ساہن پال کی زینت ہیں:

۱۔ فہرست تفسیر حسینی
۲۔ روزنامچہ محمد شاہی مرتبہ سید شریف احمد شرافت نوشاہی
۳۔ کتاب الفوائد " " " " (عملیات، مناقب و تواریخِ بزرگان)
۴۔ مجرّبات محمد شاہی " " " "
۵۔ مکتوبات محمد شاہی " سید بشیر احمد بشارت نوشاہی
۶۔ ملفوظات نوشاہی " سید شریف احمد شرافت نوشاہی

اُن کے دو صاحبزادے ہوئے۔

۱۔ سید سرور عالم۔ سات دن عمر پائی
۲۔ سید غلام مصطفےٰ نوشاہی (م ۱۳۸۴ھ) جانشین ہوئے۔

محمد شریف کوٹلوی

مولانا محمد شریف بن مولانا عبدالرحمان کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ علومِ درسیہ کی تکمیل اپنے والدِ ماجد سے کی۔ اُن کے وصال کے بعد برصغیر کے ممتاز علماء سے علمی استفادہ کیا۔ فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے اور اہلِ حدیث حضرات کے خلاف مناظرانہ رنگ میں لکھتے رہتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) کے اخبار "اہلحدیث" کے مشمولات کے جواب میں اُن کے کئی مضامین شائع ہوئے۔ اسی خدمت کے پیشِ نظر مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اُنہیں "فقیہ اعظم" کا خطاب دیا تھا۔

مولانا محمد شریف مقبول مقرر تھے۔ وعظ و ارشاد میں ایک اسلوبِ خاص رکھتے تھے۔ تحریکِ آزادی میں مسلم لیگ کے ہم نوا تھے اور اُن کی اثر خیز تقاریر نے مسلم لیگ کے مقبول بنانے میں اہم حصہ لیا۔

خواجہ حافظ عبدالکریم نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اُن کی طرف سے خلافت سے نوازے گئے تھے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے بھی انہیں خلافت و اجازت مرحمت کی تھی۔

نوّے ۹۰ سال کی عمر میں ۱۵ر جنوری ۱۹۵۱ء / ۶ر ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ کو عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رخصت ہو گئے۔ مولانا ابوالنور محمد بشیر (مدیر "ماہِ طیبہ") اُن کے جانشین ہیں۔

مولانا محمد شریف مرحوم کے قلم سے پچاس کے لگ بھگ کتابیں نکلی ہیں۔ اہم تر یہ ہیں:

۱۔ نمازِ حنفی مدلّل
۲۔ کتاب التراویح
۳۔ صداقت الاحناف
۴۔ کشف الغطا

۵۔ تصورِ شیخ	۶۔ ضرورتِ فقہ
۷۔ اربعینِ حنفیہ	۸۔ فرقۂ شیعہ کی ابتدا
۹۔ وہابیہ سے مناکحت	۱۰۔ مستورات کی نماز
۱۱۔ اربعینِ نبویہ	۱۲۔ تائید الامام باحادیث خیر الانام
۱۳۔ کتاب الوتر	۱۴۔ دعا بعد جنازہ

علمائے اہل حدیث سے اکثر مباحثہ و مناظرہ کرتے رہتے تھے۔ گاہے ماہے اُردو، فارسی اور عربی میں شعر کہتے تھے۔

محمد شریف نوری قصوری

مولانا محمد شریف نوری بن مولانا محمد دین ۱۳۵۳ھ - ۵۴/۱۹۳۵ء میں ضلع گجرات کے معروف گاؤں چکوڑی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان کنجاہ سے پاس کیا اور علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے دارالعلوم حنفیہ بصیر پور (ضلع ساہیوال) میں داخل ہوئے۔ مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی سے استفادہ کیا اور اُن کی نسبت سے "نوری" کا لاحقہ اپنے نام کا جزو بنایا۔ ۱۹۵۳ء/۱۳۷۳ھ میں اجازتِ حدیث حاصل کی۔ ۱۹۵۴ء/۱۳۷۴ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ۱۹۵۵ء/۱۳۷۵ھ میں ادیب فاضل کے امتحانات پاس کئے۔

علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر قصور میں خطیب مقرر ہوئے اور مسلسل آٹھ سال فرائضِ خطابت انجام دیئے۔ اُن کی آواز میں سوز اور گفتگو میں بلا کی تاثیر تھی۔ بہت جلد خطیب کی حیثیت سے اُن کی شہرت دُور و نزدیک پھیل گئی۔ قصور سے لاہور آ گئے۔ پہلے مسجد سبیل والی (شاہ عالم مارکیٹ) اور پھر سرائے رتن چند میں امام و خطیب رہے۔ آخر میں جامع مسجد محمدیہ (راوی روڈ) اُن کے مواعظ سے گونجنے لگی۔ اُنہوں نے مسجد کی تعمیر میں دلچسپی لی اور ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔

مولانا نوری کو سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ ۱۳۸۴ھ/۶۵-۱۹۶۴ء میں عراق کا سفر اختیار کیا اور واپسی پر فریضۂ حج ادا کیا۔ چوتھی بار ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں ارضِ حجاز گئے اور واپسی پر راستے میں بیمار ہو گئے۔ یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ ۲۸ ربیع الاولیٰ ۱۳۹۲ھ/۱۳ مئی ۱۹۷۲ء کو فوت ہوئے۔ نمازِ جنازہ سید ابوالبرکات سید احمد نے پڑھائی اور جامعہ محمدیہ (راوی روڈ) کے صحن میں دفنائے گئے۔

مولانا نوری خوش بیان واعظ تھے۔ تقریر و وعظ عموماً پنجابی میں کرتے تھے۔ اُن کی

دلپذیر تقریروں سے متاثر ہوکر کلارک آباد (نزد رائے ونڈ) کے دو ہزار عیسائی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ فنِ تقریر میں کمال رکھنے کے ساتھ ساتھ قلم و قرطاس سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ قصور کے زمانۂ قیام میں محمد علی ظہوری صاحب کے تعاون سے ماہنامہ "نور و ظہور" جاری کیا تھا جو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ لاہور آئے تو ماہنامہ "الحبیب" کا اجراء کیا جو چند سال اُن کی ادارت میں چھپتا رہا۔ رسائل و جرائد کے مقالات کے علاوہ اُن کی مستقل تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ بارہ تقریریں

۲۔ آفتابِ سنّت ردِ چراغِ سنت (تالیف: فردوس علی شاہ صاحب)

۳۔ نشری تقریریں

۴۔ مسئلہ گیارہویں

۵۔ حرمتِ تعزیہ داری

۶۔ عرب کا مسافر

مفتی محمد شفیع گنجیالی

(وھابی نجدی دیوبندی)

مفتی محمد شفیع گنجیالی ایک علم دوست خاندان کے فرد تھے۔ اُن کے چچا مولانا احمد دین کیلوی بہت بڑے فقیہ تھے اور علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ مولانا ابوالسعد احمد خان (کندیاں) کے خلفائے مجاز میں سے تھے۔

مفتی محمد شفیع نے آغازِ طالب علمی میں مولانا احمد خان سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں زیرِ تعلیم رہے۔ ذہین و ذکی طالب علم تھے۔ اسباق میں جرح اور اعتراضات سے بعض اوقات اساتذہ کو بے بس کر دیتے تھے۔ اسی ذہانت کے ہاتھوں مدرسہ سے اُن کا نام خارج کر دیا گیا۔ لاہور سے امرتسر گئے اور مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند جا کر سندِ فضیلت حاصل کی۔

مفتی صاحب جامع مسجد خوشاب ضلع سرگودھا میں خطیب تھے۔ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد میں مصروف رہتے تھے۔ مولانا ابوالسعد احمد خان سے سلسلۂ نقشبندیہ میں تعلقِ بیعت رکھتے تھے۔

☆☆☆☆☆

محمد شفیق بگوی

مولانا محمد شفیق بگوی بن مفتی غلام محمد خاندانِ بگہ کے چشم و چراغ تھے۔ اپنے والد ماجد کے انتقال (۱۳۱۸ھ) پر شاہی مسجد لاہور کے امام و خطیب مقرر ہوئے ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں شاہی مسجد کا انتظام و انصرام کرنے والی انجمن اسلامیہ لاہور سے اختلاف پیدا ہوا اور فرائضِ منصبی سے الگ ہو گئے۔

مسجد کی امامت و خطابت کے علاوہ گورنمنٹ کی فرمائش پر قیدیوں کو وعظ و نصیحت کرنے سنٹرل جیل جایا کرتے تھے اور ایچی سن کالج میں عربی و دینیات کی تعلیم دیتے تھے۔

شاہی مسجد کی امامت سے الگ ہو کر اپنے وطن بگہ واپس چلے گئے اور آخر اپنی زرعی اراضی کے انتظام کے لیے موضع مسن تحصیل و ضلع شیخوپورہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔

باوضع بزرگ تھے۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"عید کے روز نہایت شان و شوکت سے مولوی صاحب (مسجد میں) تشریف لاتے تھے..... اور عید کے روز دورانِ خطبہ امام مسجد کو قزلباش خاندان کی طرف سے ایک دستار بھی رسماً دی جاتی تھی۔"[1]

مولانا محمد شفیق کے دو صاحبزادے مولوی مشتاق احمد اور حافظ نیاز احمد تھے۔

---

[1] بادشاہی مسجد لاہور ص ۴۴

حافظ محمد صدیق لالی

حافظ محمد صدیق لالی، قصبہ لالیاں ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹-۴۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اُنہوں نے حضرت شاہ حلیم چنیوٹی سے تعلیم حاصل کی۔ قصبہ پیر کوٹ سدھانہ کے ایک بزرگ، سیّد عبدالقادر جیلانی ثانی (م ۱۱۹۰ھ) کے ہاتھ پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اُنہوں نے خلافت سے سرفراز کیا۔

سیّد عبدالقادر جیلانی ثانی کی وفات کے بعد چنیوٹ میں مقیم رہے۔ آخر میں قصبہ لالیاں اُٹھ آئے تھے۔ وہیں ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳-۰۴ء میں فوت ہوئے۔

حافظ محمد صدیق، پنجابی اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ اپنے وقت کے جیّد عالم اور فقیہ تھے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ بحر العشق
۲۔ نور الحقیقت
۳۔ رسالہ چہل حدیث
۴۔ رسالۃ القرآن
۵۔ رسالۃ الجلیل
۶۔ بیس ٹوٹے
۷۔ عبرت نامہ
۸۔ فرحت نامہ
۹۔ حلیہ شریف

قاضی محمد عاقل[1]

خواجہ قاضی محمد عاقل بن مخدوم محمد شریف بن مخدوم محمد یعقوب بن مخدوم نور محمد کوریجہ ایک صاحبِ وقار فاروقی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔[2] مخدوم نور محمد (مدفون تحصیل لودھراں) عہدِ شاہجہان کے بلند مرتبہ صوفی تھے۔ ارادت خان وزیرِ شاہجہان اُن کا مرید تھا۔ شاہجہان نے ۵ ربیع الاولی ۱۰۴۴ھ کے ایک فرمان کے ذریعہ پانچ ہزار بیگہ اراضی اخراجاتِ خانقاہ کے لئے دی اور بعد کے مغل بادشاہوں نے اسے برقرار رکھا۔

قاضی محمد عاقل کے پوتے مخدوم محمد شریف قصبہ "یاراوالی" میں آباد ہوئے تو مٹھن خان بلوچ رئیس یاراوالی اُن کا معتقد و مرید ہو گیا۔ اسی مٹھن خان نے مخدوم محمد شریف کے کہنے پر "مٹھن کوٹ" کی بنیاد رکھی اور مخدوم محمد شریف وہاں منتقل ہو گئے۔[3]

---

[1] بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا نام "عاقل محمد" لکھا ہے (ک: ذکرِ کرام ص ۹۶ - ۹۶

[2] شاہی فرامین میں اس خاندان کے افراد کو "کوریجہ" لقب سے پکارا گیا ہے۔ اس سے ذہن اس طرف منعطف ہوتا ہے کہ یہ خاندان ہندی الاصل ہے۔ حاجی نجم الدین مؤلف "مناقب المحبوبین" نے اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ قاضی صاحب کے خاندان کے ایک بزرگ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گئے اور پوچھا کہ اذان ہو چکی ہے؟ تو حاضرین نے نفی میں جواب دیا تو اُنہوں نے قریب رکھے ہوئے مٹی کے ایک برتن کو اٹھایا اور کہا کہ اے کوزہ تو اذان کہہ، اس وقت سے وہ "کوریجہ" معروف ہوئے۔ کوزہ کو سندھی زبان میں "کورا" کہتے ہیں اور کہنے کے لئے "جو" کا لفظ استعمال ہوتا ہے یہ لفظ "کوراجو" (اے کوزے۔ کہہ) تھا جو کوریجہ بن گیا۔

[3] ۱۰۹۰ھ میں مٹھن کوٹ میں منتقل ہوئے تھے (ذکرِ کرام ص ۹۶)

قاضی محمد عاقل ۱۱۵۱ھ/۳۹-۱۷۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور "یکتائے زماں و محدث دوراں" والد مخدوم محمد شریف سے درسیاتِ مروّجہ کی تحصیل کی۔ بعد میں شاہ فخرالدین دہلوی اور خواجہ نور محمد مہاروی سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ آخرالذکر سے انہوں نے حدیث میں سند حاصل کی تھی[1] خواجہ گل محمد احمد پوری نے اُن کے تبحر علمی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"درعصر خود شرقاً غرباً مماثل آنحضرت در علم ظاہری ہم کسے نبود.....

خلوص علم از اصول و فروع بال مشابہ بود کہ بدرجۂ اجتہاد رسیدہ بود[2]"

فارغ التحصیل ہو کر کوٹ مٹھن میں ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ بعد میں شدانی منتقل ہوئے تو وہاں بھی مدارس قائم کئے اور علوم دینی کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے۔

قاضی محمد عاقل کے بڑے بھائی قاضی نور محمد ڈیرہ غازی خان میں ٹھیکیداری کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ ٹھیکے کی رقم ادا نہ کر سکے تو ناظم ڈیرہ نے قاضی محمد عاقل کو جو ضامن تھے گرفتار کر لیا۔ نو ماہ قاضی صاحب قید و بند میں رہے۔

قاضی صاحب خواجہ نور محمد مہاروی کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے۔ پنجاب میں سلسلۂ نظامیہ کی اشاعت میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ احکامِ شریعت اور سنتِ نبوی کا بطورِ خاص خیال رکھتے تھے اور اپنے ارادت مندوں کو اتباعِ نبوی کی تعلیم دیتے تھے۔ بلند اخلاق، خوش پوش، قلیل الطعام اور خندہ رو شخصیت تھے۔ اکبر شاہ ثانی اُن کا قدر دان تھا۔ شہزادہ جہاں خسرو اور کاؤس شاہ اُن کے مُریدوں

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۷۹-۱۸۰

[2] ایضاً ص ۱۳۹

میں شامل تھے، بہادر شاہ ظفر نے اُن کے بارے میں کہا ہے ع

صحبتِ پیرِ مغاں ہم کو خوش آئی ہے بدِل
ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم

قاضی صاحب تقریباً چار ماہ بیمار رہ کر ۸ رجب ۱۲۲۹ھ/۲۶ جون ۱۸۱۳ء کو شدانی میں فوت ہوئے۔ میت کوٹ مٹھن لا کر سپردِ خاک کی گئی۔ قطعہ وصال یہ ہے :

دل زداغِ دردِ پُر سوز و لہب — جاں بلب شد چوں سخن گوید بلب
رفت از دارِ فنا سوئے بقا — رہبرِ دینِ ہدیٰ عالی نسب
مظہرِ نورِ محمد، فخرِ دیں — شہ محمد عاقل، محبوبِ رب
ہادیٔ خلق شد ارفت از جہاں — حسرتا دردا دریغا صد عجب
آہ واویلا وصد افسوس درد — کز جہاں نورِ جہاں شد محتجب
خُم تہی گشت و نماندہ صاف درد — دردِ باقی بہرِ مست و مضطرب
چوں کہ تاریخ ومہ سالِ وصال — از دلِ پُر دُرد و خود کردم طلب
سر زجیب بیخودی بر کرد و گفت — روزِ ہشتم بود از ماہِ رجب

قاضی صاحب کے صاحبزادہ، میاں احمد علی (م ۹ شعبان ۱۲۳۱ھ) سجادۂ مشیخت پر بیٹھے۔ یہ سلسلۂ اصلاح و تلقین تا حال قائم ہے۔

قاضی صاحب کے چند اہم خلفاء کے نام یہ ہیں :

۱۔ خلیفہ محمد اکبر (م ۳ ربیع الآخر ۱۲۳۹ھ)
۲۔ مولوی عبداللہ۔ جید عالم تھے۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی کی تالیف "تسنیم" کی شرح تنیم لکھی اور منطق کے رسالہ ایساغوجی پر حاشیہ لکھا۔
۳۔ مولوی محمد معظم (م ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۴۰ھ)
۴۔ خواجہ گل محمد احمد پوری مؤلف "تکملہ سیر الاولیاء"

محمد عبدالعلی متالوی

مولانا محمد عبدالعلی متالوی بن خواجہ محمد امین متال ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد سے علومِ مروّجہ کی تحصیل کی اور اُن کی مسندِ علم و درس کو رونق بخشی۔ مولانا محمد عبدالعلی ضلع راولپنڈی میں اپنے تفقہ فی الدین کی بدولت مرجع عوام تھے۔ دُور دُور سے حاجت مند لوگ اُن سے فتویٰ لینے آتے تھے۔

مولانا موصوف زندگی بھر سیاسی ہنگاموں سے کنارہ کش رہے۔ اُن کا اوڑھنا بچھونا کتابیں اور صرف کتابیں تھیں۔ موصوف نے فقہ کے موضوع پر ایک نادر اور عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا نایاب کتابوں کی نقلیں خود تیار کرتے تھے اور اللہ تعالےٰ نے فنِ خوشنویسی سے انہیں بہرۂ وافر عطا کیا تھا۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں اپنے والدِ ماجد سے مجاز تھے تاہم اپنے چچا خواجہ محمد حبیب اللہ (م ۱۳۲۵ھ) سے بھی تعلقِ ارادت تھا۔ خواجہ محمد حبیب اللہ نے انہیں حسبِ ذیل اجازت نامہ مرحمت کیا تھا:

"بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ مسمّی مولوی عبدالعلی ولد حافظ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ نزد فقیر آمدہ اجازتِ طریقت خواست۔ بندہ زوالد خود خواجہ احمد جی صاحب اجازت داشت، و او شاں از حضرت نتھیالوی و او شاں از حضرت تیراہی علی ہذا القیاس تا آخر سلسلہ کہ با بابکر صدیق رض و رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم میرسد و نیز اجازت از حضرت تیراہی دارم۔ بخوشی خود مسمّی مذکور را اجازت ہر چہار طرق کہ این چنیں از پیرانِ خود دارم، دادم، خصوصاً طریقہ نقشبندیہ کہ اکثر اجرائش کردم۔ بشرطیکہ بر شرع شریف قائم و بر گفتہ فقراء دائم باشد۔

این الفاظ برائے سند نوشتہ کردم کہ یادداشت باید۔ واللہ یہدی من یشاء الیٰ صراطٍ مستقیم۔

فقیر حبیب اللہ بزبان خود اجازت داد"[1]

مولانا محمد عبدالعلی نے ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۶۳ھ / یکم مئی ۱۹۴۴ء کو وفات پائی۔ صاحبزادہ مولانا اصغر علی مستالوی اُن کے جانشین ہیں۔

مولانا مستالوی مرحوم سے مناظرانہ انداز کے چند رسائل یادگار ہیں مگر اُن کا اصل کارنامہ "فتاویٰ مستالیہ" ہے جو ہنوز زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔ اگر یہ "مجموعہ فتاویٰ" شائع ہوا تو فقہ حنفی کے موضوع پر ایک اچھا اضافہ ہوگا۔

---

[1] ماہنامہ "المنبر" لاہور بابت اکتوبر ۱۹۷۶ء، ص ۲۷

محمد عبداللہ سلیم پوری (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد عبداللہ بن میاں نور محمد بن میاں قطب الدین موضع سلیم پور رسدھواں تحصیل جگراؤں ضلع لدھیانہ کے ایک زمیندار گھرانے میں ۵ راکتوبر ۱۹۰۴ء/۲۶ رجب ۱۳۲۲ھ کو پیدا ہوئے۔ مکتب کی تعلیم کے بعد ۱۹۱۱ء میں مقامی پرائمری سکول میں داخل ہوئے۔ بعد میں قصبہ سُوڈی ضلع لدھیانہ کے مڈل سکول سے اُردو مڈل کا امتحان پاس کیا۔

مڈل تک جدید تعلیم حاصل کر کے مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری ساکن دھرم کوٹ (ضلع فیروزپور) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ دو سال بعد مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ گئے۔ کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ امرتسر میں زیرِ تعلیم رہے۔ شوال ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور درسِ نظامی کے متوسطات سے دورۂ حدیث تک تمام تعلیم یہیں حاصل کی۔ ۱۳۴۵ھ میں اعزاز وانعام کے ساتھ سندِ فضیلت حاصل کی۔

شعبان ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر سرگودھا میں مولانا حکیم عبدالرسول صاحب کے ہاں طبی تعلیم کے لیے حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب فنِ طب میں علمی، تدریسی اور عملی اعتبار سے امامِ فن تھے اور مولانا ابوالسعد احمد خانؒ نقشبندی (خانقاہ سراجیہ کُندیاں) کے ارادت مندوں میں سے تھے۔

مولانا محمد عبداللہ نے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ تعلیم میں مفتی عزیز الرحمان (م ۱۳۴۷ھ) سے بیعت کا شرف حاصل کیا تھا بعد میں مولانا حکیم عبدالرسول صاحب کے زیراثر مولانا ابوالسعد احمد خان مرحوم سے تعلق قائم کیا۔ مفتی عزیز الرحمان صاحب کی اجازت سے اُن کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی اور اُن کی صحبت اس قدر پُرکشش ثابت ہوئی کہ طب کی تعلیم وغیرہ چھوڑ کر خانقاہ سراجیہ کے ہو رہے۔

۱۲ر صفر ۱۳۶۰ھ کو مولانا ابوالسعد احمد خان فوت ہوئے۔ انہوں نے اپنے وصیت نامہ

میں لکھا تھا:

"فقیر اپنا خلیفہ مجاز اور سجّادہ نشین مولوی عبداللہ صاحب لدھیانوی کو مقرّر کرتا ہے جن کو فقیر نے پوری توجّہ اور دلسوزی سے نقشبندی سلوک طے کرا دیا ہے۔ وہ اس خانقاہ میں جس کا نام خانقاہ سراجیہ مجدّدیہ ہے مقیم رہ کر ترویجِ سلوک اور توسیع سلسلہ میں ساعی رہیں گے۔ اُن کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خانقاہ ہذا میں سجادہ نشینی کا مدعی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا دعویٰ مسموع ہو گا۔"[1]

مولانا محمد عبداللہ نے باحسن وجوہ فرائضِ جانشینی ادا کیے، سلسلۂ نقشبندیہ کی ترویج و توسیع میں مصروف رہے۔ دینی اور علمی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی اور خانقاہ کے کتب خانہ کی ترقی میں کوشاں رہے۔ حج کے لیے تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کے کتب خانہ سے ایک نایاب قلمی کتاب "تحقیقات" کی نقل سات سو ریال دے کر حاصل کی، کتابوں کی تعداد میں اُن کی دریا دلی سے خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

حج سے واپسی پر کراچی میں کسٹم آفیسر نے اُن کا سامان دیکھ کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ سونا تو نہیں ہے؟ جواب میں انہوں نے فرمایا "ہمارے لیے سونا یہ کتابیں ہیں، اگر ہمارے پاس رقم کی گنجائش ہوتی تو ہم یہ سونا اور خرید لیتے۔"

کتابوں کی حفاظت اور جلد بندی کے لیے مولانا غلام محمد صاحب فاضل مظاہر العلوم سہارن پور کو مامور کیا تھا اور اُنہوں نے یہ کام نفاست سے انجام دیا۔

مولانا محمد عبداللہ تقریباً ساڑھے سولہ سال سجادہ نشین رہ کر ۲۷؍شوال ۱۳۷۶ھ/ ۷؍جون ۱۹۵۶ء کو فوت ہوئے، دوسرے روز مولانا خان محمد صاحب نے نمازِ جنازہ

---

[1] تحفۂ سعدیہ ص ۱۴۶

پڑھائی اور خانقاہ سراجیہ کندیاں میں دفنائے گئے۔

مرحوم کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادے مولانا حافظ محمد عابد صاحب ہیں۔

محمد عزیز بھیروی

مولانا محمد عزیز بن علی احمد بن نعمت اللہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے ابتدائی درسیات اپنے والدِ مکرم سے پڑھیں۔ بعد میں حصولِ علم کے لئے جونپور کا سفر کیا اور مدرسہ امامیہ حنفیہ میں مولانا عبدالحلیم بن امین اللہ انصاری لکھنوی سے استفادہ کیا۔ آخر میں سہارنپور جاکر مولانا احمد علی محدث (م ۱۲۹۷ھ) سے اکتسابِ فیض کیا۔

مولانا محمد عزیز حنفی المسلک تھے مگر اُنہوں نے سید نذیر حسین دہلوی سے سند و اجازت حاصل کی تھی اور لکھنؤ میں حکیم ابراہیم بن یعقوب سے فنِ طب سیکھا تھا۔

۱۳۱۰ھ/۹۳-۱۸۹۲ء میں فوت ہوئے۔[۱]

۱۔ نزہت الخواطر ج ۸ ص ۴۳۴

محمد علی مکھڈی

مولانا محمد علی قریشی بن محمد شفیع بن محمد داؤد جلال آبادی کا آبائی وطن بٹالہ (مشرقی پنجاب۔ہند) ہے۔ وہیں ۱۱۶۳ھ-۵۱-۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی خورد سال تھے کہ اُن کے والدین فوت ہو گئے۔ اُن کے برادرِ بزرگ مولانا عبدالرسول نے اُن کی تعلیم و تربیت کی۔ ابتدائی مکتبی تعلیم اُن ہی کی نگرانی میں حاصل کی۔ حصولِ تعلیم کے لئے مختلف مقامات پر قیام کیا۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا اسد اللہ بہاول پوری، میاں مصطفیٰ جی پشاوری، میاں مرتضیٰ جیسالی اور مولانا محکم الدین مکھڈی کے نام ملتے ہیں۔ مولانا محکم الدین سے میر زاہد کے اسباق پڑھ رہے تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ مکھڈ کے مخیّر پراچہ خاندان نے اُن سے استدعا کی کہ وہ واپس وطن جانے کے بجائے اپنے اُستادِ محترم کے درس کو جاری رکھیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی نے گاؤں کی بڑی مسجد میں درس و تدریس شروع کر دی۔ وہ مسجد آج تک "مسجد مولوی صاحب" کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا محمد علی کسی ولیٔ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے۔ اُنہیں معلوم ہوا کہ علاقہ سون سیکسر میں ایک بزرگ میاں ابراہیم ہیں۔ چنانچہ اُن کے ہاں بیعت کے ارادے سے گئے مگر جب میاں ابراہیم کے گاؤں پہنچے تو معلوم ہوا کہ:

> "میاں صاحب نماز با جماعت ادا نہیں فرماتے۔ علیحدہ اپنے مکان میں پڑھتے ہیں۔ تب حضرت مولانا نے فرمایا کہ جو شخص ایسی سنت مؤکدہ کا تارک ہے میں اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں نہیں دیتا۔"[1]

چنانچہ واپس مکھڈ آ گئے اور اپنے شاگرد خواجہ شمس الدین سیالویؒ کو ہمراہ لے کر

---

[1] تذکرۃ الولی ص ۳۱

تونسہ شریف گئے۔ چھ ماہ تونسہ میں مقیم رہے اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے بیعت ہوئے۔ خواجہ تونسویؒ نے خلافت واجازت سے سرفراز کیا۔

مولانا محمد علی مکھڈ میں ارشاد و ہدایت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ مولانا قطب الدین غور غشتویؒ اُن کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

"میرے دادا صاحب فرماتے تھے کہ علم ظاہری کا شغل، باطنی کمالات کا پردہ ہو جاتا ہے لیکن میں حضرت مولانا کے کمالات سے حیران ہوں کہ باوجود شغل علم ظاہری کے علمِ باطن بھی موجزن ہے اور علمِ ظاہری کمالاتِ باطن کا حجاب نہیں ہو سکا۔"[1]

مؤلف "قصرِ عارفان" نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"مولانا شاہ محمد علی مکھڈی کہ فضیلت کمال و تبحر در معقول و منقول داشت و طبع موزوں و فکر رسا در طریقت استعداد کافی و در سخا و رضا و صبر و تحمل و صفا منزلتِ رفیع و در تعلیم طالبان خاصیتِ کیمیا۔"[2]

۲۹ رمضان ۱۲۵۳ھ/۲۷ دسمبر ۱۸۳۷ء کو طلوعِ صبح سے پہلے انتقال ہوا۔ قاضی بہاء الدین نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اُسی روز مکھڈ میں دفنائے گئے۔ "رئیسِ المشائخ" ۱۲۵۳ھ سے سالِ وفات نکلتا ہے۔

مولانا محمد علی نے تمام زندگی تجرد میں بسر کی۔ اُن کے دس خلفاء کے نام ملتے ہیں۔ چند اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ محمد عابد جی (م ۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۲۶۲ھ)　۲۔ خواجہ زین الدین

---

[1] تذکرۃ الاولیٰ ص ۳۹　[2] قصرِ عارفان ص　۔ مؤلف "مناقب المحبوبین" نے بھی "عالم علومِ ظاہری و باطنی" قرار دیا ہے۔

۳۔ قاضی بہاؤالدین قریشی

۴۔ میاں ابراہیم لنگڑیالی

مولانا محمد علی سے کوئی تالیف یادگار نہیں البتہ مولوی عبدالنبی (ساکن بھوئی ضلع راولپنڈی) نے اُن کے ملفوظات "تذکرۃ المحبوب" کے نام سے جمع کئے ہیں۔

مولانا محمد علی فارسی اور پنجابی کے اچھے شاعر تھے "مولوی" تخلص کرتے تھے۔ اُن کا کلام مولوی محمد الدین بکھڈی نے "تذکرۃ الولی" میں یکجا کردیا ہے۔ بطورِ نمونہ ایک فارسی نظم مندرجہ ذیل ہے[۱]

ہر زمانے دلبرِ ما شکل پیدا می کند
عاشقاں را بر جمالِ خویش شیدا می کند
آید از بہرِ تماشا سوئے بازارِ جہاں
چوں بہ بیند ہر طرف خود را تماشا می کند
باکمالِ حسنِ صورت، بر مثالِ احمدی
خویش را در یثرب و بطحا ہویدا می کند
مولویا می کنم سرِّ انا الحق لب نہاں
لیک خود عشق ایں سخن را آشکارا می کند

---

[۱] تذکرۃ الولی ص ۱۱۸

محمد علی جالندھری (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد علی جالندھری نے ۱۸۹۵ء/۱۳۱۲-۱۳۱۳ھ میں قصبہ رائے پور اڑائیاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر کے ایک زمیندار گھرانے میں آنکھیں کھولیں انہوں نے ابتدائی تعلیم قریبی گاؤں رائے پور گوجراں کے مدرسہ "جامعہ رشیدیہ" میں حاصل کی یہاں مولانا فقیر اللہ رائے پوری سے استفادہ کیا۔ دار العلوم دیوبند میں مروجہ دینی نصاب کی تکمیل کی اور سندِ فراغت حاصل کی۔

مولانا جالندھری نے عملی زندگی کا آغاز ریاست کپور تھلہ کے مشہور قصبہ سلطان پور لودھی میں مدرس کی حیثیت سے کیا۔ تین سال یہاں رہے۔ ۱۹ شوال ۱۳۴۹ھ/ ۹ مارچ ۱۹۳۱ء کو مولانا خیر محمد جالندھری نے مولانا احمد بخش دم ۲۲ شعبان ۱۳۵۰ھ) اور اُن کے تعاون سے اٹاری بازار جالندھر میں مدرسہ "خیر المدارس" کی بنیاد رکھی تو اس مدرسہ میں بطور مدرس کام کرنے لگے۔ جالندھر کے زمانۂ تدریس میں رفض و بدعت کے خلاف آواز بلند کی اور کئی مناظرے کیے۔ زندگی درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کی مصروفیتوں میں گزر رہی تھی کہ ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج کی تحریک شروع ہوئی۔ اُس زمانے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تشویق سے مجلس احرارِ اسلام میں شامل ہوئے۔

مولانا جالندھری نے مجلس احرارِ اسلام کے شعبہ تبلیغ کو اپنی انتظامی صلاحیتوں اور خطیبانہ عظمتوں سے چار چاند لگائے۔ عوام کی زبان میں گفتگو کرنا اور سادہ مثالوں سے اپنی بات، سامعین کے دلوں میں اتار دینا مولانا جالندھری پر ختم تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک کامیاب اور اچھے عوامی مقرر تھے۔

دوسری عالمگیر جنگ میں فوجی بھرتی کی مخالفت میں پیش پیش تھے چنانچہ گرفتار ہوئے اور ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۲ء تین سال کا عرصہ جالندھر، گجرات اور امرتسر کی جیلوں میں

گزارا۔ اسی زمانۂ اسیری میں اُن کے والدِ ماجد اور دو بھائیوں کا انتقال ہوا مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔

۱۹۴۲ء میں مولانا جالندھری کا خاندان ترکِ وطن کر کے صادق آباد (پنجاب) آ گیا مگر اُنہوں نے اپنی سیاسی سرگرمیوں اور دعوت و تبلیغ کا مرکز ملتان کو بنایا۔ مسجد سرجان والی حسین آگاہی میں خطبہ جمعہ دیتے تھے۔ اُن کے بارے میں مشہور ہے کہ جمعہ کے لیے دور دراز کے سفروں اور دوروں سے بھی ملتان آ جاتے تھے۔ آخر دم تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

قیامِ پاکستان پر مولانا خیر محمد جالندھری مرحوم بھی ملتان آ گئے۔ مولانا محمد علی نے مدرسہ خیر المدارس جالندھر کا احیاء کرنے میں بھرپور کام کیا۔ چنانچہ ۲۲، ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ/۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو خیر المدارس ملتان نے کام شروع کر دیا۔

پاکستان بننے پر مجلس احرارِ اسلام کی سیاسی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھ "مجلسِ تحفظ ختمِ نبوّت" کی تشکیل کی۔ اس جماعت کے پہلے امیر شاہ صاحب اور ناظم اعلیٰ موصوف تھے۔ شاہ صاحب کی وفات کے بعد قاضی احسان احمد شجاع آبادی امیر چُنے گئے اور وہ بدستور ناظم اعلیٰ رہے۔ مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کے سٹیج سے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوّت میں کام کیا اور گرفتار ہوئے۔

۱۹۶۷ء/۱۳۸۷ھ میں قاضی احسان احمد صاحب کی وفات پر مجلس کے امیر منتخب ہوئے۔ دورانِ امارت میں اُنہوں نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مرکزی دفتر ملتان کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی۔ ملک بھر میں مجلس کی شاخیں قائم ہوئیں اور بیرونِ ملک کام کا آغاز ہوا۔

۵، اور ۶، اپریل ۱۹۷۱ء کی درمیانی شب ۸، صفر ۱۳۹۱ھ کو سلاں والی ضلع سرگودہا میں تقریر کر رہے تھے کہ دل کا دورہ پڑا۔ ۸، اپریل کو دوسری بار دورہ پڑا اور اسی بیماری

میں ۲۱ را پریل ۱۹۷۱ء/ ۲۴ رصفر ۱۳۹۱ھ کو جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔

مرحوم حضرت عبدالقادر رائے پوری کے مرید تھے اور اُن سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ اُن کے پاس حضرت رائے پوری مرحوم کا جُبّہ تھا جسے بطورِ کفن استعمال کیا گیا۔

مفتی محمد عمر شمس آبادی

مفتی محمد عمر بن فضل حق محدث شمس آبادی بن مولانا برہان الدین بن مولانا محمد منیر، شمس آباد (ضلع اٹک) کے بلند پایہ علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا فضل حق محدث شمس آبادی ابتدائی عمر میں حجاز چلے گئے تھے اور مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں زیر تعلیم رہے تھے۔ انہوں نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ)، قاری محمد عبداللہ، مولانا عبدالاول جونپوری اور مولانا محب نور سے مدرسہ صولتیہ میں اکتساب فیض کیا۔ کتب تصوف، بطور خاص مثنوی معنوی مولانا امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) سے پڑھی تھی۔ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی سند فضیلت کے ساتھ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے تجوید کی حسب ذیل سند بھی عنایت کی۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد کہتا ہے فقیر حقیر رحمت اللہ بن خلیل الرحمان عفا عنہما و تجاوز عن سیاتہما کہ مولوی فضل حق بن مولوی برہان الدین صاحب مرحوم ساکن شمس آباد ضلع راولپنڈی ملک پنجاب ماہ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ میں داخل مدرسہ صولتیہ ہوئے۔ جس کا ناظر یہ فقیر ہے اور تحصیل تجوید قرآن شریف ولہجہ مصری میں مصروف ہوئے۔ مدرسین مدرسہ سے ایک مرتبہ قرآن شریف خوب تحقیق و تدقیق سے پڑھا۔ اللہ کے فضل سے خوب پڑھتے ہیں اور شاطبی مع شرح اور جزری مع شرح اور تحفۃ الاطفال مع شرح فتح الاقفال یہ سب کتابیں بھی خوب محنت سے پڑھی (پڑھیں) اور اس مدت میں اُن کے چال چلن بھی اچھے رہے۔ اب جو ماہ صفر المظفر ۱۳۰۷ھ ہے اور ارادہ وطن جانے کا کیا اور سند مدرسہ کی طلب کی چونکہ لائق اور محنتی ہیں موافق اُن کی طلب کے، یہ سند

مدرسہ سے دی گئی۔ اور وصیت کرتا ہوں ان کو تقویٰ طہارت کی۔ اور اس بات کی کہ اوقاتِ خاصہ میں ہم (مجھ) کو دعا سے فراموش نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نفع پہنچاوے اُن سے خلقت کو اور توفیق نیک دے ہم کو اور اُن کو اور سب مسلمانوں کو آمین ثم آمین فقط۔

تاریخ محررہ ۱۵ رصفر المظفر ۱۳۰۷ھ از مقام مکہ معظمہ مدرسہ صولتیہ

العبد

محمد رحمت اللہ ہندی

مہتمم مدرسہ

نشان مہر عبداللہ	نشان مہر ۱۲۹۳

مفتی محمد عمر نے درسیات کا زیادہ حصہ اپنے والد گرامی سے پڑھا۔ اس کے علاوہ علاقہ چھچھ کے معروف فقیہ مولانا سید رسول اور کوہاٹ میں دو عالموں سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ کوہاٹ کے ان علماء کے نام معلوم نہیں ہو سکے البتہ وہ اپنے وطن مالوف کی نسبت سے "ملا شبقدر" اور "ملا تخ" کی صفاتِ نسبتی سے پہچانے جاتے تھے۔

تحصیلِ علم کے بعد شمس آباد میں خطابت اور درسِ نظامی کی تدریس کی۔ بطور معاش کھیتی باڑی کرتے تھے اور دینی خدمات کسی مادی معاوضے کی توقع رکھے بغیر انجام دیتے رہے۔ جمعیت علمائے اٹک کے "مفتی" تھے۔ کتبِ فقہ پر اس قدر عبور تھا کہ مولانا نصیر الدین غورغشتوی اُن کے فتاویٰ پر عموماً تائیدی دستخط ثبت کر دیتے تھے۔ افسوس کہ اُن کے تمام فتاویٰ محفوظ نہیں رہ سکے۔ تقریباً ایک سو مسائل پر مشتمل "مجموعہ فتاویٰ" کا خطی نسخہ محفوظ ہے۔ مفتی صاحب علمائے دیوبند کے براہِ راست شاگرد نہ تھے مگر اُن کی علمی و دینی خدمات کے معترف اور عقیدت مند تھے۔ اپنے پوتوں اور نواسوں کے نام بزرگانِ دیوبند

کی نسبت سے رشید، قاسم اور طیّب رکھے۔

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوّت میں بھرپور کام کیا اور گرفتاری پیش کی۔ اٹک اور ملتان کے قید خانوں میں تقریباً چھ ماہ سنّتِ یوسفی ادا کی۔ کہا کرتے تھے کہ سفرِ حج کے بعد زندگی کا دوسرا پُر لطف سفر، دورانِ قید میں اٹک تا ملتان تھا۔

مفتی صاحب شگفتہ مزاج، مجلس آرا اور مہمان نواز بزرگ تھے۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ/ ۲۷ اپریل ۱۹۵۷ء کو اپنے گاؤں میں فوت ہوئے۔

مفتی صاحب کی اولاد میں پانچ صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے حیات ہیں۔ صاحبزادے علمی و دینی کاموں میں مصروف ہیں۔

۱۔ مفتی محمد عثمان (فاضل دیوبند) گورنمنٹ ہائی سکول حضرو میں السنہ شرقیہ کے اُستاد ہیں۔

۲۔ حبیب الرحمان (فاضل دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

۳۔ محمد نعمان (منشی فاضل، ایف۔ اے)

محمد عمر بیربلوی

مولانا محمد عمر بن احمد سعید بن غلام مرتضےٰ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۷ء میں بیربل شریف ضلع سرگودہا میں پیدا ہوئے۔ گھر پر قرآن مجید حفظ کیا اور شرح جامی تک کتابیں والد ماجد مولانا احمد سعید سے پڑھیں۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور اور دہلی میں بسلسلہ تعلیم مقیم رہے۔ اور نیٹل کالج لاہور سے منشی فاضل، مولوی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کیے انگریزی کے بھی بعض امتحانات دیئے۔ فارغ التحصیل ہوئے تو اسلامیہ کالج پشاور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ سات سال تک وہاں رہے۔

مولانا شیر محمد شرقپوری کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اُن کے خلیفۂ مجاز تھے۔ نقشبندی سلسلے کے بلند پایہ صوفیا میں شمار ہوتے تھے اور مرجع عوام تھے۔ مذہبی تفرقہ بازیوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ نمود و نمائش سے کوسوں دُور رہتے۔ سادگی ان کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔

۱۹۵۵ء / ۱۳۷۴ھ میں فریضۂ حج ادا کیا۔ ۲۶ر اگست ۱۹۶۷ء / ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ کو لاہور میں فالج کے حملے میں وفات پائی۔ بیربل شریف میں دفنائے گئے۔ مصرعِ تاریخ وفات یہ ہے ؎

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

۱۹۶۷ء

مولانا محمد عمرؒ سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ انقلاب الحقیقت یعنی دستورِ تصوّف

۲۔ التوحید

۳۔ طریقت کی حقیقت

۴۔ صراطِ مستقیم

۵۔ قرآنی نظریۂ حیات

۶۔ حقائق و معارف

۷۔ سلوک و مقصدِ سلوک

۸۔ زنبیلِ عمر

محمد عمر اچھروی

مولانا محمد عمر بن محمد امین بن عبد المالک قریشی ۱۹۰۲ء/۲۰-۱۳۱۹ھ میں ضلع قصور کی بستی شیرو کاہنہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید گھر پر پڑھا اور لڑکپن میں حصولِ تعلیم کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ موضع چانوٹ (نزد پاکپتن) میں مولانا صلاح الدین سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد لکھو کے ضلع فیروز پور کے اہل حدیث علماء مولانا محمد حسین لکھوی اور مولانا عطاء اللہ لکھوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کچھ عرصہ مولانا محمد عالم سنبھلی سے مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں اکتساب فیض کیا۔

درس نظامی کی اکثر کتابیں پڑھ کر مدرسہ رحمانیہ دہلی میں کتبِ حدیث پڑھیں۔ مولانا عبد اللہ روپڑی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ بعد میں مولانا احمد علی میرٹھی (شاگرد مولانا احمد علی سہارنپوری) سے اجازتِ حدیث حاصل کی۔

مولانا اچھروی ۱۹۳۴ء میں مستقل طور پر اچھرہ (لاہور) میں مقیم ہوئے اور لاہور میں علمی و دینی خدمات انجام دیں۔ سولہ[۱۶] سال مسجد داتا گنج بخش میں خطابت کے فرائض انجام دیے۔

مولانا اچھروی نے اہل حدیث اساتذہ سے تعلیم حاصل کی لیکن انہوں نے ا... کی پیروی کی۔ مناظرانہ مزاج کے حامل تھے اور فروعی مسائل پر اہل حدیث اور دیو بندی علماء سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔ کامیاب مقرر اور خوش الحان واعظ تھے۔

سلسلہ طریقت میں مولانا شیر محمد شرقپوری سے منسلک تھے اور اُن سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ ۲ ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ/۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ سید ابو البرکات سید احمد مرحوم نے پڑھائی اور اچھرہ میں دفنائے گئے۔ صاحبزادہ

شرافت نوشاہی نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ کہا:

زہے مولوی محمد عمر — کہ در دینِ حق بود مثلِ قمر
ز ترحیلِ وے چوں شرافت بجست — ندا گشت "حافظ محمد عمر"[1]

۱۳۹۱ھ

مولانا محمد عمر اچھروی سے حسب ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ مقیاس حنفیت

۲۔ مقیاس النور

۳۔ مقیاس المناظرہ

۴۔ مقیاس الصلوٰۃ

۵۔ مقیاس النبوۃ

ماہنامہ "المقیاس" بھی جاری کیا تھا جو کچھ عرصہ اُن کی نگرانی میں طبع ہوتا رہا۔
مرحوم کی اولاد میں پانچ صاحبزادے ہیں جو اُن کی علمی و دینی روایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

---

[1] تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۵۰۰

محمد غازی

مولانا محمد غازی موچی کھڑی ضلع اٹک کے خٹک پٹھان تھے۔[1] مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) کے اجل تلامذہ میں سے تھے۔ علم حدیث کی تحصیل مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) سے کی اور وہیں مدرّس ہو گئے۔ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں مولانا پیر سید مہر علی شاہؒ گولڑوی بغرضِ حج گئے تو ان سے ملاقات ہوئی۔ پیر صاحب کے علوم و معارف سے متاثر ہو کر واپس وطن آئے اور جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں بطور صدر مدرّس کام کرنے لگے۔ تدریس کے ساتھ افتاء نویسی کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔

جملہ علومِ دینیہ میں تبحّر رکھتے تھے۔ خصوصاً علم تجوید میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ ۱۹۳۹ء/۱۳۵۸ھ میں گولڑہ شریف میں وفات پائی اور وہیں خواجہ سید نذر دین (والد ماجد پیر مہر علی شاہؒ) کے مزار کے پہلو میں مدفون ہیں۔

۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں پیر سید مہر علی شاہؒ نے اہل حدیث عالم مولانا عبدالاحد خانپوری کے رسالہ "البیان والاغاثہ" کے جواب میں "الفتوحات الصمدیہ" تالیف کی۔ اس کتاب میں پیر صاحب نے مولانا عبدالاحد سے بارہ سوالات دریافت کیے تھے۔ دو سال تک کوئی جواب سامنے نہ آیا تو مولانا محمد غازی نے ایک رسالہ "عجالہ بر دو سالہ" لکھا، جس میں پیر صاحب کے افکار و خیالات سے استفادہ کیا گیا ہے۔[2]

---

[1] مولانا غلام مہر علی نے اُن کا مولد "نرڑہ ضلع اٹک" بتایا ہے۔ (الیواقیت المہریہ ص ۸۸)

[2] مہر منیر ص ۱۱۸، ۱۴۶، ۲۶۵، ۳۸۱ (ملخص)

سیّد محمد فضل شاہ جلالپوری

پیر سیّد محمد فضل شاہ بن خواجہ سیّد مظفر علی شاہ بن حضرت سیّد غلام حیدر علی شاہ ۴ رجادی الاولی ۱۳۱۲ھ/۳ نومبر ۱۸۹۴ء کو جلالپور ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت جدامجد سیّد غلام حیدر علی شاہ کی نگرانی میں ہوئی۔ قرآن مجید حافظ اللہ دین (ساکن چک شبیر محمد) سے ختم کیا۔ مولوی عبدالرحیم (ساکن کرٹی) سے سکندر نامہ تک فارسی، عربی صرف و نحو اور شرح وقایہ تک کتبِ فقہ پڑھیں۔ مولوی عبدالرحیم اُن کی تعلیم کے لئے آٹھ سال جلالپور میں مقیم رہے تھے۔ بعد میں مولانا فیض الحسن فیض، مولانا قادر بخش ملتانی، حافظ جلال الدین (ساکن کوٹ مومن) اور مولانا محمد سعید (متوطن مری) سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی۔[۱]

چودہ سال کی عمر میں اپنے جدامجد سیّد غلام حیدر علی شاہ سے بیعت ہوئے اور اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ۲ رشوال ۱۳۳۱ھ/۴ ستمبر ۱۹۱۳ء کو دس افراد کے ہمراہ بغرضِ حج روانہ ہوئے۔ اُن کے ہمراہیوں میں اُن کے اُستادِ محترم مولانا محمد سعید اور ملک محمد الدین مدیر "صوفی" (منڈی بہاءالدین) کے نام نمایاں ہیں۔ یہ قافلہ جلالپور سے بمبئی تک شہر بہ شہر ٹھہرتا ۹ رشوال ۱۳۳۱ھ/۱۱ ستمبر ۱۹۱۳ء کو بمبئی پہنچا۔ چھ روز بعد بحری جہاز پر سوار ہوا۔ راستے میں مصر، فلسطین اور شام کا سفر کر کے ارضِ مقدس پہنچا اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد واپس وطن آیا۔ اس سفر میں ساڑھے تین ماہ کا عرصہ صرف ہوا۔

---

[۱] ذکرِ حبیب ص ۱۲۷ و امیر حزب اللہ ص ۴ - ۱۸

۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ / ۱۲ فروری ۱۹۱۷ء کو خواجہ سیّد مظفر علی شاہ کا انتقال ہوا۔ دوسرے دن ان کے سجادۂ مشیخت پر متمکن ہوئے۔

پیر سیّد محمد فضل شاہ نے عارفانہ روایات کے ساتھ اصلاح معاشرہ اور مسلمانانِ ہند کی بیداری میں بھرپور حصّہ لیا۔ انہوں نے تحریکِ خلافت کے زمانے میں سیاست میں حصّہ لینا شروع کیا اور آخر دم تک فعّال رہے۔ اُن کے کارناموں میں جماعت "حزب اللہ" کا قیام سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ ۶ رجمادی الآخر ۱۳۴۶ھ / ۳۰ ستمبر ۱۹۲۷ء کو پیر سیّد غلام حیدر علی شاہ کے سالانہ عُرس پر یہ جماعت وجود میں آئی اور پیر سیّد محمد فضل شاہ کو امیر تسلیم کیا گیا۔ پیر صاحب کے سوانح نگار ڈاکٹر عبدالغنی "حزب اللہ" کے تعارف میں لکھتے ہیں؛

"حزب اللہ خالصتاً ایک اصلاحی تحریک تھی۔ اس کا اجراء ہندوؤں یا انگریزوں کی مخالفت کے لئے عمل میں نہیں آیا تھا اور نہ یہ کسی خاص فرقہ کی حمایت کے لئے قائم کی گئی تھی بلکہ اتحاد بین المسلمین کی داعی اور علمبردار تھی۔ اس کا مقصد مسلمانوں کی انفرادی یا اجتماعی زندگی کے کسی خاص پہلو کی اصلاح نہیں تھا بلکہ یہ ایک جامع، ہمہ گیر اور ہمہ رس تحریک تھی۔ یہ تحریک ذہنی، معاشرتی، تمدّنی، اقتصادی، عملی اور اجتماعی انقلاب برپا کرنا چاہتی تھی"[1]

"حزب اللہ" نہایت متحرک اور فعّال تنظیم تھی جس کے ہزاروں رضا کار اصلاحی کاموں کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ پیر صاحب مختلف مقامات کا سالانہ دورہ کر کے تنظیم اور تحریک کو قائم رکھتے تھے۔ رسالہ "ترجمان" (گجرات) جماعت کا آرگن تھا۔

---

[1] امیر حزب اللہ ص ۲۸۳

جس میں جماعت کی سرگرمیوں کی رپورٹ باقاعدگی سے چھپتی رہتی تھی۔ ماہنامہ "صوفی" (منڈی بہاء الدین) بھی جماعت کے نصب العین کے لئے کوشاں تھا۔

"حزب اللہ" کی سالانہ کانفرنس جلالپور میں منعقد ہوتی تھی، جس میں ملک کے مایۂ ناز مقررین، اہلِ علم اور شعرائے کرام شرکت کرتے تھے۔ "حزب اللہ" نے تحریکِ پاکستان میں فعّال کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ کے حلقوں میں پیر صاحب کو عزّت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد پیر سیّد محمد فضل شاہ کی تنظیمی صلاحیتوں سے "جمعیۃ المشائخ" قائم ہوئی۔ جس کے وہ ناظمِ اعلیٰ بلکہ روح رواں تھے۔ ۱۹۴۷ء کے جہادِ کشمیر میں ان کی نگرانی میں ہزاروں رضا کاروں نے حصّہ لیا وہ قیامِ پاکستان کے بنیادی مقصد نظامِ اسلام کے قیام کے لئے کوشاں تھے کہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۶ء کو اجل کا بلاوا آگیا۔

پیر صاحب کی نرینہ اولاد میں پانچ صاحبزادے ہیں:

۱۔ پیر سیّد برکات احمد (جانشین)

۲۔ سیّد حسنات احمد

۳۔ سیّد لمعات احمد

۴۔ سیّد شفقات احمد

۵۔ سیّد جمیل احمد

پیر صاحب کے ارادت مندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ اُن کے چودہ خلفائے مجاز کا تعارف ڈاکٹر عبد الغنی صاحب نے لکھا ہے۔[۱]

۱؎ امیر حزب اللہ ص ۵۲۸-۵۴۶

پیر رشید نفس شاہ مرحوم سے کئی علمی مقالات[1] اور چند کتابیں یادگار ہیں۔ اہم ترین یہ ہیں۔

۱۔ حزب اللہ۔ جماعت حزب اللہ کا مفصل تعارف ہے۔ بعد میں اس کی تلخیص ایک رسالے کی صورت میں مرتب کی۔

۲۔ ”جمعیت المشائخ“ کا تعارف

---

[1] چند مقالات ”امیر حزب اللہ“ کے نویں باب میں درج کئے گئے ہیں۔ ص ۳۹۷۔ ۸۱۸

محمد قاسم موہڑوی

خواجہ محمد قاسم موہڑوی اندازاً ۱۸۳۹ء / ۵۵-۱۲۵۴ھ میں موہڑہ شریف تحصیل مری ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب ایران کے کیانی خاندان سے ملتا ہے۔ اُن کے اجداد میں سے ایک بزرگ اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۱۱۸ھ) کے زمانے میں واردِ ہند ہوئے۔

خواجہ محمد قاسم کا خاندان تجارت پیشہ اور دیندار تھا۔ ابھی لڑکپن ہی میں تھے کہ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ خواجہ محمد قاسمؒ نے برّصغیر کے مختلف شہروں میں تعلیم حاصل کی۔ اور اکیس سال کی عمر میں علومِ مروّجہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ اُنھوں نے راولپنڈی کے قریب موضع جگیوٹ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا اور علومِ مروّجہ کی تدریس شروع کی۔

خواجہ محمد قاسم موہڑویؒ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ نظام الدین (کیاں شریف۔ کشمیر) سے بیعت ہوئے اور اُن کے خلیفۂ مجاز تھے۔ حصولِ خلافت کے بعد موہڑہ ضلع راولپنڈی میں سکونت اختیار کی اور تبلیغِ دین و اصلاحِ اُمّت کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

خواجہ محمد قاسم موہڑویؒ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ / ۲۱ نومبر ۱۹۴۳ء کو فوت ہوئے۔ موہڑہ تحصیل مری ضلع راولپنڈی میں مدفون ہیں۔ اُن کے فرزند ارجمند پیر نظیر احمد (م ۲۸ محرم ۱۳۸۰ھ) اُن کے جانشین ہوئے۔

☆☆☆☆☆

محمد موسیٰ پاک صدیقی ملتانی

خواجہ محمد موسیٰ پاک صدیقی بن حافظ محمد حیات، خواجہ فخرالدین عراقی (م ۶۸۸ھ) کے اخلاف میں سے تھے۔ اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی۔ مولانا حافظ محمد جمال ملتانی سے نسبتِ بیعت رکھتے تھے اور اُن کے خلفائے مجاز میں شامل تھے۔

خواجہ محمد موسیٰ پاک اچھے عالم اور معروف مدرس تھے۔ سیّد محمد اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں:

"حضرت موسیٰ پاک کا علمی مشغلہ اتنا تھا کہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں ستر اسی[۸] طلبہ موجود رہتے تھے۔ بسا اوقات تفسیر پڑھاتے وقت آپ پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ تحریر کا کام کثرت سے کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ آپ نے بیسیوں کتابیں اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائیں مگر سکھوں کی لڑائی میں اکثر کتب خانہ نذرِ آتش ہو گیا"[۱]

خواجہ محمد موسیٰ پاک کے عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ نواب مظفر خان والئ ملتان کو اُن سے ارادت مندی تھی اور وہی اُن کے اخراجات کا کفیل تھا۔ ملتان کے قاضی القضاۃ محمد نادر اُن کے مخلص مرید تھے اور قاضی صاحب نے اپنے مرشدِ طریقت کے حالات میں ایک مثنوی ۱۲۵۶ھ میں مکمل کی تھی۔

خواجہ محمد موسیٰ پاک ۱۱ رجب ۱۲۶۱ھ / ۱۶ جولائی ۱۸۴۵ء کو فوت ہوئے اور حسین آگاہی (ملتان) میں دفنائے گئے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اُنہوں نے علم و ادب کی خدمات کی تھی۔

خواجہ محمد موسیٰ پاک کے فرزندِ یگانہ خواجہ محمد خدا بخش (م ۱۳۱۱ھ) تھے جو خواجہ خدا بخش خیرپوری کے مریدِ سعید تھے۔

---

[۱] اولیائے ملتان ص ۲۶۶

محمد نذر شاہ جوکالوی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد نذر شاہ جوکالوی بن سیّد نور الدین ۱۹۰۱ء/۱۹-۱۳۱۸ھ میں جوکالیاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں علم وفضل کی روایت کئی پشتوں سے چلی آرہی تھی۔ مولانا سیّد نور الدین انگریزی عہدِ حکومت میں تحصیل کے قاضی تھے۔

مولانا محمد نذر شاہ نے ابتدائی تعلیم ضلع گجرات میں حاصل کی اور دار العلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ مولانا حسین علیؒ (واں بھچراں) سے قرآن مجید کا درس لیا۔ دار العلوم دیوبند میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ سے بطورِ خاص استفادہ کیا تھا۔

مولانا موصوف کو طب سے دلچسپی تھی اور ایک عرصہ فنِ طبابت سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے رہے۔ کچھ عرصہ مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ موصوف مناظرانہ مزاج رکھتے تھے اور اختلافِ مسلک کی بنیاد پر مناظروں اور مباحثوں میں سرگرمی سے حصّہ لیتے تھے۔ نیک سیرت اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ راہِ خدا میں مال خرچ کرنے میں خوشی محسوس کرتے رہتے۔ انہوں نے اپنی آمدنی تین حصّوں میں تقسیم کر رکھی تھی۔ ایک حصّہ مسجد کے اخراجات پورے کرنے کے لئے وقف تھا۔ دوسرا حصّہ غرباء میں تقسیم کردیتے تھے اور تیسرے حصّے سے گھر کا خرچ چلاتے تھے۔

مولانا محمد نذر شاہ ۱۴ راگست ۱۹۷۲ء/ ۲۳ر جمادی الاخری ۱۳۹۲ھ کو اپنے آبائی گاؤں جوکالیاں میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔

مرحوم کی اولاد میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ اُن کے علمی آثار میں مولانا حسین علی کی امالی "بلغۃ الحیران فی ربط الآیات القرآن" کی ترتیب وتدوین شامل ہے۔

مفتی محمد نعیم لدھیانوی

(وھابی نجدی دیوبندی)

مفتی محمد نعیم لدھیانوی بن محمد عبداللہ بن عبدالقادر لدھیانہ میں ۱۸۹۰ء/۰۸-۱۳۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اِس خانوادے نے حصولِ آزادی کی تحریکوں میں جان و مال کی بھرپور قربانی دی۔ مولانا عبدالقادر نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شرکت کی تھی۔ اُن کا جذبۂ حریت اُن کی اولاد میں جاری و ساری رہا۔ دورِ آخر میں مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی (م ۱۳۷۶ھ) نے کافی شہرت حاصل کی۔ کسی شاعر نے اس خاندان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

عالموں کا خاندان ہے لدھیانے میں مقیم!
فخر جس کا ہے حبیبؔ اور ناز جس کا ہے نعیمؔ
دینِ حق کو عام کرنا اُن کا نصب العین ہے!
مصطفےٰ کا نام نامی اُن کے دل کا چین ہے
لرزہ بر اندام ہے ہر وقت اُن سے قادیاں
یہ اڑا دیتے ہیں ہر جھوٹے نبی کی دھجیاں

مفتی محمد نعیم لدھیانوی کے دادا نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف فتویٰ کفر دیا تھا۔

مفتی محمد نعیم نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے اکتسابِ فیض کیا۔ فارغ التحصیل ہوئے تو لدھیانہ میں "انجمن اصلاح دارین" کے زیرِ اہتمام ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو قیامِ پاکستان تک دینی تعلیم کا مرکز رہا۔ اس کے بعد مفتی صاحب ساہیوال آ گئے۔ یہاں مدرسے کی

تجدید کی اور علمی و دینی خدمات میں مصروف رہے۔ اُن کی پوری زندگی اسلام کی سر بلندی، اشاعتِ دین اور آزادیٔ وطن کی جدوجہد میں گزری۔ سیاسی طور پر جمعیت علمائے ہند سے وابستہ رہے۔ پاکستان میں جمعیت علمائے اسلام کے رفقاء میں شمار ہوتے تھے۔

۲۰ شوال ۱۳۹۰ھ / ۲۰ دسمبر ۱۹۷۰ء کو ساہیوال میں فوت ہوئے۔ دوسرے دن ٹوبہ ٹیک سنگھ میں دفنائے گئے۔ دارالعلوم دیوبند کی سالانہ رپورٹ میں اُن کی وفات پر مندرجہ ذیل تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے:

> "موصوف، دارالعلوم کے فاضل قدیم، متحدہ ہندوستان اور پاکستان میں علمی و دینی خدمات کی وجہ سے ممتاز و مشہور اور ہندوستان کی سیاسی تحریکات کے نامور رہنما تھے۔ زندگی کا بڑا حصّہ خدمتِ خلق میں گزارا اور ہمیشہ دینی و قومی جدوجہد میں مصروف رہے۔"[1]

مفتی صاحب سے چند اصلاحی اور تبلیغی پمفلٹ یادگار ہیں۔

---

[1] روداد عمل دارالعلوم دیوبند (۱۳۹۰ھ) ص ۳

محمد ہاشم بگھاروی

مولانا محمد ہاشم[1] بگھاروی تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی کے ایک گاؤں بگھار کے رہنے والے تھے۔ راجپوت جنجوعہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ ۲۷ رجب ۱۳۱۳ھ / ۱۴ جنوری ۱۸۹۶ء کو اپنے مولد و مسکن میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔

فوائدِ عثمانی میں اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"مردِ خلیق، مسکین الطبع و ہموارہ ہمیں آرزو می داشتند کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تا وقت زیست مرا مسکین دارد و خاتمہ بر سکنت کند و در روزِ قیامت در زمرۂ مسکیناں محشور گرداند[2]۔"

☆☆☆☆☆

---

[1] ۔ فوائد عثمانی" میں اُن کا نام "ہاشم علی" لکھا گیا ہے جو درست نہیں۔ خاندانی اندراجات کے مطابق ان کا نام "محمد ہاشم" تھا۔

[2] فوائدِ عثمانی ص ۱۵۸

مفتی محمد یار خلیقؔ

مولانا مفتی محمد یار خلیقؔ موضع جوڑہ کلاں ضلع شاہ پور میں ۱۸۲۵ء/۱۲۴۰-۴۱ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک زمیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی مکتبی تعلیم گاؤں میں حاصل کر کے حصول علم کے لئے بیربل شریف گئے۔ مدرسہ علوم شرعیہ بیربل شریف سے علوم مروّجہ کی تکمیل کی۔

ابتدائے عہدِ جوانی میں لاہور آئے۔ مدرسہ نعمانیہ میں مدرّس ہو گئے۔ اور مدرسہ کے دارالافتاء کے ناظم رہے۔ اُسی زمانے سے "مفتی" مشہور ہوئے۔ مولانا غلام محمد بگوی کے زمانے میں شاہی مسجد لاہور کے نائب خطیب مقرّر ہوئے۔ بعد میں (۱۸۷۷ء میں) سُنہری مسجد کے خطیب ہو گئے۔ مسلسل اڑتالیس سال خطابت کے فرائض انجام دے کر ۱۶ر دسمبر ۱۹۳۱ء/۵ر شعبان ۱۳۵۰ھ کو سبکدوش ہوئے۔ انجمن اسلامیہ نے اُن کا وظیفۂ حسنِ خدمت تا حیات جاری رکھا۔

ایک سو بارہ برس کی طویل عمر پا کر ۲۴ر جون ۱۹۳۷ء/۱۴ر ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ کو اچھرہ (لاہور) میں وفات پائی۔[۱] مزار اچھو موڑ کے قریب ہے۔

مفتی مرحوم بلند پایہ شاعر تھے۔ عربی، فارسی اور اُردو میں مشقِ سخن کرتے تھے۔ مذہباً حنفی نقشبندی تھے۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی کی تردید میں اُنہوں نے بہت کام کیا۔ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں ملتی ہیں:

۱۔ نافع الصلوٰۃ۔ صلوٰۃ مسعودی کا ترجمہ ہے۔

---

[۱] نقوش (لاہور نمبر) ص ۹۲۷

۲۔ سرالشہادتین (اُردو)

۳۔ مجموعہ خطب خلیق

۴۔ تفسیر قرآن مجید۔ چند اجزا شائع ہو سکے ہیں۔

مولانا کی نرینہ اولاد میں چھ صاحبزادے تھے جو اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہوئے

محمد یار

مولانا محمد یار الملقب، بہ عبدالنبی المختار بن مولانا عبدالکریم گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان میں ۱۳۰۰ھ/۸۳-۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور ابتدائی مکتبی تعلیم جلالپور میں حاصل کی۔ مولانا محمد حیات سے استفادہ کیا۔ چاچڑاں شریف میں مولانا تاج محمود سے درسِ نظامی کی آخری کتب اور دورۂ حدیث پڑھا۔

خواجہ غلام فریدؒ سے بیعت ہوئے۔ اُن کی وفات کے بعد دس سال اُن کے صاحبزادے خواجہ محمد بخش نازک سے اوراد و اشغال کی تکمیل کی اور خواجہ نازک کے فرزند خواجہ محمد معین الدین سے مجاز بیعت تھے۔[1] دوسری روایت کے مطابق، خواجہ محمد بخش نازک کے خلیفہ مولانا نور احمد فریدآبادی نے انہیں خلافت عنایت کی تھی۔[2]

ایک عرصہ چاچڑاں کے مدرسہ خانقاہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد وطنِ مالوف آ گئے اور یہاں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ جیّد عالمِ دین تھے۔ تقریر دلچسپ اور پُر سوز ہوتی تھی۔ مثنوی مولانا رومؒ سے بے شغف تھا۔

۱۴ رجب ۱۳۶۶ھ/۲۳ مئی ۱۹۴۷ء کو لاہور میں اللہ کو پیارے ہوئے اور حضرت میاں میرؒ کے احاطے میں امانتاً دفنائے گئے۔ چھ ماہ بعد اُن کا تابوت گڑھی اختیار خان منتقل کیا گیا۔

مولانا محمد یار مرحوم شعر و سخن کا ملکہ رکھتے تھے۔ "بیکس" اور "محمد" تخلص کرتے تھے۔ "دیوانِ محمدی" کے نام سے اُن کا کلام طبع ہو چکا ہے۔

---

[1] الیواقیت المہریہ ص ۱۴۷

[2] اولیائے بہاولپور ص ۲۸۳

محمد یوسف اکھوڑوی (وہابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد یوسف بن گوہر دین ضلع اٹک کے قصبہ اکھوڑی میں اندازاً ۱۹۰۲ء/۲۰-۱۹-۱۳۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں علم وفن کی روایت کئی پشتوں سے چلی آتی تھی۔ مولانا گوہر دین، عربی صرف ونحو کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے اور دُور دراز سے طلبہ کسبِ علم کے لئے اُن کے پاس آتے تھے۔

مولانا محمد یوسف نے دیوبند اور ڈابھیل کے مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ علّامہ محمد انور شاہ کاشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے معروف تلامذہ میں سے تھے۔

فقہ وحدیث میں یدِ طولیٰ حاصل تھا اور عربی زبان وادب پر ماہرانہ قدرت رکھتے تھے۔ خاموشی سے علمی وتصنیفی کام کرتے ہوئے اپنے آبائی گاؤں میں ۲۲ رجب ۱۹۶۴ء/۱۳۸۳ھ میں فوت ہوئے۔

مرحوم سادگی پسند، متحمل مزاج اور خوش اخلاق انسان تھے۔ اُن کی حسبِ ذیل تصنیفات معلوم ہو سکی ہیں۔

۱۔ حاشیہ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ۔ (عربی) نصب الرایہ علّامہ جمال الدین، ابو محمد عبداللہ بن یوسف، الحنفی الزیلعی (م ۷۶۲ھ) کی چار جلدوں میں ضخیم تالیف ہے۔ مولانا محمد یوسفؒ کا یہ حاشیہ طبع مصر (۱۹۳۸ء) کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ نیز علمائے حدیث پر اُن کی ایک طویل نظم اس کتاب میں شامل ہے۔

۲۔ الوسائل المالیۃ للدولۃ الاسلامیہ (اسلامی حکومت کے مالی ذرائع)

۳۔ کتاب الوراثت

۴۔ تذکرۃ التابعین (غیر مطبوعہ)

۵۔ عربی زبان کی ایک نامکمل لغت

مولانا محمد یوسف عربی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے۔ اپنے اُستادِ گرامی مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کی وفات پر طویل مرثیہ لکھا[1] جس کے چند اشعار یہ ہیں:

امسی غریبًا فی الدیار کما بدا ۔۔۔ من موت من ہو حامل القرآن
من موت من قد کان اعلم عصرہٖ ۔۔۔ فیشیخ الحدیث وصاحب الاتقان
نبکی امام الحق مولانا الذی ۔۔۔ ورث النبی و علمہ الربانی
مولی الانام و غرۃ الایام ۔۔۔ وخلاصۃ الاعوام والازمان!
او کوکب یجلو بطلعۃ الدجی ۔۔۔ او شامۃ فی ... وجنۃ الاکوان

---

[1] نفحۃ العنبر فی حیات الانور ص ۲۵۱ ۔ ۲۵۴

محمود گنجوی

مولانا محمود گنجہ نزد لالہ موسیٰ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ اُنہوں نے مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) سے علمی و دینی استفادہ کیا تھا۔ اپنے علاقے کے بلند پایہ حنفی علماء میں شمار ہوتے تھے اور اہلِ تشیع سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔ اُنہوں نے عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ جس میں اہلِ تشیع کی امہات الکتب موجود تھیں۔ سات دن بخار میں مبتلا رہ کر ۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ / ۵ر دسمبر ۱۹۲۶ء کو گنجہ میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔

مولانا محمود کی قلمی یادگاروں میں "طریق السالکین" ایک اہم کتاب ہے جو تصورِ شیخ کے مسئلے پر لکھی گئی ہے۔

مولانا محمود کے جانشین اُن کے صاحبزادے مولانا سلطان احمد ہوئے۔ مولانا محمود کی رحلت پر مدیر "النجم" (لکھنؤ) نے مولانا سلطان احمد کے بارے میں لکھا تھا:

> "مرحوم کے صاحبزادے مولوی سلطان احمد سلمہ اللہ تعالیٰ انشاءاللہ اُن کے سچے جانشین ثابت ہوں گے۔ اُنہوں نے اپنے والد کے انتقال کی خبر دی اور مسرت کی بات ہے کہ عربی زبان میں اُنہوں نے خط بھیجا ہے۔"[1]

مولانا سلطان احمد، شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگردوں میں سے تھے۔ اُنہوں نے اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی فاضل" کی سند بھی حاصل

---

[1] پندرہ روزہ "النجم" بابت ۷ر۲۱ر رجب ۱۳۴۵ھ

کی تھی۔ اپنے والدِ مرحوم کی زندگی ہی میں تدریس کرنے لگے تھے۔ بیسیوں اہلِ علم نے اُن سے استفادہ کیا۔

مولانا سلطان احمد، اپنے والدِ ماجد کی رحلت کے چند ماہ بعد فوت ہو گئے تھے۔

محی الدین احمد قصوری (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا محی الدین احمد قصوری بن مولانا عبدالقادر قصوری ۱۸۸۹ء/۷۔۔۱۳۰۶ھ میں قصور میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالقادر قصوری معروف وکیل اور سیاست دان تھے اور اہلحدیث مکتبِ فکر کے ممتاز راہنماؤں میں سے تھے۔ مولانا محی الدین احمد نے ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔ کچھ عرصہ لار کالج لاہور میں داخل رہے۔ اُن کے والدِ ماجد اُنہیں بیرسٹر دیکھنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لئے لندن بھجوا رہے تھے مگر اُنہوں نے وکالت کا پیشہ پسند نہ کیا اور قومی تحریکوں میں حصّہ لینے لگے۔

پہلی عالمی جنگ کے زمانے میں کلکتہ چلے گئے اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کی سرپرستی میں ایک روزنامہ "اقدام" جاری کیا۔ مولانا آزاد کو بنگال سے اخراج کا حکم سرکار ملا اور وہ رانچی (بہار) چلے گئے۔ "اقدام" کو مولانا آزاد کی براہِ راست نگرانی حاصل نہ رہی۔ اس کے ساتھ مختلف صوبائی حکومتوں نے اپنی حدود میں "اقدام" کا داخلہ بند کر دیا۔ اخبار بند ہو گیا اور وہ واپس وطن آ گئے۔

جوں ہی قصور پہنچے اُنہیں گرفتار کر لیا گیا اور ہوشیار پور جیل میں رہے۔ جنگ ختم ہونے پر رہا ہوئے۔ قصور آئے تو راولٹ ایکٹ کے خلاف مظاہروں میں شامل ہونے کی وجہ سے دوبارہ گرفتار ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد رہا ہوئے تو ملک کی فضا بگڑی ہوئی تھی۔ اتحاد و تعاون کے بجائے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں چل رہی تھیں۔ اُنہوں نے تبلیغ دین کے لئے کام شروع کیا۔ "جمعیت دعوت و تبلیغ" کی نظامت سنبھالی اور پونہ میں دعوتی کام کرنے لگے۔ ایک یتیم خانہ قائم کیا اور اپنی تمام توجہات اِن کاموں پر مرکوز کر دیں۔

مولانا محی الدین احمد، مولانا آزاد کے نیاز مند تھے اور مولانا آزاد بھی اُن سے اخلاص و محبت رکھتے تھے۔ وہ سرحد پار مجاہدین کی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتے تھے۔ اُنہیں مالی اعانت بھجواتے تھے۔ اس ذوق و جذبہ کے تحت، مولوی محمد ولی (فتوحی والے) کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد بھی کی تھی۔

قیام پاکستان کے بعد لاہور میں مقیم ہو گئے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے قائم کردہ تصنیفی ادارے "ادارہ اشاعت السنہ" کے ناظم رہے۔ جمعیت اہل حدیث کی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتے تھے۔

۱۶ر ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ/ ۲۴ر جنوری ۱۹۷۱ء کو لاہور میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اُن کی حسبِ ذیل تحریری کاوشیں معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ ترجمہ سورۂ نور (امام ابن تیمیہؒ)

۲۔ ترجمہ صراطِ مستقیم (شاہ اسماعیل شہیدؒ)

۳۔ ترتیب و تقدیم "تقویت الایمان" (تالیف شاہ اسمٰعیل شہیدؒ)

پیر مراد شاہ لاہوری

پیر مراد شاہ لاہوری[1] بن پیر کرم شاہ (المعروف بہ سیتا شاہ) بن شیخ ابوالفتح (المعروف بہ شاہ جیو) لاہور کے مشہور سہروردی بزرگ حضرت شاہ عبدالجلیل چوہڑ بندگی (م ۱۰۹۱ھ) کے اخلاف میں سے تھے۔ پیر کرم شاہ اپنے وقت کے بلند پایہ مشائخ میں سے تھے۔ ۱۱۹۶ھ / ۸۲-۱۷۸۱ء میں سکھ گردی سے تنگ آکر لکھنؤ چلے گئے۔ تقریباً پانچ سال کے قیام کے بعد واپس وطن آرہے تھے کہ ۱۲۰۱ھ / ۸۷-۱۷۸۶ء میں شاہجہانپور کے نزدیک قزاقوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[2]

پیر کرم شاہ کے چاروں صاحبزادوں۔ پیر مراد شاہ، پیر قلندر شاہ، پیر سکندر شاہ، اور پیر فرخ بخش نے علمی و دینی میدان میں نام پیدا کیا۔ پیر سکندر شاہ اور پیر فرخ بخش، نے دین و تصوف کی نسبت ادب و شعر کی زیادہ خدمت کی۔ پیر مراد شاہ اور پیر قلندر شاہ نے ادب و شعر کے پہلو بہ پہلو دینی کام بھی کیا۔

پیر مراد شاہ ۱۱۸۴ھ / ۷۱-۱۷۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کے ہمراہ لکھنؤ کا سفر کیا۔ واپسی پر لاہور میں سکونت اختیار کی۔ پیر غلام دستگیر نامی نے انہیں عابدِ

---

[1] اصل نام غلام رکن الدین تھا۔ تاریخ جلیلہ ص ۲۳۹

[2] حالات کے لئے ملاحظہ ہوں:

خزینۃ الاصفیا، جلد ۲، ص ۱۱۵-۱۱۶

حدیقۃ الاولیا، ص ۱۷۸

تاریخ جلیلہ ص ۲۲۵-۲۳۶

بے ریا، مجاہدِ بے ہمتا اور صاحبِ تصانیف باہرہ[1] قرار دیا۔

پیر مراد شاہ نے سلسلۂ سُہروردیہ میں خرقۂ خلافت اپنے والدِ ماجد سے پہنا تھا۔ اُن کی رحلت کے بعد مراد شاہ اور اُن کے برادرِ خورد پیر قلندر شاہ نے شیخ بدر الدین رُہتکی (م ۱۲۰۵ھ) سے بیعت کی۔

پیر کرم شاہ کی ناگہانی رحلت کے بعد اُن کے پس ماندگان بریلی چلے گئے تھے۔ پیر مراد شاہ اور اُن کے برادر خورد پیر قلندر شاہ نے لکھنؤ، الٰہ آباد اور محمد آباد و بنارس کے اہلِ علم سے استفادہ کیا۔ اُن کے اساتذہ میں شاہ اجمل الٰہ آبادی کا نام بہت نمایاں ہے۔

پیر مراد شاہ ۵ محرم ۱۲۱۵ھ / ۳۰ مئی ۱۸۰۰ء کو لاہور سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں "مردانہ" میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ مزار کے دروازے پر زیرِ محراب حسبِ ذیل قطعہ تاریخ نصب ہے[2]:

میتا شاہ کے بیٹے غلام رکن الدین !
شباب جن کا تھا پیری سے خوش تر و ذی شان
شبِ جمعہ تھی محرم کی پانچویں تاریخ
ہوئے نمازِ عشا میں وہ سُوئے خلد رواں
سروشِ عالم غیبی نے داد (۹) دی نامی
جو بولے قلندر شاہ مرادِ بخشِ جہاں

۱۲۰۶ھ

۹ + ۱۲۰۶ = ۱۲۱۵ھ

---

[1] تاریخ جلیلہ ص ۲۳۹
[2] ایضاً ص ۲۴۲

پیر مراد شاہ فارسی اور اُردو کے ایک کامیاب شاعر تھے۔ حافظ محمود خان شیرانی (م ۱۳۶۴ھ) اُن کی اُردو شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ان کی طبیعت غزل سے بہتر مثنوی پر جمتی ہے۔ اس میدان میں وہ کسی سے کم نہیں اور اہلِ ہندوستان کے دوش بدوش ہیں۔ متواتر سات سال ہندوستان میں رہنے کی بنا پر زبان بالکل صاف ہو گئی ہے۔ سلاست اور روانی کے علاوہ کلام میں پختگی موجود ہے۔"[۱]

پیر مراد شاہ کی حسبِ ذیل تالیفات ہیں:

۱۔ دیوانِ مراد۔ پیر مراد شاہ کا دیوان غزلیات جو ۱۲۵ غزلوں، ۴۲ رباعیوں اور چند متفرق قطعات اور اشعار پر مشتمل ہے۔ انجمن ترقی اُردو ہند (دہلی) کے مجلہ "اُردو" بابت جولائی ۱۹۴۶ء میں پیر غلام دستگیر نامی کے دیباچہ کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔

۲۔ نامۂ مراد (منظوم) لکھنؤ کے زمانۂ قیام میں ۱۱۹۶ھ/۸۲-۱۷۸۱ء میں عزیزانِ وطن کے نام خط۔

۳۔ مثنوی مراد العاشقین (تصوّف)

۴۔ نامِ مریداں (ترجیع بند)۔ فارسی

۵۔ مثنوی مراد المحبتین (قصّہ چہار درویش)

۶۔ مثنوی نگس نامہ۔ نامۂ مراد کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

بطور نمونۂ کلام مثنوی "نگس نامہ" کے چند ابتدائی شعر نقل کئے جاتے ہیں جن میں "لاہور" کی تعریف کی گئی ہے:[۲]

---

[۱] پنجاب میں اُردو ص ۳۲۸

[۲] نامۂ مراد ص ۲۲، پنجاب میں اُردو ص ۳۲۹-۳۳۰

شہر لاہور قبۂ اسلام   روشن آفاق میں ہے جس کا نام

خوبی اس کی تھی شہرۂ آفاق   حسن کا اُس کے تھا جہاں مشتاق

اصفہان ہے جو ایک نصف جہاں   خوبیوں میں نہ تھا کچھ اس سے کلاں

دور و نزدیک تھا یہی مشہور   اپنے نزدیک تھا بہت سا دُور

تھا عمارت سے یہ قوی بنیاد   ربع مسکوں میں افتخارِ بلاد

تھا بہشتِ بریں بروئے زمین   عجب انسان تھے اس مکاں کے مکیں

ایک سے ایک تھے دو صد چنداں   سب ملائک صفت ولے انساں

اولیاء و مشائخ و سادات   علماء اک سے اک ستودہ صفات

شاعرِ و شعر فہم لائقِ شعر   طبع موزوں فہم لائق شعر

شہر تھا یہ کہ کانِ علم و ادب   کان کیا بلکہ جانِ علم و ادب

مرتضیٰ احمد خان میکش

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش بن میر احمد خان، افغان قبیلہ "درّانی" کے گوہر تابندہ تھے۔ وہ محرّم ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں جالندھر کے ایک گاؤں "بھدم" میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان علمی روایت کا حامل تھا۔

اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی۔ جالندھر میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ دورانِ تعلیم میں سیاسی تحریکوں میں حصّہ لینا شروع کیا۔ جلیانوالہ باغ امرتسر کے حادثے کے بعد پورے ملک میں اشتعال پھیلا ہوا تھا۔ اسلامیہ کالج کے طلبہ لاہور کے مظاہروں میں پیش پیش رہتے تھے۔ جلوس نکالتے، پولیس سے ٹکر لیتے، پتھراؤ کرتے اور سختیاں جھیلتے تھے۔ مولانا میکش ان مظاہروں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے۔ ۱۹۱۹ء کے اواخر میں ترکِ تعلیم کر کے روزنامہ "زمیندار" میں نیوز ایڈیٹر مقرر ہو گئے۔[۱] تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے زمانے میں ہجرتِ افغانستان کی تحریک کا بڑا زور تھا۔ ہزاروں مسلمان اپنے اثاثے اور جائیدادیں اونے پونے داموں فروخت کر کے افغانستان جا رہے تھے۔ میکش صاحب بھی سوئے افغانستان چل پڑے۔

افغانستان میں خوست کے مقام پر جنرل نادر خان (جو بعد میں بادشاہ بنے) کے بھائی شاہ محمود خان کے ہمراہ قیام پذیر رہے۔ شاہ محمود خان کو اُن سے بڑی محبت تھی اور اُن کی انگریز دشمنی کی وجہ سے ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ تحریکِ ہجرت کسی نظم و ضبط

---

[۱] صحافت ۔ پاکستان و ہند میں ص ۴۱۴

اور منصوبہ بندی کے فقدان کی وجہ سے ناکام ہوئی تو مولانا میکش اپنے ایک، دو ساتھیوں کے ساتھ قبائلی علاقے کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے بنوں کے راستے وطن آ گئے۔ اُن کے ساتھی مردان کے رہنے والے تھے۔ وہ مردان پہنچنے پر گرفتار کر لئے گئے اور جالندھر میں مولانا میکش بھی گرفتار ہو گئے بعد میں خاندان کے بااثر افراد کی کوششوں سے رہا ہوئے۔

دوبارہ تعلیم کے بہانے لاہور آ گئے مگر کسی کالج کا رُخ کرنے کے بجائے صحافت کے "مدرسۂ زمیندار" میں نام درج کرا لیا۔ مولانا میکش کہا کرتے تھے کہ زمیندار مدرسۂ صحافت، اور ظفر علی خان اس کے پرنسپل تھے[1] ان دنوں ادارت مولانا غلام رسول مہرؔ کے ہاتھ میں تھی، ۱۹۲۷ء میں مولانا مہرؔ اور عبدالمجید سالکؔ نے زمیندار سے الگ ہو کر "روزنامہ انقلاب" جاری کیا۔ مولانا میکش بھی ادارۂ انقلاب میں شامل ہو گئے۔ نیوز ایڈیٹر تھے اور "انقلاب" کے سنڈے ایڈیشن کی ترتیب و تدوین اُن ہی کے سپرد تھی۔ اس کام میں عبدالحکیم خان نشترؔ جالندھری اُن کے رفیقِ قلم تھے۔[2]

روزنامہ "انقلاب" میں مولانا میکش کے قلم سے بہت سے معرکہ خیز مقالات نکلے۔ ۱۹۲۸ء میں اُنہوں نے "ہندی مسلمانوں کے لئے الگ وطن" کے عنوان سے سلسلۂ مضامین لکھا۔ اس کے دو سال بعد علامہ اقبالؒ نے الہ آباد میں مشہور خطبۂ صدارت پیش کیا۔ کچھ عرصہ بعد "انقلاب" سے واپس ادارۂ زمیندار میں شامل آ گئے۔

۱۹۲۹ء میں افغانستان میں امان اللہ خان کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور امان اللہ خان کو یورپ میں رہنا پڑا۔ میکش صاحب نے ہفت روزہ "افغانستان" (فارسی)

---

[1] ظفر علی خان (ادیب و شاعر) ص ۳۱۷

[2] کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشان تذکرے ص ۲۹۹

میں امان اللہ خان کے حق میں پُرزور مضامین لکھے۔ دونوں کے درمیان خط وکتابت بھی ہوتی تھی۔ جب جنرل نادر خان نے بچہ سقہ کے خلاف جدوجہد کی تو مولانا میکش اُن کے ہمنوا تھے مگر حالات بہتر ہونے پر نادر خان نے امان اللہ خان کو حکومت نہ لوٹائی اس لئے اُسی زور شور سے مخالفت شروع کر دی، جس زور شور سے حمایت کی تھی۔

افغانستان کی نئی حکومت کو امان اللہ خان اور مولانا میکش کی باہمی مراسلت کا علم تھا۔ حکومت نے مولانا سے امان اللہ خان کے خطوط حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں تحریص وترغیب کے حربے آزمائے گئے مگر اس مرد درویش نے تمام پیشکشوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ آخر افغان حکومت نے دوسرا حربہ استعمال کیا اور وہ خطوط دفتر "افغانستان" سے چوری کر لئے گئے۔

۱۹۳۲ء میں قانون تعلقاتِ خارجہ نافذ ہوا۔ جس کے مطابق ملک معظّم کی دوست ریاستوں کے خلاف پروپیگنڈا جرم قرار دیا گیا۔ مولانا میکش نے حکومتِ افغانستان کے خلاف قلمی مہم جاری رکھی اور دو سال قید کی سزا پائی۔

۱۹۳۴ء میں روزنامہ "احسان" (لاہور) جاری ہوا تو مولانا میکش اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ چار سال تک یہاں کام کرنے کے بعد ایک نیا اخبار "شہباز" نکالا۔ قیام پاکستان کے بعد روزنامہ "مغربی پاکستان" اور "نوائے پاکستان" کی ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ جناب عبدالسلام خورشید نے دنیائے صحافت میں اُن کا مقام متعیّن کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مولانا میکش اعلیٰ پائے کے اداریہ نگاروں میں شمار ہوتے تھے۔ سیاسی مسائل کو خوب سمجھتے تھے اور لکھنے کا ڈھنگ جانتے تھے۔ وقتاً فوقتاً کوئی مہم چلا دیتے تھے، جس سے اداریئے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی۔ اُن میں جرأت اور بے باکی بھی موجود تھی، ترشی اور تلخی بھی

تھی۔ دلیل کا عنصر بھی موجود تھا۔ سنجیدگی اور توازن کا دامن بھی نہیں چھوڑتے
تھے اس لئے اداریہ نگاری کے میدان میں نمایاں تھے[۱]

۱۹۵۳ء کی "تحریک ردِ قادیانیت" میں نمایاں حصہ لیا اور ایکشن کمیٹی کے رُکن تھے
گرفتار ہوئے اور قید و بند کی صعوبتوں سے گزرے۔

اس تحریک کے بعد اخباری دنیا سے الگ ہو کر علمی و تعلیمی کاموں میں منہمک ہو گئے
پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ دائرہ معارف اسلامیہ سے بطور مترجم اور شعبۂ صحافت سے
بطور لیکچرار وابستہ رہے۔

زندگی بھر بے باک، بے خوف اور اصول پرست رہے اور اپنی اصول پسندی کی
وجہ سے مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے۔ عُسرت میں زندگی گزار دی مگر چند ٹکوں کے لئے
قلم فروشی اختیار نہ کی۔

تصوّف کا ذوق رکھتے تھے۔ مولانا نواب الدین چشتی[۲] سے بیعت تھے[۳]
مولانا میکش سیاسی طور پر دو قومی نظریہ کے پُرجوش داعی تھے۔ روزنامہ "احسان"
(لاہور) مسلم لیگ کا ہم نوا تھا اور اُنہوں نے خود بھی تقسیم ہندوستان کا تصور پیش کیا تھا
۱۹۴۶ء میں بنارس میں منعقد ہونے والی "آل انڈیا سنی کانفرنس" میں شریک ہوئے تھے
اور اُن کی پیش کردہ قرار دادیں پاس کی گئی تھیں[۴]

مولانا میکش ۲۷ جولائی ۱۹۵۹ء/ ۲۱ محرم ۱۳۷۹ھ کو حرکتِ قلب بند ہو جانے سے
فوت ہوئے۔

۱۔ صحافت۔ پاکستان و ہند میں ص ۴۵۷
۲۔ اپنے دور کے ایک مردِ حق آگاہ، مشہور نعت گو، حافظ مظہر الدین اُن ہی کے فرزند ہیں۔
۳۔ کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشان تذکرے ص
۴۔ تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۵۱۷

مرحوم سے مندرجہ ذیل تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ تاریخ اقوام عالم

۲۔ تاریخ اسلام (چار جلدیں)

۳۔ اسلام اور معاشی اصلاحات

۴۔ تصویر و تدبیر

۵۔ اخراجِ اسلام از ہند

۶۔ البرز شکن گُرز المعروف مرزائی نامہ

۷۔ الہامی افسانے

۸۔ دو دِل (مجموعہ کلام اُردو)

مطیع الرضا خان قادری

مولانا مطیع الرضا خان قادری ۲۹ر ستمبر ۱۹۲۷ء/۲ر ربیع الآخری ۱۳۴۶ھ کو چندوسی ضلع مراد آباد کے ایک پٹھان قبیلے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ضلع علی گڑھ اور بریلی کے مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا امجد علی مؤلف "بہارِ شریعت"، مفتی اعجاز ولی خان اور مولانا عبد المصطفیٰ ازہری سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔ قادری سلسلۂ طریقت میں مولانا حامد رضا خان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اُن سے بے پایاں عقیدت رکھتے تھے۔

مولانا مطیع الرضا خان نے تحریکِ پاکستان میں ایک فعال کارکن کی حیثیت سے کام کیا تھا اور "چندوسی" میں مسلم لیگ کو مقبول بنانے میں اُن کا اہم حصّہ تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد راولپنڈی آ گئے اور طارق آباد۔ راولپنڈی میں سکونت اختیار کی۔ طارق آباد کی جامع مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ یہیں انہوں نے دینی درس گاہ "مدرسہ رضویہ" اور مطب "قادری دواخانہ" قائم کیا۔ مولانا موصوف خوش گفتار خطیب، اچھے مدرّس اور حاذق طبیب تھے۔ اچھا شعری ذوق رکھتے تھے اور اچھی نعت کہتے تھے۔

۴ر اپریل ۱۹۷۹ء/۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ کو اختلاجِ قلب کی بیماری میں فوت ہوئے اور راولپنڈی میں دفنائے گئے۔

☆☆☆☆☆

مظہر علی اظہر

(وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا مظہر علی اظہر بن محمد عبداللہ ۱۸۹۵ء/۱۳۱۲-۱۳ھ میں بٹالہ ضلع گورداسپور کے ایک کشمیری خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان تحصیل شکر گڑھ کے گاؤں کھجروڑ سے نقلِ مکانی کر کے بٹالہ گیا تھا۔

مولانا مظہر علی نے ایم۔بی ہائی سکول بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔ لاء کالج سے ایل۔ایل۔بی کی سند لی۔ ۱۹۱۸ء میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۱۹ء میں راولٹ ایکٹ کے خلاف پورے ملک میں احتجاج ہوا۔ اسی احتجاج میں مولانا مظہر علی گرفتار ہوئے اور چند ماہ قید رہے۔ دسمبر ۱۹۲۹ء/۱۳۴۸ھ میں مجلسِ احرارِ اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ مولانا مظہر علی اس کے بانیوں میں سے تھے اور پہلے جنرل سیکرٹری چُنے گئے تھے۔ ۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی میں جیل گئے۔ جولائی ۱۹۳۱ء میں باہر آئے اور پہلی احرار کانفرنس کی مجلسِ استقبالیہ کے صدر تھے۔

مولانا موصوف مجلس احرارِ اسلام کے چوٹی کے راہنماؤں میں شمار ہوتے تھے۔ تحریکِ کشمیر میں اُنہوں نے نمایاں کام کیا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں مجلسِ احرارِ اسلام کا ایک وفد مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں حجاز گیا تھا۔ مولانا اس وفد کے ایک اہم رُکن تھے۔ دوسری عالمگیر جنگ میں فوجی بھرتی کے خلاف راولپنڈی میں ایک تقریر کرنے کے الزام میں گرفتار ہوئے اور پسِ دیوارِ زنداں رہے۔

مولانا مظہر علی اظہر ایک وکیل، کامیاب سیاسی راہنما اور صاحبِ قلم تھے۔ اُن کی حسبِ ذیل تالیفات معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ تحریکِ مدحِ صحابہؓ

۲۔ ہمارے فرقہ وارانہ فیصلے کا استدراج
۳۔ ستیارتھ پرکاش اور مرزا غلام احمد
۴۔ مسٹر جناح اور تحریک شہید گنج
۵۔ جدوجہدِ آزادی میں احرار کا حصّہ

☆☆☆☆☆

خواجہ معظّم دین مرولوی

خواجہ معظم دین بن میاں محمد یار ۱۲۴۷ھ/۳۲-۱۸۳۱ء میں "مرولہ" تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ پیرا قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ اس قبیلے کے بیشتر افراد قصبہ لالیاں ضلع جھنگ میں آباد ہیں۔ خواجہ معظم دین کے جدامجد لالیاں سے ترکِ سکونت کر کے موضع گھنگوال آئے پھر وہاں سے موجودہ مستقر "مرولہ" منتقل ہوئے۔

خواجہ صاحب موصوف کے والد پڑھے لکھے بزرگ تھے تاہم اُن کی تربیت میں حافظ محمد امین کا زیادہ حصّہ ہے۔ حافظ محمد امین، خواجہ صاحب کے ماموں تھے اور حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے ارادت مند تھے۔ خواجہ صاحب اُن ہی کی وساطت سے تیرہ سال کی عمر میں خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے بیعت ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی۔ قرآن حفظ کیا اور فنِ تجوید میں مہارت حاصل کی۔ پیرِ طریقت خواجہ شمس الدینؒ سے شرح وقایہ، لوائح جامی، مرقع کلیمی اور مشکوٰۃ سبقاً سبقاً پڑھیں۔

سترہ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے لئے عازمِ سفر ہوئے۔ لاہور میں بیگم شاہی مسجد اور مسجد نیلا گنبد میں مقیم رہے۔ لاہور سے دہلی گئے اور آخر میں بمبئی جاکر تکمیلِ علوم کی۔ خواجہ معظم دین محنتی اور ذہین طالب علم تھے اور اپنے اساتذہ کے منظورِ نظر تھے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اُن کے اساتذہ کے نام نہیں مل سکے۔

تکمیلِ علوم کے بعد سیر و سیاحت اور حج کا فریضہ ادا کرنے چل پڑے۔ پہلے ترکی گئے اور استانبول کے کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ اُن کے تبحّرِ علمی اور وسعتِ معلومات نے علمائے ترکی کو اُن کا گرویدہ بنادیا۔ علمائے ترکی نے اُن کی

عزت افزائی یوں کی کہ ایک پُر وقار تقریب میں سلطان ترکی کی جانب سے "شمس العلماء" کی اعزازی سند اور مرصع پیغہ پیش کیا۔ ترکی سے عراق، شام، فلسطین اور مصر ہوتے ہوئے ارضِ حجاز پہنچے اور فریضۂ حج ادا کیا۔

شوال ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۹ء میں سیر و سیاحت سے واپس آئے اور سیال شریف میں سکونت اختیار کی۔ خانقاہ کے انتظامات، فتویٰ نویسی اور صاحبزادگانِ خانقاہ سیال کی تعلیم و تربیت اُن کے سپرد تھی۔

خواجہ شمس الدین سیالوی نے خلافت سے سرفراز کیا۔ حضرت سیالوی کی رحلت (۱۳۰۰ھ) کے بعد آبائی وطن "مرولہ" منتقل ہوئے جو اُن کی اصلاحی سرگرمیوں سے "مرولہ شریف" مشہور ہوا۔

مرولہ شریف میں ایک ہندو خاتون نے اُن کی اصلاح و تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اُسی نومسلم سے اُن کا عقد ہوا اور ستر سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے فرزند محمد حسین مرولوی عنایت کیا۔

۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ/ ۲۰ر جولائی ۱۹۰۷ء کو وفات پائی۔ میاں عبداللہ سیالوی نے حسبِ ذیل مادہ ہائے تاریخ وفات کہے ع

زتاریخ وصالِ شان ہمیں است
معظّم دین قطبِ اہلِ دین است!

۱۳۲۵ھ

نیز

ازاں مدت کہ عالم محوِ رنج است
زہجرت سیزدہ صد بست و پنج است[1]

---

[1] ہو المعظم ص ۱۷۳

خواجہ معظّم دین کی رحلت کے وقت خواجہ محمد حسین کی عمر آٹھ سال تھی۔ قاضی محی الدین نے اُن کے جوان ہونے تک خانقاہ کا نظم و نسق بخیر و خوبی چلایا۔ خواجہ مرحوم کے حسب ذیل خلفاء کے نام معلوم ہو سکے ہیں:

۱۔ خواجہ محمد حسین مرولوی (فرزند م ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ/۲۳ر جون ۱۹۴۲ء)

۲۔ قاضی محی الدین

۳۔ میاں شہاب الدین فیروز پوری (م ۱۳۵۲ھ)

۴۔ پیر نادر علی شاہ جالندھری

۵۔ پیر سید ضامن علی شاہ بیڈڑوی (ہزارہ)

۶۔ میاں سراج الدین ساکن برج آگرہ ضلع گجرات

۷۔ میاں امام الدین کفردی

سیّد مغفور القادری

سیّد مغفور القادری بن سیّد سردار احمد گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے تھے۔ اسی مردم خیز قصبے میں ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں سادات کے ایک خانوادے میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "مغفور" رکھا گیا۔ اُن کا پدری سلسلۂ نسب سیّد عثمان مروندی المعروف بہ لعل شہباز قلندر (م ۶۷۳ھ) سے ملتا ہے اور مادری سلسلہ اوچ کے معروف بخاری خاندان پر منتہی ہوتا ہے۔

سیّد مغفور القادری کا خاندان علم و فضل اور شریعت و طریقت کا امین تھا۔ اُن کے جدِ امجد سیّد محمد جعفر شاہ نوابین گڑھی اختیار خان کے اصرار پر شکارپور (سندھ) سے نقلِ مکانی کر کے آئے تھے۔ سیّد سردار احمد جیّد عالمِ دین، اعلیٰ درجے کے خطاط اور سندھی و سرائیکی کے شاعر تھے۔

سیّد مغفور القادری بچپن میں ماں کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ والدِ ماجد نے اُن کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اُنہوں نے نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ گڑھی اختیار خان کے مفتی محمد حیات اور مولانا عبدالکریم ہزاروی ثم بھرچونڈوی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مدرسہ شمس العلوم بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا سراج الدین لکھن بیلوی سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو بھرچونڈی (سندھ) چلے گئے۔ حافظ محمد عبداللہ بھرچونڈوی (م ۱۳۴۶ھ) سے بیعت ہوئے اور دارالعلوم بھرچونڈی کی مسندِ درس و اُستاد پر فائز ہوئے۔ درس و تدریس کے ساتھ سندھ کے دیہی علاقوں میں وعظ و تبلیغ

کرتے اور اپنے مذہبی مخالفین سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔

بھرچونڈی میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ درمیان میں ایک سال کیلئے راشدی خانوادۂ سندھ کے ایک صاحبزادے سیّد رحم شاہ مرحوم کی تعلیم کے لئے سکھر میں مقیم رہے۔

سیّد مغفور القادری تحریکِ پاکستان کے پُرجوش کارکُن تھے۔ اُنہوں نے پیر عبدالرحمان بھرچونڈوی کی قائم کردہ "جماعت احیاء الاسلام" کے ذریعے دو قومی نظریہ کے حق میں فضا ہموار کی۔ اُنہوں نے جماعت کا اخبار "الجماعت" شکارپور سے جاری کیا۔ "جماعت احیاء الاسلام" نے سندھ کے اکثر اہم مقامات پر کانفرنسیں منعقد کیں اور تحریکِ پاکستان کے مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

سیّد مغفور القادری نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اکتیسویں سالانہ جلسہ منعقدہ کراچی (۲۴، ۲۵، ۲۶ نومبر ۱۹۴۳ء / صفر ۱۳۶۲ھ) میں شرکت کی اور اُنہوں نے "جماعت احیاء الاسلام" کے نائب صدر اور نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اسے آل انڈیا مسلم لیگ میں مدغم کر دیا۔ اس کے بعد اپنی تمام صلاحیتیں مسلم لیگ کے لئے وقف کر دیں۔ خود بھرچونڈی سے حیدرآباد آ گئے۔ مشائخ کو منظّم کرنے کی خاطر "تنظیم المشائخ" قائم کی۔ اِسی دوران میں ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء / جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ کو آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس منعقد ہوئی۔ سیّد مغفور القادری پیر عبدالرحمان بھرچونڈی اور سندھ کے زعماء ایک سو افراد کے ساتھ شریک ہوئے۔

سیّد مغفور القادری نے تحریک مسجد منزل گاہ سکھر (۱۹۳۹ء) میں بھرپور حصّہ لیا تھا۔ سکھر کی یہ مسجد ہندو آبادی میں گھری ہوئی تھی۔ ہندو مسلمانوں کو آبادیٔ مسجد سے روکنا چاہتے تھے۔ مسلمان "کعبہ کی بیٹی" کو ذلیل ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ حالات خراب ہو گئے۔ حکومتِ سندھ نے جانبدارانہ مداخلت کی کوشش

کی تو مجلس احرارِ اسلام میدان میں آ گئی۔ مقامی طور پر سید مغفور القادری اور دوسرے علماء نے مسجد آباد کرنے پر زور دیا۔ بالآخر حکومتِ سندھ نے ایک تحقیقاتی بورڈ مقرر کیا جس نے مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دی۔

قیامِ پاکستان کے بعد سید مغفور القادری وطنِ مالوف میں آ گئے۔ یہاں بھی دینی و علمی خدمات میں مصروف رہے، جامع مسجد میں وہی خطبہ دیتے تھے۔ جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یار خان میں ایک سال تدریس بھی کی۔ ذیابیطس میں مبتلا تھے اور اسی بیماری میں ۵ صفر ۱۳۹۰ھ / ۱۲ اپریل ۱۹۷۰ء کو وفات پائی۔ اگلے دِن پیر عبدالرحیم بھرچونڈوی (م ۱۲ ستمبر ۱۹۷۱ء / ۱۳۹۱ھ) نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے والد گرامی سید سردار احمد کے پہلو میں دفنائے گئے۔ سید شریف احمد شرافت نوشاہی نے قطعۂ تاریخ کہا۔ جس کا آخری شعر یہ ہے ع

شرافت چوں پرسند سالِ وصال
بگو، ہادیٔ عصر مستور شُد

۱۳۹۰ھ

سید مغفور القادری نے حسبِ ذیل کتابیں تالیف کی ہیں:

۱۔ عباد الرحمان (تذکرہ مشائخ بھرچونڈی)

۲۔ تنویر العینین فی تقبیل الابہامین (سندھی۔ غیر مطبوعہ)

۳۔ الرسول (غیر مطبوعہ) سیرت پر ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے، اسی کا ابتدائی خاکہ ہے۔

۴۔ کلامِ مغفور (غیر مطبوعہ) سید صاحب فارسی، اُردو اور سرائیکی کے کامیاب شاعر تھے۔ ابتدائی دَور میں ساغر تخلص کرتے تھے۔ بعد میں مغفور، غفیر اور غفور تخلص کرنے لگے۔

ان پر مستزاد "الجماعت" (شکارپور) کے صفحات پر بکھرے ہوئے بیسیوں مضامین ہیں۔

سید مغفور القادری مرحوم نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کیں، پہلی زوجہ سے نرینہ اولاد میں صاحبزادہ سید کاظم القادری پیدا ہوئے۔ دوسری اہلیہ سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حیات ہیں۔ سید محمد فاروق القادری اُن کے علمی جانشین ہیں۔

سیّد ممتاز علی دیوبندی (وهابی نجدی دیوبندی)

شمس العلماء مولانا سیّد ممتاز علی بن سید ذوالفقار علی ۲۷ ستمبر ۱۸۶۰ء/۲۲ ربیع الاولیٰ ۱۲۷۸ھ کو برصغیر کے معروف علمی مرکز دیوبند میں پیدا ہوئے۔ وہ حضرت امام رضا کی اولاد میں سے تھے۔ اُن کے جدِ اعلیٰ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے (۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء تا ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) میں بخارا سے نقلِ مکانی کر کے برصغیر میں وارد ہوئے اور ضلع انبالہ کے قصبہ جگادھری میں آباد ہوئے۔ کچھ عرصے بعد اس خاندان کے ایک بزرگ سیّد ہاشم علی نے جگادھری کو چھوڑ کر دیوبند کو وطن بنا لیا۔ اُن ہی کے بھانجے میر ستار علی کے فرزند سیّد ذوالفقار علی تھے۔

سیّد ممتاز علی نے تعلیم کے ابتدائی مراحل دیوبند میں طے کئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ) سے استفادہ کیا تھا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن (م ۱۳۳۹ھ) کے ہم درس تھے۔ دیوبند کے بعد اُنہوں نے راولپنڈی، سرسہ، فیروز پور اور لاہور میں تعلیم حاصل کی، جہاں اُن کے والدِ ماجد بسلسلہ ملازمت تعینات رہے تھے۔

۱۸۷۶ء/۱۲۹۳ھ میں لاہور آ گئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول اور گورنمنٹ کالج میں جدید تعلیم حاصل کی۔ یہ وہ دور تھا جب جدید تعلیم کے ساتھ آزاد خیالی لازمی تھی۔ عیسائی مبلّغ حکومت کے زیرِ سایہ زور شور سے عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے اور مغالطے پیدا کرتے تھے۔ بہت سے جدید تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں میں تشکیک کے اثرات نظر آتے تھے۔ نوجوان سیّد ممتاز علی بھی اس مرحلے سے گزرے۔ اُسی زمانے میں سر سیّد احمد خان سے متعارف ہوئے اور اُن کے اندازِ نظر کے معترف ہو گئے۔

۱۸۸۴ء/ ۰۲-۱۳۰۱ھ میں گورنمنٹ کالج سے بی۔اے کا امتحان دیا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ بی۔اے میں ناکامی کے بعد انہوں نے دوبارہ امتحان دینے اور کالج میں پڑھنے کا خیال چھوڑ دیا اور اسی سال پنجاب چیف کورٹ میں بطور مترجم ملازم ہو گئے، سات سال بعد ملازمت سے استعفا دے دیا۔ اور ہمہ تن تصنیف و اشاعتِ کتب میں مصروف ہو گئے۔

۱۸۹۸ء کے آغاز (۱۳۱۵ھ) میں "رفاہ عام پریس" کے نام سے ایک مطبع قائم کیا اور ایک اشاعتی ادارے "دارالاشاعت پنجاب۔ لاہور" کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے نے اُردو ادب اور علم کی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں۔ "دارالاشاعت پنجاب" کے زیرِ اہتمام مفید جرائد جاری رہے۔

تہذیب النسواں:

مولانا ممتاز علی نے خواتین کے لئے رسالہ ہفت روزہ "تہذیب النسواں" جاری کیا۔ مدیرہ اُن کی اہلیہ محمدی بیگم تھیں۔ اوّلیں شمارہ یکم جولائی ۱۸۹۸ء/ ۱۱ صفر ۱۳۱۶ھ کو شائع ہوا۔ ۱۹۲۸ء/ ۴۷-۱۳۴۶ھ میں اس کا ماہوار ایڈیشن بھی چھپنے لگا۔ عورتوں میں تعلیم کا شوق پیدا کرنے اور اُن کی اصلاح میں "تہذیب النسواں" نے بڑا کام کیا۔ افسوس تقسیم ہند کے بعد یہ مفید پرچہ بند ہو گیا۔

محمدی بیگم ۲ نومبر ۱۹۰۸ء/ ۷ شوال ۱۳۲۶ھ کو فوت ہوئیں تو پرچہ مولانا ممتاز علی کی صاحبزادی وحیدہ بیگم کی ادارت میں چھپنے لگا۔ اُن کی رحلت کے بعد مولانا کی بہو (اہلیہ سیّد حمید علی) آصف جہاں نے ادارت کی حتیٰ کہ رسالہ بند ہو گیا۔

پھول:

بچوں کا اخبار "پھول" ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۹ء/ ۲۸ شعبان ۱۳۲۷ھ کو جاری ہوا، اور

۱۹۵۷ء/۷۷-۱۳۷۶ھ تک پورے اڑتالیس برس باقاعدگی کے ساتھ ہر ہفتے شائع ہوتا رہا۔ "پھول" نے آسان زبان اور نفیس کتابت وطباعت کا جو معیار اور رکھ رکھاؤ قائم کیا وہ بچوں کے کسی دوسرے اخبار کو حاصل نہ ہو سکا۔

"پھول" کی پہلی مدیرہ بنت نذر الباقر تھے۔ اُن کے بعد مولانا ممتاز علی نے خود فرائض ادارت انجام دیئے۔ "پھول" کے مدیروں میں برصغیر پاک و ہند کے معروف ادیب مولانا عبد المجید سالک (م ۱۳۷۹ھ)، ابوالاثر حفیظ جالندھری، حفیظ ہوشیار پوری (م ۱۳۹۲ھ) احمد ندیم قاسمی، راجہ مہدی علی خان اور غلام عباس۔ کے نام ملتے ہیں۔

تالیف واشاعت:

پندرہ روزہ "تالیف واشاعت" ۱۹۰۲ء/۲۱-۱۳۲۰ھ میں جاری ہوا۔ اس کے مقاصد میں اعلیٰ درجے کی مطبوعات پر تنقید و تبصرہ شامل تھا۔

تالیفات:

مولانا سید ممتاز علی عربی زبان کے فاضل، فارسی ادب میں کامل اور انگریزی زبان کے اعلیٰ مترجم تھے۔ اُردو صحافت کی تاریخ میں اُن کا نام ہمیشہ یاد رہے گا۔ اُن کی تصنیفات کی فہرست یہ ہے:

۱۔ تفصیل البیان فی مقاصد القرآن

قرآن مجید کی آیات، موضوعات کے اعتبار سے ترجمہ کے ساتھ یکجا کی ہیں۔ کتاب سات حصّوں پر مشتمل ہے جو الگ الگ طبع ہوئے۔

۲۔ حقوق نسواں
۳۔ سبیل الرشاد
۴۔ ثبوت واجب الوجود
۵۔ خزینۃ الاسرار
۶۔ شیخ حسن
۷۔ تذکرۃ الانبیاء
۸۔ ترجمہ زاد المعاد
۹۔ ترجمہ المنقذ من الضلال (امام غزالی)

۱۰۔ خیر المقال ۱۱۔ ولادتِ مسیح

۱۲۔ رد الملاحدہ ۱۳۔ فارسی آموز

۱۴۔ اربعین

ان کے علاوہ پرائمری اور مڈل کے طلبہ کے لئے اُردو کی نصابی کتابیں مرتب کی تھیں۔

مولانا سید ممتاز علی مسلم یونیورسٹی کورٹ علی گڑھ اور پنجاب یونیورسٹی سینٹ کے سالہا سال رُکن رہے۔ اُن کی علمی، تعلیمی اور قومی خدمات کے پیشِ نظر حکومتِ ہند نے ۱۹۳۴ء/ ۱۳۵۳ھ میں اُنہیں "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔ جس کے ایک سال بعد ۱۵ر جون ۱۹۳۵ء/ ۱۳ر ربیع الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کو وفات پائی اور حسبِ وصیت دیوبند میں دفنائے گئے۔

مولانا سید ممتاز علی نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کیں۔ پہلی اہلیہ سے ایک صاحبزادی وحیدہ بیگم اور ایک صاحبزادے حمید علی پیدا ہوئے۔ دوسری اہلیہ محمدی بیگم سے امتیاز علی تاج (معروف مصنف، م ۱۳۸۹ھ) پیدا ہوئے۔

حکیم منوّر الدین

مولانا حکیم محمد منوّر الدین بن ملک فتح خان بھوچھال ضلع جہلم کے رہنے والے تھے
انہوں نے مولانا غلام رسولؒ (ساکن بھترال ضلع اٹک) سے صرف عربی پڑھی تھی۔ مولانا غلام رسول
پنجابی زبان میں "صرف" پڑھاتے تھے اور پورے پنجاب میں اُن کی شہرت تھی۔ ان کی
وفات کے بعد اُن کے اندازِ تدریس کو مولانا محمد منوّر الدین نے اپنا لیا۔

مولانا منوّر الدین نے اپنے استاد کی امالی کو فارسی میں منتقل کیا تاکہ "صرفِ بھترال"
کا فیض پنجاب سے باہر عام ہو سکے۔ مولانا منوّر الدین جامع مسجد سوتر منڈی لاہور میں خطیب
تھے۔ ۱۳۵۱ھ میں "صرف بھترال معروف بہ مرآۃ بھوچھال" مرتب کی۔ دیباچہ میں
لکھتے ہیں:

"قوانین این کتاب از نقائص و اغلاط مبرّی اند و مفصّل بیان شدہ اند
زیرا آنچہ حضرت (غلام رسول مرحوم) دریں کارِ خیر سعی بلیغ کردہ بود ندو حاجت
بسوئے کتاب دیگر از کتابہائے صرف نیفتد و ترتیب ہم اعلیٰ است کہ در
کتابِ دیگر ندیدہ شد و کمی کہ در متقدمہ بود آن مکمل کردم"[1]

مولانا حکیم منوّر الدین کے مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

---

[1] صرف بھترال ص ۴

مہدی خطائیؔ (شیعہ رافضی اهل تشیع)

ملا مہدی خطائی شاگرد ملا محمد مقیم لاہور کے شیعہ عالم تھے۔ نور احمد چشتی نے سید رجب علی ارسطو جاہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ملا مہدی کے شاگرد تھے۔ سید رجب علی (ولادت: ۱۲۲۱ھ) بارہ سال کی عمر میں جگراؤں سے لاہور آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۳۳ھ/۱۸-۱۸۱۷ء میں ملا مہدی خطائی لاہور میں مقیم تھے اور طلبہ اُن کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ملا مہدی خطائی کے استادِ گرامی حُر عاملی علم حدیث کے بلند مرتبت عالم تھے۔ اور "وسائل الشیعہ" (حدیث) اُن کی یادگار ہے۔ ملا مہدی کے توسّط سے لاہور میں ایک اہم سلسلۂ سند کا فیض پھیلا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ملا مہدی خطائی کے بارے میں ہماری معلومات کچھ زیادہ نہیں ہیں۔

☆☆☆☆☆

سیّد مہر علی شاہ گولڑوی ؒ

پیر سیّد مہر علی شاہ بن سیّد نذر دین شاہ بن سیّد غلام حیدر شاہ بن سیّد روشن دین یکم رمضان ۱۲۷۵ھ / ۱۴ اپریل ۱۸۵۹ء کو گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے[1] ۔ اُن کا سلسلۂ نسب ۲۵ ویں پشت میں شاہ عبدالقادر جیلانی بغدادی ؒ سے جا ملتا ہے۔ اُن کی نانی حضرت سیّد جلال الدین بخاری اوچی کی اولاد میں سے تھیں۔ پیر سیّد مہر علی شاہ کے اجداد میں سے سیّد روشن دین پہلے شخص تھے جنہوں نے گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کی۔

پیر سیّد مہر علی شاہ کے خاندان میں علم و عمل کی اچھی روایات چلی آ رہی تھیں۔ اُنہوں نے مقامی مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ غلام محی الدین ہزاروی سے درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد بھوئی (ضلع راولپنڈی) جا کر مولانا محمد شفیع کے درس میں شامل ہوئے اور دو سال اُن کی خدمت میں رہ کر صرف و نحو کی متوسط کتب اور منطق میں "قطبی" پڑھی۔ یہاں سے انگہ (ضلع سرگودھا) گئے اور مولانا سلطان محمود سے استفادہ کیا۔ راستے میں میکھی ڈھوک (ضلع اٹک) رُکے مگر مولانا سلطان محمود کی کشش اس قدر غالب تھی کہ یہاں قیام نہ کیا۔ انگہ میں اڑھائی سال مقیم رہے اور درسِ نظامی کی اکثر و بیشتر کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۹۰ھ / ۷۴-۱۸۷۳ء میں وسطِ ہند کا سفر کیا۔ مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) سے استفادہ کے لئے کانپور حاضر ہوئے مگر وہ سفرِ حج کے لئے پا بہ رکاب تھے۔ اس لئے کانپور سے علی گڑھ چلے گئے جہاں مولانا لطف اللہ علی گڑھی (م ۱۳۳۴ھ)

---

[1] مہر منیر ص ۶۱

کی مسندِ تدریس سجی ہوئی تھی۔ مولانا لطف اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے ریاضی کی کتب عالیہ کا درس لیا۔ ۲½ سال بعد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) کے پاس حاضر ہوئے اور الصحیحین کا درس لیا اور ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں اُن سے سندِ حدیث حاصل کی۔[1] اس طرح بیس سال کی عمر میں علومِ متداولہ کی تحصیل کر لی۔

پیر سید مہر علی شاہ کے اُستادِ گرامی مولانا سلطان محمود انگوی، حضرت شمس الدین سیالوی کے مریدِ خاص تھے۔ اُن کے توسط سے پیر صاحب نے بھی حضرت سیالویؒ کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

علومِ مروّجہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو سیر و سیاحت کے لئے وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ تین چار سال لاہور میں مقیم رہے۔ اُن کا قیام حافظ محمد دین (کشمیری بازار) کے ہاں تھا۔ زیادہ وقت دریائے راوی کے کنارے ریاضت و عبادت میں گزارتے تھے یا شیخ الٰہی بخش کتب فروش کی دکان پر گزرتا تھا۔ اُن کی علمی وجاہت کے پیشِ نظر انجمن نعمانیہ لاہور نے اُن کی خدمات مدرسہ نعمانیہ کے لئے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ۱۳۰۱ھ/۸۴-۱۸۸۳ء میں اُنہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ طلبہ شاہی مسجد لاہور کے حجروں میں رہتے تھے اور وہ درس کے لئے مسجد حاضر ہو جاتے تھے۔ قیامِ لاہور کے بعد مالیر کوٹلہ، ملتان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے اضلاع کے سفر کئے۔ اسی زمانے میں اجمیر شریف بھی گئے۔

۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ مکّہ معظّمہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی (بانی مدرسہ صولتیہ مکّہ معظّمہ) سے ملاقات ہوئی۔ مدرسہ صولتیہ کے مدرّس مولانا محمد غازی پیر صاحب کے علم و تقویٰ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ اُن کے ہمراہ گولڑہ شریف

---

[1] مہر منیر ص ۸۱

آ گئے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ) کے درسِ مثنوی میں شریک ہوئے۔ پیر صاحب نے مسئلہ وحدت الوجود کے موضوع پر ایسی علمی اور پُر تاثیر گفتگو کی کہ حاجی صاحب نے خوش ہو کر سلسلۂ چشتیہ صابریہ کا شجرہ لکھ کر عنایت کیا۔ پیر صاحب لکھتے ہیں:

"بوقت زیارتِ بیت اللہ کے حاجی امداد اللہ صاحب کہ اہل کشف و کرامت تھے خود ہی نعمتِ باطنی بخشنے کو اس عاجز کی طرف متوجّہ ہوئے۔ ہمارے دل میں خیال آیا کہ جو چہرہ ہم نے دیکھا ہے وہ جہان میں نظر نہیں آتا۔ اُن کے کمال اصرار کے بعد کہا گیا کہ ہم کو تو حاجت نہیں لیکن آپ کی عنایت بھی جو آپ کی رضامندی سے ہے بغیر مشکور نہیں اور نیز یہ عنایت بھی ہم اپنے شیخ کی جانب سے جانتے ہیں۔ بعدہٗ اُنہوں نے سلسلۂ صابریہ اکرام فرمایا"[۱]

حاجی صاحب نے پیر صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ جلد ہندوستان واپس چلے جائیں کیونکہ "ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے"۔ چنانچہ پیر صاحب اِس مشورے کے مطابق قیام حرمین کا ارادہ ترک کر کے واپس وطن آ گئے۔ حضرت حاجی صاحب کے کشف کو پیر صاحب "مرزائے قادیانی کے فتنہ" سے تعبیر کرتے تھے۔[۲]

پیر صاحب نے مرزائے قادیانی کے فتنے کی روک تھام کے لئے "سخنے، قدمے اور قلمے" کام کیا۔ اُنہوں نے ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں ایک رسالہ "شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیحؑ" لکھا۔ اُن کی یہ کوشش بہت پسند کی گئی۔ مولانا عبدالجبار

---

۱ مقالاتِ مرضیہ ص ۱۷۲

۲ ایضاً ص ۱۰۴

غزنوی رح (م ۱۳۳۱ھ) نے پیر صاحب کو لکھا:

"کتاب شمس الہدایت در ردِ ملاحدۂ دہر و زنادقۂ عصر خذلہم اللہ از نظر احقر گذشت ساز مطالعہ اش حظّ وافر و خیرِ ظاہر برداشتم"[1]

مرزا صاحب نے کتاب کا کوئی جواب دینے کے بجائے ۲۲ رجولائی ۱۹۰۰ء/ ۲۳ ربیع الاولیٰ ۱۳۱۸ھ کو ایک طویل اشتہار چھاپ دیا اور پیر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے عربی زبان میں تفسیر نویسی کا چیلنج داغ دیا۔ پیر صاحب نے چیلنج قبول کرتے ہوئے لکھا کہ مرزا صاحب علماء و صوفیاء کو دعوتِ مبازرت دیتے رہتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ علماء سے اپنے دعاوی اور عقائد پر گفتگو کریں اور اگر وہ عربی زبان میں مہارت دکھانے پر بضد ہیں تو وہ اس کے لئے بھی حاضر ہیں۔ اشتہار بازی کے بعد ۲۴ راگست ۱۹۰۰ء/ ۲۷ ربیع الاخریٰ ۱۳۱۸ھ کو شاہی مسجد لاہور میں مناظرہ طے پایا۔ پیر صاحب اور دوسرے علماء شاہی مسجد میں وقتِ مقررہ پر پہنچ گئے مگر مرزا صاحب نے راہِ فرار اختیار کی۔[2] اس کے بعد مرزا صاحب نے تفسیر سورۂ فاتحہ (اعجاز المسیح) شائع کر کے اپنی بات رکھنے کی کوشش کی مگر پیر صاحب نے "سیفِ چشتیائی" میں مرزا صاحب کی عربی دانی کی قلعی کھول دی۔ پیر صاحب نے صرف و نحو، لغت، بلاغت و معانی اور منطق کے قواعد کی رو سے "اعجاز المسیح" کی اغلاط گنائی ہیں نیز سرقہ، تحریف اور التباس کے تقریباً یک صد اعتراضات کئے ہیں جو آج تک قائم ہیں۔ "سیف چشتیائی" کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی رح (م ۱۳۶۲ھ) نے اپنی تفسیر "بیان القرآن" (زیر سورہ نساء آیت ۱۵۷) میں لکھا ہے کہ:

---

[1] بحوالہ مہر منیر

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مہر منیر (سوانح حیات پیر مہر علی شاہ گولڑوی رح)

"حیات و موتِ عیسوی کی بحث میں کتاب سیفِ چشتیائی قابلِ مطالعہ ہے"

اسی طرح مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ نے اپنی تالیف "عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسے علیہ السلام" کے دیباچہ میں اس کی تعریف کی ہے۔

پیر سید مہر علی شاہ نے مولانا عبدالاحد خانپوری کے ساتھ بعض مسائل میں اختلاف کیا اور دونوں طرف سے رسالہ بازی ہوئی: نذر و نیاز، سماع موتیٰ اور استمداد وغیرہ ان رسائل کے موضوعات تھے۔

پیر صاحب صوفی صافی اور فلسفۂ وحدت الوجود پر گہری نظر رکھنے والے تھے۔ شیخ اکبر ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کے رمز شناس تھے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اس مسئلے کے لئے اُن کی طرف رجوع کیا۔ انہیں ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیشِ نظر مقاصد کے لئے کھٹکایا جائے"[۱]

پیر صاحب ۲۹ ؍ صفر ۱۳۵۶ھ / ۱۱ ؍ مئی ۱۹۳۷ء کو فوت ہوئے اور گولڑہ شریف میں دفنائے گئے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق (فارسی - ۱۳۱۵ھ)
۲۔ شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح (۱۳۱۷ھ)
۳۔ سیفِ چشتیائی (۱۳۱۹ھ)
۴۔ اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان "ما اھل بہ لغیر اللہ" (۱۳۲۲ھ)
۵۔ الفتوحات الصمدیہ (۱۳۲۵ھ)

۶۔ تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ (غیر مطبوعہ)

۷۔ فتاویٰ مہریہ

۸۔ مکتوباتِ مہریہ

پیر صاحب پنجابی اور فارسی میں کبھی کبھی نعتیہ اشعار کہتے تھے اور مہرؔ تخلص کرتے تھے۔
اُن کی اس پنجابی نعت سے شاید ہی کوئی پنجابی بولنے والا ناآشنا ہو ؎

کِتھے مہر علی کِتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کِتھے جا لڑیاں

مہر محمد اچھروی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا مہر محمد اچھروی بن عبداللہ ۱۳۱۴ھ/۹۷-۱۸۹۶ء میں بمقام چوکھنڈی ضلع اٹک پیدا ہوئے۔ ابھی آٹھ سال کے تھے کہ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ تھوہا محرم خان میں ابتدائی مکتبی تعلیم حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد نوشاب میں حافظ عطار الرسول سے حفظِ قرآن مکمل کیا۔ استاد مکرم حافظ عطار الرسول کی وفات پر بچوں کو قرآن (حفظ و ناظرہ) پڑھانے لگے۔

مولانا مہر محمد جس علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہاں شاید ہی کوئی گھرانہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد فوج میں ملازم نہ تھا۔ مولانا موصوف بھی اس سماجی پس منظر میں فوج میں چلے گئے۔ ایک دفعہ چند قیدی اُن کی نگرانی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہے تھے کہ راستے میں قیدی بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس "نااہلی" کی بنیاد پر اُن کی ملازمت ختم کر دی گئی۔

فوج سے الگ ہو کر دینی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ فارسی درسیات بندیال (ضلع سرگودھا) میں مولانا سلطان محمود سے پڑھیں۔ اس کے بعد قاضیاں (مظفر گڑھ) کے مولانا غلام حسین اور مولانا غلام محمد گھوٹوی سے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا گھوٹوی بغرضِ حج ارضِ حجاز تشریف لے گئے تو اُن کی عدم موجودگی میں مولانا غلام رسول (ساکن انہی) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولانا گھوٹوی کی واپسی پر اُن سے سندِ فراغ حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور میں صدر مدرس مقرر ہوئے درمیان میں کچھ عرصہ ستو کی (مضافات لاہور) میں مقیم رہے۔ آخر دم تک جامعہ فتحیہ سے

وابستہ رہے۔ ۲، ربیع الاخری ۱۳۷۴ھ/ ۲۹، نومبر ۱۹۵۴ء کو فوت ہوئے اور جامعہ فتحیہ کے قریبی قبرستان میں دفنائے گئے؛

مولانا مرحوم بلند پایہ عالم اور کامیاب مدرّس تھے۔ اُن کے تلامذہ نے علمی اور دینی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا عطا محمد بندیالوی
۲۔ مولانا غلام مہر علی گولڑوی (چشتیاں) مؤلف "الیواقیت المہریہ"
۳۔ مولانا غلام رسول (فیصل آباد)
۴۔ مولانا محمد مہرالدین
۵۔ مولانا محمد عبدالحق (لاہور)
۶۔ مولانا عنایت اللہ چشتی (کالاباغ)

سیّد میر حسن سیالکوٹی

مولانا سیّد میر حسن بن سیّد شاہ محمد سیالکوٹ کے دیندار خانوادۂ سادات کے چشم و چراغ تھے۔ ۸، اپریل ۱۸۴۴ء/ ۲۹، ربیع الاولی ۱۲۶۰ھ کو اپنے ننھیال فیروز والا ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے "رونق بخش" تاریخی نام ہے۔

مولانا میر حسن کے والد ماجد عالم دین اور حاذق طبیب تھے۔ اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اور قرآن مجید والد ماجد سے پڑھا۔ بعض کتابیں پسرور کے ایک عالم مولانا شیر محمد سے پڑھیں جو سیالکوٹ کے بازار "دو دروازہ" کی مسجد میں امام تھے۔ ان کے علاوہ کسی کے سامنے باضابطہ زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا۔ اپنے ذاتی مطالعہ، لگن اور علمی انہماک سے بلند مرتبہ حاصل کیا۔

مولانا موصوف کے والد چاہتے تھے کہ وہ طب کو ذریعہ معاش بنائیں مگر انہوں نے اشاعتِ علم اور تدریس کو اپنے لیے پسند کیا۔ ابتدا میں چند روز ایک مسجد میں فرائضِ امامت ادا کیے مگر جلد ہی سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ میں ملازمت مل گئی۔ یہی سکول بعد میں کالج بنا اور مولانا میر حسن عربی اور دینیات کے پروفیسر رہے۔

فرائضِ منصبی کے علاوہ طلبہ کو عربی و فارسی پڑھاتے تھے۔ اُن کا طریقۂ تدریس ایسا تھا کہ طلبہ میں ادب و شعر کا صحیح ذوق پیدا ہو جاتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ فارسی کے ایک شعر کی تشریح کرتے ہوئے اُردو اور پنجابی کے کئی مترادف شعر پڑھ دیتے اور اس وقت تک سمجھاتے رہتے جب تک مطلب واضح نہ ہو جاتا۔

موصوف درس و تدریس اور علمی مشاغل کے علاوہ رفاہی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہتے تھے۔ ۱۹۱۲ء کے اختتام پر انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کے صدر چُنے گئے۔ انجمن کے تاریخ نگار کے الفاظ میں "یہ انجمن کی خوش قسمتی تھی کہ اس کو آغاز سے ہی ایسے نامور انسان کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا جس کی وجہ سے انجمن کی شہرت میں غیر معمولی اضافہ

ہوا[1] ۲۵ اپریل ۱۹۱۳ء کو عہدۂ صدارت سے مستعفی ہو گئے تاہم نئے انتخابات تک فرائضِ صدارت انجام دیئے۔ اُن کا جانشین اپریل ۱۹۱۴ء کو منتخب ہوا۔

مولانا میر حسن راسخ العقیدہ حنفی المسلک[2]، درویش صفت انسان تھے۔ رواداری میں اپنی مثال آپ تھے۔ اُن کے شاگردوں میں ہندو، سکھ، مسلمان اور عیسائی سب ہی شامل تھے۔ تحریکِ علی گڑھ کے ہم نواؤں میں سے تھے اور پنجاب کے اُن دو چار افراد میں سے تھے۔ جن پر سر سید احمد خان کو اعتماد تھا۔ ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ کالج کا سنگِ بنیاد رکھا گیا تھا اس تقریب میں مولانا موصوف بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے تھے۔

سادہ زندگی گزارتے تھے۔ مطالعہ کے رسیا تھے۔ ہر اہم کتاب دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ جہاں کہیں نایاب یا کمیاب کتاب پاتے۔ خرید لیتے اور اگر خریدنے کی استطاعت نہ ہوتی تو اُسے نقل کر لیتے تھے۔ قلمی کتابوں کی نقلیں تو اُنہوں نے بے شمار کی تھیں۔ عبدالمجید سالک مرحوم نے لکھا ہے :

"اقبال لاہور میں پروفیسر تھے۔ اس زمانے میں کہیں سیالکوٹ جانا ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب قلوگل کی نجوم الفرقان کو نقل کر رہے ہیں۔ پوچھا حضرت آپ اس مطبوعہ اور ضخیم کتاب کو نقل کرنے کی زحمت کیوں فرماتے ہیں؟ جواب دیا کروں، اس کی قیمت پچیس روپے ہے اور مجھ میں مقدرت نہیں۔ اقبال نے اُسی وقت نجوم الفرقان خرید کر نذر کی[3]"

مولانا موصوف کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی

---

[1] تاریخ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ ص ۲۵

[2] تاریخ سیالکوٹ ص ۱۰۲

[3] ذکرِ اقبال ص ۲۷۵

سے ارادت مندانہ تعلقات تھے۔ سر سید احمد خان، مرزا غلام احمد قادیانی (جو ایک عرصہ سیالکوٹ میں مقیم رہے تھے)، حکیم نورالدین قادیانی وغیرہ سے مراسم تھے۔ ۱۳۴۱ھ میں حکومت نے انہیں "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔

روایت ہے کہ جب علامہ اقبال کو باقاعدہ خطاب دینے سے پہلے گورنر پنجاب میک لیگن نے "نائٹ ہڈ" کا خطاب قبول کر لینے کے لیے بلایا تو انہوں نے اپنے استاد محترم سید میر حسن کا نام پیش کیا کہ انہیں "شمس العلماء" کا خطاب دیا جائے اور جب گورنر نے ان کی کسی تصنیف کا پوچھا تو علامہ اقبال نے جواب دیا کہ وہ خود ان کی زندہ تصنیف ہیں۔ چنانچہ گورنر نے خطاب دیئے جانے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

علامہ اقبال نے یہ شرط بھی پیش کی کہ مولانا کو سند کے لیے لاہور آنے کی زحمت نہ دی جائے۔ چنانچہ یہ شرط بھی مان لی گئی اور مولانا کے خطاب کی سند ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سید نقی علی شاہ نے حاصل کی۔ اور انہوں نے یہ سند اپنے والدِ محترم کو سیالکوٹ پہنچائی۔

مولانا پچاسی سال کی عمر پا کر ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء/۲۰ ربیع الآخر ۱۳۴۸ھ کو سیالکوٹ میں فوت ہوئے۔ تمام شہر ماتم کدہ بن گیا۔ ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے رنج و غم کا اظہار کیا۔ مرحوم کی وصیت کے مطابق مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے میت کو غسل دیا اور نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اُن کا مزار بڑی عید گاہ کے قریب حاجی ڈاکٹر فیروزالدین صاحب کے قبرستان کے نزدیک واقع ہے۔[1]

مولانا مرحوم کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل نام بہت نمایاں ہیں:

۱۔ علامہ محمد اقبال

---

[1] تاریخِ سیالکوٹ ص ۱۰۶

۲۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

۳۔ مولانا ظفر اقبال

۴۔ منشی غلام قادر فصیح

۵۔ مولوی احمد دین ریڈر

۶۔ محمد مسیح پال (امین حزیں سیالکوٹی)

محمد نبی بخش حلوائیؒ

مولانا محمد نبی بخش حلوائی ۱۸۶۰ء/۷۷-۱۲۷۶ھ میں لاہور کے ایک ارائیں خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدِ ماجد میاں محمد وارث دہلی دروازے کے اندرونی محلہ (اکبر منڈی) میں رہائش پذیر تھے اور کھیتی باڑی پر گزر اوقات تھی۔

مولانا محمد نبی بخش کے خانوادے میں کوئی علمی روایت نظر نہیں آتی۔ وہ دس برس کے ہوئے تو محلّے کے ایک حلوائی کی شاگردی میں دے دیئے گئے۔ حلوائی کی دکان پر کام کرنے کے ساتھ مسجد میں قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ فطری دینی ذوق اور علمی دلچسپیوں سے علومِ دینیہ پڑھنے شروع کئے۔ مدرسہ فتحیہ اچھرہ، مدرسہ غوثیہ تکیہ سادھواں اور مدرسہ نعمانیہ میں وقتاً فوقتاً زیرِ تعلیم رہے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ اُن کی رحلت پر پیر جماعت علی شاہ ثانی لاثانی علی پوری سے تجدیدِ بیعت کی تھی۔ مولانا محمد نبی بخش اصلاح و تبلیغ کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے اندازِ دعوت و تبلیغ میں بے پناہ کشش رکھی تھی۔ ابتدا میں گاؤں گاؤں جا کر وعظ کہتے تھے اور پنجابی زبان میں خطاب کرتے تھے۔ مولانا غلام دستگیر قصوری نے اُن کے شعری ذوق اور اصلاحی جذبے کے پیشِ نظر قرآن پاک کی منظوم پنجابی تفسیر لکھنے کا حکم دیا اور بسم اللہ کا ترجمہ یوں کیا ؎

اسم اللہ دے نال شروع ہے جو بخشش دا سائیں
کامل مہر محبت والا پالے آخر تائیں

مولانا محمد نبی بخش نے پندرہ جلدوں میں "تفسیر نبوی" مکمل کی۔ جس زمانے میں

تفسیر لکھ رہے تھے۔ دہلی دروازے کے باہر حلوا بیچا کرتے تھے۔ اُن کی زندگی کا یہ پہلو اسلاف کی یاد تازہ کرتا ہے۔

اُنہوں نے اپنی تمام جائیداد تفسیرِ نبوی کی اشاعت اور کوتوالی کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں صرف کر دی۔ لاہور کے معاصر علمائے اہلِ سنّت سے گہرے مراسم رکھتے تھے۔ وسیع المطالعہ بزرگ تھے۔ عربی اور فارسی زبانوں پر کامل عبور تھا۔ مثنوی مولانا روم سے والہانہ لگاؤ تھا اور تصنیف و تالیف کا اچھا سلیقہ رکھتے تھے۔ ۱۹۴۴ء/۱۳۶۳ھ میں لاولد فوت ہوئے۔[1] جناب ابو طاہر فدا حسین فداؔ نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا:

ہو گئے واصل بحق یاں ہمدمو
عالمِ ذی مرتبت وہ دیں پناہ
بندۂ حق، صاحبِ فضل و کمال
عظمتِ علم و حکم کے بادشاہ
الفتِ خیر البشر کے فیض سے
خُلد میں داخل ہوئے با عز و جاہ
کہہ گیا ملہم فداؔ سے سالِ وصل
از سر الہام "مغفورِ الٰہ"

۱۳۶۲ +

۱۳۶۳ھ

مولانا مرحوم کا جاری کردہ مدرسہ، مسجد اور خانقاہ یادگار ہیں۔ مرحوم کے فیض یافتگان

---

[1] جناب شرف قادری صاحب نے سالِ وفات ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء لکھا ہے (تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۵۴۶) مگر قطعۂ تاریخ سے سالِ رحلت ۱۳۶۳ھ برآمد ہوتا ہے۔

میں مولانا بانع علی نسیم، حافظ محمد عالم سیالکوٹی اور جناب اقبال احمد فاروقی کے نام نمایاں ہیں

مولانا نبی بخش کی تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ تفسیر نبوی (پنجابی منظوم، تالیف ۱۳۱۰ھ تا ۱۳۵۱ھ)

۲۔ شفار القلوب

۳۔ رسالہ اربعہ

۴۔ رسالہ جمعہ

۵۔ اظہار انکار المنکرین من صلوٰۃ المجبین

۶۔ الامتیاز بین الحقیقت والمجاز

۷۔ الثار الحامیہ لمن ذم المعاویہ رض

۸۔ انواع نبوی

۹۔ جامع الشواہد

۱۰۔ قصص المحسنین

۱۱۔ اطلاع الناس فی طلاق الثلاث

۱۲۔ احسان الاموات فی صدقات والاسقاط

۱۳۔ سبیل الرشاد فی حق الاستاد

۱۴۔ تحقیق الزبان فی آداب المشائخ والاخوان

نجم الدین ڈھریالوی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا نجم الدین بن مولانا احمد دین ۱۲۸۶ھ/۷۰-۱۸۶۹ء کے لگ بھگ ڈھریالہ جالپ ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، موضع بھیرت ضلع سرگودھا میں بغرض تعلیم مقیم رہے۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند سے علوم دینیہ کی تکمیل کی اور سند فضیلت حاصل کی۔

مولانا نجم الدین نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی پاس کیے تھے۔ اپریل ۱۹۱۹ء تا ۱۹۳۵ء اورینٹل کالج لاہور میں بطور ہیڈ مولوی (مولوی اول) تدریسی خدمات انجام دیں۔[1]

مولانا نجم الدین نے اپنے آبائی وطن میں تعلیم عام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ گاؤں میں اسلامیہ ہائی سکول کی بنیاد رکھی۔ قابل اور ذہین طلبہ کے تعلیمی اخراجات برداشت کیے اور انہیں اعلیٰ تعلیم کے مواقع مہیا کیے۔

موصوف فرقِ باطلہ کی تردید میں بہت سرگرم تھے۔ قادیانیت کے سلسلے میں مشہور مقدمہ بہاول پور (۱۹۳۲ء) میں بطور گواہ پیش ہوئے تھے اور اپنے استاذ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اور دوسرے علماء کے ساتھ علمی سطح پر قادیانیت پر ضرب لگائی۔ مولانا جامع مسجد ڈھریالہ جالپ میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

مولانا نجم الدین ۱۶ر جولائی ۱۹۴۳ء/۱۳ر رجب ۱۳۶۲ھ کو جالندھر میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ مرحوم سے ایک کتابچہ "امثال القرآن" یادگار ہے۔

---

[1] تاریخ اورینٹل کالج ص ۲۱۴

نصیرالدین بگوی

مولانا نصیرالدین بگوی بن مولانا عبدالعزیز بگوی، خاندانِ بگہ کے ہونہار فرزند تھے۔ ۱۳۱۱ھ/۹۴-۱۸۹۳ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی درسیات اپنے والدِ ماجد سے پڑھیں۔ عربی زبان کی صرف و نحو مولانا محمد یحییٰ بگوی سے پڑھی۔ اس کے بعد سیال شریف ضلع سرگودھا میں مقیم رہے اور مولانا غلام محمد سے اکتسابِ فیض کیا۔ سیال شریف سے صوبہ بہار کا طویل سفر کیا۔ مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ بہار سے واپسی پر تین سال مولانا محمد ذاکر بگوی سے استفادہ کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کی سند حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کر لی۔ ضلع فیصل آباد اُن کی دینی و تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ کامیاب واعظ اور مبلّغ تھے۔ اُن کا وعظ مؤثر اور دلپذیر ہوتا تھا۔ سمندری میں ایک اصلاحی اور تبلیغی انجمن قائم کی تھی۔

مولانا احمد خان (کندیاں) سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے اور اُن سے مجاز طریقت تھے۔[۱]

۲۱ فروری ۱۹۳۴ء/۶ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ کو لاری کے حادثے میں اپنی اہلیہ اور دو نوعمر فرزندوں کے ساتھ شہید ہوئے۔ بھیرہ میں مدفون ہوئے۔ بوقتِ رحلت دو صاحبزادے حیات تھے:

۱۔ مولانا افتخار احمد بگوی ۲۔ مولانا حکیم برکات احمد بگوی

۱؎ تحفہ سعدیہ ص ۱۵۷

نصیر الدین غورغشتوی

(وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا نصیر الدین بن بہاء الدین بن سعد الدین بن شیخ محمد موسٰی بن اخوند محمد بشارت ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں غورغشتی ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ افغان قبیلہ کاکڑ کے چشم و چراغ تھے۔ زبانی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے جد امجد، سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) کے ہمراہ بغرضِ جہاد برصغیر میں آئے تھے اور مجاہدانہ سرگرمیوں کے بعد وطن واپس جانے کے بجائے غورغشتی میں سکونت اختیار کرلی۔ اس خاندانِ علم وارشاد کی سنہری روایت کئی پشتوں سے چلی آرہی تھی۔ مولانا نصیر الدین کے دادا، مولانا سعد الدین بلند پایہ عالم اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ اخوند صاحب سوات (م ۱۲۹۳ھ) اُن کی بہت عزت کرتے تھے اور علاقہ چھچھ کے اپنے ارادت مندوں سے کہا کرتے تھے کہ "جب چھچھ میں اخوند سعد الدین موجود ہیں تو میرے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے"۔ اسی طرح مولانا بہاء الدین جیّد عالم، کامیاب مدرّس اور صوفی بزرگ تھے۔

مولانا نصیر الدین کی عمر چودہ سال تھی کہ مولانا بہاء الدین کا انتقال ہوگیا۔ مولانا نصیر الدین نے اپنے بڑے بھائی مولانا شہاب الدین سے ابتدائی درسیات پڑھیں۔ اس کے بعد ملتان گئے اور صرف ونحو کی تحصیل کی۔ وہاں سے موضع نوتھ (ضلع اٹک) میں مولانا غلام رسول المعروف "انھی والا بابا" کے حضور میں آئے۔ مولانا غلام رسولؒ سے نحو، معانی اور منطق کی کتب پڑھیں۔ دورۂ حدیث قاضی قمر الدین چکڑالویؒ سے کیا۔

علومِ متداولہ کی تحصیل کرکے آبائی گاؤں غورغشتی میں تدریس شروع کی۔ مگر مولانا سلطان محمد (ساکن نوتھ ضلع اٹک) کے ایماء پر رنگون چلے گئے جہاں چند سال فرائضِ تبلیغ و خطابت انجام دیئے۔ رنگون کے زمانۂ قیام میں دار العلوم دیوبند کی تابندہ روایات کا تذکرہ سُن کر دیوبند جانے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ رنگون سے واپس آتے ہوئے دار العلوم میں

داخلہ لیا۔ مگر خرابیٔ صحت کی وجہ سے چند ہفتوں سے زیادہ قیام نہ ہو سکا۔

غور غشتی میں دوبارہ تدریس شروع کی تو پشتو اور فارسی بولنے والے علاقوں کے طلبہ ٹوٹ پڑے۔ مختلف سالوں میں ساٹھ سے لے کر ڈیڑھ سو تک طلبہ زیرِ درس رہے۔ انتقال سے چند سال پہلے بوجہ ضعفِ پیری سلسلۂ تدریس موقوف کر دیا تھا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ اُن سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کم و بیش پانچ ہزار ہوگی۔

ایک روایت ملتی ہے کہ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) کی رحلت کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے منتظمین اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُنہیں مدرسہ کی مسندِ حدیث کی پیشکش کی مگر مولانا نصیر الدین نے اپنے وطن میں رہ کر خدمتِ حدیث کرنے کو ترجیح دی۔

مولانا نصیر الدین نے خواجہ سراج الدینؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا حسین علیؒ سے تجدیدِ بیعت کی۔ موصوف واں بھچراں میں اکثر قیام کرتے اور اپنے اُستاد و مرشد مولانا حسین علیؒ سے استفادۂ علمی و دینی کرتے تھے۔ مولانا حسین علیؒ کے خلفاء میں اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

مولانا نصیر الدین کی زندگی خدا خوفی، تقویٰ اور توکل علی اللہ کی سچی تصویر تھی۔ سادہ طبیعت اور معتدل مزاج بزرگ تھے۔ حمیتِ دینی میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) میں دس ماہ اٹک اور ساہیوال کے جیل خانوں میں رہے۔

۴ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ/ ۲۳ جنوری ۱۹۶۹ء کو پی۔ او۔ ایف ہسپتال واہ چھاؤنی میں وفات پائی۔ میت غور غشتی لائی گئی۔ اُن کے خلف الرشید مولانا رکن الدین نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔

مولانا مرحوم کی علمی یادگاروں میں حسبِ ذیل بہت اہم ہیں۔

۱۔ حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح۔ بہت محنت اور عرق ریزی سے یہ حاشیہ لکھا گیا ہے۔ یہ حاشیہ اُن کے مدتوں کے مطالعہ کا نچوڑ ہے۔ افسوس کہ مطبوعہ ایڈیشن اغلاط سے مملو ہے۔

۲۔ حاشیہ ابوداؤد (غیر مطبوعہ)

۳۔ حاشیہ جامع ترمذی (")

مولانا کے پانچ صاحبزادے ہیں جن میں سے اوّلین تین صاحبزادے مستعد عالم ہیں۔

۱۔ مولانا رکن الدین

۲۔ مولانا فخر الدین

۳۔ مولانا محمد ابراہیم

۴۔ صدر الدین

۵۔ محمد اسماعیل

نظام الدین ملتانی

مولانا نظام الدین کے آباؤ اجداد ملتان کے رہنے والے تھے۔ اُن کی اپنی ابتدائی زندگی بھی ملتان میں گزری۔ بعد میں وزیر آباد میں منتقل ہوئے اور طبعی عمر کو پہنچ کر وزیر آباد میں فوت ہوئے۔ تاریخِ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

اُنہوں نے حضرت امیر سلطان (سجادہ نشین سلطان باہُوؒ) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ مناظرانہ مزاج رکھتے تھے۔ اُن کی تحریروں میں بھی مناظرانہ انداز ہوتا تھا۔ اُن کی تالیفات پر عموماً یہ اعلان شائع ہوتا تھا:

"اہلِ اسلام کو واضح ہو کہ اگر آپ کو کوئی وہابی، شیعہ، مرزائی، چکڑالوی ستائے اور چیلنج دے تو فوراً مولانا محمد نظام الدین ملتانی رئیس المناظرین کو بانتظام جلسہ طلب کریں۔ لیکن دس دن پہلے اطلاع دیں۔ ممدوح صاحب اُن کے ساتھ ہر وقت مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔"[1]

مولانا موصوف اپنے مخالفین کے بارے میں عام طور پر سخت لب و لہجہ اختیار کرتے تھے۔ جناب شرف قادری صاحب نے اُن کی حسبِ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے[2]۔

۱۔ سلطان الفقہ المعروف بفتاویٰ نظامیہ (گیارہ حصے)

۲۔ تکملہ سلطان الفقہ

۳۔ حقیقت مذہبِ شیعہ (چار حصے)

---

[1] تذکرۂ اکابر اہلِ سنت ص ۵۵۰

[2] ایضاً ص ۵۵۰ - ۵۵۱

۴۔ بم کا گولہ بر رافضی ٹولہ
۵۔ قہرِ یزدانی بر قلعۂ قادیانی
۶۔ اباطیل وہابیہ
۷۔ النصح والمارب فی احکام اللحٰی والشوارب
۸۔ القول الجلی فی رد حسین علی
۹۔ عقائد علماء دیو بند
۱۰۔ بلاغ المبین
۱۱۔ تفسیرِ نور
۱۲۔ "مُکہ" بجواب طمانچہ
۱۳۔ سیرت المقلدّین
۱۴۔ تحفۃ الناظرین یادگارِ نظام الدین
۱۵۔ سیف النعمان علی اہلِ الطغیان
۱۶۔ سلطان التفاسیر (دس پارے)
۱۷۔ زمانے کا تغیّر
۱۸۔ راہ عرفان (بزبان پنجابی)
۱۹۔ تحفہ دستگیر
۲۰۔ تحفہ محبوبِ سُبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی المعروف بہ شرح قصیدہ غوثیہ (قصیدہ غوثیہ کا پنجابی ترجمہ اور اُردو شرح ہے)۔
۲۱۔ صمصام الامامیہ علی اعناق الرافضیہ
۲۲۔ جرعہ غسلین در حلق غیر مقلدین
۲۳۔ ظل الغمام فی عدم جواز الفاتحہ خلف الامام

۲۴۔ رسالہ عدم جواز رفع یدین و آمین بالجہر

۲۵۔ اصلاح الطالبین

۲۶۔ تحقیق مسئلہ ہمہ اوست

۲۷۔ انگار عشق، ڈبل روٹی شرح پکی روٹی

۲۸۔ درثمین المعروف فیوضاتِ سلطانی مع رسالہ اثبات ذکرِ جہر

☆☆☆☆☆

نور احمد نقشبندی

مولانا نور احمد بن مولوی قل احمد (معروف بہ گل احمد) بن فضل الدین ۱۲۲۰ھ/۰۶-۱۸۰۵ء میں موضع موہلی چوہیاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اپنے دادا مولوی فضل الدین سے متداول کتابیں پڑھیں اور مولانا غلام محی الدین (ساکن قصبہ پکڑ) سے حدیث و تفسیر کا درس لیا۔

۱۲۴۶ھ/۳۱-۱۸۳۰ء میں آبائی گاؤں سے چنیوٹ منتقل ہو گئے۔ "مسجد لوہاراں والی" میں فرائضِ امامت انجام دیتے تھے اور طلبہ کو قرآن و سنت کی تعلیم دیتے تھے۔ کلمۂ حق کہنے میں بے باک تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں برطانوی حکومت کی مخالفت کی، گرفتار ہوئے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

مولانا نور احمد نے مشہور نقشبندی بزرگ مولانا امام علی شاہ نقشبندی (ساکن رتڑ چھتر گورداسپور) سے بیعت کی تھی اور اُن کے خلفاء میں سے تھے۔ سید عبداللہ غزنویؒ (م ۱۲۹۸ھ) کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ میاں شیر محمد شرقپوریؒ اُن کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ اپنے چنیوٹ کے مریدوں کو کہا کرتے تھے کہ "میرے پاس آنے کے بجائے مولانا نور احمد کے پاس جایا کرو"[1]۔

مولانا نور احمد ۱۵ر شعبان ۱۲۹۹ھ/۲ر جولائی ۱۸۸۲ء کو چنیوٹ میں فوت ہوئے اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اُن کی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ چار صاحبزادیاں تھیں۔

مولانا نور احمد سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

---

[1] تذکرہ اولیائے جھنگ ص ۳۳۸

۱۔ مثنوی ناز و نیاز ۲۔ ساقی نامہ

۳۔ توحید نامہ ۴۔ عشق نامہ

۵۔ پنج گنج (پنجابی)

۶۔ ایک کتاب چنیوٹ کے قاضی خاندان کے بارے میں تالیف کی تھی۔ جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

نور احمد فرید آبادی

مولانا نور احمد موضع پائی آہنہ تحصیل خانپور ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے تھے۔ مولانا الٰہی بخش شاگرد مولانا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہو کر اپنے گھر میں درس و تدریس شروع کی۔

خواجہ محمد بخش نازک بن خواجہ غلام فرید سے بیعت تھے۔ خواجہ محمد بخش نے اُنہیں خلافت سے سرفراز کیا تھا۔ خواجہ غلام فرید سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ اُن کی نسبت سے اپنے گاؤں کا نام "فرید آباد" رکھ دیا تھا۔

مسلکِ اہل سنّت کے زبردست داعی تھے جب قادیانیوں نے خواجہ غلام فریدؒ کے جعلی خطوط سے اپنے حق میں استدلال کیا تو انہوں نے دلائل و شواہد سے حقیقتِ حال واضح کی۔

مولانا نور احمد فرید آبادی موضع پائی آہنہ (فرید آباد) میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔[1] اُن سے متعدد کتابیں یادگار ہیں مگر کوئی بھی زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی۔

مولانا نور احمد فرید آبادی سے سینکڑوں افراد نے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی۔ اُن کے خلفاء میں سے چند نام یہ ہیں:

۱۔ صاحبزادہ مولانا محمد اعظم (صاحبزادہ)

۲۔ صاحبزادہ عبدالرسول (")

۳۔ مولانا محمد یار ساکن گڑھی اختیار خان

۴۔ مولانا غلام رسول جتوئی

---

[1] اولیائے بہاولپور ص ۲۸۳-۲۸۴

سیّد نور الحسن شاہ

مولانا سیّد نور الحسن شاہ بن سیّد غلام علی شاہ بن سیّد حیات علی شاہ بن سیّد عالم شاہ بن سید سکندر شاہ ۲۷ر جمادی الاولی ۱۳۰۶ھ / ۳۰ر جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کے اجداد بخارا سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ اس خاندان میں کئی اہلِ علم بزرگ گزرے ہیں۔ قصیدہ بُردہ کے شارحین جلال چنابی اور جمال چنابی اس خانوادے کے گلہائے سر سبد تھے۔

مولانا سیّد نور الحسن شاہ کے دادا سیّد حیات علی شاہ جیّد عالم اور اللہ والے بزرگ تھے۔ اُن کے صاحبزادے سیّد غلام علی شاہ (والد سیّد نور الحسن شاہ) صوفی منش بزرگ تھے اور خواجہ اللہ بخش تونسوی ؒ کے ارادت مندوں میں سے تھے۔ سیّد غلام علی شاہ کافی مدّت موضع احمد نگر چٹھہ میں مقیم رہے۔ مقامی سکول میں پہلے اوّل مدرّس اور بعد میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے کام کیا۔

مولانا سیّد نور الحسن نے ابتدائی تعلیم احمد نگر چٹھہ میں حاصل کی۔ بعد میں اپنے برادرِ بزرگ سیّد حسین شاہ کے ہمراہ پنڈی بھٹیاں میں مقیم رہے۔ چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے کہ تعلیم کو خیرباد کہہ دیا اور آبائی گاؤں کیلیا نوالہ ضلع گوجرانوالہ چلے گئے۔ کیلیا نوالہ خوشنویسوں کی وجہ سے پنجاب بھر میں ممتاز رہے اور بعض خاندانوں میں پشت در پشت فنِ خوشنویسی چلا آرہا ہے۔ مولانا سیّد نور الحسن نے یہ فن مولوی نور الٰہی سے سیکھا۔ اُن کی کتابت کردہ دو کتابیں "حکایات الصالحین" اور "مراۃ المحققین" زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی تھیں تاہم اس فن کو مستقل طور پر نہ اپنا سکے۔

کھیتی باڑی سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے تھے بعد میں ٹھیکیداری شروع

کردی اسی سلسلے میں وہ شرقپور آنے جانے لگے۔ حضرت شیر محمد شرقپوریؒ سے تعلق پیدا ہوا اور اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اُن کے ایماء پر کتاب و سنّت کی تعلیم حاصل کی اور خلافت سے نوازے گئے۔

مولانا سید نور الحسن شاہ، حضرت شرقپوری کے حلقۂ ارادت میں آنے سے پہلے شیعہ مسلک پر عامل تھے۔ جب اُنھوں نے اہلِ سنّت کا مسلک اختیار کیا تو اُن کے احباب، اور اعزّہ نے مخالفت کی، اِسی سبب اُن پر قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا۔

مولانا سید نور الحسن شاہ ترسیٹھ سال کی عمر میں ۲، ربیع الاوّل ۱۳۷۲ھ / ۲۱، نومبر ۱۹۵۲ء کو کیلیانوالہ میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ مختلف شعراء نے اُن کے وصال پر قطعاتِ تاریخ کہے تھے۔ غلام حسین واصف کا ایک قطعۂ تاریخ یہ ہے[1] ؏

غوثِ وقتِ خویش و شمسِ علم و دیں!
جُستجے بر منصبش تالیف او
قطبِ عالم سیدی نور الحسن
بے عدیلش راست گر خواہی بگو
وصل با حق کرد و تاریخِ وصال
یک ہزار و سہ صد و ہفتاد و دو

۱۳۷۲ھ

مولانا مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

---

[1] انشراح الصدور بتذکرۃ النور ص ۴۰۰

۱۔ سید محمد باقر علی شاہ

۲۔ سید محمد جعفر علی شاہ

مولانا مرحوم کی قلمی یادگاروں میں ایک تالیف "الانسان فی القرآن" ہے۔ نیز اُن کے کچھ خطبات و مواعظ اُن کی سوانح حیات میں درج کئے گئے ہیں[1]۔ شعر و شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے اور "محزون" تخلّص کرتے تھے۔

---

[1] انشراح الصدور بتذکرۃ النور ص ۱۷۲-۲۹۸

نورالحق علوی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا نورالحق علوی بن منشی محمد قاسم موضع بسال ضلع اٹک میں ۱۸۸۸ء/۰۶-۱۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ منشی محمد قاسم پٹواری تھے۔ نماز روزے کے پابند اور صوفیانہ ذوق رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ احمد میرویؒ کے ارادت مندوں میں شامل تھے۔

مولانا علوی نے ابتدائی تعلیم وطنِ مالوف میں حاصل کی اور تکمیلِ علم کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے۔ ۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم سے سندِ فراغ حاصل کی۔ انہوں نے ۱۹۱۸ء/۱۳۳۶ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا۔ تمغہ اور بہاولپور سکالرشپ کے مستحق قرار پائے۔ ۱۹۱۹ء/۱۳۳۷ھ میں منشی فاضل کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغ حاصل کرنے کے بعد ایک سال مدرسہ عربیہ رمضانیہ کلکتہ میں مدرس رہے۔ اس کے بعد آبائی گاؤں میں آ گئے اور درس و تدریس شروع کی۔ ان کے برادر اصغر ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب لکھتے ہیں:

"بھائی صاحب گاؤں کی مسجد میں درس دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کے یہاں درجن بھر طلبہ جمع ہو گئے، جن میں سے ہر ایک کا سبق دوسرے سے الگ تھا۔"[1]

مگر گاؤں میں زیادہ عرصہ یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور وہ دوبارہ دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور تقریباً ایک سال بطور مدرس کام کیا۔ اس کے بعد مدرسہ عربیہ ڈریا جالپ (تحصیل

---

[1] ماہنامہ "نقوش" (لاہور) آپ بیتی نمبر ص ۱۲۷۰

پنڈدادن خان ضلع جہلم) میں مدرّس رہے اور طلبہ کو امتحانات منشی فاضل و مولوی فاضل کے لئے تیار کرتے رہے۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۳ء تک چار سال مدرسہ عربیہ دارالرشاد پیر جھنڈا (سندھ) میں بطور صدر مدرّس کام کیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ فاضلیہ بٹالہ میں رہے۔ دسمبر ۱۹۲۵ء/۱۳۴۲ھ میں مولانا عبدالعزیز میمن مرحوم کے علی گڑھ چلے جانے سے اورینٹل کالج لاہور میں "ایڈیشنل مولوی" کی اسامی پر اُن کا تقرّر ہوا اور ۱۹۴۴ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے[1] اور اُن کی جگہ مولوی عبدالصمد صارم کا تقرّر ہوا۔

مولانا علوی بہ تاجپورہ۔ لاہور میں رہتے تھے۔ وہیں یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۷۰ھ/ ۱۰ مارچ ۱۹۵۱ء کو وفات پائی۔ تاجپورہ میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

مولانا علوی مرحوم علومِ دینیہ، عربی زبان و ادب اور اسلامی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی شاگردی اور مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈا کی تدریس کی بنا پر انہیں مولانا عبیداللہ سندھی سے تعلقِ خاطر تھا۔ اُنھوں نے مولانا سندھی کے افکار و نظریات کی شرح و ترجمانی کا فریضہ بھی انجام دیا۔ مولانا سندھی کا معرکہ آرا مضمون "امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف"[2] اُن ہی نے اِملا کیا تھا۔ جہاں جہاں سنینِ وفات اور حوالوں کی ضرورت تھی۔ اصل مضمون میں ان کا اضافہ کیا۔ اِس سلسلے میں اُنھوں نے لکھا ہے:

"حوالہ جات اور وفیات کی تفتیش و تحقیق میں بہت وقت لگا۔ ایک

---

[1] تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج ص ۲۷۔ مگر ص ۲۱۴ پر مولانا نورالحق کی مدتِ ملازمت دسمبر ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۲ء تک بتائی گئی ہے۔

[2] مطبوعہ ماہنامہ "الفرقان" (بریلی)، شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۴۹-۳۳۵

ایک حوالے کے لئے بسا اوقات پوری کتاب پڑھنی پڑی۔ وفیات کی تلاش میں بھی کافی محنت صرف ہوئی لیکن یہ ضروری تھا کیونکہ وفیات کے تعین سے ہر تحریک کا دور معین ہوتا ہے[۱]"

مولانا نور الحق، شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کے شارحین میں سے تھے بیت الحکمت لاہور[۲] کے روح رواں تھے۔ اُن کی تصحیح و تحشیہ سے شاہ صاحب کا رسالہ "ہمعات" شائع ہوا تھا۔

مولانا نور الحق علوی مرحوم نے ۱۹۳۵ء میں اورینٹل کالج لاہور میں "ہیڈ مولوی" کی اسامی کے لئے ایک درخواست دی تھی[۳] جس میں اپنی تصنیفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

مطبوعات

"الف۔ عذب المناہل شرح الکامل للمبرد (داخل نصاب مولوی فاضل) یہ کتاب کامل مبرد کی مبسوط شرح ہے۔ تراجم، انساب، الکنہ، ایام عرب، لغت، تاریخ غرض تمام ضروری ادبی مواد اس خوبی سے فراہم کیا گیا ہے کہ ادیب کو "کامل" کے حل کرنے کے لئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔

ب۔ منشورِ حکم خلاصہ دبیر عجم (منظور شدہ نصاب منشی فاضل) کتاب مقبول عام اور طلبہ کے لئے از حد مفید ثابت ہوئی ہے۔

---

[۱] ایضاً ص۔ ۲۴۹

[۲] افکار شاہ ولی اللہ رح کی ترویج و اشاعت کے لئے قائم شدہ ادارہ

[۳] اس اسامی پر مولانا رسول خان (م ۱۳۹۱ھ) کا تقرر ہو گیا تھا۔

ج۔ میں نے قرآن حکیم کی اُردو تفسیر بطرزِ دلکش مکمل طور پر لکھی ہے تفسیر مذکور کے حسبِ ذیل حصّے شائع ہو چکے ہیں:

۱۔ نورالحق تفسیر سورۂ علق

۲۔ بارقۃ الحق ضمیمہ نورالحق

۳۔ النّاموس المفصّل تفسیر سورۃ المزمّل

۴۔ فتح المقتدر تفسیر سورۃ المدّثر

مسوّدات

۱۔ اللآلی الغرر شرح سمط الدرر (داخل نصاب منشی فاضل، مولوی عالم، اور بی۔اے) کتاب مکمل ہے۔ طباعت کے سلسلے میں اس کی ایک کاپی بھی لکھائی جا چکی ہے اور کاپی تاحال میرے پاس محفوظ ہے مگر پنجاب یونیورسٹی نے اِس کی اشاعت کی اجازت نہ دی۔

۲۔ منارالسالک شرح موطا امام مالکؒ (داخل نصاب مولوی فاضل) کتاب بزبان اُردو ہے بطرزِ جدید۔ اس کتاب میں علاوہ محدّثانہ اور فقہی مباحث کے احکام شرعیہ کے حِکَم و اسرار کا بھی التزام کیا گیا ہے۔

۳۔ شوارق الرحمان۔ شرح فتوح البلدان للبلاذری (منظور شدہ نصاب مولوی فاضل) یہ کتاب فتوح البلدان بلاذری کا بامحاورہ اُردو ترجمہ اور وسیط شرح ہے۔ اس کے ساتھ تراجم، انساب اور دوسرے تاریخی ضروری مواد کا اضافہ کر دیا ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے اس موضوع میں طلبہ کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی"[1]

---

[1] ماہنامہ "الرحیم" (حیدرآباد) بابت اگست ۱۹۶۷ء ص ۲۳۳

مولانا علوی مرحوم کے کئی گراں قدر مقالات رسائل و جرائد میں طبع ہوئے۔ جو تاحال کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے۔ ان میں سے ایک "التعرّف فی التصوّف" (ہندوستان میں صوفیہ صافیہ کی برکات) ہے جو ماہنامہ "الفرقان" (بریلی) میں بالاقساط شائع ہوا۔ مدیر "الفرقان" نے ادارتی نوٹ میں لکھا ہے:

"ہندوستان میں اسلامی تصوف کی تاریخ، اس کے اثرات اور جامعہ اسلامیہ ہندیہ کی تاسیس و تعمیر میں حضرات صوفیاء کرام کی خدمات اور اُن کے احسانات کا اس نوعیت کا تذکرہ غالباً اس سے پہلے مرتب نہیں ہوا۔"[1]

---

[1] ماہنامہ "الفرقان" (بریلی) بابت جمادی الاخریٰ ۱۳۵۸ھ، ص ۱۷

نورالدین فاروقی

مولانا حافظ نورالدین فاروقی بن حافظ غلام رسول ۱۲۴۰ھ/۲۵-۱۸۲۴ء کے لگ بھگ موضع ٹھیکریاں مونیاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ فاروقی النسب تھے۔ اُن کے والد بزرگوار حافظ غلام رسول درسِ نظامی کے فاضل اور جیّد عالم تھے۔

مولانا نورالدین نے گیارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور اٹھارہ سال کی عمر میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔

مولانا غلام محی الدین قصوری سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور اُن کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے۔ خواجہ قصوری سے خلافت پاکر چکوڑی بھیلووال نزد لالہ موسیٰ میں سکونت اختیار کی اور سلسلۂ درس وتبلیغ شروع کیا۔

۱۳۰۲ھ/۸۵-۱۸۸۴ء میں اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو روانہ ہوئے۔[۱] چکوڑی شریف میں دفنائے گئے۔

قطعۂ تاریخ وفات یہ ہے ع

جنابِ فضیلت مآب کمال!
چو کرد انتقال از سرائے زوال
زہے نورِ ملّت زہے نورِ حق
زہے نورِ دیں حافظِ قیل و قال

۱۔ انوارِ محی الدین ص ۲۶۰

بہ شیخ از لبِ ہاتف آمد ندا
کہ گو "غایب نورِ جلیؒ" بہ سال[۱]

۱۳۰۲ھ

۱؎ تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۵۵۵

سید نور اللہ شاہ سیالکوٹی

مولانا سید نور اللہ شاہ بن مولانا سید چراغ شاہ بن مولانا سید محمود شاہ ۱۲۸۰ھ/۶۴-۱۸۶۳ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں علم و فضل کی روایت پہلے سے قائم تھی۔ مولانا سید چراغ شاہ، مولانا غلام مرتضیٰ سیالکوٹی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مسجد کبوتراں والی سیالکوٹ میں درسِ قرآن و حدیث دیتے تھے۔ مولانا سید چراغ شاہ اس خاندان کے پہلے فرد تھے جو آبائی وطن "بوکن" (ضلع گجرات) سے ترکِ سکونت کر کے سیالکوٹ میں آباد ہوئے تھے۔

مولانا سید نور اللہ نے درسِ نظامی کی ابتدائی کتب مولانا سید میر حسن سیالکوٹی سے پڑھیں۔ برادرِ بزرگ سید عبداللہ شاہ سے تکمیلِ تعلیم کی۔ مولانا قاضی سلطان محمود (ساکن اعوان شریف) کے احبابِ خاص میں سے تھے۔ سفر و حضر میں اُن کے ساتھ رہتے تھے۔ اُن کی منقبت میں کئی قصائد لکھے ہیں۔

جون ۱۹۴۸ء/۱۳۶۷ھ میں سیالکوٹ میں فوت ہوئے اور درگاہ امام علی الحقؒ کے پائین مدفون ہوئے۔

سید نور اللہ شاہ پنجابی، اُردو اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اُن کے قصائد اور منظوم شجروں کا مجموعہ "چشمہ نور" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ مولانا قاضی سلطان محمودؒ کی مدح میں کہتے ہیں:

دُرِ دریائے حقیقت، اخترِ بُرجِ شرف
شاہبازِ اوجِ عرفاں افتخارِ عارفیں

جرعہ از جامِ محبّت ریز ، در کامِ دلم
تا ازیں دُنیائے دوں پُر دُر فشانم آستین
مشکلے دارم کہ بر رائے منیرش روشن است
پس چرا بیہودہ گویم آنچناں یا ایں چنیں

سیّد نور اللہ شاہ کی ایک تالیف "تحفہ شیعہ" (مطبوعہ: سیالکوٹ) ہے۔[1]

---

[1] تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۵۵۶۔۵۵۸ (ملخص)

حافظ سیّد نور اللہ نوشاہی

حافظ سیّد نور اللہ بن حافظ محمد حیات ربّانی بن سیّد جمال اللہ ۱۹ رجمادی الاخریٰ ۱۱۴۷ھ/
۱۶ رنومبر ۱۷۳۴ء کو ساہن پال ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ علوم مروّجہ کی تحصیل اپنے والد
ماجد اور بعض دوسرے اساتذہ سے کی۔ صاحبِ علم و فضل بزرگ تھے۔ اُن کا دورِ زندگی
طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ اُن کے علاقے میں چٹھہ خاندان کا حکم چلتا تھا۔ جن کا مرکز
قلعہ منچر چٹھہ (ضلع گوجرانوالہ) تھا چوہدری نور محمد چٹھہ نے ۱۱۶۹ھ/۵۶-۱۷۵۵ء میں
دریائے چناب کے جنوبی کنارے پر قصبہ "رسول نگر" آباد کیا اور حافظ سیّد نور اللہ نوشاہی
کو مفتیٔ شہر مقرر کیا۔ ۱۲۰۳ھ/۸۹-۱۷۸۸ء میں چوہدری نور محمد چٹھہ کا پوتا چوہدری غلام محمد
سکھوں سے لڑتے ہوئے مارا گیا اور چٹھہ خاندان کا آفتاب غروب ہو گیا۔ حافظ
سیّد نور اللہ واپس ساہن پال آ گئے اور مسندِ تدریس کو رونق بخشی۔
سکھوں کے عہد میں انہیں حکومت کی طرف سے کچھ روزینہ اور ماہانہ ملتا تھا۔ فقیر سیّد
عزیز الدین (م ۱۲۶۰ھ) وزیرِ اعظم بعہد خالصہ اُن کے ارادت مند تھے اور اُن سے
خط و کتابت رکھتے تھے۔

حافظ سیّد نور اللہ اپنے والدِ ماجد سے سلسلۂ نوشاہیہ میں بیعت تھے اور اُن
کی طرف سے مجازِ بیعت بھی۔ علومِ دینیہ پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ خوش بیان
واعظ تھے۔

۶ رصفر ۱۲۲۹ھ/۱۸ رجنوری ۱۸۱۴ء کو بیاسی سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اور
ساہن پال کے خاندانی قبرستان میں دفنائے گئے۔ اُن کی مندرجہ ذیل تصنیفات
ملتی ہیں۔ صاحبزادہ شرافت نوشاہی صاحب نے اُن کی ترتیب و تہذیب کی ہے۔

تاحال کوئی بھی زیورِ اشاعت سے آراستہ نہیں ہوئی:

۱۔ فتاویٰ نوشاہیہ الموسوم بہ نور الفتاویٰ (عربی)

۲۔ مصطلحات الصوفیہ (نامکمل)

۳۔ فالنامہ قرآنی

۴۔ حقائقِ نوریہ

۵۔ مکتوبات نور اللہ

۶۔ انشائے نور اللہ

۷۔ رقعات نور اللہ

حافظ سیّد نور اللہ نوشاہی کے دو صاحبزادے ہوئے:

۱۔ مولانا حکیم حافظ سیّد الٰہی بخش مظہرِ حق (م ۱۲۵۳ھ)

۲۔ سیّد خدا بخش (م ۱۲۷۷ھ)

نور بخش توکلی

مولانا نور بخش توکلی موضع چک قاضیاں ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔[1] اُن کے والدِ ماجد صوفی منش بزرگ تھے اور نقشبندی سلسلے میں بیعت تھے۔ مولانا نور بخش نے ابتدائی تعلیم مقامی مدارس میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ دوسرے اساتذہ کے ساتھ علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) سے اکتسابِ فیض کیا۔ انہیں "اُستاذی مخدومی مولانا شبلی نعمانی" کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ عربی زبان و ادب میں ایم۔ اے کی سند حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں انبالہ چھاؤنی کے ایک سکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ والدِ ماجد کے کہنے پر انبالہ کے نقشبندی بزرگ خواجہ توکل شاہ (م ۱۳۱۵ھ) کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی[2] اور اپنے مرشد کی نسبت سے "توکلی" ان کے نام جزو بن گیا۔

انبالہ سے دہلی منتقل ہوئے۔ ایم۔ بی ہائی سکول میں بطور "ہیڈ مولوی" کام کرتے

---

[1] شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے ان کا سالِ ولادت ۱۸۷۷ء لکھا ہے (نقوش، لاہور نمبر ص ۹۵۱) بعد کے تذکرہ نگاروں نے اسی کا تتبع کیا، لیکن ۱۸۷۷ء اُن کا سالِ ولادت اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ۱۸۹۳ء میں اُنہوں نے انبالہ چھاؤنی کے سکول میں ملازمت شروع کی تھی۔ سولہ سال کی عمر میں بمشکل میٹرک کا امتحان پاس کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ علی گڑھ کالج سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے۔

[2] تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ ص ۴۶۲

تھے۔ وہاں سے ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء میں امرتسر آ گئے۔ امرتسر میں مولانا مفتی غلام رسول قاسمی (م ۱۳۱۷ھ) سے درسِ نظامی کی جملہ کتبِ معقولات و منقولات پڑھیں۔[1]

خواجہ توکل شاہ انبالوی کی وفات پر مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت کی۔ اُنہوں نے اجازت و خلافت سے سرفراز کیا۔ اس کے علاوہ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ عبدالخالق (م ۱۳۵۰ھ) نے اُن کی دستار بندی کی اور انہیں خواجہ توکل شاہ کی نسبت سے خلافت مرحمت کی۔

مولانا توکلی لاہور آ گئے اور اپنے دینی اور علمی ذوق کے پیشِ نظر "انجمن نعمانیہ" سے منسلک ہو گئے۔ ایک عرصہ انجمن کے ناظمِ تعلیمات رہے اور "رسالہ انجمن نعمانیہ" مرتب کرتے رہے۔ اِسی دوران میں گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبۂ عربی میں تدریس شروع کی۔ ملازمت کی مصروفیات کے ساتھ تصنیفی اور تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے پر وطنِ مالوف "چک قاضیاں" ضلع لدھیانہ چلے گئے اور وہاں ایک دینی مدرسے "مدرسہ اسلامیہ توکلیہ" کی بنیاد رکھی۔ مدرسہ اُن کی سرگرمیوں کا محور تھا۔ طلبہ کو خود پڑھاتے اور اُن کے قیام و طعام کا بندوبست کرتے تھے۔ تقسیمِ ہند کے بعد فیصل آباد آ گئے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں مجلسی زندگی تقریباً ختم کر دی تھی اور ہمہ تن لکھنے پڑھنے میں مصروف تھے۔

۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ/ ۲۴ر مارچ ۱۹۴۸ء کو مکان کی سیڑھی سے گر کر زخمی ہوئے۔ یہی حادثہ جان لیوا ثابت ہوا۔ حسبِ وصیت نور شاہ ولی کے مزار کے ساتھ دفنائے گئے۔

---

[1] تذکرہ اسلاف ص ۹۲

مولانا توکّلی مرحوم طبعًا سادگی پسند تھے۔ بلند پایہ صوفی اور منجھے ہوئے قلم کار تھے
اُن کی تالیفات کی فہرست یہ ہے:

۱۔ سیرت رسولِ عربی
۲۔ عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) - ۱۲ ربیع الاول کو عام طور پر "بارہ وفات" کہا جاتا ہے۔ مولانا توکّلی نے سرکاری کاغذات میں "بارہ وفات" کو "عید میلاد النبی" کے نام سے بدلوایا اور اس تاریخ کو عام تعطیل منظور کروائی۔ یہ کتاب اسی موضوع پر ہے۔
۳۔ معجزاتِ نبی
۴۔ اعجاز القرآن
۵۔ عقائد اہلسنت
۶۔ شرح قصیدہ بُردہ (اُردو)
۷۔ شرح قصیدہ بُردہ (عربی)
۸۔ تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ
۹۔ حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۰۔ غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۱۔ سیرت غوث اعظم
۱۲۔ تحفہ شیعہ (دو حصّے)
۱۳۔ ابو حنیفہ رح
۱۴۔ کتاب البرزخ
۱۵۔ شرح ہدیہ یوسفیہ
۱۶۔ شرح مولود برزنجی
۱۷۔ رسالہ نور

۱۸۔ الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ رح

۱۹۔ امام بخاری شافعی

۲۰۔ مقدمہ تفسیر القرآن

۲۱۔ تفسیر سورہ فاتحہ وسورہ بقرہ

۲۲۔ ترجمہ تحقیق المرام فی منع القرات خلف الامام (تالیف مفتی غلام رسول قاسمی رح)

۲۳۔ ترجمہ الرسالۃ الجلیلہ (تالیف مفتی غلام رسول قاسمی رح)

۲۴۔ افضل المقال فی رد علی الرافضی الضال

۲۵۔ صدائے حقانی در حقیقتِ محبوب سبحانی

۲۶۔ ترجمہ تاریخ گبن (تاریخِ حسن)

گبن کی تاریخ سے اہلِ اسلام سے متعلق حصّوں کا ترجمہ ہے۔ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں مطبع فاروقی دہلی سے طبع ہوا۔

متذکرۃ الصدر کتب کے علاوہ انجمن نعمانیہ کے رسالہ میں مطبوعہ بیسیوں مضامین ہیں۔

نور جہانیاں

مولانا نور جہانیاں بن مولانا اسد اللہ بہاول پور کے جید علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا اسد اللہ اپنے دور کے بلند پایہ فاضل تھے۔ وہ "مہاراں" سے نقل مکانی کر کے بہاول پور آ گئے۔ نواب بہاول پور نے اُن کے تبحر اور علمی مرتبے کے پیشِ نظر احمد پوری دروازے کے اندر اقامت اور مدرسے کے لئے وسیع جگہ دی۔ اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔[1]

مولانا اسد اللہ کے علمی منصب پر مولانا نور جہانیاں متمکن ہوئے۔ اُنہوں نے حافظ غلام مرتضیٰ (چیلاواہن) سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ اُن کی عظیم درس گاہ تو یادِ ماضی بن گئی ہے البتہ درس گاہ کا علاقہ "محلّہ نور جہانیاں" کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا نور جہانیاں درس و تدریس میں مشغول ۱۲۹۰ھ/۷۴-۱۸۷۳ء میں فوت ہو گئے۔ اُن کی تالیفات میں سے ایک کتاب "اسدیہ" کا ذکر ملتا ہے جو "مطوّل" کا وقیع حاشیہ ہے۔ تا حال زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔[2]

---

[1] جناب مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے کہ "مشہور ہے کہ پنجاب کے مشہور عالم مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی نحو اور منطق کے بعض نکات آپ سے حل کئے تھے" (اولیائے بہاول پور ص ۲۷۹) یہ روایت درست نہیں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ۱۰۶۷ھ میں فوت ہوئے تھے۔ اور مولانا اسد اللہ بارہویں صدی میں گزرے ہیں۔

[2] اولیائے بہاول پور ص ۲۷۹

خواجہ نور محمد مہاروی

خواجہ نور محمد بن ہندال بن تاتار بن فتح محمد کھرل قبیلے کے فرد تھے۔ دریائے راوی کے کنارے آباد گاؤں "چوٹالہ" میں ۱۴؍رمضان ۱۱۴۲ھ/۲؍اپریل ۱۷۳۰ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندانی نام بُھبّل تھا جسے خواجہ فخرالدین دہلویؒ (م ۱۱۹۹ھ) نے نور محمد سے بدل دیا۔ خاندان کی گزر بسر کھیتی باڑی اور گلّہ بانی پر تھی۔

خواجہ نور محمد کے بچپن میں اُن کا خاندان چوٹالہ سے "مہار" منتقل ہو گیا اور یہ گاؤں اُن کے وجود سے چاردانگ عالم میں مشہور ہوا۔ خواجہ نور محمد نے مقامی مکتب میں حافظ محمد مسعود سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد موضع بلانہ کے شیخ احمد کھوکھر سے ابتدائی درسیات پڑھیں، اس کے بعد تعلیمی سفر کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ڈیرہ غازیخاں میں کچھ عرصہ مقیم رہے، اور شرح ملّا جامی تک کتب درسیہ پڑھیں، وہاں سے خواجہ محکم دین سیرانی کے ہمراہ لاہور گئے۔ لاہور کا زمانۂ تعلیم اُن کے لئے معاشی مشکلات کا زمانہ تھا مگر اُنہوں نے دل جمعی سے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ آخر میں دہلی گئے اور مدرسہ نواب غازی الدین خان میں داخل ہوئے۔ یہاں میاں برخوردار جی ایک قابل اور محنتی استاد تھے جن سے بعض کتابیں پڑھیں۔ قطبی پڑھ رہے تھے کہ میاں برخوردار جی کو دہلی سے جانا پڑا اور وہ خواجہ فخرالدینؒ کے ہاں پہنچ گئے۔ اُن سے قطبی کا باقی حصّہ مکمّل کیا اور حدیث پڑھ کر سندِ فراغ حاصل کی۔[1]

---

[1] مناقب المحبوبین میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ "قطبی" ابھی ختم ہوئی تھی کہ خواجہ فخرالدینؒ نے انہیں فرمایا تم علم ظاہری میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ جس قدر پڑھ لیا ہے وہی کافی ہے اور وہ ہمہ تن اوراد و اشغال

۱۱۶۵ھ/۵۲-۱۷۵۱ء میں اپنے استادِ گرامی خواجہ فخرالدین دہلویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے دہلی میں خواجہ موصوف کی بیعت کی تھی۔ اُن کے زیرِ تربیت رہ کر "مہار" آ گئے۔ حسبِ قاعدہ خانقاہ قائم کی اور عوام کی روحانی اصلاح و تربیت میں مشغول ہو گئے۔ اُن کی ذات مرجع عوام تھی اور زیادہ وقت اصلاح وارشاد میں صرف کرتے تھے۔

خواجہ نور محمد کو اپنے پیر خواجہ فخرالدین دہلویؒ سے بے پناہ محبت تھی۔ سال میں تقریباً چھ ماہ دہلی میں گزارتے تھے۔ ۲۷ رجمادی الآخری ۱۱۹۹ھ/۷ مئی ۱۷۸۴ء کو خواجہ موصوف کا انتقال ہوا۔ خواجہ نور محمد کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ کچھ عرصے بعد اُن کے عزیز خلیفہ نور محمد ثانیؒ فوت ہوئے۔ صدمہ دو چند ہو گیا اور انہوں نے خلوت گزینی اختیار کر لی۔ اسی عالم میں ۳ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ/۳ اگست ۱۷۹۰ء کو جان، جانِ آفریں کو سپرد کی۔ مصرعہ تاریخی ہے ع

حیف واویلا جہاں بے نور گشت[۲]

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں منہمک ہو گئے۔

[۱] مولانا نور محمد بن صالح محمد حاجی پور (سندھ) کے رہنے والے تھے بعد میں ضلع ڈیرہ غازی خاں میں بمقام "چاہ نارہ والا" میں مقیم ہوئے۔ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ خواجہ فخرالدین دہلوی سے بیعت ہونے کے لئے اُنہیں خط لکھا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ مثنوی مولانا رومؒ کا مطالعہ کریں اور سلسلۂ چشتیہ کے اوراد و وظائف میں مشغول رہیں اگر بیعت کی خواہش ہو تو خواجہ نور محمد مہارویؒ سے تعلق قائم کریں۔ اُن کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔

چنانچہ خواجہ نور محمد مہاروی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا۔ ۶ رجمادی الاولیٰ ۱۲۰۴ھ/۲۲ جنوری ۱۷۹۰ھ کو فوت ہوئے۔ تاریخِ وصال لفظ "چراغ" سے برآمد ہوتی ہے۔ مزار حاجی پور میں ہے۔

[۲] مناقب المحبوبین ص ۱۲۰

مفتی غلام سرور لاہوری نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا ہے ع

حضرت نورِ محمد نورِ حق　　　جلوہ گر شد چوں بہ گلزار جناں

سالِ ترحیلش بقول اہل سیر　　　نور عرفان آفتاب دیں بخواں

اگرچہ مرحوم "مہار" میں فوت ہوئے مگر انہیں قبرستان حضرت تاج سرورؒ میں دفنایا گیا۔ مزار چشتیاں ریلوے سٹیشن کے شمال مغرب میں پون میل کے فاصلے پر ہے نواب محمد بہاول خان ثالث نے ۱۲۶۶ھ میں مزار پر شاندار عمارت تعمیر کی۔[۱]

خواجہ نور محمد سے ایک زمانے نے روحانی فیض حاصل کی "مناقب المحبوبین" کے مؤلف نے ۴۶ خلفاء کے نام درج کئے ہیں چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ نور محمد ثانی معروف بہ حضرت نارووالہ
۲۔ قاضی محمد عاقل ساکن مٹھن کوٹ
۳۔ میاں محمد فاضل نیکوکارہ
۴۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ
۵۔ حافظ محمد جمال ملتانی
۶۔ صاحبزادہ نور الصمد مہاروی
۷۔ قاضی احمد علی بن محمد عاقل ساکن مٹھن کوٹ

خواجہ نور محمد مہارویؒ کی اولاد میں تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:[۲]

۱۔ شیخ نور الصمد (جانشین)

---

[۱] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۰۹

[۲] ذکر کرام ص ۲۸

۲۔ شیخ نور احمد
۳۔ شیخ نور الحسن

خواجہ نور محمد مہارویؒ سے کوئی تالیف یادگار نہیں تاہم اُن کے ملفوظات قاضی محمد عمر سید پوری نے "خلاصۃ الفوائد" کے نام سے جمع کئے ہیں۔ خواجہ موصوف کی مہر کا سجع تھا۔

زنورِ محمد جہاں روشن است

نور محمد لاہوری

مولانا نور محمد بن مولانا غلام مرتضیٰ نقشبندی ۴؍ دسمبر ۱۸۹۶ء/ ۲۸؍ جمادی الآخری ۱۳۱۴ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کی۔ مدرسہ حمیدیہ لاہور میں زیرِ تعلیم رہے۔ آخر میں مولانا مفتی محمد یار خلیق (خطیب سنہری مسجد لاہور) سے فاتحۂ فراغ پڑھا۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت اور اُن کے خلیفۂ مجاز تھے۔

۱۳۷۷ھ/ ۵۸-۱۹۵۷ء میں واصل بحق ہوئے۔ اپنے والدِ ماجد کے مزار کے قریب عثمان گنج (لاہور) میں مدفون ہیں۔ مرحوم صاحبِ قلم عالم تھے۔ اُن کی حسبِ ذیل کتابیں معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ تحقیق الوجد
۲۔ توثیق الابحاث
۳۔ حجت ربانی
۴۔ ظہور الصفات فی جمیع الموجودات
۵۔ حج فقیر بر آستانہ پیر

اُن کے کئی مضامین اخبار "الفقیہ" (امرتسر) کے صفحات میں محفوظ ہیں۔

قاضی نور محمد

قاضی نور محمد بن شیر محمد بن زین العابدین ۱۸۹۶ء/۱۴-۱۳۱۳ھ سے پہلے موضع چرپی ضلع اٹک میں پیدا ہوئے[1] اعوان برادری کے چشم و چراغ تھے۔ تین پشتوں سے خاندان میں دینی تعلیم کی روایت چلی آرہی تھی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا غلام رسولؒ (انہی والے) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ بعد میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ سے ڈابھیل میں دورۂ حدیث پڑھا اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

۱۹۲۲ء/۴۱-۱۳۴۰ھ میں آبائی وطن سے ترکِ سکونت کر کے قلعہ دیدار سنگھ چلے گئے تھے۔ "مدرسہ محمدیہ" کی بنیاد رکھی اور تدریسی، تصنیفی اور تبلیغی خدمات میں زندگی گزاری توحید و سنت کی تبلیغ میں شدید انہماک تھا۔ وعظ پرتاثیر ہوتا تھا۔ درسِ قرآن میں بلا کی روانی تھی۔ مولانا حسین علی (واں بھچراں) سے بیعت تھے اور ان کے اجل خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ نہایت ذاکر و شاغل اور خوش پوش عالم تھے۔

۱۳۸۱ھ میں علمائے دیوبند حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ پر دو گروہوں میں بٹ گئے تھے اور تند و تیز تقریریں، مناظرے اور کتابیں لکھی جارہی تھیں کہ محرم ۱۳۸۲ھ میں قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، پاکستان تشریف لائے اور دونوں گروہوں کے سرکردہ راہنماؤں کو یکجا کیا اور حیات النبی کے مسئلہ پر علمائے دیوبند کا انتشار ختم ہوا۔ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں اسی مقصد

---

[1] اقامتہ البرہان (تالیف ۱۹۵۶ء) میں لکھا ہے "میری عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہو چکی ہے" ص ۱۱۶

کے لئے علماء جمع تھے۔ قاضی صاحب بھی تشریف لائے تھے کہ اچانک ۲۲ محرم ۱۳۸۲ھ / ۲۶ جون ۱۹۶۲ء کو روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ قاری محمد طیب صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

جناب حافظ محمد ظہور الحق ظہورؔ صاحب نے تعزیتی نظم کہی، تاریخ وفات اس شعر میں ضبط کی ہے:

سالِ تاریخ وفاتش ہاتفم در گوش گفت
روحِ او "با رحمتِ خالق" بفضلِ حق رسید

۱۳۸۲ھ

قاضی صاحب مرحوم نے حسبِ ذیل کتابیں تالیف کی ہیں:

۱۔ صاعقۃ الرحمان (دو حصے)
۲۔ صلوٰۃ الرسول۔ حنفی نقطۂ نظر سے نماز کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔
۳۔ ازالۃ الرین عن مسئلہ رفع الیدین
۴۔ ازالۃ الاوہام عن عدم الفاتحہ خلف الامام
۵۔ ازالۃ الستر من عدد رکعات التراویح والوتر
۶۔ مسئلہ علم غیب
۷۔ مسئلہ حاضر و ناظر
۸۔ اقامۃ البرہان علی اہل الطغیان

قاضی صاحب کے جانشین اُن کے صاحبزادے قاضی عصمت اللہ ہیں جو دینی و تعلیمی خدمات میں مصروف ہیں۔

نیاز احمد شاہ گیلانی

مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی بن پیر رحمت علی شاہ گیلانی، نواں شہر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ موصوف کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) سے ملتا ہے اور اُن ہی کی نسبت سے "گیلانی" کہلاتے تھے۔ اُن کے اجداد میں سے ایک بزرگ حضرت سید علی بغدادی برصغیر میں وارد ہوئے اور اُوچ ضلع بہاولپور میں سکونت پذیر ہوئے بعد میں حضرت سید علی بغدادی کے اخلاف، پنجاب کے اطراف میں پھیل گئے۔

مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی نے ابتدائی تعلیم مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری سے حاصل کی اور تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ) کا نام بہت نمایاں ہے۔

تقسیمِ ہند کے بعد ترکِ وطن کر کے پاکستان آئے اور سلانوالی ضلع سرگودھا میں اقامت گزین ہوئے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اسی زمانے میں سلانوالی سے تلنبہ ضلع ملتان منتقل ہو گئے۔ تلنبہ میں اُنہوں نے دینی و تبلیغی کام کیا۔ مدرسہ قادریہ تلنبہ اُن کی یادگار ہے۔ ۲۷، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ/۱۶، مئی ۱۹۷۷ء کو فوت ہوئے اور تلنبہ میں مدفون ہوئے۔

مولانا نیاز احمد شاہ گیلانی مرحوم سیاسی طور پر جمعیت علمائے اسلام سے وابستہ تھے۔ جمعیت علمائے اسلام ملتان کے صدر رہے۔ اس علاقے میں جمعیت کی تنظیم کے لئے اُنہوں نے بھرپور کام کیا۔

واحد بخش بہاولپوری

مولانا مفتی واحد بخش بن محمد عیسیٰ ۱۹ مئی ۱۸۹۰ء/ ۲۹ رمضان ۱۳۰۷ھ کو ضلع بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد ماجد کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا بڑے بھائی نے تربیت کی۔

مولانا واحد بخش نے ابتدائی درسیات کی تحصیل اپنے علاقے میں کی۔ بعد میں مدرسہ اسلامیہ امروہہ میں زیرِ تعلیم رہے۔ آخر میں دار العلوم دیوبند سے دورۂ حدیث پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر کچھ عرصہ نگینہ (بھارت) میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ برادرِ بزرگ اور خویش واقارب کے اصرار پر وطن واپس آئے۔ اُن کے علاقے میں خیر پور ٹامیوالی دینی تعلیم کا مرکز تھا۔ وہیں شغل تدریس اپنا لیا۔ کچھ عرصے بعد محکمۂ تعلیم میں سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ اور بتیس سال درس وتدریس میں گزارے۔ ملازمت سے سبکدوش ہو کر حسبۃً للہ تدریس و تعلیم میں مصروف رہے۔

مولانا موصوف نے نو عمری میں جلالپور پیر والہ کے ایک مجذوب فقیر، اللہ ڈوایا سے تعلقِ بیعت استوار کیا تھا۔ امروہہ اور دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں آنا جانا ہوا۔ اپنے پہلے مرشد کی وفات پر ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ مولانا تھانوی کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی۔

مولانا مفتی واحد بخش ایک دینی درسگاہ کے مدرّس، شہر کے خطیب اور علاقے بھر کے مفتی تھے تاہم ریا ونمود سے کوسوں دُور رہتے تھے۔ سادہ مزاج، بے نفس اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔

☆☆☆☆☆

سیّد ولایت شاہ ہمدانی

سیّد ولایت شاہ بن سیّد چراغ شاہ بن سیّد کامل شاہ بن سیّد محمد زاہد ہمدانی ۱۲۴۶ھ/ ۳۱-۱۸۳۰ء میں قصور میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد ابتدائی درسیات اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ مولانا خدا بخش شاگرد مولانا غلام محی الدین قصوری سے علمی استفادہ کیا۔

جیّد عالم دین اور اچھے طبیب تھے۔ ہم عصر اطبا میں سب سے زیادہ مرجع خلائق تھے۔ سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد محترم سے بیعت تھے۔ چار پانچ روز بخار میں مبتلا رہ کر ۹ رمضان ۱۳۲۶ھ/ ۵ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو اللہ کو پیارے ہوئے اور کوٹ مراد خان قصور میں اپنے والد کے پہلو میں دفنائے گئے۔ مرحوم کے عزیز سیّد محمد زمان شاہ نیازی نے "عم من منبع الفضائل بود" سے تاریخ وفات اخذ کی ہے۔

۱۳۲۶ھ

سیّد ولایت شاہ ہمدانی کے حسب ذیل فرزند ہیں:

۱۔ سیّد عبدالحق شاہ

۲۔ سیّد شہاب الدین شاہ

۳۔ سیّد جلال الدین شاہ

مرحوم کی تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ ہدیۃ الحسنین فی رد رفع الیدین

۲۔ خلاصہ قرابادین

۳۔ تلخیص تفسیر کبیر (عربی۔ خطی)

۴۔ انتخاب مسائل تفسیر الرازی (پارہ دوم۔ سوم۔ خطی)

۵۔ الوقوف (فن تجوید۔ خطی)

۶۔ حاشیہ قرآن مجید (خطی)

سیّد ولایت شاہ گجراتی

پیر سید ولایت شاہ بن پیر احمد شاہ موضع رانیوال ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۳۰۶ھ/۸۹-۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں حصولِ تعلیم کے لئے گھر سے نکلے۔ مدرسہ تعلیم القرآن جنڈ (ضلع اٹک) میں قرآن مجید حفظ کیا اور مولانا قاری غلام نبی للہی سے فنِ تجوید میں مہارت بہم پہنچائی۔ مولانا غلام حیدر ہموی سے درسِ نظامی کی چند کتابیں پڑھیں بعد میں مدرسہ نعمانیہ لاہور میں زیرِ تعلیم رہے یہیں سے سندِ فراغت حاصل کی۔ اساتذۂ مدرسہ کے علاوہ مولانا غلام محمد گھوٹوی سے استفادہ کیا جو اُن سے چند کتابیں آ گے تھے۔

۱۳۳۳ھ میں نقشبندی سلسلے کے بزرگ پیر جماعت علی شاہ علی پوری سے بیعت ہوئے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے اشغال و اوراد مکمّل کئے۔ پیر جماعت علی شاہ مرحوم کے خلفاء میں سید ولایت شاہ کا نام بہت نمایاں ہے۔

پیر ولایت شاہ صاحب کو قرآن مجید کی تعلیم عام کرنے کا شوق تھا۔ اور عمر بھر اس مقصد کے لئے کوشاں رہے۔ گجرات میں مسجد حاجی پیر بخش مرحوم بالکل ویران پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے ۱۳۳۵ھ میں "مدرسہ تعلیم القرآن" قائم کر کے مسجد آباد کر دی۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب کی راہنمائی میں اُنہوں نے گجرات میں "انجمن خدام الصوفیہ" قائم کی اور ۱۳۳۱ھ میں اس انجمن کے زیرِ اہتمام "مدرسہ خدام الصوفیہ" کی بنیاد رکھی۔ مدتوں یہ مدرسہ دینی تعلیم کا ایک اہم مرکز رہا۔ مولانا عمر بخش، مفتی عبد الحفیظ اگروی، قاضی عبد السبحان ہزاروی اور مفتی احمد یار خان گجراتی جیسے فضلاء نے تدریسی کام کیا۔

پیر صاحب کے تعمیراتی کارناموں میں سے ایک محلہ علی پورہ گجرات کی خوبصورت مسجد ہے جو ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں مکمّل ہوئی۔ ۳۱، جولائی ۱۹۷۱ء/ ۷، جمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ

کو وفات پائی اور مذکورہ مسجد کے پہلو میں دفنائے گئے۔

پیر صاحب مرحوم کی اولاد میں سات صاحبزادے ہیں جن میں مولانا سیّد محمود شاہ ملک گیر شہرت رکھتے ہیں۔

حافظ ولی اللہ لاہوری

حافظ ابو اسحاق ولی اللہ لاہوری ۱۲۵۱ھ/۳۶-۱۸۳۵ء میں وادیٔ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ اس خطۂ جنت نظیر کے سکھ راجہ نے اپنی مسلمان رعایا پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا چنانچہ مسلمانانِ کشمیر کے بیسیوں خانوادے اپنی جان و ایمان کی حفاظت کے لئے پنجاب آ گئے۔ ان ہی مہاجر خانوادوں میں ولی اللہ کا خاندان شامل تھا۔

حافظ ولی اللہ کا خاندان جب پنجاب آیا تو موصوف شیر خوار بچے تھے۔ ابتداء میں اُن کا خاندان پسرور ضلع سیالکوٹ میں رُکا۔ بعد میں لاہور منتقل ہو گیا۔ حافظ صاحب، کی عمر پانچ سال کے لگ بھگ تھی کہ چیچک میں مبتلا ہو گئے۔ اس موذی بیماری میں اُن کی جان تو بچ گئی مگر نورِ بصارت سے محروم ہو گئے۔

حافظ صاحب، نابینا ہو گئے مگر قدرت کو ابھی اُن کے مزید امتحانات مقصود تھے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے والدین کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے۔ اور وہ اپنے بھائیوں اور بھاوجوں کے رحم و کرم پر رہ گئے۔ اُن کے بھائیوں میں سے صدیق شیخ نے لاہور کی کشمیری برادری میں بڑا نام پیدا کیا۔ نواب علی رضا خان قزلباش کو اُن کی وجہ سے کشمیری برادری کے ووٹ ملے تھے۔

اُن دنوں لاہور میں مولانا غلام رسول قلعویؒ کا آنا جانا تھا۔ اُنہوں نے حافظ ولی اللہ کو کس مپرسی کی حالت میں دیکھا تو اُنہیں اپنے ساتھ لے لیا۔ حافظ صاحب موصوف نے اُن کی نگرانی میں قرآن مجید حفظ کیا اور اُن سے علومِ مروجہ میں اکتسابِ فیض کیا۔ اُن کے ہم درسوں میں مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ) کا نام معروف ہے۔

حافظ صاحب نے مولانا غلام رسول قلعوی کے علاوہ مولانا احمد الدین بگوی اور مولانا نور احمد ساکن کھائی کوٹلی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

حافظ ولی اللہ تکمیلِ تعلیم کے بعد لاہور آ گئے۔ مسجد وزیر خان میں درس دینے لگے۔ ڈپٹی برکت علی اُن کے قدر دانوں میں سے تھے۔ اُنہوں نے بادشاہی مسجد کے لئے اُن کی خدمات حاصل کر لیں[1]۔ ۳۰ر مئی ۱۸۷۳ء/۲ر جمادی الاخریٰ ۱۲۹۰ھ کو انجمن اسلامیہ نے حافظ صاحب کو مدرسہ شاہی مسجد کا صدر مدرّس نامزد کیا اور زندگی کے آخری لمحات تک اس منصب کی ذمّہ داریاں پوری کیں۔

حافظ صاحب مناظرانہ ذوق رکھتے تھے۔ عیسائی پادریوں نے لاہور کی فضا اپنے دلآزار لیکچروں اور پمفلٹوں سے خراب کر رکھی تھی۔ حافظ صاحب نے عیسائیت کا بطورِ خاص مطالعہ کیا اور عیسائی پادریوں سے مناظرے کرنے لگے۔ اُن کی شہرت ایک بلند پایہ مناظر کی حیثیت سے دُور دُور تک پھیل گئی۔ اُنہوں نے پادری فورمین اور پادری عماد الدین سے تحریری اور زبانی مباحثے کئے اور اُنہیں ہر موقع پر لاجواب کیا۔ کنہیالال نے اُن کے تعارف میں لکھا ہے:

"یہ ایک شخص عالم متبحر لاہور کے علماء میں سے تھا........
........مناظرے کے علم میں اُس کو یہ استعداد تھی کہ بڑے بڑے پادری عیسائی اُس کے رُوبرو بول نہیں سکتے تھے[2]۔"

تمام تذکرہ نگاروں نے حافظ ولی اللہ کے بے نظیر حافظہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ مناظروں اور نجی گفتگو میں کتابوں کے حوالے صفحہ اور سطر کی قید کے ساتھ سُنا دیتے تھے۔

---

[1] مشاہیرِ کشمیر ص ۲۹

[2] تاریخِ لاہور ص ۷۵

حافظ صاحب فقہ و حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے۔ لاہور کے عوام ہی نہیں عدالت بھی مذہبی معاملات میں اُن سے فتویٰ لیتی تھی۔ جمعہ کے روز شاہی مسجد لاہور میں وعظ کہتے تھے۔ عوام میں ایک عمدہ واعظ کی حیثیت سے اُن کا نام لیا جاتا تھا۔

حافظ ولی اللہ کی خدماتِ دینیہ کے پیشِ نظر حلقۂ علماء میں اُن کی قدر و منزلت تھی۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) اُن کی تبلیغی اور مناظرانہ مساعی کے معترف تھے انہوں نے حافظ صاحب کو اپنی معرکہ آرا عربی کتاب "اظہار الحق" تحفۃً بھیجی تھی۔

حافظ ولی اللہ مصروف زندگی گزارتے ہوئے ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ/۲۴ر جولائی ۱۸۷۹ء کو مرضِ اسہال سے فوت ہوئے۔ احاطہ شاہ ابو المعالی میں دفن کئے گئے۔ قطعۂ تاریخ وفات، یہ ہے ع

آں حافظِ شیریں زباں وآں واعظ خوش ترجماں
شد روز آدینہ رواں زیں دارِ پُر رنج و عنا
بود از جمادی اوّلیں تاریخ بست و چار
پنہاں شد زیر زمیں آں صاحبِ فہم و ذکا
بنویس ہ جاں دادہ بحق ولی حافظ ولی اللہ "

حافظ ولی اللہ مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے عبدالعزیز اور اسحاق تھے۔ اوّل الذکر ۱۹ سال کی عمر میں فوت ہوا اور آخر الذکر کمسنی میں فوت ہو گیا تھا۔

حافظ ولی اللہ کی قلمی یادگاروں میں حسبِ ذیل ملتی ہیں:

۱۔ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان

پادری عماد الدین نے "تحقیق الایمان" کے نام سے ایک نہایت دل آزار کتاب لکھی تھی یہ "صیانۃ الانسان" اُسی کا جواب ہے۔ گارساں دتاسی نے اپنے مقالات میں اس کا نام "صیانۃ الاسلام" لکھا ہے جو درست نہیں۔

صیانۃ الانسان ۱۸۷۲ء/۱۲۸۹ھ میں مطبع مصطفائی لاہور سے طبع ہوئی تھی۔ تاریخِ طباعت" دافع شیطان صیانۃ الانسان" سے برآمد ہوتی ہے۔

۲۔ مباحثہ دینی

۱۲۸۴ھ/۶۸-۱۸۶۷ء میں پادری عماد الدین سے مباحثہ کیا۔ اسی کی روداد ہے۔

۳۔ ابحاثِ ضروری

عیسائی رسالہ "شکوک کفارہ" (مطبوعہ: منجانب پادری صاحبان مطبع مشن لدھیانہ ۱۸۷۴ء) کا جواب ہے۔ اس میں قریب قریب عیسائیت کے تمام ضروری مباحث آگئے ہیں۔ مطبع مصطفائی لاہور سے ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں شائع ہوا۔

۴۔ رجم الشیاطین

اوّل الذکر تین کتابوں پر حافظ ولی اللہ کے شاگرد مولانا فقیر محمد جہلمی کے گراں قدر حواشی ہیں۔

ولی اللہ

مولانا ولی اللہ بن مولانا ثناء اللہ موضع گلیانہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد صوفی منش بزرگ تھے اور دین کی محبت سے سرشار تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد استاد العلماءؒ مولانا غلام رسولؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درسِ نظامی کی جملہ کتب اُن سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث مولانا قاضی کلیم اللہ چکڑالوی سے کیا۔

دورہ حدیث سے فارغ ہو کر چکڑالہ (ضلع میانوالی) کے قریب زندہ شاہ بلاول تحصیل تلہ گنگ ضلع اٹک میں تدریس و امامت پر مامور ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد اُستادِ گرامی مولانا غلام رسولؒ نے اپنے پاس "انہی" بلا لیا اور اپنے استاد کے حین حیات انہی میں رہے۔ بعد میں میانوال منتقل ہو گئے۔ مسلسل اسّی برس تدریس و تعلّم سے وابستہ رہے۔

اُستاد العلماء مولانا غلام رسولؒ کے جانشین اور داماد تھے۔ اپنے اُستاد کی طرح معقولات میں بے مثل تھے۔ تکلّف و تصنّع سے پاک زندگی گزاری۔ اُن کی زندگی کا معتدبہ حصّہ "انہی" میں گزارا البتہ چند سال راولپنڈی اور فیصل آباد کے بعض مدارس میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا حسین علیؒ (ساکن واں بھچراں) کے مُرید تھے اور اشاعتِ توحید و احیائے سنّت میں اپنے مُرشد کے مشن کے علمبردار۔

مولانا ولی اللہ سے بلا مبالغہ ہزاروں افراد نے اکتسابِ فیض کیا۔ سو سال سے زائد عمر پا کر ۱۲ر شوال ۱۳۹۳ھ / ۹ر نومبر ۱۹۷۳ء کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔

دو صاحبزادے مولانا محمد عابد اور مولانا محمد کاظم اُن کی یادگار ہیں۔

ولی محمد بٹالوی

مولانا ولی محمد بٹالہ ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ اُنھوں نے ایف۔ اے تک تعلیم حاصل کی اور فوج میں ہیڈ کلرک بھرتی ہو گئے۔ نہایت ذہین اور فرض شناس کارکن تھے، تمام افسر اُن کا احترام کرتے تھے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تعلقِ بیعت رکھتے تھے۔ اُن کے زیرِ تربیت رہے تو فوج کی ملازمت سے جی اچاٹ ہو گیا۔ ایک روز گھر کا تمام سامان نیلام کر دیا اور استعفا دے کر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہو گئے۔ اُن کے رفقاء حیران تھے کہ اُنہیں کیا ہوا مگر اُن کا دل شاد اور روح فرحاں تھی۔

ناظمِ مدرسہ مظاہر العلوم نے اُن کے خورد و نوش کا انتظام محلّہ میں ایک گھر میں کر دیا۔ جب مولانا تھانوی رح کو اُن کے انقلابِ حال کی اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے مدرسہ مظاہر العلوم میں لکھ بھیجا کہ "مولوی ولی محمد" ہمارا آدمی ہے اس کا خاص خیال رکھا جائے چنانچہ اُن کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا اور جب مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ کو حقیقتِ حال معلوم ہوئی کہ اُنہوں نے ایک معقول ملازمت ترک کر کے علومِ دین کی تحصیل شروع کی ہے تو وہ از حد متاثر ہوئے۔ نواب ڈھاکہ (جو مولانا تھانوی کے ارادت مندوں میں سے تھے) نے اُن کا معقول وظیفہ جاری کیا اور اُنہوں نے فارغ البالی سے علومِ دینیہ کی تحصیل کی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرّس ہو گئے۔ ۱۹۳۷ء میں رنگون کے ایک دینی مدرسے سے بسلسلہ تدریس منسلک ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد

راولپنڈی آ گئے اور مدرسہ "آثار الولی" قائم کیا۔ ۲۱ راپریل ۵۹ ۱۹ء / ۱۲ ر شوال ۷۸ ۱۳ھ کو راولپنڈی میں وفات پائی [1]

---

[1] بزم اشرف کے چراغ ص ۳۸-۳۹

سیّد ہاشم شاہ ہمدانی

سیّد ہاشم بن سیّد محمد زاہد ہمدانی ۱۱۶۹ھ/۵۶-۱۷۵۵ء میں کوٹ مراد خان (قصور) میں پیدا ہوئے۔ فارغ التحصیل صاحبِ فتویٰ عالم تھے۔

۱۱۹۸ھ/۸۴-۱۷۸۳ء میں بعہد نواب بہاول خان عباسی ثانی (والئی بہاولپور) نقل مکانی کر کے خیر پور ٹامیوالی (ضلع بہاول پور) چلے گئے۔ خیر پور اور اس کے گرد و نواح میں اصلاح و تبلیغ کے لئے کوشاں رہے اور بستی بھوسن میں قیام رہا۔[1]

سید امان اللہ شاہ قادری نوشاہی سے بیعت تھے اور اُن کی طرف سے خلیفہ نامزد ہوئے تھے۔ سیّد محمد گیلانی سے بھی تعلقِ ارادت تھا۔ اپنے ہم عصر جیّد عالم خواجہ خدا بخش خیر پوری سے دوستانہ مراسم تھے۔ خواجہ صاحب اُن کے ہاں آتے اور فقر و تصوّف پر گفتگو کرتے تھے۔[2]

۷۲ سال کی عمر میں ۲۷ محرم ۱۲۴۱ھ/۱۱ستمبر ۱۸۲۵ء کو وفات پائی اور خیر پور ٹامیوالی میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اُن کی اولاد میں صرف ایک فرزند سید محمد (م ۱۲۵۵ھ) تھے۔

سلسلہء طریقت میں اُن کے جانشین حکیم بخت جمال خیر پوری اور سلطان محمود گورایہ (مدفون فاضلکا) تھے۔

سیّد ہاشم شاہ کی قلمی یادگاروں میں سے مجموعہ فتاویٰ موجود ہے جو زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔

---

[1] ہم اور ہمارے اسلاف ص ۲۲۱

[2] ایضاً ص ۲۱۰

ہدایت اللہ نوشہروی

مولانا ہدایت اللہ بن بستے خان، نوشہرہ ککے زئیاں ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ موصوف ککے زئی برادری کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے پڑھے لکھے افراد سے حاصل کی۔ بعد میں لاہور جاکر درسِ نظامی کی متوسط کتابیں پڑھیں۔ یہاں سے دہلی گئے اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں فنِ طب میں مہارت حاصل کی۔ آخر میں گنگوہ تشریف لے گئے اور فقہ و اصولِ فقہ کا درس لیا۔

مولانا ہدایت اللہ مروجہ دینی نصاب کی تکمیل کے بعد وطن آئے مگر چند روزہ قیام کے بعد جہلم آ گئے۔ وہاں سے راولپنڈی منتقل ہوئے اور مدت العمر یہیں رہے۔ مولانا موصوف جامع اہلِ حدیث راولپنڈی کے امام و خطیب تھے۔ انہوں نے یہاں ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ جس میں قرآن و سنت کی تعلیم کے ساتھ باضابطہ فنِ طب سکھایا جاتا تھا تاکہ دین کی خدمت کرنے والے اپنی معاش کے سلسلے میں عوام کے دست نگر نہ ہوں بلکہ فنِ طب سے آذوقۂ حیات حاصل کریں۔ مولانا ہدایت اللہ طب کی معروف کتاب "نفیسی" پڑھانے میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ دُور دُور سے طلبہ "نفیسی" پڑھنے اُن کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

مولانا ہدایت اللہ نے عیسائیوں، آریہ سماجیوں اور قادیانیوں کے خلاف وعظ کہے کئی مناظرے کئے اور مخالفِ اسلام طاقتوں کے خلاف دامے، درمے، قدمے اور سخنے کام کرتے رہے۔ تحریکِ مجاہدین سے قریبی تعلق رکھتے تھے۔ اسی نسبت سے زندگی بھر خفیہ پولیس کے ہاتھوں تنگ رہے۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مرزائے قادیانی سے مباحثہ کے لئے اپنے جن ساتھیوں کو لے کر لاہور گئے تھے۔ ان میں مولانا ہدایت اللہ

شامل تھے۔ پیر صاحب نے اپنے اشتہار میں چوتھے نمبر پر اُن کا نام بھی درج کیا تھا۔
مولانا ہدایت اللہ پنجابی نظم و نثر پر عبور رکھتے تھے۔ اُن کی حسبِ ذیل علمی یادگاریں موجود ہیں:

۱۔ ترجمۃ القرآن (پنجابی، مطبوعہ)
۲۔ تفسیر القرآن۔ سورہ البقرہ (پنجابی، غیر مطبوعہ)
۳۔ مجموعہ کلام (پنجابی)۔ افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اِس کے نصف اوراق دیمک چاٹ گئی ہے۔

مولانا ہدایت اللہ ۱۹۱۱ء/۱۳۲۹ھ میں کسی کام کی غرض سے سیالکوٹ گئے۔ وہاں پہنچے ہی تھے کہ بیمار ہو گئے اور یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ سیالکوٹ میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ مرحوم کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے تھے۔ صاحبزادی لاولد فوت ہوئیں۔ بڑے صاحبزادے حکیم عبدالرحمٰن راولپنڈی کے معروف طبیب اور سماجی کارکن تھے۔ ایک عرصہ مجلس احرارِ اسلام کے ساتھ وابستہ رہے۔ حکیم عبدالرحمان صاحب ۱۷ اگست ۱۹۵۷ء/۳۰ محرم ۱۳۷۷ھ کو راولپنڈی میں فوت ہوئے۔ حکیم صاحب کے صاحبزادے جناب عزیز ملک مُلک کے معروف ادیب اور منجھے ہوئے قلمکار ہیں۔

ہدایت اللہ سوہدروی

مولانا ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی بن مولوی حاکم الدین بن ملک امام الدین بن ملک شادی خان بن ملک ہزاری خان ۲۷ مئی ۱۸۹۳ء/۱۱ ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ کو ضلع گوجرانوالہ کے معروف قصبہ سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔ ککے زئی برادری کے چشم و چراغ تھے۔

مولانا ابوالمحمود نے سولہ سال کی عمر تک مختلف مکاتب و مدارس میں مروّجہ تعلیم حاصل کی۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا غلام نبی سوہدروی اور مولانا عبدالحمید سوہدروی کے نام ملتے ہیں۔ کچھ عرصہ مدرسہ غزنویہ امرتسر میں زیرِ تعلیم رہے۔

مولانا ابوالمحمود نے آبائی پیشہ تجارت کو ذریعہ روزگار بنایا اور وطنِ مالوف سے باہر ضلع مرادآباد میں مقیم رہے۔ چند سال حیدرآباد (دکن)، بیتول، بھوپال اور میسور کے علاقوں میں ٹھیکیداری بھی۔ ۲۷ نومبر ۱۹۱۷ء/۱۲ صفر ۱۳۳۶ھ کو واپس وزیرآباد آئے اور ایک تجارتی فرم سے منسلک ہو گئے۔ مسلسل گیارہ سال اِس فرم سے تعلقِ ملازمت قائم رکھا۔ اس کے بعد اپنے ایک ہم خیال دوست حاجی امام الدین کے تعاون اور اشتراک سے چمڑے کی آڑھت شروع کی۔

مولانا موصوف نے وزیرآباد کے زمانۂ قیام میں دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۱۸ء/۳۷-۱۳۳۶ھ میں "انجمن اہلحدیث" قائم کی جس کے روح و رواں وہ خود ہی تھے۔ اُن کی کوشش سے انجمن کے چند کامیاب سالانہ اجلاس ہوئے۔ انجمن کے زیرِ اہتمام ایک دینی درسگاہ بھی قائم تھی۔

مولانا موصوف کریم النفس اور شریف الطبع انسان تھے۔ ادب و شعر سے خاصا لگاؤ رکھتے تھے۔ اپنی تحریروں میں اشعار کا برمحل استعمال کرتے تھے۔ ۱۴ مئی ۱۹۶۷ء/

۴ر صفر ۱۳۸۷ھ کو سوہدرہ میں فوت ہوئے اور اپنے والدِ ماجد کے پہلو میں دفنائے گئے۔

مولانا ابوالمحمود ہدایت اللہ سے حسبِ ذیل مطبوعات یادگار ہیں:

۱۔ فلسفہ اور معجزہ ۲۔ شبیر نامہ

۳۔ تاریخ ککے زئی ۴۔ اسلام اور مسیحیت

۵۔ اسلامی اخلاق (دو حصّے)

اِن پر مستزاد اُن کے بیسیوں مقالات ہیں جو ہفت روزہ "اہل حدیث" (امرتسر) میں طبع ہوتے تھے۔

مولانا سوہدروی مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔

یار محمد بندیالوی

مولانا یار محمد بن میاں سلطان محمد بن میاں شاہنواز ۱۳۰۴ھ/۸۷-۱۸۸۶ء میں ضلع سرگودھا کے معروف گاؤں بندیال میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں تحصیلِ علم کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ موضع پکا ضلع میانوالی میں قرآن مجید حفظ کیا۔ صرف و نحو کی تحصیل مولانا محمد امیر دامانی اور مولانا ثناء اللہ (ساکن پنجائن ضلع جہلم) سے کی۔ آخر الذکر الفیہ ابن مالک پڑھانے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔

اعلیٰ تعلیم مدرسہ نعمانیہ لاہور اور مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری دہلی میں پائی۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں مدرسہ حکیم اجمل خان میں فنِ طب کی کتابیں پڑھیں۔ ایک روایت کے مطابق مولانا یار محمد بندیالوی نے مولانا ہدایت اللہ جونپوری شاگرد مولانا فضلِ حق خیر آبادی سے بھی استفادہ کیا تھا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو الٰہ آباد، رامپور، بھوپال اور ٹونک کے مدارسِ دینیہ سے وابستہ رہے۔ آخر میں اپنے وطنِ مالوف آئے اور "جامعہ امدادیہ مظہریہ" کی بنیاد رکھی۔ اُن کی صدارتِ تدریس اور اہتمام میں جامعہ نے کافی ترقی کی اور سینکڑوں طالبانِ شوق نے اُن کے فضل و علم سے استفادہ کیا۔

۲۲ محرم ۱۳۶۷ھ/۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو وفات پائی۔ بندیال میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اُن کے صاحبزادے مولانا محمد عبد الحق اور مولانا محمد فضلِ حق اپنی آبائی دینی و علمی روایات قائم رکھے ہوئے ہیں۔

تکملہ

(تذکرہ علمائے پنجاب)

تکملہ

(زیر نظر تذکرہ کی ترتیب و تسوید کے دوران میں بعض حضرات کے سوانحی حالات ضروری تفصیلات کے ساتھ دستیاب نہیں ہو سکے تاہم اُن کے بارے میں مختلف حوالوں سے جو کچھ حاصل ہوا۔ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔)

احمد شاہ چوروی

چورہ شریف ضلع اٹک کے معروف نقشبندی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ مفتی غلام مصطفٰے قاسمی امرتسری کے شاگردوں میں سے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم رہے۔ گروہی تعصب سے بالاتر تھے۔ اُن کی اولاد میں خادم حسین اور ارشاد حسین کے نام ملتے ہیں۔

اللہ بخش چشتی

حافظ اللہ بخش چشتی ملتان کے رہنے والے تھے۔ زندگی بھر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ خدا بخش خیرپوری کے خلیفۂ مجاز تھے۔ یکم شوال ۱۳۳۴ھ / یکم اگست ۱۹۱۶ء کو فوت ہوئے اور قبرستان مائی پاک دامن ملتان کے نزدیک دفنائے گئے۔

سید برکت علی

(شیعہ رافضی اهل تشیع)

علم ریاضی اور فقہ میں یگانہ روزگار شیعہ عالم تھے۔ سلطان العلماء سید محمد اور

اُن کے بھتیجے ممتاز العلماء سید ابوالحسن کے شاگردوں میں سے تھے۔ لاہور میں قیام پذیر رہے۔ "تاریخ سلطان العلماء" کے مؤلف نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"پنجاب میں جو کچھ تبلیغِ دین ہوئی۔ اس کا سہرا آپ کے سر ہے۔"[1]

قاضی حبیب الرحمٰن (وھابی نجدی اھل حدیث)

مولانا ابوالفضل قاضی حبیب الرحمان بن قاضی عبدالرحمان، منصور پور (ریاست پٹیالہ) کے رہنے والے تھے۔ قاضی محمد سلیمان منصورپوری مؤلف "رحمۃ اللعالمین" اُن کے چچا اور خسر تھے۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۵۷ء/۱۷ر ذی الحجہ ۷۶ ۱۳ھ کو بعد از نماز عصر وظیفہ پڑھ رہے تھے کہ ڈیرہ غازی خان میں فوت ہوئے۔

قاضی صاحب جیّد عالم تھے۔ اوراد و اشغال سے دلچسپی رکھتے تھے۔ عیسائیت کے بارے میں اُن کی معلومات خاصی وسیع تھیں۔ اُن سے ایک مختصر کتاب "سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ایلیاہ کے مصداقِ حقیقی کا تعین و وضاحت" اور "عشو مشو" یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے قاضی محمد سلیمان منصورپوری کی سیرت نبوی سے متعلق متفرق تحریروں کو "خیر البشر" کے نام سے یکجا کیا تھا۔

خان محمد قریشی

موضع قلعدار ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ نسباً قریشی اور مشرباً قادری تھے۔ شعبان ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء میں فوت ہوئے۔ سید احمد ناظم نے حسب ذیل تاریخ کہی ع

---

[1] تاریخ سلطان العلماء

تخت نشیں گشت بملکِ سرمد
شاہ دیں مولانا خان محمد
در لیل خمیس در غرہ شعبان
ہفتاد و چہار، ایک ہزار و دو صد[1]

خدا بخش مظفر گڑھی (وہابی نجدی دیوبندی)

طویل مدت تک مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرس رہے۔ فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس دیتے تھے۔ ٹھوس قابلیت کے حامل تھے اور فنون درسیہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔

دہلی میں انجمن سیف الاسلام اور مدرسہ امینیہ کی انجمن اصلاح العام کے صدر تھے۔ مؤخر الذکر انجمن ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں مفتی محمد کفایت اللہ نے قائم کی تھی۔ تقسیمِ ہند کے بعد واپس وطن آ گئے اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔

خلیل الرحمان ملتانی (وہابی نجدی اهل حدیث)

مولانا خلیل الرحمان بن خدا بخش نے مولوی قمر الدین اور مولوی نور محمد مراد آبادی سے صرف و نحو کی تحصیل کی، منطق و حکمت کی کتابیں سید امیر احمد سہسوانی اور مولانا عبد الکریم رامپوری سے پڑھیں۔ فقہ و حدیث کی تحصیل رامپور میں مولانا اکبر علی سے کی، تحصیلِ علم کے بعد وطن واپس آئے اور ملتان کے قریب ایک گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ زندگی بھر تبلیغِ و اشاعتِ دین میں مصروف رہے۔ صاحبِ "نزہت الخواطر" نے

---

[1] تذکرہ اولیائے گجرات ص ۷۶ (مسودہ)

اُن کے مسلک کے بارے میں لکھا ہے:

"ہو ممن یعمل بالحدیث ولا یقلد احدا من الائمہ"[1]

مولانا خلیل الرحمٰن کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

سلطان محمود خان بیلوی

مولانا سلطان محمود، خواجہ محمد عاقل (کوٹ مٹھن) کے زیرِ تربیت رہے اور اُن کے خلفاء میں سے تھے۔ خواجہ محمد عاقل کے ارشاد پر گڑھی اختیار خان میں مقیم رہے۔ بعد میں خان بیلہ چلے گئے وہیں ۳ ربیع الآخر ۱۲۳۹ھ / ۷ دسمبر ۱۸۲۳ء کو فوت ہوئے۔ اُن کا مزار نواب محمد بہاول خان ثالث نے تعمیر کرایا تھا۔

صدر الدین گجراتی

مولانا صدر الدین گجراتی اپنے وقت کے معروف عالمِ دین تھے۔ اُنہوں نے محمد صالح گجراتی سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ قلعدار ضلع گجرات میں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ بعد میں جہلم چلے گئے۔ وہیں ۱۲۶۸ھ / ۵۲-۱۸۵۱ء میں فوت ہوئے۔ غلام محی الدین کنجاہی نے تاریخِ وفات کہی ع

سالِ فوت جناب صدر الدین
بادمرحوم رحمت رحمان

—— ۱۲۶۸ھ ——

مولانا صدر الدین کی اولاد میں مولانا برہان الدین کا نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔

---

[1] نزہت الخواطر جلد ہشتم ص ۱۳۷

عبدالجبار ابوہروی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبدالجبار دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد تھے انہوں نے چشتیاں میں ایک مدرسہ برائے طالبات قائم کیا تھا جو کامیابی سے چلتا رہا۔ آخری عمر میں ملتان میں ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی تھی کہ اجل کا بلاوا آگیا۔ سبق پڑھاتے ہوئے رُکے اور دل پر ہاتھ رکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ اسی پر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء سالِ وفات ہے۔

عبدالکریم گجراتی (وھابی نجدی دیوبندی)

موضع آچھ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ مفتی غلام رسول قاسمی امرتسری کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ مسجد سکندر خان امرتسر میں امام و خطیب رہے۔ ۵ ستمبر ۱۹۴۳ء/۵ رمضان ۱۳۶۲ھ کو وطنِ مالوف میں فوت ہوئے۔

حافظ عبداللہ احمدپوری

احمدپور شرقیہ کے رہنے والے تھے۔ خواجہ محمد عاقل کے مرید و خلیفہ تھے۔ راہِ طریقت میں ایک عرصہ سیر و سیاحت کی اور اہلِ دُنیا سے الگ رہے۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی کی مشہور کتاب "تسنیم" کی شرح تنسیم کے نام سے لکھی اور الیا غوجی پر حاشیہ اُن سے یادگار ہے۔

احمدپور شرقیہ میں اُن کا مزار ہے۔ ۲۸ ربیع الاخری کو اُن کا عرس منایا جاتا ہے۔

عبداللہ ملتانی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا عبداللہ ملتانی، ضلع ملتان کے ابتدائی فضلائے دیوبند میں سے تھے۔ مولانا انور شاہ کاشمیری اور مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مجازِ بیعت تھے۔ ملتان میں ان کی اصلاحی اور درسی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔

شیخ عبداللہ شورکوٹی (وھابی نجدی دیوبندی)

شیخ عبداللہ ایک ہندو خاندان میں پیدا ہوئے۔ مولانا خواجہ غلام حسن نقشبندی ساکن ڈاگر سوہاک کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اکثر دینی کتابیں پنجاب میں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے۔ اور سندِ فضیلت حاصل کی۔ موضع شورکوٹ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں مقیم تھے اور درس وتدریس میں وقت گزارتے تھے۔

عبیداللہ بہاولپوری (وھابی نجدی دیوبندی)

جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ الفقہ تھے۔ بڑے صاحبِ علم بزرگ تھے۔ مدرسہ امینیہ دہلی اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔

غلام حسین نقشبندی

مولانا غلام حسین بن فقیر محمد بن خواجہ غلام حسن نقشبندی نے قرآن مجید اور فارسی درسیات کی تحصیل مولانا غلام محی الدین چنابی سے کی۔ درسِ نظامی کی تحصیل مولانا عبدالکریم جامپوری سے کی۔ آنتوں کی بیماری میں ۱۲ر ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ / ۲ر جنوری ۱۹۳۹ء کو کہروڑ

میں فوت ہوئے۔ اُن کا مزار اُن کے والد ماجد فقیر محمد کے مزار کے غربی جانب چاہ تقل کھوڑ میں ہے۔

غلام حسین قریشی بھیروی

مولانا غلام حسین قریشی بھیرہ ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ ۳، صفر ۱۳۳۹ھ/ ۶، ستمبر ۱۹۲۱ء کو فوت ہوئے۔ مولوی دلپذیر بھیروی نے مرثیہ لکھا۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں:

بعلمِ پارسی مانندِ پارس — جمالِ صحبتش چوں کیمیا بود
چہ گویم وصف آں مرحوم بخدا — دریں ایام مردِ پارسا بود
بہ ہر مجلس کہ با عزاز رفتی — امامش مرحبا و مرحبا بود
وے از مدتے با ترکِ دنیا — بہ خلوت گاہ ذاتِ کبریا بود
بہ ذکر و شغل در کنجِ سعادت — ہمہ تن شاغلِ حمد و ثنا بود
نہ دیدم مثلِ آں اہلِ توکل — عجب متوکل و صاحبِ رضا بود

پذیر ایں مصرعہ سالش نوشتہ
مقام وے بر دانِ خدا بود

—— ۱۳۳۹ھ ——

غلام رسول فقیہ لاہوری

شیخ غلام رسول لاہوری، طانڈہ والہ کی صفتِ نسبتی سے معروف تھے۔ غالباً دیار سے ترکِ سکونت کر کے لاہور آئے تھے۔ علم فقہ پر عبور رکھتے تھے۔ اسی لئے "فقیہ" کے لقب سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ فقیر طبع اور صوفی منش تھے۔ سلسلۂ

نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ ۱۲۲۰ھ/۰۶-۱۸۰۵ء میں فوت ہوئے۔ اعلیٰ درجے کے خطیب بھی تھے۔ شعروسخن سے دلچسپی رکھتے تھے۔ "آہ دریغ" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

غلام رسول گجراتی

مولانا غلام رسول بن میاں کرم دین بمقام راجیکی ضلع گجرات میں ۱۸۷۷ء/۱۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ میاں محمد دین گجراتی اور مولانا امام الدین سے فارسی کتابیں پڑھیں۔ شعرو شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ صاحبِ مطالعہ شخص تھے۔

اُن کی حسبِ ذیل تالیفات ملتی ہیں:

۱۔ حیاتِ قدسی
۲۔ اظہارِ حقیقت
۳۔ توحید باری تعالیٰ
۴۔ تنقیدِ الحقائق

مفتی غلام رسول گجراتی

مفتی غلام رسول شادیوال ضلع گجرات کے باسی تھے۔ اُن سے چند کتابیں یادگار ہیں۔ فارسی زبان کے شاعر تھے۔

غلام محمد اعوان

بلال زبیری مرحوم مؤلف "تذکرہ اولیائے جھنگ" کے دادا تھے۔ ہفت روزہ "المنیر" (جھنگ) کے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۶ء تک مدیر رہے۔ کم گو عالم تھے۔ قرآن مجید

کی اشاعت و تبلیغ میں لگے رہتے تھے۔ پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ مذہبی موضوعات پر متعدد رسائل اُن کے قلم سے نکلے ہیں۔ ۱۹۳۲ء/ ۵۱-۱۳۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

پیر فتح شاہ قریشی ملتانی

مظفر خانی دور میں ملتان کے شیریں بیان عالم تھے۔ ۲۵ محرم ۱۳۰۵ھ/ ۱۳ اکتوبر ۱۸۸۷ء کو فوت ہوئے اور مسجد قریشیہ (کوٹلہ تغلق۔ ملتان) کے چبوترے پر دفنائے گئے۔

فتح محمد سلیانوی

مولانا فتح محمد قصبہ سلیانہ ضلع جھنگ کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ خواجہ محمد الدین سیالویؒ کے اتالیق رہے تھے۔ دھجی جامع مسجد جھنگ صدر کے خطیب مولانا غلام حسین اُن کے پوتے ہیں۔

مولانا فتح محمد سلیانوی کی علمی یادگاروں میں قرآن مجید کا حاشیہ ہے اور پانچ مطبوعہ رسائل ہیں جن میں سے ایک سماع و وجد کے موضوع پر ہے۔

فضل الٰہی جھنگوی

میاں محمدیؒ کے خانوادے کے ایک فرد تھے۔ اچھے طبیب اور کامیاب شاعر تھے۔ ۱۹۴۳ء/ ۱۳۶۲ھ میں فوت ہوئے۔ انہوں نے گلستانِ سعدی اور کنز الدقائق کے پنجابی زبان میں ترجمے کئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

فقیر اللہ رائے پوری (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا فقیر اللہ رائے پوری نے ابتدائی اور متوسّط کتب درسیہ اپنے وطن رائے پور میں پڑھیں۔ بعد میں مدرسہ نعمانیہ لاہور میں زیرِ تعلیم رہے۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور دار العلوم دیو بند میں تین چار سال زیرِ تعلیم رہے۔ حضرت شیخ الہند محمود حسن سے بیعت تھے اور اُن کے خلفائے مجازین تھے۔

تقریباً پچاس سال دین کی تعلیم اور افتاء کی خدمت انجام دے کر ۲۱ر رمضان ۱۳۸۲ھ/ ۱۱ر فروری ۱۹۶۳ء کو فوت ہوئے۔ قطعۂ تاریخ یہ ہے ؎

فقیہ و عالمِ حق مفتی فقیر اللہ
جو ہر خلافِ شریعت یہ کرتے تھے توبیخ
خدا کے خاص مقرّب تھے حضرتِ والا
کہ خاص خاص سے نکلی وفات کی تاریخ

۱۳۸۲ھ

قطب الدین جھنگوی

مولانا قطب الدین، چک نمبر ۲۳۲ جوتیاں والا ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے۔ بڑے عالم دین، خطیب، مبلّغ اور مناظر تھے۔ سند یافتہ طبیب تھے اور تین سال مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان مرحوم کے ساتھ رہے تھے۔ عمر بھر طبابت اور تبلیغِ دین میں مصروف رہے۔ پیر جماعت علی شاہؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کے ہمراہ چند بار حج کا فریضہ ادا کیا۔

☆☆☆☆☆

قطب الدین غورغشتوی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا قطب الدین بن مولانا شہاب الدین بن بہاء الدین غورغشتی ضلع اٹک کے باشندے تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے۔ کچھ عرصہ ریاست مینڈھو میں مدرّس رہے تھے۔

قاضی قمر الدین چکڑالوی

قاضی قمر الدین، چکڑالہ ضلع میانوالی کے ایک علم دوست خاندان میں پیدا ہوئے۔ مولانا احمد حسن امروہوی کے شاگرد تھے۔ خواجہ محمد عثمان دامانی رح کے مرید تھے۔ حضرت دامانی کی رحلت کے بعد خواجہ سراج الدین کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی تھی۔

کرم الٰہی بھیروی

مولانا کرم الٰہی بھیروی فقہ میں گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک مجموعہ فتاویٰ ترتیب دیا تھا۔ کہا ہے ماہے فارسی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ ۱۹ صفر ۱۳۱۰ھ / ۱۲ ستمبر ۱۸۹۲ء کو فوت ہوئے۔ شیخ محمد حسین احمد آبادی نے حسبِ ذیل قطعہ تاریخِ وفات کہا ع

جناب مولوی کرم الٰہی! | کہ عالم بود حیراں از کمالش
بعلم فقہ او ثانی نمی داشت | بزہد و ورع کم دیدم مثالش
محقق عالم، جیّد زمانہ | مبارک بود دیدار و جمالش
ازیں عالم شدہ بدرود افسوس | دریغا حسرتا از ارتحالش
غریقِ بحرِ لطفِ حق شدہ زاں | غریق آمد بہ سالِ انتقالش

۱۳۱۰ھ

پنجابی شاعر مولوی دلپذیر بھیروی (مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار) مرحوم کے فرزند تھے۔

کریم بخش مظفر گڑھی

مولانا کریم بخش مظفر گڑھ سے تعلق رکھتے تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی زبان وادب کے اُستاد تھے۔ اُن کی کتابوں میں "کتاب الحج والزیارت" اور "ضرورتِ حدیث" ملتی ہیں۔

کریم بخش لاہوری

انجمن حمایت اسلام لاہور کے مدرسہ حمیدیہ میں مدرس تھے۔ ۶ ربیع الاولیٰ ۱۳۲۵ھ/ ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء کو لاہور میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے استاد مولانا فضل میراں اُن کے فرزند تھے۔

شیخ کلیم اللہ بھکری

شیخ کلیم اللہ موضع چونی تحصیل بھکر ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ آبائی مذہب (ہندومت) ترک کر کے خواجہ غلام حسن نقشبندی کے ہاتھ پر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ مختلف علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کر کے سندِ فضیلت حاصل کی۔

اکثر خواجہ غلام حسن نقشبندی کے ساتھ رہتے تھے اور وعظ و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

☆☆☆☆☆

سیّد محمد امین اندرابی

سیّد محمد امین اندرابی لاہور کے قدیمی باشندے تھے۔ اُردو، فارسی اور عربی کے فاضل تھے۔ تصوّف سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ ۱۳۸۱ھ/۶۲-۱۹۶۱ء میں لاہور میں فوت ہوئے۔ اُن کی تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ انیس المشتاقین

۲۔ القول المقبول

۳۔ جذب الاصفیار فی حقوق المصطفٰے

محمد بخش بلبلؔ

مولانا محمد بخش بلبلؔ بن مولانا حسن بخش صدیقی مسجد ملا مجید (لاہور) میں خطیب تھے۔ اُن کے برادر مولانا غلام دستگیر نے علمی دُنیا میں کافی شہرت حاصل کی ہے۔ کنہیالال (م ۱۳۰۶ھ) نے مولانا بلبلؔ کو ابتدائی برطانوی عہد کے مشاہیر علمائے کرام میں شمار کیا ہے۔ مولانا موصوف شعر کہتے تھے اور بلبلؔ تخلص کرتے تھے۔ اُن سے نعتوں کا مجموعہ یادگار ہے۔

قاضی محمد حسن (شیعہ رافضی اهل تشیع)

مولانا قاضی محمد حسن ڈیرہ غازی خان کے شیعہ عالم تھے۔ درس وتدریس سے شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ ستّر سال سے زائد عمر پاکر ۱۳۴۴ھ/۲۶-۱۹۲۵ء میں فوت ہوئے۔ ان کے معروف تلامذہ میں مولانا محمد حسین ڈھکو اور مولانا مزمل حسین شامل ہیں۔

ابو علی محمد حسین

مولانا ابو علی محمد حسین گدائی ضلع ڈیرہ غازی خان سے تعلق رکھتے تھے۔ جیّد عالم تھے۔
انہوں نے شوال ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء میں وفات پائی۔

محمد حسین

مولانا محمد حسین تلہ گنگ ضلع اٹک سے تعلق رکھتے تھے۔ جامع مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ساٹھ سال تک دینی و تبلیغی کام کرتے ہوئے ۸ ر جولائی ۱۹۴۰ء / ۲ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۵۹ھ کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اُن کا وجود علاقہ بھر کے لئے غنیمت تھا۔ آخری زمانۂ حیات میں تلہ گنگ کی عیدگاہ تعمیر کرائی۔ مولانا محمد حسین کے پسماندگان میں مولانا غلام جیلانی تھے۔

محمد صالح کنجاہی

مولانا محمد صالح، کنجاہ ضلع گجرات کے مشہور عالم، عارف باللہ اور خطیب تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا غلام محی الدین قصوری سے بیعت تھے۔ ان کے صاحبزادے مولانا غلام محی الدین کنجاہی "مجمع التواریخ" کے مؤلف ہیں۔ مولانا غلام محی الدین، خواجہ عبدالرسول قصوری سے بیعت تھے۔ وہ ۱۲۸۴ھ / ۶۸-۱۸۶۷ء میں فوت ہوئے۔ شیخ عبداللہ (ساکن چک عمر) نے ان کی تاریخِ وفات کہی ع

آہ جاں غلام محی الدین!

۱۲۸۴ھ

محمد عالم قلعداری

مولانا محمد عالم بن فضل احمد قریشی قلعدار ضلع گجرات کے اہل علم میں سے تھے۔ مولانا عبد الکریم قلعداری اُن کے بھائی تھے۔ مولانا محمد عالم زاہد مرتاض عالم تھے۔ درس و تدریس کا مشغلہ تھا۔ ۱۹۵۵ء/۱۳۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ عربی فارسی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ اُن کی تالیفات میں سے ایک منظوم تفسیر سورۂ اخلاص (پنجابی) ہے۔

محمد عبد اللہ

مولانا مفتی محمد عبد اللہ چک رمانہ تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ کے باشندے تھے۔ بیس سال تک خانقاہ سیال شریف میں بطور مفتی خدمات انجام دیں۔ دو سال جامعہ رضویہ فیصل آباد میں شیخ الحدیث رہے۔ ۱۹۷۳ء/۱۳۹۳ھ میں فوت ہوئے۔

محمد گل شیر (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا محمد گل شیر موضع جنڈ ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ ضلع اٹک اور ضلع میانوالی میں اُن کا وعظ بہت مقبول تھا۔ آغاز میں مجلس احرار اسلام کے شدید ناقدین میں سے تھے۔ جب اُن کے علاقے میں کوئی احراری مقرر تقریر کر جاتا تو دوسرے روز اُس کا اثر زائل کرنے کے لئے پہنچ جاتے اور خود تقریر کرتے ۱۹۳۸ء/۱۳۵۷ھ میں فریضۂ حج ادا کر کے واپس وطن آئے تو مجلس احرار اسلام میں شامل ہو گئے۔ ایک سال بعد مجلس نے فوجی بھرتی کی مخالفت میں تحریک

جولائی تو وہ دو سال کے لئے قید ہو گئے۔ انہوں نے قید کا زمانہ جوان مردی سے گزارا۔

انہوں نے اپنے علاقے میں مجلس احرار اسلام کی شاخیں قائم کیں اور مجلس کو علاقے کی مقبول جماعت بنا دیا۔ جولائی ۱۹۴۴ء/ ۱۳۶۳ھ میں قتل کر دیئے گئے۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ ملک خضر حیات نے قاتلوں کی گرفتاری کا وعدہ کیا۔ بعض افراد پکڑے بھی گئے مگر اُن کے اصل قاتلوں کا سراغ نہ مل سکا۔

محمد گوہر علی صوفی

ابو عبید اللہ محمد گوہر علی صوفی اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ موضع لودی نزد گوجر خان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد قاضی فضل الدین علوم دینی میں مہارتِ کاملہ رکھتے تھے۔ قاضی فضل الدین سے پنجابی زبان میں "سی حرفیاں المسمّیٰ بہ سلک الجواہر" (تالیف: ۱۲۹۴ھ) یادگار ہیں۔

محمد گوہر علی منشی فاضل تھے اور بابا فقیر محمد چوری کے خلیفہ مجاز تھے۔ مدرسہ اسلامیہ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں تدریسی فرائض انجام دیتے تھے۔ اُن سے حسبِ ذیل تحریریں یادگار ہیں۔

۱۔ الجوہر المعلی فی القصائد والفتاوٰی فی اللسان العربی الجلی (عربی)

۲۔ البراہین العشرۃ فی اثبات النص علی حقیقت الخلافۃ الراشدہ المبشرہ

محمد گوہر علی صوفی شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ خود بھی شعر کہتے تھے اور صوفی تخلص کرتے تھے۔

محمد وارث کامل

محمد وارث کامل نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ سہ روزہ "مدینہ" بجنور کے مدیر رہے قیام پاکستان کے بعد لاہور آ گئے۔ روزنامہ "زمیندار" اور ہفت روزہ "چٹان" سے وابستہ رہے۔ ایک رسالہ "فروغ اسلام" بھی جاری کیا تھا جو تھوڑا عرصہ چل کر بند ہو گیا۔

مولانا تاجور نجیب آبادی سے شاعری میں اصلاح لیتے تھے اور کامل تخلص کرتے تھے۔ عربی سے اُردو میں کامیاب مترجم تھے۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۰ء/۸۷ ۱۳ھ کو لاہور میں فوت ہوئے۔ اُن کی چند تالیفات و تراجم یہ ہیں:

۱۔ خدیجہؓ (تالیف: عبدالحمید زہراوی کا ترجمہ)

۲۔ حیاتِ محمد (تالیف: محمد حسین ہیکل کا ترجمہ)

۳۔ داتا گنج بخش

۴۔ تذکرہ اولیائے لاہور

نظام الدین چشتی

مولانا نظام الدین چشتی جھنگ کے باشندے تھے اور سومرہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ خواجہ محمد خدا یار خانپوری کے مرید اور مولانا خدا بخش خیرپوری کے شاگرد تھے۔ مولانا چشتی واعظ و مبلّغ تھے اور گاؤں گاؤں جا کر وعظ کہتے تھے ۲۸ شعبان ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۲ء کو فوت ہوئے اور بستی چمرنگ ملتان میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

محمد نظام بخش ملتانی

مولانا محمد نظام بخش ملتانی بن خدا بخش بن محمد موسیٰ فقر و ولایت میں یکتائے روزگار تھے۔ قرآن وسنت اور فقہ کا درس دیتے تھے۔ ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء کو اُن کا انتقال ہوا۔ مصرعہ تاریخ یہ ہے ع

زترحیلش شدہ ملتان بے نور
بسال وصلش ہاتف گفت مغفور
۱۳۲۶ھ

نور احمد کھائی والا

مولانا نور احمد کھائی والا (ضلع جہلم) فاضلِ اجل تھے۔ ایک سو سال سے زائد عمر پاکر ۱۹ اپریل ۱۸۹۵ء / ۲۳ شوال ۱۳۱۲ھ کو فوت ہوئے[1]

نور الدین چکوڑوی

مولانا نور الدین چکوڑوی ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ اپنے دور کے بلند پایہ عالم اور مدرس تھے۔ ۲۵ جمادی الاول ۱۳۰۲ھ / ۱۱ مارچ ۱۸۸۵ء کو فوت ہوئے۔[2]

نور حسین

مولانا نور حسین موضع ساگری ضلع راولپنڈی کے رہنے والے تھے۔ کافی عرصہ

---

[1] مجلہ تحقیق جلد ۲، عدد ۳ ص ۵۷

[2] ایضاً ص ۵۱

جہلم میں مقیم رہے۔ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں فوت ہوئے۔ مناظرانہ ذوق رکھتے تھے۔ "سراج الاخبار" میں اُن کی وفات کی خبر میں انہیں "سردفترِ مناظرین" کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔[1]

نور عالم چشتی

نور عالم چشتی صوفی منش عالم تھے۔ پیر غلام حیدر علی شاہ جلالپوری کے مرید تھے۔ انہوں نے مفاتیح الاعجاز شرح گلشنِ راز (تالیف: محمد غیاث نور بخش لاہیجی) کا اُردو ترجمہ "بوستانِ اسرار" کے نام سے کیا تھا۔

نور محمد ملتانی

مولانا نور محمد جامع مسجد نواب علی محمد خان خاکوانی (ملتان) کے متولی اور خطیب تھے۔ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم تھے اور درس و تدریس کا شغل رکھتے تھے۔ سینکڑوں طلبہ نے اُن سے استفادہ کیا۔ عہدِ مظفر خانی کے بلند پایہ عالم اور سرائیکی شاعر تھے۔ ایک روایت کے مطابق معروف پنجابی نظم "نور نامہ" اُن کی کاوشِ طبع کا نتیجہ ہے۔

مولانا نور محمد کے دو نمایاں طالب علم سیّد علی حیدر اور مولوی لطف علی تھے۔ سیّد علی حیدر کے "ابیات" (پنجابی) اور مولوی لطف علی کا قصہ سیف الملوک مشہور ہیں۔

نیک عالم گجراتی (وھابی نجدی دیوبندی)

مولانا نیک عالم گجراتی موضع چک جانی ضلع گجرات کے باسی تھے۔ اُن کی اولاد

---

[1] مجلّہ تحقیق جلد ۲، عدد ۳ ص ۵۵

میں عبدالرشید (فاضل دیوبند) اور حافظ عبدالعزیز (فاضل دیوبند) تھے۔ حافظ عبدالعزیز مولوی فاضل بھی تھے۔ دیو سماج کالج لاہور کے اُستاد تھے۔ اُن کی ایک تالیف "التسہیل فی حل انوارِ التنزیل" (سورۂ آلِ عمران) ہے جو طلبہ کی نصابی ضرورت کے لئے لکھی گئی ہے۔

ولی احمد برہانی (وہابی نجدی دیوبندی)

مولانا ولی احمد برہانی موضع برہان ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ اُنہوں نے شیخ الہند مولانا محمود حسن سے علمی و روحانی استفادہ کیا تھا۔ حضرت شیخ الہند کی رحلت کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی سے تجدید بیعت کی۔ مولانا تھانوی نے انہیں اپنا خلیفہ مجاز نامزد کیا۔ مولانا برہانی کچھ عرصہ حسن پور میں مدرس رہے تھے۔

تقسیمِ ہند کے بعد زیادہ تر اپنے مولد و مسکن برہان میں مقیم رہے۔ وہیں وفات پائی۔

کتابیات

ابوالحسن علی ندوی۔ سید	سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری۔	مکتبہ رشیدیہ لاہور (۱۹۷۷ء)
ابوالمحمود سوہدروی	تاریخ ککے زئی	فینسی سٹیم پریس وزیرآباد
ابوبکر غزنوی	سید داؤد غزنوی (سیدی کوابی)	مکتبہ غزنویہ لاہور (۱۹۷۴ء)
احمد الدین بگوی	دلیل المشرکین	ادارہ نشر و اشاعت نصرت العلوم گوجرانوالہ (۱۹۷۱ء)
احمد حسین احمد قریشی	یادِ سلف	
	تذکرہ اولیائے گجرات	(مسودہ)
احمد سعید	بزمِ اشرف کے چراغ	مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ لاہور (۱۹۷۵ء)
احمد شاہ بخاری۔ سید	تحقیقِ فدک	دارالعلوم فاروقی اعظم سرگودھا (۱۹۷۲ء)
احمد علی	قصرِ عارفاں	اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور (س۔ن)
اختر حسین، سید	سیرت امیر ملت	دربار شریف علی پور سیداں (۱۳۹۴ھ)
اسد الرحمان قدسی	رباعیاتِ قدسی	مکتبہ ناصریہ بھوپال (س۔ن)
	شرعتہ المتین	آئینہ ادب لاہور (۱۹۵۷ء)
	نغمات	مطبع مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ (۱۹۳۰ء)
اشرف عطا	ظفر علی خان	مکتبہ کاروان لاہور (س۔ن)
	کچھ شکستہ داستانیں، کچھ پریشاں تذکرے۔	سندھ ساگر اکیڈمی لاہور

اقبال احمد فاروقی	تذکرہ علماء اہلسنت وجماعت لاہور۔	مکتبہ نبویہ لاہور (۱۹۷۵ء)
اکبر علی	فوائدِ عثمانی	مطبع صدیقیہ ملتان (۱۳۸۲ھ)
امام بخش شیروی	باغ وبہار (پنجابی) مرتبہ اقبال صلاح الدین۔	سنگِ میل پبلی کیشنز۔ لاہور (۱۹۷۳ء)
	حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار	
انوار الحسن شیر کوٹی	حیاتِ امداد	مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی (۱۹۶۵ء)
انور بیگ اعوان	دھنی ثقافت وادب	بزم ثقافت چکوال (س۔ن)
انیس شاہ جیلانی، سید	قاضی صاحب	حیرت شملوی اکادمی محمد آباد (۱۹۷۰ء)
بشیر احمد ڈار	انوارِ اقبال	اقبال اکادمی کراچی (۱۹۶۷ء)
بشیر حسین۔ ڈاکٹر	فہرست مخطوطاتِ شیرانی (تین جلدیں)	ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان۔ لاہور (۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۳ء)
	فہرست مخطوطاتِ شفیع	پنجاب یونیورسٹی لاہور (۱۹۷۲ء)
بلال زبیری	تذکرہ اولیائے جھنگ	جھنگ ادبی اکاڈمی۔ جھنگ (۱۹۶۸ء)
بہار الحق قاسمی	تذکرہ اسلاف	مؤلف، لاہور (۱۹۶۲ء)
جماعت علی شاہ، پیر سید	خطبۂ صدارت لائل پور خلافت کانفرنس۔	کریمی پریس لاہور (۱۹۲۱ء)
حاکم علی، پروفیسر	قوانینِ قدرت	فیض عام پریس لاہور (۱۳۳۵ھ)
حامی جلیدی	یدِ بیضا	انجمن خدام الدین لاہور (س۔ن)
حبیب اللہ کشمیری	فیضانِ قدسی	گوشہ ادب لاہور (۱۹۵۴ء)
حسین احمد مدنی، سید	نقشِ حیات جلد دوم	نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند (۱۹۵۴ء)

حشمت علی خان لکھنوی	الصوارمِ الہندیہ	مکتبہ فریدیہ ساہیوال (س۔ن)
خالد گرجاکھی	فضل الٰہی وزیر آبادی	سکول بک ڈپو۔ گوجرانوالہ (س۔ن)
خلیق احمد نظامی	تاریخ مشائخ چشت	دارالمؤلفین۔ اسلام آباد (س۔ن)
خورشید حسین بخاری	الکمال	مکتبہ میری لائبریری۔ لاہور (۱۹۶۷ء)
	تذکرہ شاہ سکندر کیتھلی	مکتبہ میری لائبریری۔ لاہور (۱۹۷۶ء)
دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند	رودادِ عمل دارالعلوم دیوبند (۱۳۹۰ھ)	دارالعلوم دیوبند (۱۳۹۱ھ)
دلپذیر بھیروی	انشائے دلپذیر	
	مکتوباتِ دلپذیر	شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین۔ لاہور (س۔ن)
رحمان علی	تذکرہ علماء ہند (ترجمہ: محمد ایوب قادری)	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی (۱۹۶۱ء)
زوار حسین زیدی	بیاض مبارک	مکتبہ میری لائبریری۔ لاہور (۱۹۷۵ء)
ساغر نظامی	روح مکاتیب حصہ اوّل	ادبی مرکز میرٹھ (۱۹۴۱ء)
سبطِ حسن رضوی، ڈاکٹر	فارسی گویان پاکستان (حصہ اوّل)	مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان راولپنڈی (۱۹۷۴ء)
سرمد مظاہری	وارداتِ سرمد	ادارہ فروغِ اردو لاہور (۱۹۷۳ء)
سعید الرحمان۔ قاری	تجلیاتِ رحمانی	جامعہ اسلامیہ راولپنڈی (۱۹۶۹ء)
سلطان محمود	ساردا بل اور اسلام	جیّد برقی پریس۔ دہلی (س۔ن)
سلیمان ندوی، سیّد	یادِ رفتگاں	مکتبۃ الشرق۔ کراچی (۱۹۵۵ء)
ستار اللہ خراباتی	خلاصۃ الاسرار / تحفۃ القادری	مکتبہ نبویہ لاہور (۱۳۹۲ھ)

شبیر احمد شاہ، سید	انوارِ محی الدین	مکتبہ حضوریہ، بنگلہ شریف نو (۱۹۶۶ء)
شرافت نوشاہی، سید	اذکارِ نوشاہیہ	انجمن سادات نوشاہیہ ساہن پال (۱۹۶۴ء)
	تذکرہ نوشہ گنج بخش	الکتاب۔ لاہور (۱۹۷۸ء)
	منتخب اعجاز التواریخ	مکتبہ نوشاہیہ۔ ساہن پال (۱۹۷۶ء)
	شریف التواریخ	(مسودہ)
شورش کاشمیری	سید عطاء اللہ شاہ بخاری	مکتبہ چٹان۔ لاہور (س-ن)
شیر محمد نادر	زبدۃ الاخبار	ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان لاہور (۱۹۷۷ء)
صہبا لکھنوی	اقبال اور بھوپال	اقبال اکادمی پاکستان کراچی (۱۹۷۳ء)
ظہور احمد بگوی	تذکرہ مشائخ بگویہ	ماہنامہ "شمس الاسلام" بھیرہ (۱۹۳۴ء)
عارف اللہ شاہ قادری	اذکارِ حبیبِ رضا	مجلسِ رضا لاہور (۱۹۷۶ء)
عاشق الٰہی میرٹھی	تذکرۃ الخلیل	القادر، ناشران کتب لاہور (۱۳۹۰ھ)
عبدالحکیم شرف قادری	تذکرہ اکابر اہلسنت	مکتبہ قادریہ لاہور (۱۹۷۶ء)
عبدالحلیم شرر	مقالاتِ شرر حصہ سوم	گیلانی الیکٹرک پریس بک ڈپو لاہور (س-ن)
عبدالحمید خان	مردِ مومن	فیروز سنز لاہور (س-ن)
عبدالحی	سوانح حضرت خواجہ و ملفوظات حضرت بہلوی۔	ادارہ نشر المعارف شجاع آباد (س-ن)
عبدالحی فاروقی، خواجہ	بصائر	قومی کتب خانہ لاہور (۱۹۵۲ء)
عبدالحی رائے بریلوی، سید	نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر جلد ہفتم	حیدر آباد (۱۹۶۲ء)
	جلد ہشتم	نور محمد اصح المطابع کراچی (۱۹۷۶ء)

عبدالرحمٰن ہمدانی، سید	ہم اور ہمارے اسلاف	کلاسیک۔ لاہور (۱۹۶۹ء)
عبدالرحیم	لباب المعارف العلمیہ جلد اوّل	آگرہ (۱۹۱۸ء)
عبدالرشید، خواجہ	تذکرہ شعرائے پنجاب	اقبال اکادمی پاکستان کراچی (۱۹۶۸ء)
عبدالسلام خورشید	صحافت، پاکستان و ہند میں	مجلس ترقی ادب۔ لاہور (۱۹۶۳ء)
عبدالعزیز پرہاروی	(خطی)	مملوکہ کتب خانہ گنج بخش۔ مرکز تحقیقات، فارسی، ایران و پاکستان۔ اسلام آباد
	گلزارِ جمالیہ	مکتبہ جمال۔ ملتان (س۔ن)
	نعم الوجیز	مکتبہ سلفیہ قدیرآباد ملتان (س۔ن)
عبدالغنی۔ ڈاکٹر	امیر حزب اللہ	ادارہ حزب اللہ جلالپور شریف (۱۹۶۵ء)
عبدالقادر	سوانح مولانا غلام رسول	لاہور
عبدالقدوس ہاشمی	تقویم تاریخی	ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد (۱۹۶۵ء)
عبدالمالک کھوڑوی	حسن المجدہ فی شرح قصیدہ البردہ۔	شیخ الاسلام اکیڈمی قصور (۱۳۹۶ھ)
	شرح قصیدہ غوثیہ	نوری بک ڈپو۔ لاہور (۱۹۷۵ء)
عبدالمجید سالک	ذکرِ اقبال	بزمِ اقبال۔ لاہور (س۔ن)
عبدالنبی کوکب	حیاتِ سالک	رضا اکیڈمی۔ لاہور (۱۹۷۱ء)
	فہرست مفصل مخطوطات عربیہ جلد اوّل۔	پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور (۱۹۷۵ء)
عبیداللہ خویشگی	بوستانِ قلم حصہ اوّل	عباسی پریس کراچی (۱۹۶۲ء)

عبیداللہ ملتانی	فاروق العزیز	مکتبۃ الشرق کراچی (س۔ن)
عزیز ملک	راول دیس	بک سینٹر، راولپنڈی (۱۹۷۰ء)
عطا اللہ۔ شیخ	اقبال نامہ حصہ اوّل	شیخ محمد اشرف لاہور (س۔ن)
عمر کمال خان	نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد۔	فاروقی کتب خانہ ملتان (۱۹۷۹ء)
غلام احمد قادیانی	حقیقۃ الوحی	انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور
غلام حسن سیالکوٹی	کتاب الصلوٰۃ	سیالکوٹ (۱۹۵۴ء)
غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر	تاریخ اورینٹل کالج لاہور	اورینٹل کالج لاہور (۱۹۶۲ء)
غلام دستگیر بیخود	برکاتِ سیال	
غلام دستگیر نامی	تاریخِ جلیلہ	مؤلف، لاہور (۱۹۶۰ء)
	نسب نامہ	عزیز الدین نجم الدین تاجران کتب لاہور (۱۹۳۸ء)
غلام رسول سعیدی	حیات استاذ العلماء	مکتبہ امدادیہ مظہریہ بندیال (۱۳۸۹ھ)
غلام سرور لاہوری۔ مفتی	حدیقۃ الاولیاء	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور (۱۹۷۶ء)
	خزینۃ الاصفیاء	مطبع ثمر ہند لکھنؤ (۱۸۷۳ء)
غلام فرید	احوال العارفین	نذیر سنز پبلشرز لاہور (۱۹۷۹ء)
غلام قادر گرامی	دیوانِ گرامی	شیخ مبارک علی لاہور (س۔ن)
غلام محی الدین قصوری	ملفوظاتِ شریفہ (مع اردو ترجمہ)	مکتبہ نبویہ لاہور (۱۹۷۸ء)
غلام مصطفیٰ خالد گیلانی	افکار راولپنڈی ڈائریکٹری	ادارہ افکار ڈائریکٹری راولپنڈی (۱۹۶۲ء)

غلام مصطفےٰ امرجانی	اصلاح الاخوان	نامی پریس لاہور (۱۹۵۰ء)
غلام نظام الدین مرولوی	ہوالمعظم	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور (۱۳۹۹ھ)
غلام مہر علی	الیواقیت المہریہ	مکتبہ مہریہ۔ چشتیاں (۱۹۶۴ء)
فقیر محمد جہلمی	حدائق الحنفیہ	مطبع منشی نولکشور لکھنؤ (۱۸۸۶ء)
فیروز الدین۔ مولوی	جہادِ زندگی	فیروز سنز لاہور (۱۹۵۹ء)
فیروز سنز (ادارہ)	اُردو انسائیکلوپیڈیا	" " (۱۹۶۲ء)
فیض احمد فیضؔ، مولانا	مقالات مرضیہ	آستانہ عالیہ گولڑہ شریف (۱۹۶۵ء)
	مہر منیر	" " (۱۳۷۶ھ)
فیوض الرحمٰن۔ قاری	شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی اور اُن کے خلفاء	پاکستان بک سنٹر لاہور (س۔ن)
کنہیا لال۔ رائے بہادر	تاریخ لاہور	مجلس ترقی ادب لاہور (۱۹۷۶ء)
لال حسین اخترؔ	ترکِ مرزائیت	ردِ مرزائیت بک ایجنسی لاہور (۱۹۳۲ء)
محمد الدین	تذکرۃ الصدیقین	مطبع شمس ملتان (س۔ن)
	تذکرۃ الولی	مطبع فیروز سنز لاہور (س۔ن)
محمد الدین۔ صوفی	ذکر حبیب	منڈی بہاؤالدین (۱۳۴۲ھ)
محمد اولاد علی گیلانی	اولیائے ملتان	سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور (۱۹۶۳ء)
محمد حامد فقیہ	مناظرہ بریلی کی مفصل روداد	نوری کتب خانہ لاہور (س۔ن)
محمد حسین تسبیحیؔ	دیدار کتاب خانہ ہائی پاکستان	مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد
	فہرست نسخہ ہای خطی کتب خانہ گنج بخش حصہ اوّل	مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان راولپنڈی (۱۹۷۲ء)

	فہرست نسخہ ہای خطی سنا اللہ خراباتی۔	مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۷۲ء)
محمد حفیظ الرحمن حفیظ	ذکرِ کرام	محبوب المطابع دہلی (۱۳۵۷ھ)
محمد حنیف شاہد	اقبال اور انجمن حمایت اسلام	انجمن حمایت اسلام لاہور (۱۹۷۶ء)
محمد حیات	فیوضاتِ حسنیہ	خانقاہ سراجیہ حسنیہ تھل (س ن)
محمد دین فوق	اخبار نویسوں کے حالات	رفاہ عام پریس لاہور (۱۹۱۲ء)
	تذکرۃ العلماء والمشائخ	لاہور (۱۹۲۰ء)
	مشاہیر کشمیر	ظفر برادرز لاہور (۱۹۳۰ء)
محمد رفافت حسین فاروقی	فتح بریلی کا دلکش نظارہ	ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ لائل پور (۱۹۵۸ء)
محمد رفیق دلاوری	سیرتِ کبریٰ جلد دوم	مکتبہ صدیقیہ ملتان (س۔ن)
محمد ظفیر الدین۔مفتی	تعارف مخطوطات دار العلوم دیوبند جلد ۲۔	دار العلوم دیوبند (۱۹۷۳ء)
محمد عادل شاہ	انوارِ تیراہی معروف بہ گلزارِ نوری۔	آرمی پریس کراچی (۱۹۱۰ء)
محمد عالم مختارِ حق	نقوشِ جمیل	اردو پریس لاہور (س۔ن)
محمد عبد المالک صدیقی	تجلیات	احمد پور شرقیہ (س۔ن)
محمد عبد اللہ چغتائی۔ڈاکٹر	بادشاہی مسجد لاہور	کتب خانہ نورس لاہور (۱۹۷۲ء)
محمد عثمان الوری	فیضانِ خورشید	مدرسہ تعلیم الدین کراچی (س۔ن)
محمد عزیز الرحمان عزیز	دیوانِ فرید (مترجم، مشرح)	مکتبہ عزیزیہ بہاولپور (س ن)
محمد عمران خان	مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں	معارف پریس اعظم گڑھ (س۔ن)

محمد گوہر علی صوفی	الجواہر العلی	مطبع خادم التعلیم۔ لاہور (۱۹۱۲ء)
محمد موسیٰ امرتسری	ذکرِ مغفور	مکتبہ مہر و ماہ لاہور (۱۳۹۲ھ)
	غلام محمد ترنم	انجمن تبلیغ الاحناف لاہور (۱۹۷۱ء)
محمد میاں	تحریکِ شیخ الہند	مکتبہ رشیدیہ لاہور (۱۹۷۵ء)
محمد میاں صدیقی	تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی	مکتبہ عثمانیہ لاہور (۱۹۷۷ء)
محمد نصر اللہ خان خازن	مولانا رحمت علی خان ساقی	پنجاب الیکٹرک پریس۔ گجرات (س۔ن)
محمد یعقوب مرزا	سوانح حضرت مولانا حسین علی	مکتبہ اشاعتِ توحید لائل پور (س۔ن)
محمد یوسف بنوری	نفحۃ العنبر فی حیات الانور	مجلس علمی کراچی (۱۹۶۹ء)
محمود شیرانی	پنجاب میں اُردو	کتاب نما لاہور (۱۹۷۲ء)
محمود عالم ہاشمی	ذکرِ جمیل	لاہور (۱۹۶۸ء)
مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی	مطلع انوار (مسوّدہ)	
مراد شاہ لاہوری	نامۂ مراد	تعلیم ایجنسی لاہور (۱۹۵۱ء)
مسعود حسن شہاب	اولیائے بہاولپور	اُردو اکیڈمی بہاولپور (۱۹۷۶ء)
	خواجہ غلام فرید	″ (۱۹۶۳ء)
منشاد علی	خزینہ فیضِ قصوری	قصور (س۔ن)
منظور احسن عباسی	تفصیلی فہرست مخطوطات فارسی	پنجاب پبلک لائبریری لاہور
	پنجاب پبلک لائبریری لاہور	
منور الدین	صرف بھترال	مکتبہ قادریہ لاہور (۱۹۷۶ء)
منظور احمد خان رانا	حضرت شیخ القرآن	سٹار پریس وزیر آباد (۱۹۷۱ء)
مولا بخش کشتہ	پنجابی شاعراں دا تذکرہ	لاہور (۱۹۶۰ء)
مہدی لکھنوی۔ آغا	تاریخ سلطان العلماء	جمعیت خدام عزا۔ کراچی (۱۹۶۷ء)

نذیر عرشی	تحفہ سعدیہ	ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور (۱۹۷۳ء)
نور احمد خان فریدی	تاریخ ملتان جلد دوم	قصر الادب ملتان (۱۹۷۳ء)
نور بخش توکلی	تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ	نوری بک ڈپو لاہور (۱۹۷۶ء)
نور محمد قاضی	اقامۃ البرہان	تسلیم کمپنی گوجرانوالہ (۱۹۵۸ء)
یوسف قمر	تاریخ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ	انجمن اسلامیہ سیالکوٹ (۱۹۶۶ء)

رسائل و جرائد

آئین (ہفت روزہ ۔ لاہور)	یکم، نومبر ۱۹۷۹ء
الاسلام (ہفت روزہ ۔ لاہور)	۸ر اکتوبر ۱۹۷۶ء
الاعتصام (ہفت روزہ ۔ لاہور)	۵ر فروری ۱۹۶۵ء، ۱۲ر ذی قعدہ و ۱۹ر ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ
انوار الصوفیہ (ماہنامہ ۔ قصور)	مئی ۔ جون ۱۹۵۹ء
انوارِ مدینہ (ماہنامہ ۔ لاہور)	جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ
اورینٹل کالج میگزین (سہ ماہی ۔ لاہور)	ستمبر تا دسمبر ۱۹۷۱ء
اہل حدیث (ہفت روزہ ۔ امرتسر)	۱۱ر اپریل ۱۹۱۹ء، ۹ر اپریل ۱۹۲۰ء
البلاغ (ماہنامہ ۔ کراچی)	اکتوبر ۱۹۷۴ء
البلاغ (ماہنامہ ۔ بمبئی)	تعلیمی نمبر
بیّنات (ماہنامہ ۔ کراچی)	اکتوبر ۱۹۶۳ء
تاریخ و تحقیق (ماہنامہ ۔ لاہور)	اکتوبر ۱۹۵۸ء
جنگ (روزنامہ ۔ راولپنڈی)	۱۶ر جولائی ۱۹۷۶ء
خدام الدین (ہفت روزہ ۔ لاہور)	۲۵ر ستمبر ۱۹۷۰ء، ۲۱ر جولائی ۱۹۷۲ء
دعوت (ہفت روزہ ۔ لاہور)	۱۹ر نومبر ۱۹۵۶ء
الرحیم (ماہنامہ ۔ حیدر آباد)	اگست ۱۹۶۷ء
الرشید (ماہنامہ ۔ ساہیوال)	دار العلوم دیوبند نمبر
الزبیر (سہ ماہی ۔ بہاولپور)	اگست ۱۹۶۱ء
سلسبیل (ماہنامہ ۔ لاہور)	تذکرۃ الاولیاء (جدید) نمبر

سیارہ ڈائجسٹ (ماہنامہ۔ لاہور)	قرآن نمبر
شمس الاسلام (پندرہ روزہ لاہور)	یکم، فروری ۱۹۴۰ء، ۱۶ اگست ۱۹۴۰ء
صحیفہ (سہ ماہی۔ لاہور)	اکتوبر ۱۹۷۱ء
الفرقان (ماہنامہ۔ بریلی)	شاہ ولی اللہ نمبر
فکر و نظر (ماہنامہ اسلام آباد)	اکتوبر ۱۹۷۷ء
فنون (ماہنامہ۔ لاہور)	ستمبر تا اکتوبر ۱۹۷۳ء
فیض الاسلام (ماہنامہ۔ راولپنڈی)	جنوری ۱۹۶۰ء
کتاب (ماہنامہ۔ لاہور)	اگست ۱۹۶۷ء، اکتوبر ۱۹۷۸ء
کریسنٹ (مجلہ اسلامیہ کالج لاہور)	۱۹۷۳ء
مجلہ تحقیق (سہ ماہی لاہور)	ج ۲، عدد ۳
محدث (ماہنامہ۔ لاہور)	جنوری۔ فروری ۱۹۷۱ء، دسمبر ۱۹۷۶ء
مشیر (ماہنامہ۔ کراچی)	جنوری ۱۹۵۷ء
المعارف (ماہنامہ۔ حیدرآباد)	اکتوبر ۱۹۷۶ء
النجم (ماہنامہ۔ لکھنؤ)	شعبان ۱۳۴۱ھ
نقوش (ماہنامہ۔ لاہور)	جنوری ۱۹۶۶ء، آپ بیتی نمبر، لاہور نمبر
الولی (ماہنامہ۔ حیدرآباد)	اکتوبر ۱۹۷۷ء
وحید (ماہنامہ۔ تہران)	نومبر ۱۹۷۳ء
ہمایوں (ماہنامہ۔ لاہور)	جنوری ۱۹۲۲ء

کیمیائے سعادت

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی وہ لافانی کتاب ہے۔ جو صدیوں سے نہایت دلنشیں اور مؤثر انداز میں دینِ اسلام کا مکمل و بھرپور تعارف کرا رہی ہے ہر وہ خوبی جو انسان کی دنیوی زندگی کو وقار، حُسن اور سلیقہ سکھاتی ہے اور آخرت کی بھلائیاں عطا کرتی ہے —— اور ہر وہ برائی جو انسان کو اشرف المخلوقات کے مقامِ بلند سے گرا کر حیوانات کی سطح پر لے آتی اور عاقبت کو مخدوش بنا دیتی ہے اُس پر اس کتاب میں نہایت تفصیل اور خوبی سے بحث کی گئی ہے۔ دنیا و آخرت کی فلاح کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔

معروف عالم اور ادیب جناب سعید الرحمٰن علوی نے اسے براہِ راست فارسی سے ترجمہ کیا ہے۔

آج کا کیا ہوا یہ ترجمہ پرانے تراجم کے مقابلے میں بہت سلیس اور عام فہم ہے۔ اور یہی ترجمے کی جدّت اس کتاب کی بڑی خوبی ہے۔ "کیمیائے سعادت" کی اشاعت کو دنیوی اور اخروی سعادت تصور کرتے ہوئے ہم نے اس کی کتابت اور طباعت نہایت روشن اور واضح کروائی ہے۔ اور کاغذ سفید استعمال کیا ہے۔ جس کی بدولت کتاب سے استفادہ کرنا بہت آسان ہو گیا ہے ——

مشکوٰۃ المصابیح

حدیث شریف کی گیارہ کتابوں سے ایک جامع انتخاب جو اپنے مضامین کے اعتبار سے اسلامی زندگی گزارنے کے لیے ہر پہلو سے رہنمائی کرتا ہے۔ اور اپنی اسی جامعیت کی بنا پر اپنی تدوین کے روزِ اوّل سے ہی ہر حلقہ فکر اور معاشرے کے ہر طبقہ میں یکساں طور پر مقبول رہا ہے۔ پاکستانی معاشرے کی ضرورت کے پیشِ نظر ہم نے اس متاع بے بہا کو سلیس اور رواں اردو میں پیش کیا ہے۔ عمدہ کتابت و طباعت سے مزین ریگزین کی مضبوط اور دیدہ زیب تین جلدوں میں محفوظ ہے۔

غنیۃ الطالبین

اللہ علیم و خبیر نے اپنے مقبول بندے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی ذات کی طرح ان کی کتاب "غنیۃ الطالبین" کو بھی بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے حضرت شیخ کے بقول یہ کتاب ہر اس شخص کے لیے ہے۔ جو شرعی آداب کی پہچان کا خواہشمند ہو۔ جو خالق عزوجل کی شناخت دلائل و علامات سے چاہتا ہو۔ جو قرآن و حدیث کی مجالس میں شریک ہو کر فائدہ حاصل کرے جو نیک بندوں کے اخلاق کی طرف راغب ہو۔ اور جو اللہ تعالےٰ کے احکام کی اطاعت کرنے اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے ہٹنے کی کوشش کرے۔